واذ قالت الملٰئکۃ یٰمریم ان اللہ اصطفٰک وطہرک واصطفٰک علیٰ نساء العٰلمین

الزہراء

یعنی

احوالِ جنابِ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

مولفہ و مرتبہ
خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق
بلگرامی رئیس کواتھ ضلع شاہ آباد (آرہ)
مؤلف اُسوۃ الرسول - الزہرا - سراج المبین - سرو چمن - ذبح عظیم - صحیفۃ العابدین
مآثر الباقریہ - آثار جعفریہ - علوم کاظمیہ - تحفۂ رضویہ
تحفۃ المتقین - سیرۃ النقی - العسکری - دُرِ مقصود
وغیرہ وغیرہ

باہتمام جناب مولوی السید امین اللہ صاحب در مطبع مقبول پریس طبع

۱۴

چودہ معصوم

اِن ہادیانِ برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصّل حالات وسوانح ہمارے قول وعمل بلکہ زندگانی کیلیئے بہتر نمونہ ہیں، اُن کی مقدس سیرت کے مفصل حالات سے اسلامی دُنیا آج تک خالی پڑی تھی، الحمدللہ کہ یہ شرف سعادت سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا جس نے چودہ کے چودہ معصوموں کی سوانح کا مقدس سلسلہ شائع کردیا۔ وہ متبرک سلسلہ جسے خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس کواتھ ضلع آرہ نے سالہا سال عمر عزیز صرف کر کے بڑی جانکاہی اور عرقریزی سے ایسے عنوان شائستہ سے ترتیب دیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان اقوام غیر کے صاحبانِ علم وبصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ یہاں تک کہ ملک کے بعض سربرآوردہ اور لائق زباندانوں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں :-

ترجمہ کرنے کی خواہش

ظاہر کی اور مصنّف موصوف سے اجازت چاہی، زبان وطرزِ بیان اتنا سلیس کہ بلا پس وپیش اور بے کھٹکے ہر مذہب و ملت والے کے سامنے ان سوانحعمریوں کو پیش کر دیکھیئے، سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی پس کوئی اسلامی گھر تو کم از کم اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ ساتھ ہی حامیانِ ملت اور باہمت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر ہر مذہب وملت کے علمدوست افراد تک پہنچانے میں سعیٔ بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک ومقدس مذہب کی حقانیت ہر مذہب پرست پر واضح اور آشکار ہو جائے اور اس طرح تبلیغ واشاعتِ دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہوتا رہے۔

اِس متبرکُ سلسلہ کا مہیّا کرنا

ہمارا فرض تھا، اب توسیعِ اشاعت آپ کا فرض ہے جسے پورا کر کے داخلِ حسنات ہونا چاہیئے، کیونکہ اس فرض کو ادا کرنے سے نہ صرف یہی فائدہ ہوگا کہ یہ مقدس کتب گھر گھر پہنچ جائیں گی بلکہ یہ تبلیغ دین ومذہب کا بھی ایک ایسا اچھا ذریعہ ہے جس سے بہتر اور مستحسن کوئی دوسری صورت (خصوصاً اس زمانہ میں ممکن نہیں +

نیازمند
سید امین الدولہ خلف حاجی مولوی السید مقبول احمد صاحب مرحوم مغفور (کربلائے)

دہلی۔ گنندہ نالہ
مقبول پریس
رجب ۱۳۴۸ھ

فہرست مضامین کتاب الزہرا یعنی احوال جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا

تمام شد

فہرست مضامین
(کتاب الزہرائ)

مطبوعہ
مقبول پریس گندہ نالہ دہلی
مارچ سنہ ۱۹۲۲ء

کافی ہے ہماری پردہ پوشی کے لیے
دامانِ علیؑ اور ردائے زہراؑ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اسم مطہر آپ کا **فاطمہ** سلام اللہ علیہا۔ کنیت **اُمّ الحسنین۔ اُمّ السبطین** بمشہور ترین **اُمّ الائمہ**۔ القاب مبارک **البتول۔ العذراء۔ الزہراء۔ سیّدۃ النساء۔ افضل النساء۔ خیر النساء۔ حریم الکبریٰ۔ الحوراء الانسیہ۔ المبارکہ۔ الطاہرہ۔ المرضیہ** اور **المحدثہ** اور **الصدیقہ**۔

فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کی وجہ تسمیہ کے متعلق سیّد علی ہمدانی مودّۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم انّما سمّیت ابنتی فاطمۃ لانّ اللّٰہ فطمہا وفطم محبّیہا من النّار۔

فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ میں نے اپنی بیٹی (فاطمہؑ) کا نام فاطمہؑ اس لیے رکھا ہے کہ خداوندِ عالم نے اُسکو اور اُسکے دوستوں کو آتشِ دوزخ سے جدا فرمایا ہے۔

اسی روایت کو صواعق محرقہ میں ابن حجر نے حافظ ابو نعیم اور علامہ ابو القاسم دمشقی کی اسناد سے۔ اور ینابیع المودہ میں امام قندوزی نے امام دیلمی اور امام طبری کی اسناد سے تحریر کیا ہے۔ نیز ملائے مجلسی نوراللہ مرقدہ نے جلاء العیون جلد اول میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اسناد سے قلمبند فرمایا ہے۔

البتول۔ سید علی ہمدانی مودّۃ القربیٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم انّما سمّیت الفاطمۃ البتول لانّہا تبلیت من الحیض والنّفاس لانّ ذٰلک عیب فی بنات الانبیاء او قال نقصان۔

جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام بتول اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ حیض و نفاس سے پاک و صاف تھیں کیونکہ دختران انبیاء علے نبیّنا و علیہم السّلام کے لیے یہ عیب ہے۔ اور بعض متون احادیث میں عیب کی جگہ نقصان کا لفظ آیا ہے۔

علامہ قندوزی۔ ابن حجر۔ طبری۔ دیلمی اور ملائے مجلسیؒ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

العذراء۔ تابندہ اور روشن کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ تفصیل اسکی الزہراء میں بیان کی گئی ہے۔

الزہراء۔ ملائے مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا نام زہرا اس لیے رکھا گیا ہے کہ آپ جب محرابِ عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور

اہل آسمان کو روشنی بخشتا تھا جس طرح کہ ستارے اہل زمین کو روشنی بخشتے ہیں۔ رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف لکھتے ہیں کہ کمالِ حُسن کی وجہ سے حضرت سرورِ کائنات آپ کو اکثر زہرا کے نام سے پکارتے تھے زہرا کے لغوی معنی کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

زہرا حضرت زبدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کا لقب ہے جو زُہرہ سے مشتق ہے۔ جسکے معنی سپیدی، حُسن، شگوفہ وغیرہ کے ہیں۔ زُہرہ کا اسم صفت زہرا ہے۔ اسلیے حضرت سیدۃ النساء کا لقب زہرا (فتح زائے معجمہ سے) پڑھنا چاہیے۔

پھر تنبیہ کی سرخی سے لکھتے ہیں۔ غالبًا یہ ظاہر کر دینا ضروری ہوگا کہ آپ کا لقب زہرا کیوں تھا۔ چونکہ عام لوگوں کو اسکی وجہ معلوم نہیں ہے۔ سو واضح ہو کہ حضرت سیّدہ ماہواری ایامِ عُذر سے تمام عمر پاک رہیں اور بچہ جننے کے بعد چالیس دن کے عذر سے بھی اللہ تعالےٰ نے آپکو محفوظ رکھا۔ آپکی کوئی نماز ان ضروری ایام میں بھی کبھی فوت نہیں ہوئی۔ پس زہرا بمعنی طاہرہ ہے۔ جس کے معنی پاک ہیں بدیں وجہ مذکورہ بالا وجہ پر آپ کو اس لقب سے ملقب کیا گیا۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔ توجیہ بالا کسی حدیث میں منقول نہیں ہے۔ نہ خود قابل مؤلف نے زہرا کے لغوی معنوں کی تصریح میں طاہرہ کے معنی لکھے ہیں۔ ممکن ہے کہ لفظ بتول کی تحقیق سے توارد ہو گیا ہو۔

سیّدۃ النساء۔ حافظ دمشقی لکھتے ہیں فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ فاطمہ سلام اللہ علیہا خواتین جنت کی سردار ہیں۔

سیّدۃ نساء العٰلمین۔ عن عمران ابن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاد فاطمۃ وھی مریضۃ فقال کیف حالک یا بنیۃ قالت انی وجعۃ ویزید وجعی جوعی ومالی طعام اٰکلہ فقال یا بنیۃ اما ترضین انک سیدۃ نساء العٰلمین (ذخائر العقبیٰ)

عمران ابن حصین سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ علیہا السلام کی عیادت کو تشریف لیگئے کہ وہ مریض تھیں۔ استفسار فرمایا بیٹی! مزاج کیسا ہے؟ صاحبزادی نے جواب دیا درد کی شدت ہے اور درد کو فاقہ نے اور بڑھا رکھا ہے اور گھر میں دانہ نہیں جو میں کھاؤں۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے میری پیاری بیٹی! کیا تو اس سے خوشنود نہوگی کہ تو تمام خواتینِ عالم کی سردار ہے۔

افضل النساء وخیر النساء۔ یہ دونوں القاب بھی سیدۃ نساء اہل الجنۃ اور سیدۃ نساء العٰلمین کی بشارت پر مشتمل ہیں کما لا یخفی علی اہل البصیرۃ۔

مریم الکبریٰ۔ جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور حضرات ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی والدہ گرامی ہونیکے شرف مخصوصہ کی وجہ سے حضرت مریم پر آپ کو ترجیح فاضل علے المفضول حاصل ہے۔ حقیقت میں حضرت مریمؑ کے باپ نہ حضرت فاطمہؑ کے باپ کے مقابل ثابت اور نہ انکی اولاد انکی اولاد کے مساوی۔

الحوراء الانسیہ۔ امام طبری نے جابر انصاری کی اسناد سے ذخائر العقبیٰ میں لکھا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ ابنتی حوراء الآدمیۃ۔ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میری بیٹی فاطمہؑ ایک حور ہے خلقت بنی آدم میں۔

روض الفائق میں تحریر ہے عن انس ابن مالک قال قال رسول اللہ فاطمۃ بضعۃ منی وفاطمۃ حوراء الانسیۃ۔ انس ابن مالک کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور فاطمہؑ ایک حور ہے خلقت انسانی میں۔

المبارکہ۔ مُلّائے مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا تمام صفات علم وکمال اور اکرام واحترام میں صاحب برکت تھیں اسی وجہ سے آپکو مبارکہ کہا گیا ہے۔

الطاہرہ۔ کسی تصریح کا محتاج نہیں۔ باتفاق فریقین آیۂ تطہیر کی شانِ نزول میں آپ بدرجۂ اولےٰ شریک تھیں اسلیے اس مبارک لقب کیلیے بھی بدرجۂ اولےٰ مستحق ہیں۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اور ملّا مجلسی نے جلاء العیون میں آپکے القاب کی تفصیل میں اس لقب کو بھی داخل کیا ہے۔

الراضیہ۔ نزل الابرار اور جلاء العیون میں یہ لقب بھی مندرج ہے۔ اور رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف نے بھی اسکو نزل الابرار سے نقل کیا ہے (ص ۴۴)

المرضیہ۔ نزل الابرار اور جلاء العیون میں یہ لقب بھی مندرج اور صاحب رسالہ خاتون جنت نے بھی لکھا ہے۔

المحدثہ۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اسکو لکھا ہی مگر کوئی توجیہ نہیں کی ہے۔ ممکن ہے کہ ایام حمل میں اپنی مادر گرامی قدر جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے ہمیشہ باتیں کرنے اور اُن کو اُنکے حزن وملال میں تسکین وتشفی دینے کی خاص وجہ سے آپکو محدثہ کہا گیا ہو۔ مگر علمائے اہلبیت رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو اسکی تخصیص میں توجیہ فرمائی ہے وہ ہم ملائے مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب جلاء العیون سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

فرشتگان رحمت آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ عیون المعجزات میں حضرت عمار ابن یاسر سے منقول ہی کہ ایک روز جناب امیرؑ جناب فاطمہؑ کے پاس آئے۔ جب نظر جناب سیدہ کی جناب امیرؑ پر پڑی تو فرمایا یا علیؑ میرے نزدیک آؤ کہ میں تم کو گزشتہ اور آیندہ قیامت تک کی خبر دوں اور جو کچھ نہ ہوگا اُسکی بھی خبر دوں۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے یہ بات سُنی تو آپ وہاں سے لوٹے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آنحضرتؐ کی نظر آپ پر پڑی تو فرمایا کہ یا علیؑ میرے نزدیک آؤ۔ جب آپ نزدیک آئے تو ارشاد ہوا کہ اے ابوالحسنؑ تمکو کیا منظور ہے میں خود بیان کروں جو تم مجھ سے کہنے آئے ہو یا تم آپ بیان کروگے۔ آپ نے عرض کی۔ آپکا فرمانا میرے بیان کرنے سے بہتر ہوگا۔ پس جو کچھ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد کیا تھا وہ پورا پورا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے دُہرا دیا۔ اور فرمایا یا علیؑ فاطمہؑ کا نور میرے نور سے ہی۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی اسناد سے منقول ہی کہ جب جناب سیدہ پیدا ہوئیں تو حق تعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا جس نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر جاری کیا کہ جناب سیدہ کا نام فاطمہؑ رکھا گیا۔ پس حق تعالیٰ کی طرف سے اُس فرشتے نے خطاب کیا کہ اے فاطمہؑ تم کو حیض سے بسوئے علم میں نے علحدہ کیا اور تم کو حائض ہونے سے باز رکھا۔

الصدیقہ۔ علامہ بدخشی نے نزل الابرار میں اور اُنسے مؤلف رسالۂ خاتون جنت نے نقل کیا ہے اور علمائے اہلبیت طاہرین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس لقب کو آپ کے القاب مخصوصہ میں اس خصوصیت کے ساتھ شمار کیا ہے کہ پھر آپکے مقابلہ میں کوئی دوسرا اسکا مستحق نہیں ہوسکتا۔

ترکیب خلقتِ نورِ جناب سیدہؑ سے لیکر استقرارِ حمل تک کے حالات

عیون المعجزات میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرمایا کہ آیا نورِ فاطمہؑ کی ترکیب میرے نور سے ہوئی ہے۔ ارشاد ہوا مگر یا علیؑ تمہیں نہیں معلوم کہ فاطمہؑ کا نور میرے نور سے ہے۔ یہ سُنکر جناب امیرؑ سجدۂ شکر بجا لائے اور جناب فاطمہؑ کی طرف مراجعت فرمائی۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ آپ میرے والدِ ماجد کے پاس گئے اور جو کچھ میں نے آپ سے عرض کیا تھا وہ اُنسے دریافت کیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا ضرور۔ تب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے ارشاد کیا اے ابوالحسنؑ بدرستیکہ حق تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا اور میرا نور حق تعالیٰ کی تسبیح کرتا رہا۔ پس میرے نور کو ایک درخت میں درختہائے بہشت سے سپرد کیا اور وہ درخت میرے نور سے روشن ہوگیا پس جب شب معراج میرے والدِ ماجد داخلِ بہشت ہوئے حق تعالیٰ نے اُنہیں الہام فرمایا کہ اُس درخت سے میوہ توڑا اور تناول فرمایا۔ پس میرا نطفہ اُنکے صلب مطہر میں بنا اور پھر اُن سے رحمِ خدیجہ بنتِ خویلد میں منتقل ہوا پس میں اُسی نور سے پیدا ہوئی۔ علمِ گزشتہ و آیندہ کو جانتی ہوں اے ابوالحسنؑ مومن بنورِ الٰہی دیکھتا ہے وللہ درّ القائل ؎

آندم کہ خانہ بر درِ کوئے تو ساختم ؛ آدم ہنوز محرم خلد بریں نبود
آندم کہ ما ببار کرامت در آمدیم ؛ جبرئیلؑ بر خزانۂ رحمت امیں نبود

سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ کے باب یازدہم میں جناب سیدہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کی خلقت نورانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

عن عبداللہ ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما خلق اللہ آدم وحوّاء کانا یفتخران فی الجنۃ فقالا ما خلق اللہ خلقا احسن منّا فبینما هما کذلک اذ رأیا صورۃ جاریۃ لها نور شعشعانی یکاد ضوءہ یطفی الابصار وعلی رأسها تاج وفی اذنیها قرطان قالا ما هذہ الجاریۃ

قال هذه صورة فاطمة بنت محمد صلى الله عليه و
آله وسلم سيد ولدك فقالا ما هذه التاج على
رأسها فقال هذا بعلها على ابن ابيطالب عليه السلام
وقالا ما هذا القرطان قال الحسن والحسين
عليهما السلام ابناها وجد ذلك فى غامض علمي
قبل ان اخلقك بالفي عام۔

عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ و حواؑ کو پیدا کیا تو وہ دونوں جنت میں فخر کرتے تھے۔ بالآخر اُنہوں نے فخر کیا کہ حق تعالےٰ نے ہم سے بہتر کسی کو نہیں پیدا کیا ہے۔ اسی اثنا میں اُنہوں نے ایک صاحبزادی کی صورت کو دیکھا کہ نور اُسکے جمال سے چمک رہا ہے اور اُسکے سر پر ایک تاج ہے۔ اور اُسکے دونوں کانوں میں گوشوارے ہیں۔ تب اُنہوں نے بارگاہ احدیت میں عرض کی پروردگارا! یہ لڑکی کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ اے آدمؑ و حواؑ! یہ فاطمہؑ کی صورت ہے جو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر ہے۔ جو سردار اولادِ آدمؑ ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ تاج اسکے سر پر کیسا ہے؟ حکم ہوا کہ یہ اُس کا شوہر علیؑ ابنِ ابیطالب ہے۔ پھر عرض کی کہ یہ دو گوشوارے کیسے ہیں؟ فرمایا کہ یہ حسن و حسین علیہما السلام اُسکے دونوں بیٹے ہیں۔ اسکا وجود میرے علمِ پوشیدہ میں تمہارے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے سے موجود ہے۔

اِسی روایت کو اِنہی الفاظ کے ساتھ نزہۃ المجالس میں امام کسائی کی اسناد سے لکھا ہے۔ اور مُلّا حسین واعظ کاشفی نے روضۃ الشہدا میں اور خان بہادر جناب سید احمد حسین صاحب رئیس پریانواں نے عمدۃ المطالب میں اِنہی دونوں کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے مگر دو ہزار برس پہلے کی تعداد نہیں لکھی ہے۔

بہرحال جس طرح نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک خلقت کی قدامت احادیث متواترہ و متکاثرہ سے ثابت ہے اُسی طرح اس روایت سے جنابِ سیدہ و جناب علی مرتضےٰ و حضرات حسنین علیہم السلام کے انوار کی خلقت کی قدامت بھی واضح طور پر ثابت ہو گئی۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام کی نسبت وانها من نوري کی بشارت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے متعلق انا و علي من نور واحد کی معتبر و مستند حدیث موجود ہی ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی شان میں الحسن فله هيبتي و سؤددي اور جنابِ امام حسین علیہ السلام کے لیے حسين مني وانا من الحسين (بخاری۔ ترمذی و ابن ماجہ) کی نصوص صحیحہ پیشِ نظر ہیں۔ تو پھر جنابِ سیدہؑ کی وحدت فی خلقۃ النور یا اُسکے اخبار و آثار قدامت کے متعلق کیا عذر ہو سکتا ہے ع این خانہ تمام آفتاب است۔ اِسی جیسی اور روایتیں بھی میرے پیشِ نظر ہیں۔ مگر میں بخوفِ طوالت قلم انداز کرتا ہوں۔

بہرحال۔ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی نورانی ترکیب خلقت اور اُس کی قدامت کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آپکے استقرارِ حمل کے حالات سے آغاز کرتے ہیں۔ علامۂ نسفی وغیرہ تحریر فرماتے ہیں۔

دخل النبي صلى الله عليه وآله وسلم الجنة ليلة المعراج وراء قصر خديجة واخذ جبرئيل تفاحة من شجر القصر وقال يا محمد كل هذه التفاحة فان الله تعالى يخلق منها بنتا تحمل بها خديجة ففعل فلما حملت خديجة وجدت رائحة الجنة تسعة اشهر فلما وضعتها انتقلت رائحة اليها۔

امام نسفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب شبِ معراج جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت میں تشریف لے گئے۔ اور آپ حضرت خدیجہ کے قصر میں داخل ہوئے تو حضرت جبرئیلؑ نے ایک سیب اُسی قصر کے درخت میں سے لیکر کہا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سیب کو تناول فرمائیے۔ اسلیے کہ اللہ تعالےٰ اِس سے ایک لڑکی پیدا کریگا اور خدیجہ اُسکے ساتھ حاملہ ہونگی۔ پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو نو مہینے تک بہشت کی خوشبو اپنے بدن میں پاتی تھیں مگر جب وضع حمل ہو گیا تو وہ خوشبو جنابِ سیدہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ (شرف النبوۃ۔ ذخائر العقبیٰ)

پھر باختلافِ الفاظ یہی حدیث ام المؤمنین عائشہ سے بھی مروی

عن عائشة قالت قلت یارسول اللہ ص مالك اذا قبلت فاطمة جعلت لسانك في فيها فكانك تريد ان يلعقها عسلاً فقال رسول اللہ لما اسری بی الی السماء ادخلني جبريل الجنة فناولني تفاحة فاكلتها فصارت نطفة فی ظهري فلما نزلت من السماء واقعت خديجة ففاطمة من تلك النطفة۔

ام المومنین عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تم کو کیا ہوگیا ہے کہ جب فاطمہؑ آتی ہیں تو تم اُنکے مُنہ میں اپنی زبان دیدیتے ہو گویا تم اُنسے شہد کے چاٹنے کا ارادہ کرتے ہو۔ فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب مجھ کو شب معراج آسمان کی طرف لے گئے اور جبرئیلؑ نے مجھے بہشت میں داخل کیا تو مجھ کو اُنھوں نے ایک سیب دیا پس میں نے اُسکو کھایا اور وہی سیب میری پشت میں نطفہ ہوگیا۔ پس میں جب آسمان سے اُترا اور خدیجہ سے ہم بستر ہوا تو فاطمہؑ اُسی نطفہ سے پیدا ہوئیں۔[1] (شرف النبوۃ۔ ذخائر العقبےٰ۔ ینابیع المودۃ)

پھر بتغیر الفاظ کتاب روض الفائق میں مرقوم ہے۔

عن بعض رواۃ الكرام ان خديجة الكبرىٰ رضی اللہ عنها تمنت يومًا من الايام على سيد الانام ان تنظر الى بعض فاكهة دار السلام فاتی جبرئيل الى المفضل الكونين من الجنة بتفاحتين وقال يا محمد صلى اللہ عليه واله وسلم يقول لك من جعل لكل شئ قدرا كل واحدة واطعم الاخرى خديجة الكبرى واغشها فانی خالق منكما فاطمة الزهراء ففعل المختار ما اشار به الامين۔

بعض راویان بزرگ سے منقول ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ایک دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہشت کے کسی میوے کے دیکھنے کی آرزو کی پس جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نے کہ ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے (حق سبحانہ وتعالےٰ) وہ فرماتا ہے کہ ایک سیب اسمیں سے تم خود کھاؤ اور دوسرا جناب خدیجہ کو کھلاؤ اور اُن سے ہم بستر ہو کہ میں تم دونوں سے جناب فاطمۃ الزہراؑ کو پیدا کرنیوالا ہوں۔ پس جو کچھ جبرئیل امین نے کہا تھا وہ رسول مختار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجالائے۔ (عمدۃ المطالب ص ۱۷۸)

ایام حمل میں قدرتی آثار

جناب سیدہ علیہا السلام کے سن ولادت کے حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سال بعثت کے آخری تین مہینے اور دوسرے برس کے شروع چھ مہینے جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو دوران حمل میں منقضی ہوئے جب ہم ان ایام میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کی تلاش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مبارک زمانہ ہے کہ خانۂ کعبہ زاد اللہ شرفہا کی تجدید اور مرمت ہوتی ہے اور نصب حجر الاسود کے معاملہ میں کفار قریش اور مشرکین مکہ آپکی فضیلت و شرافت کو برائے العین مشاہدہ کرکے بمصداق والفضل ما شهدت به الاعداء تسلیم کر چکے ہیں۔ اُنکے سنگین دلوں میں بھی آپکی روحانی وجاہت اور آپ کا قدرتی اعزاز اثر کرنے لگا ہے۔ اس کرامت واعجاز کے تھوڑے ہی دن کے بعد شق القمر کا اعظم ترین معجزہ جو حسب نص قرآنی آپکی رسالت ونبوت کے مشاہد عظیمہ میں شمار کیا جاتا ہے مشرکین مکہ کی درخواست پر واقع ہوا۔ جناب صدیقۂ کبریٰ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنی مادر گرامی قدر کے بطن ہی میں اسکی تصدیق فرمائی اور اپنی والدۂ مطہرہ کے حزن وملال میں انکی تسکین وتسلی کی۔

کتاب روض الفائق میں مرقوم ہے۔

فلما سئله الكفار ان يريهم انشقاق القمر وقد بان لخديجة حملها بفاطمة وظهر قالت خديجة واخيبة من كذب محمد وهو خير رسول ونبي فنادت فاطمة من بطنها يا اماه لا تحزني وترهبي فان اللہ مع ابي۔

جس وقت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کافروں نے سوال کیا کہ آپ اُن کو چاند کا شق ہونا دکھلائیں اور اُس وقت حضرت خدیجہ کو جناب فاطمہؑ کا حمل ظاہر ہو چکا تھا تو خدیجہؑ نے کہا کہ کیا محرومی ہے اُن لوگوں کی جو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تکذیب کرتے ہیں

---

[1] اس روایت میں سیب بہشتی کا تخصیص کے ساتھ مخصوص ہونا نہیں بیان کیا گیا وجہ کہ یہ روایت مرویات عائشہ سے ہے اسلیے اُنسے اسکا ترک ہوجانا بعید نہیں ہو سکتا۔ مؤلف عفی عنہ

حالانکہ وہ حضرتؐ ہر رسول و نبی سے بہتر ہیں۔ پس جناب فاطمہؑ نے اُنکے بطن مُبارک سے آواز دی کہ اماں جان! تم کچھ رنج نہ کرو۔ اور خوف نہ کھاؤ کہ اللہ تعالےٰ میرے والد ماجد کے ساتھ ہے۔

(عمدۃ المطالب صفحہ ۱۰۹)

جلاء العیون میں مُلّائے مجلسی علیہ الرحمہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی اسنادسے لکھتے ہیں کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت خدیجہؑ الکبرےٰ نے عقد کیا تو زنانِ مکہ بوجہ اُس عداوت کے جو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رکھتی تھیں آپ سے علٰحدہ ہوگئیں۔ اور اُنکو سلام کرنا تک ترک کردیا۔ اور خود تو آنا جانا کجا کسی اور عورت کو بھی حضرت خدیجہ کے پاس نہ جانے دیتی تھیں۔ اسکے سبب سے حضرت خدیجہ پر وحشتِ عظیم طاری ہوئی لیکن زیادہ غم و غصّہ حضرت خدیجہ کا جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا کہ مبادا اُنکی شدّت عداوت کے باعث کوئی صدمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچے۔ جب جنابِ سیّدہ صلوات اللہ علیہا کا حمل آپ کو رہا تو جنابِ فاطمہؑ اپنی مادرِ گرامی قدر کے بطن میں اُنسے باتیں کیا کرتی تھیں۔ اور اُنکے موجودہ حُزن و ملال میں اُنکی تسکین و تشفّی فرمایا کرتی تھیں حضرت خدیجہؑ الکبرےٰ اس اسرارِ الٰہی کو دیکھکر خموش رہجاتی تھیں اور خدمتِ حضرتِ رسالت پناہی میں اسکی کوئی اطلاع و خبر نہیں کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک روز جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم محلسرامیں تشریف لائے اور سُنا کہ حضرت خدیجہؑ کسی سے باتیں کر رہی ہیں مگر بظاہر کوئی اُنکے پاس موجود نہیں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعجّب ہوکر فرمایا کہ اے خدیجہؑ! تم کس سے باتیں کررہی ہو۔ حالانکہ میں تمہارے پاس کسی مخاطب یا متکلم کو نہیں پاتا۔ حضرت خدیجہؑ الکبرےٰ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ فرزند جو میرے شکم میں ہے یہ مجھ سے باتیں کیا کرتا ہے اور میرا مونسِ تنہائی رہا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متبسّم ہوکر ارشاد فرمایا کہ اے خدیجہ! جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ مولود دختر ہے پسر نہیں ہے اور یہ وہ طاہرہ بایمن و برکت ہے کہ حق سبحانہ وتعالےٰ میری نسل کو اسی سے ظاہر کریگا اور اسی کی نسل سے پیشوا اور امامانِ دین پیدا ہونگے اور حق سبحانہ وتعالےٰ بعد انقضائے وحی اُن کو اپنی زمین پر اپنا خلیفہ بنائیگا۔

ولادتِ باسعادت کے وقت ظہورِ کرامت

من مثل فاطمة الزهراء في نسب	وفي فخار وفي فضل وفي حسب
فاطمہؑ کی مثال کون ہے نسب میں،	بزرگی میں فضیلت میں اور حسب میں
والله فضّلها حقّا وشرّفها	اذ كانت ابنة خير العجم والعرب
حالانکہ خدا تعالےٰ نے اُن کو فضیلت و بزرگی برحق عطا فرمائی ہے۔	اس لیے کہ وہ اُس کی بیٹی ہیں جو تمام عجم و عرب سے بہتر ہے۔

برآسمانِ رسالت ہلالے از نو تافت
بوستانِ نبوّت گُلے ز نو بشگفت

(عمدۃ المطالب)

نزہۃ المجالس۔ روضۃ الشہدا اور جلاء العیون میں مرقوم ہے کہ جب زمانۂ ولادت جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا قریب پہنچا یہانتک کہ وضعِ حمل کے آثار محسوس ہونے لگے تو آپ نے زنانِ قریش کو بُلا بھیجا کہ وہ وضع حمل کے وقت کے کاموں میں تو کفیل و شریک ہوں لیکن اُن نابکار عورتوں نے صاف انکار کردیا اور کہلا بھیجا کہ اے خدیجہ! تم نے ہم لوگوں کی مرضی کے خلاف یتیم ابوطالب کے ساتھ شادی کرلی اور درویشی کو تونگری پر ترجیح دی لہذا ہم تمہارے کاموں میں شرکت سے معذور ہیں۔ خدیجہ سلام اللہ علیہا کو ایسی نازک اور تردد کی حالت میں اپنے خاندان کی عورتوں کا یہ جوابِ صاف نہایت ناگوار گزرا لیکن کیا اختیار تھا۔ اسی اضطراب میں تھیں۔ ناگاہ کیا دیکھتی ہیں کہ چار گندم گوں اور دراز قامت عورتیں غیب سے نمودار ہوئیں۔ حضرت خدیجہؑ اُنہیں دیکھکر خائف ہوئیں تب اُن میں سے ایک نے کہا کہ اے خدیجہؑ! ڈرو نہیں۔ حق سبحانہ وتعالےٰ نے ہم کو تمہاری خدمت اور دفع وحشت و تنہائی کے لیے بھیجا ہے اور ہم سب تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ مادرِ اسحٰقؑ ہوں اور یہ دوسری بیبیاں مریمؑ بنتِ عمران آسیہؑ بنتِ مزاحم اور امّ کلثوم خواہر موسےٰ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السلام ہیں۔ اور ہم سب یہاں اور بہشتِ بریں میں تمہاری رفیق ہیں۔

ینابیع المودۃ میں امام قندوزی لکھتے ہیں۔

عن خديجة رضى الله عنها قالت لما حملت بفاطمة حملت حملا خفيفا و تحدّثني في بطني فلمّا قربت ولادتها

دخل عليّ اربع نسوة عليهن من الجمال والنور ما لا يوصف فقالت احديهن انا امّك حوّا وقالت الاخرىٰ انا آسية بنت مزاحم وقالت الاخرىٰ انا كلثوم اخت موسىٰ وقالت الاخرى انا مريم بنت عمران ام عيسىٰ جئنا لنلى من امرك ما نلى النساء۔

حضرت خدیجہ سے مروی ہے کہ جب مجھ کو جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حمل ہوا تو مجھ کو حمل کی گرانباری نہیں معلوم ہوتی تھی اور وہ مجھ سے میرے بطن میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ پس جب وقتِ ولادت قریب ہوا تو چار خواتینِ معظمہ جنکے انوار وجمال کا وصف بیان نہیں ہو سکتا حاضر ہوئیں اور وہ زنانِ بنی ہاشم سے مشابہ تھیں۔ جنابِ خدیجہؑ اُن سے ڈریں۔ یہ دیکھکر اُن میں سے ایک عورت نے کہا کہ اے خدیجہؑ تم ہم سے نہ ڈرو۔ میں سارہ زوجۂ ابراہیم (سلام اللہ علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہوں اور دوسری آسیہ بنتِ مزاحم ہیں۔ اور یہ تمہاری دُختر نیک اختر کی بہشتِ بریں میں رفیق ہونگی۔ اور تیسری مریم بنت عمران مادرِ عیسےٰ (علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہیں اور چوتھی کُلثُم خواہرِ موسےٰ (علےٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام) ہیں۔ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ حق سبحانہ وتعالےٰ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگ وقتِ ولادت تمہارے پاس موجود رہیں۔ اور اس حالت میں تمہاری اعانت کریں۔ یہ کہکر ایک ان میں سے داہنی جانب اور دوسری بائیں جانب اور تیسری سامنے اور چوتھی پیچھے بیٹھ گئیں۔ پس جنابِ سیدہؑ پاک وپاکیزہ پیدا ہوئیں۔ اور جب بطنِ مادر سے زمین پر تشریف لائیں تو اس قدر نور ساطع ہوا کہ مکے کے گھر روشن ہو گئے۔ اور مغرب ومشرق میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جو اُس نور سے منور نہ ہو گیا ہو اور دس حوریں جنابِ خدیجہ کی خدمت میں آئیں۔ جن کے ہاتھ میں ایک ایک ابریق اور ایک ایک طشتِ بہشت تھا۔ اور اُنکی ابریقیں آبِ کوثر سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ مخدومہ جو جنابِ خدیجہ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اُنہوں نے جنابِ سیدہؑ سلام اللہ علیہا کو اپنے مبارک ہاتھوں پر اُٹھا کر اُسی آبِ کوثر سے غسل دیا جو حورانِ جناں فردوس میں سے اسی واسطے لائی تھیں۔ پھر اُنہی معظمہ نے دو سفید جامے جنکی سفیدی دودھ سے زیادہ سفید تھی اور جس کی خوشبو مشک وعنبر سے زیادہ لطیف تھی نکالے۔ ایک کو آپ کے جسمِ مطہر پر پیچاں کیا اور دوسرے کو فرقِ منور پر (مقنع) اوڑھنی بنایا۔ پھر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا سے مخاطب ہو کر باتیں کیں۔ جنابِ سیدہؑ نے بزبانِ فصیح ارشاد فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ اَبِيْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَسَيِّدُ الْاَنْبِيَآءِ وَاَنَّ بَعْلِيْ سَيِّدُ الْاَوْصِيَآءِ وَوُلْدِيْ سَادَةُ الْاَسْبَاطِ۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے خدائے تبارک وتعالےٰ کے کوئی خدا نہیں ہے اور میرے پدرِ عالی مقدار اُسکے رسول اور سب رسولوں کے سردار۔ اور میرا شوہر تمام اوصیاء کا سردار اور میرے بیٹے اسباط (موسےٰ علیہ السلام) کے سردار ہیں۔ یہ فرما کر اُس صدیقۂ کبرےٰ نے اُن چاروں مخدرات عظمےٰ کو سلام کیا۔ اُن چاروں معظمہ نے خوش ہو ہو کر آپ کے سلام کا جواب دیا اور دیدہ بوسی فرمائی۔ حورانِ جناں اس قدرتی منظر کو دیکھکر از حد بشاش ومسرور ہوئیں اور ایک دوسرے نے آپس میں جنابِ خاتونِ جنت علیہا التحیۃ والثنا کی تقریبِ ولادت کی بشارت دی اور اسی طرح اہلِ فلک نے ایک دوسرے کے ساتھ مراسمِ تہنیت ادا کیے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادتِ باسعادت اور اُس تقریب بہجت نصیب کی صحبتِ بابرکت کا یہ واقعہ تھا جو مختصر تفصیل کے ساتھ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی اسناد سے اوپر لکھا گیا۔ قریب قریب انہی مضامین کو اس سے زیادہ تفصیل وتطویل کے ساتھ اُن کی اور کتبِ تاریخ وسیر میں بھی لکھا ہے۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

سوادِ اعظم کے علمائے کرام نے جنابِ سیدہؑ کے احوالِ ولادت کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ مگر آپ کی ولادتِ باسعادت کے مبارک موقعہ پر آثارِ قدرت کے ظہور کو قلم انداز بھی نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ چاروں خواتینِ معظمہ کے نازل ہونے اور جنابِ خدیجہؑ کی ادائے خدمت میں شامل ہونے تک کے حالات اُن کی تالیفات اور مرویات سے مستنبط کر کے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی اور صاحب نزہۃ المجالس نے قریب قریب وہی سامان تھوڑے اختلاف کے ساتھ اپنی اپنی تالیفات میں تحریر فرمایا ہے جن کو ہم اوپر علامۂ مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب جلاء العیون سے

لکھ آئے ہیں۔ روضۃ الشہدا اور نزہۃ المجالس کی عبارتوں کا ترجمہ ذیل میں مندرج ہے۔

جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں تو دس حوریں طشت و ابریق پر از آبِ کوثر وغیرہ سے لیے ہوئے نازل ہوئیں۔ اُن میں سے ایک نے جناب سیدہؑ کو آبِ کوثر سے نہلایا اور جامۂ سفید و معطر میں لپیٹ کر بی بی خدیجہؑ کو دیا اور مبارکباد کے بعد عرض کی کہ لیجیے اس صاحبزادی کو جو پاک و پاکیزہ ہے اور جسکو اور جسکی نسل کو برکت دی گئی ہے۔ اسکے بعد اُن خواتینِ باوقار نے تہنیت ادا کی اور رخصت ہوئیں۔

(عمدۃ المطالب مطبوعۂ کانپور ص ۱۷۶)

روضۃ الفائق میں انس ابنِ مالک کی اسناد سے مرقوم ہے "فلمّا تمّ حدّة حملها وانقضى وضعت فاطمة فاشرق بنور وجهها فضاء وكان المختار كلما تشتاق الى الجنّة ونعيمها قبّل فاطمة وشم نسيمها" پس جس وقت کہ مدتِ حمل تمام اور منقضی ہوئی تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا پیدا ہوئیں اور اُنکے نور سے آسمان سے لیکر زمین تک روشن اور منور ہوگیا۔ اور جنابِ رسولِ مختار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بوئے بہشتِ عنبر سرشت سونگھنے کی خواہش ہوتی تھی تو آپ جناب سیدہؑ کی دیدہ بوسی فرماکر جسمِ مطہر کی بو سونگھ لیتے تھے۔

امام طبری شافعی نے مجمل طور پر انکی ولادتِ باسعادت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اُس سے تمام قدرتِ الٰہیہ کے ظہور کا ثبوت ہوجاتا ہے جو اوپر جُدا جُدا واقعات میں مختلف کتابوں سے قلمبند کیے گئے ہیں۔ اُنکی اصل عبارت یہ ہے۔

عن خديجة رضى الله عنها قالت لما حملت حملا خفيفا وحدّثتني فى بطني فلمّا قربت ولادتها دخل علىّ اربع نسوة عليهن من الجمال والنور ما لا يوصف فقالت احدٰبهن انا امّك حوّا وقالت الاخرىٰ انا اٰسية بنت مزاحم وقالت الاخرىٰ انا كلثوم اخت موسٰى وقالت الاخرىٰ انا مريم بنت عمران امّ عيسٰے جئنا لنلى من امرك ما تلى النّساء فولدت فاطمة فوقعت على الارض ساجدة رافعة اصبعها (اخرجه مُلّا فى السّيرة)

جنابِ خدیجہؑ سے مروی ہے کہ جب مجھ کو جنابِ فاطمہؑ کا حمل ہوا تو مجھ کو حمل کی کچھ بھی گرانی معلوم نہیں ہوئی۔ اور وہ معصومہ اندرونِ شکم کر مجھ سے باتیں کرتی تھیں۔

جب وقتِ ولادت قریب ہوا تو چار عورتیں با حسن و جمال ایسی نازل ہوئیں جن کی قبول صورتی کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ پس اُن میں سے ایک نے جنابِ خدیجہؑ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں تمہاری ماں حوّا ہوں اور دوسری نے کہا میں آسیہ بنتِ مزاحم ہوں اور تیسری نے کہا میں کلثوم خواہرِ جنابِ موسٰے ہوں۔ اور چوتھی نے ارشاد فرمایا کہ میں مریمؑ بنتِ عمران مادرِ جناب عیسٰے (علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہ السّلام) ہوں۔ اور ہم سب ملکر یہاں اس لیے آئے ہیں کہ ہم تمہاری وہی خدمتیں بجالائیں جو ولادت کے وقت ایک عورت دوسری عورت کی کرتی ہے۔ پس جنابِ سیدہؑ پیدا ہوئیں اور پیدا ہوتے ہی اپنا فرقِ مبارک سجدے میں زمین پر رکھدیا۔ اور اپنی انگشتِ شہادت بلند فرمادی۔ اسی روایت کو مُلّا نے سیرۃ النبویہ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔ امام قندوزی نے ینابیع المودۃ میں بھی نقل کیا ہے۔ مطبوعۂ بمبئی ص ۱۵۹ الخ

رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔ بروایت حضرت امام حسن حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی ولادت کے موقع پر ام المومنین خدیجۃ الکبرٰے کو کسی طرح کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی جیسی کہ اور بچّوں کی پیدائش کے وقت ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلعم نے گود میں لیکر بوسہ دیا آپ کی پیشانی پر۔ اور اس مولودِ مسعود کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کی عورتوں سے کوئی ایک بھی آپکے مرتبہ و شان کو نہ پہنچی۔ ص ۳۹

مندرجۂ بالا اسناد سے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادتِ باسعادت کے وقت بھی قدرتِ الٰہیہ کے آثار کا ویسا ہی ظہور پذیر ہونا ثابت ہوگیا جس طرح تمام برگزیدگانِ الٰہی کی تقریبِ ولادت کے موقع پر۔ عام مخلوق کی نگاہوں میں اُنکے مدارج و مراتب بڑھانے کے لیے اور اُنکے فضائل و مناقب اعلےٰ اور یکتا ثابت کرنیکی ضرورت سے عادتِ الٰہی قدیم سے جاری و ساری ہے۔ اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا نور جنابِ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عین نور تھا۔ انکی ترکیب میں اُنکی ترکیب تھی۔ تمام کمالاتِ روحانی نور صفاتِ نورانی آپ کی ذات مجمع الحسنات میں جنابِ رسالت مآبؐ سے میراثاً ودیعت

فرمائے گئے تھے۔ سیدالمرسلین۔ خاتم النبیین۔ شفیع المذنبین ص کی مبارک نسل کی بقا و قیام کا انتظام مشیت الٰہی نے آپ ہی کی تنہا ذاتِ والاصفات سے وابستہ فرمایا تھا۔ اور فرزندانِ بتول کے لیے ابنائے رسول ص کا گرانمایہ القاب دربارِ ایزدی سے خاص طور پر عنایت ہوچکا تھا اور تقدیرِ ربانی انہی کے ذریعہ سے ان شانئک ھو الابتر کی نصِ قرآنی ثابت کرنیوالی تھی جس کے صحیح اور کامل ثابت کرنیکی ضرورت سے دربارِ رسالت سے وانا منہ کا اعلان علےٰ رؤس الاشہاد فرمایا گیا تھا۔ بضعۃ النبی حقیقت میں وہ نعمتِ الٰہی تھی جسکی مبارک نسل سے احکامِ شریعت۔ اعلامِ ہدایت اور نظامِ امت کے تمام آثار و اقتدار قائم و برقرار رکھے جانیوالے تھے۔ جب مشیتِ الٰہیہ کے اتنے آیات و آثار اور قدرت لامتناہیہ کے اتنے اسرار جناب سیدۂ طاہرہ کی ایک ذاتِ بابرکات سے متعلق تھے تو پھر ایسے وجود عالی جود کی عظمت و اقتدار کے اظہار کا ابتدا ہی سے دنیا کے مشاہدے میں لانا قدرت کے لیے لازمی اور ضروری تھا۔

بہرحال تمہیداً اتنا بیان کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

جناب سیدۃ نساء العٰلمین سلام اللہ علیہا و آلہا الاجمعین قدرت کے اس اظہار اقتدار کے ساتھ حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ الطاہرین کے کاشانۂ رسالت میں اُس وقت رونق افروز ہوئیں جب وہ سالہا سال سے بے اولادی کے باعث برباد اور بے چراغ ہو رہا تھا۔ خنستانِ نبوت میں اُنکے وجودِ ذیجود سے ایسے موقع پر گلِ تمنا شگفتہ ہوا جب وہ دستبردِ خزاں سے پامال اور مستاصل ہوجانیکے قریب پہنچ چکا تھا۔

برادر مان والدین سلام اللہ علیہما کو یہ نعمتِ الٰہی خصوصاً مفارقتِ فرزندی کی دردرسیدہ حالتوں میں کیسی مغتنم معلوم ہوئی ہوگی اور اُن کے مغموم و مالوم قلوب کے جذبات اور پُرحسرت و متمنی دلوں کے محسوسات کا اس تقریبِ ولادت کے مسرت انگیز اور فرحت خیز موقع پر کیا عالم ہوا ہوگا۔ اُس کا اندازہ میرے کیا کسی کے تحریری امکان سے بھی نہیں ہوسکتا۔

مولدِ مطہرؑ

مولدِ مطہرؑ کے متعلق رسالۂ خاتونِ جنت ؑ کے مؤلف کی تحقیق ہے کہ مولدِ بتولؑ **شعب بنی ہاشم** میں واقع ہے جہاں آجکل گوشاشیہ اور سوق اللیل کے محلے آباد ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا مکان ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ رسولِ کریم صلعم شادی کے بعد اس مکان میں جو خدیجۃ الکبریٰؑ کی ملکیت تھا تشریف لے آئے تھے۔ اور ایام ہجرت تک وہیں رہے۔ یہ مکان دالان در دالان ہے۔ مولدِ فاطمہؑ عام سطح زمین سے کسی قدر نیچے ہے۔ اس کی زیارت کے لیے چھ زینے نیچے اُتر کر دہنی جانب جاتے ہیں۔ جہاں لکڑی کا ایک قبہ بنا ہوا ہے جس کے اوپر آجکل ایک خوشنما بُرجی ہے۔ اور سبز بانات کا نہایت خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے۔ اسکے سرہانے کی طرف دیوار میں چکی کے نیچے کا ایک پاٹ رکھا ہوا ہے جسکی نسبت مشہور ہے کہ عالمِ طفولیت میں آپ اسی سے آٹا پیسا کرتی تھیں۔ اسی مکان کے دوسری طرف جناب رسولِ خدا صلعم کا خلوت خانہ اور عبادت کا حجرہ ہے جسکو قبۃ الوحی کہتے ہیں۔ پاس ہی حضرت خدیجہ اور جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنیکی جگہ ہے۔

بہرحال۔ عبارت بالا سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپکی ولادت جناب خدیجہ کے مکان میں واقع ہوئی جو اس شعب سے ایک تنگ گلی میں متصل ہے۔ ان دو مختلف فیہ عبارتوں نے مولدِ مبارک کے اصلی مقام کو مشتبہ بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعب بنی ہاشم ہی میں حضرت خدیجہ کا مکان تھا۔ جب تو مولدِ بتولؑ کا شعب بنی ہاشم اور مکانِ خدیجہ کے اندر واقع ہونا صحیح ہوگا۔ مگر آگے چلکر اس عبارت نے کہ مکانِ خدیجہ شعب سے متصل ایک تنگ گلی میں واقع ہے اس دعوے کو بھی غلط کر دیا۔ کیونکہ پھر آخر کی عبارت سے شعب بنی ہاشم اور مکان خدیجہ دو جداگانہ مقامات معلوم ہوتے ہیں جس نقشہ مقابل صفحہ کا حوالہ دیا گیا ہے اُس میں نہ شعب بنی ہاشم کا کہیں مخصوص نشان بتلایا گیا ہے اور نہ مکان خدیجہ سلام اللہ علیہا کا۔

شعب بنی ہاشم کی جگہ تمام اسلامی تواریخ دینیہ کی کتابوں میں

شعبِ ابیطالب مرقوم ہے جسکی تحقیق میں علامہ شبلی سیرۃ النبوؐیہ کے صفحہ ۱۳۰ کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "شعبِ ابیطالب پر ایک درۂ کوہ تھا جو بنی ہاشم سے مخصوص تھا"۔

تو ایسی حالت میں۔ بنی ہاشم کی خاص ملکیت میں خصوصاً درۂ کوہ کے ایسے غیر آباد مقام میں جہاں خود صاحبان ملکیت کی کسی عمارت کا موجود ہونا نہیں پایا جاتا۔ بنی خویلد یا بنی اسد کا آباد ہونا یا مکان ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جب آپ کے مولد کو شعب بنی ہاشم میں واقع ہونا ہم تاریخوں میں تلاش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کا سن مبارک شعب ابیطالب کے وقت دو برس کا ہو چکا تھا۔ صاحب رسالۂ خاتون جنت نے صفحہ ۴۴ میں مدارج کی روایت کے مطابق آپ کا سن ولادت اکتالیسویں سال میں بعد از دعوٰی نبوت لکھا ہے۔ مگر اس پر اپنا مختار قائم نہیں کیا ہے بس پہ اُنکے نزدیک تاریخوں کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔ جسے وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴ میں تحریر فرما چکے ہیں کہ بروز جمعۃ المبارک بوقت طلوع آفتاب ۲۰ جمادی الآخر سنہ ۶ نبوی کو جناب فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔ اُس وقت رسول کریم صلعم کا سن پینتیس برس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

باتفاق فریقین جناب رسالتمآب صلعم کی بعثت آپکی چالیس سال کی عمر میں واقع ہوئی تو اس حساب سے بقول جناب مؤلف جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت بعثت سے پانچ برس پہلے واقع ہوئی۔ جو صاحب مدارج النبوۃ و دیگر محدثین جمہور کے مختار کے خلاف ہے۔ اُس پر طرہ یہ ہے کہ آپ کا یہ قول خود آپکے آئندہ بیان کی تردید کرتا ہے اور آپ کے مختار کو غلط اور ناقابل اعتبار ٹھیراتا ہے کیونکہ جب مذکورۂ بالا قول آپ کا کہ جناب سیدہؑ کی ولادت تقریباً پانچ برس پہلے بعثت سے واقع ہوئی تو شعب ابیطالب علیہ السلام کے وقت جو بقول علامہ شبلی سنہ ۷ نبوی (بعثت) میں واقع ہوا (ملاحظہ ہو سیرۃ النبویہ ص ۱۳۰) قریب قریب بارہ ۱۲ برس کے آپ کا سن مبارک ثابت ہوتا ہے۔ جو سراسر مخالف اقوال مشہور اور معارض مختار جمہور ہے۔ آپ کے اس قول کی متابعت کچھ واقعہ ولادت ہی کو غلط اور ناقابل اعتبار

نہیں بتاتی۔ بلکہ جناب معصومہؑ کی حیات مقدسہ کے متعلق تمام واقعات اور حالات کے سلسلہ اور صحت انعقاد ایام کو درہم و برہم اور سراپا بیکار ٹھیراتی ہے۔ تزویج مبارک کے وقت آپ کا سن تقریباً اٹھارہ برس کا ہو جاتا ہے جو حقیقۃً انتقال فرمانے کے وقت تھا۔ اور پھر انتقال فرمانے کے وقت آپکی عمر ستائیس ۲۷ برس کی ثابت ہوتی ہے۔ جس کو فریقین میں سے کسی نے نہیں لکھا ہے۔ فینظر وافتلا تبروا۔

بہر حال۔ بفرض محال۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بقول آپ کے ولادت بتولؑ بعثت رسول سے تقریباً پانچ برس پہلے واقع ہوئی تو پھر آپ کا آئندہ کا یہ تحریر فرمانا کہ مولد بتولؑ شعب ابیطالب (بنی ہاشم) میں واقع ہے ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو بعثت کے پانچ برس پہلے ہی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مع جملہ موجودان بنی ہاشم کے شعب ابیطالب میں محصور ہو چکے تھے یا جناب خدیجۃ الکبرےٰ کا ایک تنہا مکان اُس سنسان درۂ کوہ میں تعمیر ہو چکا تھا۔ یہ دونوں باتیں مخالف اقوال اور محال ہیں۔ اور کسی اسلامی تاریخ و سیر میں انکا ذکر و مذکور نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کا یہ قول بھی کہ جناب سرور کائنات شادی کے بعد اپنی دولت سرا سے اُٹھکر جناب خدیجہ کے مکان پر تشریف لے آئے۔ اور پھر ایام ہجرت تک یہیں تشریف فرما رہے اور یہیں جناب سیدہؑ کی ولادت ہوئی۔ کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ لائق مؤلف نے آپ کے موجودہ مولد مطہر کے مقام کو عام زیارتگاہ معلوم کر کے اور اُسکی زیارت کا شرف حاصل کر کے اپنے قول پر اعتبار و اصرار فرمایا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ سیر و تواریخ سے اُن کے اس قول و مختار کی تصدیق و توثیق نہیں ہوتی۔

سیر و تواریخ سے لیکر احادیث و تفاسیر تک کی جتنی چھوٹی بڑی کتابیں میری نظر سے گزر چکی ہیں یا اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ جناب سرور موجودات علیہ وعلےٰ آلہ الف الصلوات والتحیات شادی کے بعد اپنی دادھیال کے موروثی مکان سے اُٹھکر سسرال کے گھر میں چلے آئے اور پھر

ایامِ ہجرت تک وہیں مقیم اور قیام گزیں رہے۔

حقیقتاً یہ امر رسالت کے حسن استغنا اور نبوت کے آداب اقربا کی صلۂ رحم کی رعایت کے خلاف ہے۔ اور پھر رسالت بھی کون وہ رسالت جس نے اپنی اقربا کی مودّت کو۔ جو جناب سیدہ اور آپکی اولاد امجاد تک محدود و مخصوص تھی۔ اپنی تبلیغ خدمات کی اجرت ٹھہرایا۔ صلوٰۃ علیہ وآلہٖ۔

ممکن ہے کہ تقریبِ مناکحت کے بعد باہمی تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے زیادہ حضرت خدیجہ کے گھر میں زیادہ رہتے ہوں تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنے موروثی بیت الشرف کے قیام کو چھوڑ کر جناب خدیجہ کے گھر میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور پھر ایسی کہ پھر جب تک کہ مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کو ہجرت نہ فرمائی وہیں تشریف فرما رہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی آخر تالیف سیرۃ المحمدیہ جو فی زماننا سوادِ اعظم میں تمام جدید تحقیقات کا سرمایۂ ناز کہی جاتی ہے میرے پیش نظر ہے۔ اُس میں بھی کہیں اس خیال کا ذکر نہیں۔ جناب خدیجہ کے گھر کے متعلق اس میں جو ذکر ہے وہ اسی قدر کہ حضرت خدیجہ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنادیا (سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۷)

پھر اُسی صفحے کے فُٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے۔

تاریخ طبری بھی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اُس میں سوائے اسکے کہ حضرت خدیجہ کا مکان اس وقت تک موجود ہے اور کچھ مذکور نہیں۔ طبری کا بیان کہ اُنکے وقت تک مکان خدیجہ کا اُنہی کے نام سے مشہور تھا اس وجہ سے صحیح اور فی الواقع ہے کہ امام قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں حسن ابن الوجناء النصیبی کے مشاہدات سے جو اُنھوں نے رؤیتِ امام عصر علیہ السّلام کے متعلق لکھے ہیں جناب خدیجہ کے مکان کا اُس وقت تک قائم رہنا اور اُسی مکانِ کرامت نشانِ جناب آخر الزّمان علیہ السّلام کی زیارت سے حسن نصیبی راوی حدیث کا مشرّف ہونا تحریر فرمایا ہے۔ جب ہم امام قندوزی کے اس مختار کو امام طبری کے بیان سے ملاتے ہیں تو اُن کی تحریر کی پوری تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ امام طبری ایامِ امامت کے بزرگ تھے۔ جن پر سوادِ اعظم کے متاخرین علماء نے شیعیت کا بھی الزام لگایا ہے۔ مگر کچھ ثابت نہ کر سکے۔ ملاحظہ ہو دیباچہ کتاب سیرۃ المحمدیہ۔ انکی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی ہے اور غیبتِ کبرٰے ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی تو اس حساب سے جیسا کہ مورخ طبری نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے یہ لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کا گھر اُن کے وقت تک اُنہی کے نام سے مشہور ہے۔ بہت صحیح ثابت ہوتا ہے کیونکہ حسن ابن الوجناء النصیبی کے واقعۂ مشاہدہ کا ذکر جو امام قندوزی کی ینابیع المودۃ میں تحریر ہے وہ بھی قریب قریب اسی زمانہ کا پایا جاتا ہے۔ مذکورۂ بالا سبب سے علامہ شبلی کا یہ قول کہ امیر معٰویہ نے اس مکان کو خرید کر کے مسجد بنادیا۔ امام طبری کا قول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ صحیح مانا جاوے تو خود اُنہی کی تحریر سے اُنہی کی تردید ہوتی ہے۔ اور یہ مورخ طبری کے پایۂ کمال سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے قول و مختار میں اجتماعِ ضدین کے نقائص و معائب کی تمیز نہ فرما سکیں۔ بہرحال۔ ان قرائن و معا[؟]ف سے یہ قول مورخ طبری کا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ علامۂ نعمانی آنجہانی نے کسی دوسرے کے قول کو کہیں دیکھ کر طبری کا قول سمجھ لیا ہو اور پھر اپنی کتاب میں لکھ دیا ہو۔

بہرحال۔ سیر و تاریخ کی کتابیں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کو نہ شعب ابیطالب یا بنی ہاشم میں واقع ہونا بتلاتی ہیں۔ نہ جناب خدیجۃ الکبرٰے کی عصمت سرا کے اُس حصّہ میں اُن حدود و قیود کے ساتھ جسکی فی زماننا عام مسلمانوں کو زیارت کرائی جاتی ہے۔ اور جسکی زیارت کا شرف رسالۂ خاتونِ جنت کے مؤلف کو حاصل ہو چکا ہے۔

صاحب اخبار الوفاء نے عتباتِ عالیات مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ زاد اللہ شرفہما کے تمام مقاماتِ زیارت کے تذکروں کو اور آنکے اصلی مقامات اور نشانات کو بہ نسبت اور مؤلفین کے سب سے زیادہ مفصّل اور مکمّل مندرج فرمایا ہے۔ مگر اس میں بھی کہیں آپکے اس مولدِ خاص کا جس حدودِ مفصلہ کے ساتھ ہمارے ممدوح الیہ نے ذکر کیا ہے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

اسی طرح محدث دہلوی نے جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب میں جو دراصل اسی کتاب اخبار الوفا کے تتبع میں تالیف کی گئی ہے۔ کہیں اس مولد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ اس مولد کو وہاں زیارتگاہوں میں بیان کیا ہے۔

صاحبِ رسالۂ خاتونِ جنت کا اس مولد کو عام زیارتگاہ ہونیکی وجہ سے جناب سیّدہ علیہا السّلام کا خاص اور اصلی مولد سمجھ لینا۔ اگر کچھ صحیح ہوسکتا ہے تو صرف خوش اعتقادیوں کے ان ظاہر نما معنوں تک کہ ؎

ہر کجا نامِ اوست قبر بانم
عاشقاں را چہ کار با تحقیق

مگر تحقیق کے عاشق۔ تلاش کے شیدا اور اصلیت کے سودائی اس پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ اس ظاہری اسباب کو اپنے قلبی اطمینان کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ وہ اس مولدِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بھی اُسی شہرِ مکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور مولدِ علی علیہ السّلام کو بھی شہر کی آبادی سے دور فاصلہ پر دن رات ملاحظہ فرماتے ہیں۔ جو صرف اس خاص غرض سے علیحدہ بنادیا گیا ہو کہ جنابِ علی مرتضیٰ علیہ السّلام کے اس خصائص مشارف میں کہ ولادت فاطمۃ بنت اسد فی جوف الکعبۃ شاہدِ صادق ہے۔ تخفیف و تشکیک پیدا ہوجائے۔

تحقیق کرنیوالے جانتے ہیں کہ مولدِ علیؑ ہی کے استخفاف فضائل پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ مشہدِ علیؑ کو بھی مقامِ اصلی سے مشتبہ بنادینے کے لیے ایسی کارروائی عمل میں لائی گئی ہو۔ اور نجفِ اشرف سے مدفنِ مبارک اُٹھا کر شہرِ بلخ میں روضۂ مبارک تیار کرادیا گیا۔ جس کو آج تک ہزاروں اہلِ اسلام اپنی غلط تفہیم اور سوءِ تعلیم سے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السّلام کا اصلی مدفنِ منور اور مرقدِ مطہر سمجھ رہے ہیں حالانکہ تمام اسلامی کتبِ تاریخ و سیر میں آپکی شہادت سے لیکر آپ کے مدفون ہونے تک تمام دکمالی حالات پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند ہیں۔

ان خوش اعتقادیوں کے غلط اصول اس امر کا ضرور شبہ دلا رہے ہیں کہ مولودِ جنابِ سیّدہؑ کو حضرتِ خدیجہ کے مکان خاص میں واقع ہونے پر اس قدر اصرار ہے۔ جس کا ثبوت کسی کتاب سے نہیں دیا گیا ہے۔

صرف اس غرض سے اختیار کیا گیا ہو کہ آپ کی اور نام نہاد بہنیں جو ربائب النبیؐ سے بڑھا کر بنات النبیؐ بنادی گئیں۔ اُسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ اس لیے جنابِ سیّدہ صلوات اللہ علیہا کا پیدا ہونا بھی اُسی گھر میں دکھلا کر مساوات فی المدارج ظاہر کیجائے۔ اگر ایسا ہی ہے اور یہی خیال صحیح ہے تب بھی خلافِ امید فرقِ بعید ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مساوات بینہما کا مسئلہ اگر صحیح ہوتا تو اسکی مولد کے ساتھ دو اور مولد بھی اُس مقام پر اُسی تزئین و تکریم کے ساتھ تیار ہوتے۔ اور جُدا جُدا زیارتگاہوں کی عمارتیں اگر نہ بنائی گئی ہوتیں تو کم سے کم اُسی مولد مقدس میں اُن غریبوں کے نام کو شامل کرکے اسکو مولدِ فاطمہؑ کی جگہ مولدِ بنات النبیؐ سے مشہور کیا گیا ہوتا مگر نہیں۔ نہ اُنکے کہیں نام ہیں اور نہ تمام مکان بھر میں اُنکی مولد کیلیے کوئی نشان۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اِس مکانِ مقدس سے جن ذواتِ عالیات کو حقیقی اور اصلی تعلق تھا۔ وہ اور اُنکے تمام مبارک آثار اُس مقام پر عام اس سے کہ صحیح ہوں یا غیر صحیح آج تک قائم و برقرار ہیں۔ وھٰذا افضل و شرفٌ یؤتیہ من یشآء۔

ہمارے ذیقدر مؤلف نے شعبِ بنی ہاشم میں جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کا مولد اور مکان حضرت خدیجہ میں آپکی ولادتِ باسعادت کا واقع ہونا تحریر فرما کر آپ کی ولادت کے تمام واقعات کو تاریک اور مشتبہ بنادیا ہے جو تنقیح و تنقید کے وقت کبھی صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ حقیقت میں فریقین کے علماء نے کسی خاص مقام کو آپ کا مولد نہیں بتلایا جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ جنابِ سیّدہ نساء العٰلمین اپنے پدرِ بزرگوار حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین کے کاشانۂ رسالت میں پیدا ہوئیں کیونکہ جیسا ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کسی تاریخ و سیر کی کتاب سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ تقریبِ مناکحت کے بعد آپ اپنے گھر سے اُٹھکر جنابِ خدیجہ کے مکان میں سکونت پذیر ہوئے ہوں۔ نہ جنابِ ختمی مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حفظ مراتب خاندانی اور صلۂ رحم کی رعایتوں سے یہ امید کیجاتی ہے کہ آپ نے اپنے موروثی اور آبائی موطن و مسکن سے یہ بے التفاتی اور ناتوجہی اختیار فرمائی ہو اور نہ جنابِ صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ کے حسنِ عقیدت۔ معرفتِ رسالت اور آدابِ شناسی سے یہ یقین ہوسکتا ہے کہ آپ نے کبھی اپنے مقدس شوہرِ عالی گوہر کو

اس امر کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہو۔ لا واللہ۔ ان بزرگواروں کے نفوسِ عالیہ سے اُن امور کا ظاہر ہونا جو عام طبیعتوں کے خواص میں داخل ہیں ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔

مولدِ مطہر کی نسبت فریقین کی یہی تحقیق ہے کہ جناب سیدہ اپنے پدر عالی مقدار کے گھر میں پیدا ہوئیں اور یہی وہ کاشانۂ مبارک اور آستانۂ مقدس تھا جہاں سلسلہ خلیل اللہ۔ خانوادۂ ذبیح اللہ سلام اللہ علےٰ نبیّنا وآلہ وعلیہما السلام کے سرمایۂ ناز اور باعث فخر و اعزاز بزرگوار ہاشم و عبدالمطلب سے لیکر ابیطالب و عبداللہ سلام اللہ علیہم اجمعین تک پیدا ہو ہو کر رونق بخشِ عالم ہو چکے تھے۔

سنِ ولادت کے متعلق فریقین نے اپنے اس مختار کو تحقیق کا معیار قرار دیا ہے کہ جناب سیدہ کی ولادت بعثت کے پانچویں سال میں روزِ جمعہ بیسویں جمادی الاخرٰے کو واقع ہوئی۔ دلائل الامامت میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولادت جناب سیدہ طاہرہ بینتالیسویں سال ولادت حضرت رسول سے بیسویں جمادی الاخرٰے کو واقع ہوئی پس آٹھ سال مکہ میں۔ دس سال مدینۂ منورہ میں اور پچھتر روز (ڈھائی مہینے) بعد وفات حضرت رسول مقبولؐ زندہ رہکر تیسری جمادی الآخر کو گیارھویں سال ہجرت میں آپ نے جانب ریاضِ جنت انتقال فرمایا۔ جلاء العیون مُلا مجلسی علیہ الرحمہ ص ۸۹۔

سوادِ اعظم کی اکثر روایات منفردہ اور ضعیفہ سے آپکی ولادت پانچ سال قبلِ بعثت بھی بتلائی جاتی ہے۔ مگر اسکے صحیح مان لیے جانے سے جو آیندہ واقعات میں اختلافات و فسادات حائل ہوتے ہیں وہ اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ان علماء کو آپکے حالات سے ناتوجہی اور کم دلچسپی ہونیکے باعث سے اصلیت اور حقیقت پر زیادہ غور کرنیکا موقع نہیں ملا اور اسی وجہ سے یہ اختلاف واقع ہوگیا اور قبل و بعد بعثت کی تحریر میں سہو ہوگیا۔

شعب ابیطالب (بنی ہاشم) میں بھی آپکی ولادت کے واقع ہونیکی عدم صحت اور اُسکے ناقابلِ اعتبار اور غیر مطابق ہونیکے ثبوت ہم اوپر لکھ آئے ہیں تکرار کی حاجت نہیں۔ ہاں شعب ابیطالب کے واقعہ میں جو ششم بعثت میں واقع ہوا۔ جناب سیدہ دو برس کی ہوچکی تھیں اور آپ اپنی مادرِ گرامی قدر اور پدر عالی مقدار کی رفاقت میں اس قیامت خیز امتحان گاہ کے ہر موقع پر شریک رہکر دنیا اور اہل دنیا کو اپنے صبر و رضا اور تسلیم و تحمل کے جوہروں کا مشاہدہ فرما رہی تھیں۔ آپ کا سن دو برس کا ہو چکا تھا اور فضل خدا سے اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ آپ آغوشِ والدین سے کبھی کبھی اُتر کر اپنے قدم میمنت لزوم سے فرشِ زمین کو پابوسی کا شرف و امتیاز عنایت فرمائیں۔ اور ظاہر طور پر اُسی تنگ درہ کی سنگلاخ زمین پر وقتاً فوقتاً آپ اپنے پیروں سے چلا کریں۔ اگرچہ یہ زمانہ محصورین شعب کے لیے نہایت سخت و صعب تھا اور مجبورین بنی ہاشم جس تکلیف۔ پریشانی اور غیر اطمینانی کے ساتھ وہ پہاڑ کے ایسے دن کاٹ رہے تھے! اُسکا اندازہ کرنا میرے تحریری امکان سے محال ہے۔ مگر حد سے زیادہ شفیق والدین جناب سیدہ کے ایسے مغتنم پارۂ جگر کی صغر سنی اور اُس درہ کوہ کی پتھریلی زمین۔ اُسکی ڈراؤنی غیر آبادی اور ہر چار طرف کی وحشت کو خیال کرتے تھے تو اُنکی پُر حسرت دل اپنی مصیبت۔ پریشانی اور بے سر و سامانی کو بھول جاتے تھے۔ اور جہاں تمام مصائب و شدائد پر صبر کیا جاتا تھا۔ اس خاص روحانی مصیبت پر بھی مافوق العادت صبر اور خاموشی اختیار فرما لیا کرتے تھے۔ بڑی حیرت تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ ایک ہی جگہ اور ایک ہی حالت میں گرفتار تھا۔ اور اس وجہ سے تمام قبیلہ والے ہر وقت اس شمع نبوت کے اِرد گرد پروانہ وار بنے رہتے تھے۔ اور اس نونہالِ گلشن رسالت کو اپنے گلوں کا ہار بنائے رکھتے تھے اور بہزار شرف و افتخار ہاتھوں ہاتھ لیے رہتے تھے جس سے آپ کے مقدس والدین کو آپ کی طرف سے گونہ اطمینان ہو جاتا تھا اور زیادہ انتشار و افکار کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ورنہ خدانخواستہ اگر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تنہا محصور ہوتے تو پھر آپکی ضیق النفسی اور انتشار و اضطرار کی حد نہیں ہو سکتی تھی۔

عالمِ طفولیت اور ایامِ پرورش

ہم اپنے سلسلۂ سیرۃ اہلبیت کے ہر نمبر میں دکھلاتے اور بتلاتے آئے ہیں کہ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ قدسیہ کی تمام عادات من المہد الی اللحد بالکلیہ قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ امم سابقہ کے اخبار و آثارِ قدیمہ سے تمامی برگزیدگان الٰہی کی خصوصیات ظاہر اور ثابت ہو چکی ہیں۔ پس اُسی عادتِ الٰہیہ اور صفاتِ نامتناہیہ کے مطابق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے حالات و واقعات کو بھی تسلیم کرنا

چاہیے۔ چنانچہ ہم اسی کتاب میں آپ کی مبارک ترکیبِ خلقت سے لیکر ولادت تک کے حالات و واقعات میں ہر ہر موقع پر ظہورِ قدرت کا جلوہ فرما ہونا فریقین کی اسناد سے لکھ آئے ہیں۔ اور اپنے اُسی التزامِ تالیفی اور نظامِ ترتیبی کے ساتھ اپنے سلسلۂ بیان کو جناب سیدہ کے ایامِ پرورش اور عالمِ طفولیت کے حالات کے ساتھ آگے بڑھاتے ہیں۔

ہم اپنے تمام سلسلوں میں بیان کر آئے ہیں اور بتلا آئے ہیں کہ ان نفوسِ قدسیہ کے عادات و اطوار اور صفات و آثار کو معمول کے عام قاعدے پر اور عام طبیعیات و عادات کے انداز پر خیال کرنا کمال بے ادبی اور شوخ چشمی ہے۔ ان حضرات کی کوئی عادت اور صفت کسبی اور انسانی تعلیم و تربیت کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ وہ بالکل وہبی اور روحانی تائید و توفیق کے متعلق ہوتی ہے۔ منتظمانِ قدرت نے روزِ ازل ہی سے انکے نفوس کو روحانی تقدس کے اُن اعلےٰ جوہروں سے آراستہ فرمایا ہے جسمیں انسانی ترکیب و تدبیر کی سر مو گنجائش نہیں۔ امامی بلگرامی مرحوم فرماتے ہیں ؎

پروردۂ ہوائے گلستانِ قدرتیم
تابِ نسیمِ خلد ندارد دماغِ ما

اسی اصولِ قدرت کی بنا پر علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے جناب سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرمائی ہے کہ جب جناب سیدۃ نساء العٰلمین متولد ہوئیں تو آپ ایک روز میں اس قدر بڑھتی تھیں کہ اور بچے جتنا سات روز یعنی ایک ہفتہ میں بڑھتے ہیں اور آپ ایک ہفتہ میں بقدر ایک مہینہ کے اور اسی طرح ایک مہینہ کے اندر ایک سال کے برابر بمقابلہ عام بچوں کے نشو و نما پاتی تھیں۔ جلاء العیون ص ۸۹۔

یہی ہیں قدرت کے نظام اور مشیت کے اہتمام جو بالکل وہبی طریقوں اور روحانی تدبیروں سے عمل پذیر ہوتے ہیں اُن میں نہ کسی بشری ترکیب کی ضرورت ہے اور نہ انسانی تدبیر و تائید کی احتیاج۔ اس کو نہ معمول سے واسطہ اور نہ عام طبیعتوں کے خواص و عمل سے سروکار۔ زمانہ کی معمول پسند طبیعتیں مندرجۂ بالا واقعات سے سمجھ لیں کہ آیا کسی انسانی تدبیر عملی اور کسی حکمت سے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک دن کا بچہ قوائے جسمانی اور تمام فہم و ادراک انسانی کے ساتھ کُل ایک دن میں ایک ہفتہ کے بچے کے برابر کر دیا جائے اور پھر اسی طرح وہ ایک ہفتہ میں مہینہ بھر کے اور مہینہ بھر میں سال بھر کے بچے کے برابر ہوش گوش والا بنا دیا جائے اِنَّ ھٰذَا الشَّیءُ عُجَاب۔

یہی قدرت کے تصرفات کہلاتے ہیں اور مشیت کے اعجاز و کرامات۔ جو اہل اللہ کی اصطلاحات میں خوارقِ عادات کے مخصوص الفاظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ اور جس کو دنیا کی ظاہر بیں نگاہیں نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ معمولی طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں۔ وہ کونسی قوت تھی جس نے گہوارے کے اندر سے ایک شیر خوار بچہ میں اپنی جبروتی قدرت سے قوتِ ناطقہ کا کامل جلوہ دکھلا کر اپنے پیغمبرؑ اور صدیقہ کی عصمت، بیجرمی اور بیگناہی کی شہادت دلوائی اور تصدیق کرائی۔ وہ کونسی قدرت تھی جس نے ایک دوسرے موقع پر ایک دوسرے طفلِ نوزائیدہ کی زبانِ صداقت و کرامت ترجمان سے اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کہوا کر اُسکی مادرِ گرامی قدر کی عصمت و پاکدامنی ثابت کرائی۔

اُسی غیر مستدرک قوت و جبروت نے اس وقت جناب صدیقۂ کبرےٰ حضرت فاطمۃ الزہرا کے مبارک اور ننھے لبوں سے پیدا ہوتے ہی اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد انّ ابی رسول اللّٰہ کہوایا اور تمام دنیا کو برگزیدگانِ ربانی اور عام طبقۂ انسانی کا فرقِ مابہ الامتیاز دکھلایا۔ جلّ جلالہ و جلّ شانہ۔

اگر دنیا کے دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا ہوں تو وہ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ قدسیہ کے حالات کا مشاہدہ اور واقعات کا مسامعہ فرما کر اُس قادرِ مطلق کی قدرت اور حکیمِ برحق کی حکمت کا اعتراف اور ان حضرات کے مخصوص مدارج و مراتب کا اقرار کریں اور اُنکی ارادت، عقیدت اور متابعت کے طریقوں میں سمعاً و طاعتاً کہکر فرقِ تسلیم جھکائیں۔

بہرحال۔ تمہیداً اتنا بیان کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ جناب سیدۂ عالم و عالمیان سلام اللہ علیہا من ربّ المنّان قدرتِ الٰہی کے انہی انتظاموں کے ساتھ اپنے والدین عالی مقدار کے دامانِ اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ آپکی پرورش کے متعلق آپکے مقدس والدین کے اشفاق کیسے تھے اور اِن حضرات علیہما الصلٰوۃ والتحیات نے اپنے اس پارۂ جگر کی راحت رسانی۔ دلجوئی۔ خاطرداری اور پرورش کے ظاہری اسباب کے لیے کیا طریقے اختیار کیے تھے۔ ہم کو اس امر کے لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم اِن حضرات کی علوشانی کے مقابلہ میں ان امور کو بالکل معمولی اور عامیانہ سمجھتے ہیں۔ ہمکو ان امور کے

متعلق سمجھ لینے کے لیے کافی ہوگا کہ جب قدرت الٰہی نے جناب سیّدہ کی ذات قدسی صفات کو اپنے مخصوصین بارگاہ اور خاصان رب العلمین کے مقدس دائرہ میں شامل کر لیا اور اپنی قدرت کے ظہور آثار سے تمام دنیا کو انکی علو ہمتی کی معرفت کرادی تو اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپکے مدارج و مراتب کی معرفت ابتدا ہی سے بدرجۂ اولےٰ حاصل کرادی ہوگی۔

جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کے ذاتی مدارج و مراتب جو خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی طرف سے عنایت فرمائے گئے وہ آپکے مقدس والدین کے اشفاق و توجہ کے مبذول فرمائے جانیکے لیے کیا کم تھے۔ اُسپر نورٌ علےٰ نور۔ پارۂ جگر۔ قرۃ العین۔ اپنے دل وجان اور روح رواں ہونے کی خصوصیت نے اُنکے اشفاق۔ توجہ اور دلداری کو اور زیادہ وسیع فرما دیا۔ ظاہر طور پر ہر شخص باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اشفاق والدین کے تمام سامانوں اور ارمانوں کے ساتھ پرورش پاتی رہیں۔ مقدس والدین سے زیادہ شفیق خدا کی توفیق تھی اور اُس کی روحانی تعلیم جس کے آگے نہ کسی ظاہری تعلیم و تدریس کی ضرورت تھی اور نہ ترتیب و تحریک کی احتیاج۔ اُسکے مخفی محسوسات اور پوشیدہ جذبات معارفِ ربانی اور معالمِ یزدانی کے متعلق ہوتے ہیں اور اُن میں انسانی عملی مشاہدات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ وہی روحانی طریقہ ہے جو قدیم سے برگزیدگانِ الٰہی کے مبارک سلسلہ میں چلا آتا ہے اور اُسی کے مطابق ہمیشہ سے تقدیر الٰہی جاری ہوئی ہے۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تمام صفات وکمالات بھی انہی وہبی اور روحانی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ رسالۂ خاتونِ جنت کے لائق مؤلف نے مجمل طور پر ان حالات کو منہج فرمایا ہے۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے:۔

"باپ کے عشق کا یہ عالم تھا۔ ماں پہلے ہی سے داغِ مفارقت دے چکی تھیں۔ اب فاطمہؑ کی تعلیم و تربیت سوائے معلم حقیقی کے اور کس کے سپرد تھی۔ فطرۃ صالحہ کا سبق زیر نظر تھا۔ کتاب اللہ کی روشنی نے دل و دماغ روشن کر دیے تھے۔ ماسوے اللہ کے خس و خاشاک سے سینہ پاک وصاف تھا۔ رسول اللہ کہنے کو اُمّی تھے لیکن اسرار علوم و فنون خزائن حقائق و معارف سے بہرہ ور تھے۔ پڑھنے پڑھانے والوں کی ظاہری آنکھوں میں نور ہوتا ہے۔ آپ کی باطنی آنکھیں روشن تھیں۔ آپ کے قلب پر تمام علوم ولطائف کا نقش تھا۔ اسی روحانی علم و دانش کا عکس فاطمہؑ کی سیرت صالحہ پر پڑا۔ اور اسی تربیت نے بے پڑھے لکھے کی بیٹی کو پڑھے لکھے جہان کا قبلہ بنا دیا۔ باپ از فرق تا قدم کیمیا تھا۔ اسکی خاک سونا تھی۔ اسی کی صحبت مقدسہ کو تم فاطمہ کی درسگاہ سمجھ لو۔ یہی وہ کالج تھا جس میں زہراؑ نے اپنا کورس تمام کیا۔ اور حقیقت کے تاج نے آپ کے سر کو بوسہ دیا۔ دنیا کے علوم و فنون ہمیشہ کے لیے سربسجود ہو گئے۔ یہ فاطمہؑ کا ذہن پاکیزہ طبیعت ذکی۔ قلب پر نور تھا۔ فطرت صالح تھی۔ گوشت پوست میں خونِ رسالت کی حرارت تھی۔ نبی کریمؐ کی صحبت میں وہ کچھ حاصل کر لیا جس کے سودے میں ہماری مستورات عمریں برباد کر دیتی ہیں۔ پر نہیں ملتا۔ فاطمہؑ نے آگے چل کر بتلا دیا کہ اللہ کے پڑھائے ہوئے ایسے ہوتے ہیں۔ تم ساری عمر کتابوں کے کیڑے بنے رہتے ہو۔ لطائف و حقائق کے حصول میں فاتر العقل بنجاتے ہو۔ لیکن جب تمہارا امتحان لیا جاتا ہے کورے کے کورے نظر آتے ہو۔ برخلاف اسکے فاطمہؑ کی طرف دیکھو کسی مدرسہ میں قدم نہیں رکھا۔ باپ اُمّی ہے۔ پھر بھی اسوۂ نبوی کی برکت سے علم وفضل کی آفتاب بن گئیں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
گر نہ بخشد خدائے بخشندہ"

مندرجۂ بالا عبارت میں بعض بعض جگہ تحریر کا وہی طریقہ اختیار کیا ہے جس سے عام و خاص کی معرفت اور احترام میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا مگر تاہم اُن سے ہمارے مدعا کا چونکہ پورا انجبار اور اثبات ہو جاتا ہے اس لیے اُسکی تنقید کی چنداں ضرورت نہیں دیکھی جاتی بہر حال۔ مندرجۂ بالا تحریر سے ثابت ہو گیا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی جو کچھ تعلیم ہوئی یا آپ کی جو کچھ معلومات۔ وہ آپ کو بالکل وہبی اور روحانی طریقہ سے حاصل ہوئی تھی۔ اور آپنے ان تمام معارفِ حقائق کو اپنے پدرِ عالیمقدار کی خدمت سے حاصل فرمایا تھا۔ اور یہی فریقین کا مختار ہے۔

تمامی اسلامی تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا پانچ برس کی ہوئیں تو آپکی مادرِ گرامی قدر حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اس

زمانہ میں ہم کو سوادِ اعظم کے علماء کی اسناد سے جناب سیدہ کے متعلق صرف دو واقعات ملے ہیں جن کو ہم رسالۂ خاتونِ جنت کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں :-

حضرت خدیجۃ الکبرٰے کے حینِ حیات ایک بار انکے کسی عزیز کی شادی تھی۔ اس تقریب پر انہوں نے اپنی بچیوں کو نئے کپڑے اور زیور پہنا کر شادی میں بھیجا۔ چونکہ بی بی خدیجہ دولتمند اور متموّل خاتون تھیں انہوں نے کشادہ دلی سے بچیوں کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے اور نفیس و خوبصورت زیورات بنوائے تھے۔ بی بی فاطمہؑ کی عمر اُس وقت پانچ سال کے قریب تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ کیا تو یہ ننھی سی عمر اور کیا یہ سادگی۔ یا دنیائے دوں کی طرف سے بےرخی۔ کہ آپ نے زیور پہنکر شادی میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حالانکہ انکی اور بہنیں بن سنور کر گئیں۔ اس عمر میں نئے کپڑے اور زیورات پہننے کا جس قدر شوق ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر حضرت سرورِ کائنات صلعم کے پاک نصائح و تعلیم کا اثر آپکے دماغ میں بچپن ہی سے جاگزیں ہو چکا تھا۔ خاتونِ جنت ص ۵۵۔

چار سال کے سن میں ایک دن آپنے اپنی ماں سے سوال کیا کہ خدا کی قدرتیں تو ہمیں ہر وقت نظر آتی رہتی ہیں۔ کیا خدا کا دیدار بھی کبھی نصیب ہونے کی توقع ہے؟ ام المؤمنین نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم دنیا میں نیک کام کرینگے اور لوگوں سے اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ رکھیں گے۔ خدا کے احکام کی تعمیل میں کوشاں رہینگے اُسکے رسول پر ایمان لائینگے تو فردائے قیامت کو خوشنودی خدا کے مستحق ہونگے۔ اور یہی اللہ تعالے کا دیدار ہے۔

ان دونوں واقعات کی تحریر میں بھی لائق مؤلف نے اپنے قدیم طریقہ کے مطابق وہی معمولی اور عامیانہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اُسکے لیے ہم اُن کی خدمت میں زیادہ شکایت نہیں کرتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اس امر میں ایک خاص حد تک مجبور ہیں۔

پہلے واقعہ سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی بچپن ہی سے دنیاوی زیبائش اور ظاہری حسن و آرائش سے کراہت اور نفرت ثابت کرتا ہے اور اسی سے انکی فطرتِ صالحہ اور عادتِ مطہرہ کا فرق و امتیاز بمقابلہ آپ کی دوسری (منہ بولی) بہنوں کی اُفتادِ طبیعت کے پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے واقعہ کی نسبت مجھ کو یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم نے۔ جناب سیدہؑ ہی پر منحصر نہیں ہے۔ ائمۂ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کے دائرہ میں کسی بزرگ کی نسبت ایسے سوال کرنے کو عام اس سے وہ کتنے ہی کم سن کیوں نہوں قطعی ممتنع قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایسے استفسار سے اُنکی تعلیم روحانی اور معرفتِ ربانی کے کمال مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ مگر ہمنے اس واقعہ کو اس خیال سے نقل کر دیا ہے کہ رویتِ خدا کے متعلق سوادِ اعظم میں جو غلط اعتقاد قائم کیے گئے ہیں وہ ہرگز خاصانِ الٰہی اور اہلبیت حضرت رسالت پناہی کے مختار اعتقاد نہیں ثابت ہوتے۔ اور جناب سیدہ اور حضرت خدیجۃ الکبرٰے سلام اللہ علیہما کے قول کو جو خود اُنہی حضرات نے اپنی اسناد سے اپنی کتابوں میں نقل فرمائے ہیں اُنکے اس غلط اعتقاد کی تردید و تکذیب ہو جاتی ہے۔ بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ دونوں واقعات جو اوپر لکھے گئے بچپن ہی سے جناب سیدہؑ کی ظاہری اور نمائشی آرائشوں سے کشیدگی اور دنیاوی زینتوں سے کبیدگی۔ آپ کی سادہ پسند طبعِ مطہر کی پاکیزگی، اخلاق و عادات کی از حد لطافت۔ روحانی عظمت و تقدس پر کامل عتبار و اعتراف باطنی محاسن و مقاصد پر پورا اعتماد و افتخار ثابت کرتے ہیں اور یہی خاصکر ہمارے مدعا ہیں۔ برگزیدگانِ الٰہی کی سچی معرفت رکھنے والوں کو۔ ان ذواتِ عالیہ اور نفوسِ مقدسہ کے ذاتی مدارج و مناقب کی تحقیق کی معرفت میں۔ یہی دو واقعات کافی ہیں۔ اور انہی سے وہ بلا تحریکِ خود خاص و عام کے فرق ما بہ الامتیاز کو کماحقہ معلوم کر سکتے ہیں۔

جنابِ خدیجۃ الکبرٰے کی وفات جنابِ سیدہؑ کی پہلی مصیبت

خاصانِ الٰہی کی خصوصیات میں داخل ہے کہ ابتلائے مصیبت ابتدا ہی سے اُنکی مقدس حیات کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ مصائب شدت کے اعتبار سے بمقابلہ اور لوگوں کی مصیبتوں کے زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے ؏

جن کے رتبے ہیں سوا اُنکو سوا مشکل ہے۔

کیونکہ عادلِ حقیقی نے جب تمام قوائے جسمانی اور روحانی ان بزرگواروں کو بمقابلہ عام طبقاتِ انسانی گوناگوں زیادہ عنایت فرمائے ہیں تو اُسکی عدالت کا یہی مقتضیٰ تھا کہ وہ انکے مصائب و آلام کو بھی عام لوگوں کی مصیبتوں سے زیادہ قرار دے۔ کیونکہ مقتضائے عدالت ہونیکے علاوہ جو بہت بڑی بات اور خصوصیات۔ قدرت کے اس منشاء میں بظاہر مضمر ہے وہ یہ ہے کہ ان مصائب و شدائد کی افزائش اور اُسکے تحمل میں ان حضرات کی ترقیِ مدارج و مناقب اور افزونیِ فضل و مراتب منحصر رکھی گئی ہے جو صلوٰۃ من ربھم و رحمۃ کی پاک بشارتوں سے پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے انواع و اقسام کے مصائب میں گرفتار ہونا اور اُن پر نہایت صبر و استقامت سے صبر کر جانا اور خموشی اور سکوت سے اُنکو سہنا برگزیدگانِ الٰہی کے ارتفاعِ درجات کا خاص ذریعہ اور سبب قرار دیا گیا ہے۔ اور نظامِ الٰہی نے اس ابتلاء و امتحان میں ہر بزرگ کو اُسکے زمانہ کی ضرورت کے مطابق ان مصائب و شدائد میں خاص طور پر حصہ لینے کے لیے مامور فرمایا ہے۔ جیسا کہ کتب سماویہ اور امم سابقہ کے اخبار و آثار سے کماحقہ ثابت ہے۔

اسی اصول کی بنا پر مشیت نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو یتیمی کی دردناک مصیبت کے امتحان میں شریک ہونیکا ایسی کم سنی کے وقت ہی سے حکم فرمایا۔ جب مشکل سے عمر آپ کی پورے پانچ برس کی بتلائی جاسکتی ہے۔ اس اجمال اور واقعۂ حسرت و ملال کی تفصیل یہ ہے کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا نے بعثت کے دسویں برس اس دارِ فانی سے بہارستان جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ کلّ من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربّک ذوالجلال والاکرام۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات مصائب الزہرا کا دیباچہ تھی۔ آپ کی داستان غم کا آغاز اور آپ کے بیت الحزن کا اوّل باب جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا سے اتنی کم سنی میں شفیق ماں کا ساتھ چھوٹ گیا۔ اکیلا باپ کا سہارا رہ گیا اور وہ بھی ہمہ دم اپنے حالوں میں آپ گرفتار۔ کفارِ مکہ اور مشرکین قریش کی خونخواریوں سے رات دن جان کے لالے پڑے رہتے تھے۔

جناب خدیجہ کی ذاتی وجاہت سے جس قدر جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اطمینان اور دلجمعی بنی رہتی تھی وہ قریب قریب تمام اسلامی سیر و اخبار کی عبارتوں سے ظاہر و آشکار ہے۔ پھر ایسے معاون شریک اور غمخوار بی بی کا ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانا مصیبت عظمیٰ اور قیامت کبریٰ نہیں تھی تو اور کیا تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی مفارقت کا صدمہ جیسا آپکے قلب نورانی پر جس قدر مستولی ہوا اُسکو عام قلوب انسانی اندازہ نہیں کرسکتے۔ حقیقتاً یہ جناب رسول خدا کے صبر و سکوت اور تسلیم و رضا کا کمال تھا جس کے روحانی اثر اور قوت سے آپ اپنی ایسی محسن اور معاون بی بی کے صدمۂ مفارقت کو خاموشی سے گوارا فرما گئے ؎

سر کنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

تاریخی واقعات سے جن حضرات کو دلچسپی ہے وہ جانتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باوجودیکہ بکمالِ استقلال اس قیامت خیز اور مصیبت انگیز واقعہ پر صبر تو کر لیا مگر آپ کی جملہ پیش افتادہ ضرورتوں اور موجودہ کاموں میں اس کے اثر سے جس قدر دشواریاں اور رکاوٹیں پیدا ہوئیں وہ اسی سے ظاہر ہے کہ جناب خدیجہ اور حضرت ابیطالب علیہما السلام کی وفات کے بعد جو متصلاً قریب ہی زمانہ میں واقع ہوئیں قیام مکہ کو ترک فرمایا وان اللہ یامرک بالھجرۃ کا حکم خداوندی پاکر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت اختیار فرمائی

له ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولٰئک ہم المہتدون ۰
اور ہم تمکو البتہ تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار کی کمی سے آزمائینگے اور صبر کرنیوالوں کو جب اُنپر مصیبت آتی ہے تو بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ جانے والے بھی ہیں خوشخبری دو اُنکو پروردگار کی عنایت اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو راہ راست پر ہیں ۱۲

اسلامی مورخین میں بعض نے حضرت ابیطالب علیہ السلام کی وفات کو جناب خدیجہ کی وفات سے قبل لکھا ہے اور بعض نے بعد۔ مگر قبل والی روایت کو عموماً ترجیح دی جاتی ہے۔ جناب خدیجہ نے دسویں رمضان المبارک کو سال ہجرت سے تین برس پہلے انتقال فرمایا اور مقام حجون میں مدفون ہوئیں۔

بہرحال۔ ان دونوں واقعات مصائب نے یکے بعد دیگرے واقع ہو کر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مطالب ومقاصد کی کامیابیوں میں ظاہر طور پر مایوس کر دیا اور آپ حقیقتاً ایسی دشواریوں میں گرفتار ہو گئے کہ اُسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سمجھ لینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپنے انہیں پے در پے مصیبتوں کی رعایت سے اس سال کا نام عام الحزن قرار دیا جو تمام اسلامی تاریخوں میں مشہور ومسطور ہے۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبویہ میں اسکے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

"ابوطالب کی وفات کے چند روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اُنہوں نے ابیطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپکے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے۔ صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا ہے۔ حضرت خدیجہ نے ۱۰ رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات کی۔ آپ کی عمر ۶۵ برس کی تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اُنکی قبر میں اُترے۔ اُس وقت تک نماز جنازہ شروع نہیں ہوئی تھی۔ ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بیرحمی اور بیباکی سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے۔" مطبوعہ کانپور ص ۱۸۲

مندرجۂ بالا عبارت سے کافی طور پر ثابت ہو گیا کہ جناب خدیجہ کی حیات تبلیغ رسالت کے امور کے متعلق کس حد اور درجہ تک مفید اور نفع رساں تھی جس کا اقرار زبان رسالت نے ذیل کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے :-

واللہ ما ابدلنی اللہ خیراً منہا امنت لی اذا کفر بی الناس وصدقنی اذا کذبنی الناس وواستنی بمالہا اذا حرمنی الناس ورزقنی اللہ منہا الولد دون غیرہا من النساء (فی الاصابۃ عن عائشۃ)

ارشاد فرمایا۔ کہ قسم خدا کی۔ خداوند عالم (میری بیبیوں میں) میرے لیے اُس سے اچھا بدلہ نہ دے سکا۔ وہ اُس وقت مجھپر ایمان لائیں جب تمام لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کیا۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میری تصدیق کی جب تمام لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اور اُنہوں نے اُس وقت میں اپنے مال سے میری اعانت کی جس وقت سب لوگوں نے مجھ کو مالی امداد پہنچانے سے محروم رکھا۔ اور خداوند عالم نے سوائے اُنکے مجھ کو میری کسی بی بی کے ذریعہ سے نعمت اولاد عطا فرمائی (اصابہ فی معرفۃ الصحابہ مروی از عائشۂ صدیقہ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت خدیجہ کی مبارک زندگی ازحد مفید ہونے کے ثبوت میں ان سے بڑھکر صحیح اور پُراثر الفاظ نہیں ہو سکتے ہیں جو مخبر صادق کی زبان صداقت توامان سے ابھی ابھی ادا ہو کر لکھے گئے۔ ان کے حرف حرف سے اُن مقدسہ کی خدمات عُلیا اور محاسن اعلےٰ کا اظہار و اقرار ظاہر و آشکار ہے۔ خصوصاً ان کے محاسن خدمات کے آخر اقرار کو پڑھکر ناظرین کتاب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن قلبی جذبات۔ حسرت اور بیحد رنج کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو دولت اولاد کے حصول ہونیکی رشتہ تقریب میں آپکے قلب نورانی پر مستولی ہوئی تھی۔

بہرحال۔ چونکہ ہمارا مدعا جناب خدیجۃ الکبرےٰ کے فضائل ومراتب کا ظاہر کرنا نہیں ہے اس لیے ہم اُنکی زائد تفصیل وتشریح سے قطع نظر کر کے اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہمارا مدعا اتنا لکھدینے سے صرف اسی قدر تھا کہ ایسی معین رفیق اور مددگار بی بی کی فرقت خصوصاً دشمنوں کی شورش اور عام فتنہ انگیز عالم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسی قیامت تھی پھر اس کے ساتھ ساتھ جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی اور ایسی کم سنی میں یتیمی اور بھی نمکپر جراحت تھی۔ ایکبار زوجہ اور زوجیہ مصدقین ومعاونین کے اُٹھ جانے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات اور تمردات دہ چند ہو گئے

---

[1] تعجب ہیکہ مولوی شبلی صاحب سا مستند عالم واقعات اسلام کو شروع ہونے تعبیر فرماتے

پھرانہی ترددات کے ساتھ کمسن صاحبزادی کی دیکھ بھال ان کی تسکین ودلجوئی کی فکر۔ انکی راحت رسانی اور آرام وآسائش کے اسباب وسامان کی فراہمی آپ کے لیے تردد برتردد اور غم بالائے غم تھے۔ چنانچہ انہی ایام کا ایک دلخراش اور پراثر واقعہ اسلام کی اکثر تاریخوں میں مندرج پایا جاتا ہے جسکو دیکھکر اور پڑھکر بے اختیار قلب بے چین ہو جاتا ہے۔ علاّمہ سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں مجاہد ابن میمون کی اسناد سے نقل کرتے ہیں:۔

عن فاطمۃ رضی اللہ عنہا قالت قلت لابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این امنا خدیجۃ قال ببیت من قصب لا لغوب فیہ ولا نصب بین مریم وآسیہ امرءۃ فرعون قلت من ای قصب قال القصب المنظوم بالدر والیاقوت۔ (المودۃ الثالث عشر۔ ترجمہ مطبوعہ لاہور ص ۱۰۰) جناب سیدہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن اپنے پدر عالیمقدار جناب رسول مختار علیہ السّلام سے پوچھا کہ میری ماں خدیجہ کہاں ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ وہ بہشت کے ایک ایسے مکان میں ہیں جس میں ذرا بھی سختی نہیں معلوم ہوتی ہے اور وہ مکان جناب مریم اور جناب آسیہ زن فرعون (علیہن السلام) کے مکانوں کے درمیان واقع ہے۔ پھر میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ وہ مکان کس چیز کا بنا ہے تو جواباً ارشاد ہوا کہ وہ موتی اور یاقوت سے آراستہ ہے۔

یتیم معصومہ اروا حنالہ الفدا کا یہ صرف کہنا این امنا خدیجہ اے باپ! میری ماں خدیجہ کہاں ہیں؟ دردرسیدہ اور غمدیدہ باپ کے قلب مجروح پر کیسا نشتر زن ہوا ہوگا۔ وہ کچھ اولاد والے ناظرین کتاب اپنے اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھکر آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میری کسی تحریک کی ضرورت نہیں۔ کس قیامت کا درد بھرا فقرہ ہے اور کیسا دلنشین نشتر چبھانیوالا کلمہ ہم اس کی پوری ماہیت اور اثر کو اپنے ناظرین کتاب کے دائرہ میں خصوصاً اُن حضرات کے قلبی اندازہ پر چھوڑتے ہیں جن کو تقدیر الٰہی سے دنیا کی امتحان گاہ میں ان صدمات سے سامنا ہو چکا ہے۔

پرورش اور تربیت کا زمانہ

یہ مسلم ہے کہ برگزیدگانِ الٰہی کی فطرت صالحہ کو کسی بیرونی پرورش اور تربیت کی ضرورت نہیں۔ مشاطۂ قدرت اُنکی طبیعت کے نورانی پیکر کو خود آراستہ کر دیتی ہے اور انسان کے غیر محتاط ہاتھوں کو اُنکی درستی اور آرائش کی شرفیابی تک رسائی پانا سراپا ممنوع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جناب سیدہ کی نسبت اس قسم کے واقعات کو زیادہ تلاش کرنا اور عام طور سے اُنکو آپ کی سیرت میں بیان کرنا کہ فلاں عورت نے آپکو خانہ داری کا سلیقہ بتلایا۔ یا فلاں عورت سے آپ نے آداب مجلس سیکھے اور اخلاق ومعاشرت کی تعلیم پائی۔ یہ سب آپ کے روحانی کمال میں ابتذال پیدا کرتے ہیں اور خاصانِ خدا کے مدارج ومراتب کو عامیانہ مسالک وطرائق کے ساتھ مساوی بتلاتے ہیں۔ لاواللہ۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ان نفوسِ عالیہ کی تعلیم وتربیت انسانی مداخلت سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔ انکو سوا انکے وہبی طریقوں کے کسی ذریعوں سے کیا واسطہ۔ میر آمامی بلگرامی مرحوم فرماتے ہیں ؎

پروردۂ ہوائے گلستان آں گلیم
تاب نسیم خلد ندارد دماغ ما

امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ام المؤمنین جناب ام سلمہ علیہا السّلام ارشاد فرماتی ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی اور مجھ سے عقد کیا اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو میرے سپرد فرمایا کہ میں اُنکی خدمت میں مشغول اور اُنکی تربیت میں مصروف ہوں تو قسم خدا کی بجائے اسکے کہ میں اُنکو آداب سکھاؤں میں اُن سے آداب سیکھتی تھی۔ اُن کو حاجت آداب سیکھنے کی مطلق نہیں تھی۔ وہ سب چیزوں کو مجھ سے کیا سب سے بہتر جانتی تھیں۔ (جلاء العیون ملا مجلسی نور اللہ مرقدہ ص ۸۹)

مرقومۂ بالا واقعہ کے بعد حقیقتاً ہم کو کسی تفصیل اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہی مگر ظاہری طور پر ایک سیرت نگار کی حیثیت سے اتنا بتلا دینا ضرور ہے کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد سے اُس وقت تک کہ آپ بیاہی گئیں۔ آپکی خدمت کس خدمہ کے

سپرد ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصمت سرائے رسالت اور بیت الشرف نبوت میں امہات مؤمنین میں سے کس خاتون معظمہ کو اس منصب علیا کے لیے منتخب وممتاز فرمایا.

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ تو مسلّم ہے کہ جناب خدیجہ کی حیات تک آپنے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ پھر آپ کی وفات فرمانے کے وقت گھر میں کون عورت تھی۔ جو ماں کی جگہ اس یتیم رسالت کی نگراں ہوتی۔ اُس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خاص گھر میں دو عورتوں کا موجود رہنا تمام تاریخوں سے ثابت ہے جو میرے لیے ضروری الذّکر ہے۔ ایک۔ اُمّ ایمن۔ گھر کی قدیم خادمہ۔ جو جناب عبداللہ علیہ السّلام کے مملوکات مخصوصہ سے آپکو وراثتاً ملی تھیں۔ اور ایک برکۃ نامی دوسری چھوکری جسکو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنے صاحبزادوں قاسم وطیّب علیہما السّلام کی خدمت کے لیے رکھ لیا تھا۔

ہاں خوب وقت پر یاد آیا۔ سوادِ اعظم کے ایک بزرگ محقق نے اس برکۃ کو بھی بنات النّبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں لکھدیا ہے اور اس غریب کو بھی صُلبِ نبوّت سے ہونیکا مثل اوروں کے تھوڑی دیر کے لیے شرف واعزاز عنایت فرمادیا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ خیریت سے بہت جلد محقق موصوف اپنی اس غلطی کو سمجھ بھی گئے اور فوراً اسکا اعتراف کرکے اسکی تصیح بھی فرمادی۔ انکی دونوں عبارتیں ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ باقی رہا بنات الرّسول کے خاص مسئلہ کے متعلق۔ سوادِ اعظم کے عالم رجال میں جو فسادِ عظیم برپا ہے اُسکو ہم انشاء اللہ المستعان پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ ایک جداگانہ باب میں اس کتاب کے بیان کرینگے۔

علامہ ابن حجر اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بذیل تذکرۂ بنات النّبی صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تحریر فرماتے ہیں۔

برکۃ بنت النّبی ذکرھا بعض من رجال العمدۃ للحافظ عبدالغنی فاوردنی الکتاب شیئاً من الترجمۃ النبویہ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم رقیۃ ثم فاطمہ ثم ام کلثوم

حضرتؐ کی ایک لڑکی کا نام برکۃ ہے جسکو جامعین رجال عمدہ حافظ عبدالغنی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کچھ حال حضرتؐ کا بھی اُس میں ذکر کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکۃ۔ پھر زینب۔ پھر رقیہؔ۔ پھر امّ کلثوم۔

پھر آگے چل کر اُسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔

نقلت فی القسم الثانی ثم ظہر لی انہ غلط نشاء من تحریف وذٰلک برکۃ مولاۃ النّبی کانت تربّی اولادہ من خدیجۃ فلمّا ولد القاسم خدمتہ برکۃ فکانّہ کان فی الذی نقل منہ ھٰذا المصنّف کذٰلک فتحرّفت علیہ الکلمۃ حتی ظنّہا شقیقۃ برکۃ واللہ اعلم ص ۳۳.

ہم قسم دوم میں برکۃ کو دختر نبی صلعم لکھ آئے ہیں۔ مگر بعد اُسکے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے جو تحریف سے واقع ہوئی کہ یہ برکتؔ لونڈی تھی آنحضرت صلعم کی جو اولاد خدیجہ کی خدمت کیا کرتی تھی جب قاسم پیدا ہوے تو یہ اُنکی بھی خدمت کیا کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب میں اسی طرح تھا مگر جب اُس سے نقل کیا گیا تو اُس میں یہ تحریف پیدا ہوگئی جس سے اُس نے سمجھا کہ برکت خواہر قاسم ہے۔

اور لطف پر لطف سنیے شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی اپنی سیرۃ النبویہ میں امّ ایمن اور برکۃ کو ایک ہی عورت قرار دیتے ہیں اور برکۃ کو ایک دوسری عورت نہیں لکھتے۔ چنانچہ صفحہ ۱۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اُمّ ایمن کا نام برکۃ تھا۔

لیجیے اس عبارت سے اُن تمام مرقومہ بالا تحقیقات کو سرے سے بیکار اور ساقط از اعتبار کردیا۔ اب اس جدید تحقیق کے مطابق کاشانۂ نبوّت میں سوائے امّ ایمن کے کسی دوسری عورت کا باقی رہنا ثابت ہی نہیں ہوتا۔

ہر حال۔ ہم کو اس بحث سے کوئی مطلب نہیں کہ امّ ایمن اور برکۃ ایک ہی عورت کا نام تھا یا دو مختلف عورتوں کا۔ اگر یہ ایک ہی عورت تھی یا دو جداگانہ عورتیں۔ تاہم کاشانۂ رسالت میں انکی حیثیت ایک معمولی خادمہ ہونے سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی تو پھر ایسی حالت میں انسے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تمام خدمتوں کا مثل حضرت خدیجہ کے اُسی دلجوئی اور دلسوزی کے ساتھ انجام پانا

قطعی محال تھا۔ ممکن تھا کہ غریب امِّ ایمن غایت درجہ کی خیرخواہی اور وفاشعاری کے ساتھ جناب سیّدہ کی خدمتوں کے فرائض منصبی کو باحسن الوجوہ انجام دیتی بھی ہوں تو کیا انکی یہ کارگزاری کبھی حضرت خدیجہ کی محبت و اشفاقِ مادری کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ لا واللہ۔

اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امِّ ایمن نے کچھ اوپر تین برس تک جناب سیّدہؑ کی خدمتوں کو حضرت خدیجہ کی وفات سے لیکر اُس وقت تک کہ حضرت اُمِّ سلمہ علیہا السّلام بیت الشرف رسالت میں آنحضرت صلعم سے منعقد ہوکر نہ آئیں پوری خیرخواہی اور دلسوزی سے انجام دیا۔ مگر پھر بھی انکی یہ خدمات ایک خادمہ کی کارگزاری وفاشعاری اور اُس کے فرائضِ منصبی کی انجام دہی سے زیادہ نہیں کہی جاسکتیں اور انکو قلبی جذبات اور دلی ہمدردی سے بہت کم واسطہ اور علاقہ بتلایا جاسکتا ہے۔

یہ یقین کرلینا چاہیے کہ امِّ ایمن کی ان خدمتوں میں جناب سیّدہؑ کے دردوالے بھی برابر شریک تھے۔ اور شریک بھی کیسے۔ شریکِ غالب۔ جن میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد زوجہ حضرت ابیطالب علیہ السّلام قابل الذکر ہیں۔ جن معظمہ نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت آمنہ خاتون علیہا السّلام کی وفات کے بعد سے برابر اپنی گود میں پالا اور اپنے پاس پرورش فرمایا تھا۔ یہ وہی مقدسہ تھیں جنکی مشایعتِ جنازہ کے وقت باتفاقِ فریقین آپ خود اپنی زبانِ مبارک سے یہ پُرحسرت کلمہ۔ انکے محاسنِ خدمات کے اقرار و اعتراف میں فرماتے تھے۔ انها امي بعد امي۔ کہ یہ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں۔

پھر جناب امّ الفضل۔ حضرت عباس ابن عبد المطلب کی زوجہ محترمہ۔ یہ وہ خاتونِ معظمہ ہیں جنہوں نے حضرات حسنین علیہما السّلام کو اپنے دونوں صاحبزادوں فضل اور قثم کا باتفاقِ فریقین دودھ پلایا تھا۔ اور تا مدّتِ حیات جنابِ سیّدہ علیہا السّلام کے حُسنِ فاقت اور خدمت کو معیار سعادت سمجھا کیں۔

ان کے بعد اسماء بنت عمیس جو اُس وقت حضرت جعفر ابن ابیطالب کے حبالۂ نکاح میں تھیں اور باتفاقِ فریقین تقریب ولادت کے ہر موقع پر جناب سیّدہ کے لیے قابلہ کی تمام خدمتیں انجام کرتی رہیں۔

ضرور ذکر کے قابل ہیں۔ یہ وہ خاتونِ معظمہ ہیں جو مدت حیات سے لیکر بستر وفات تک برابر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی ہمدم۔ جلیس اور رفیق بنی رہیں۔

ان مخدراتِ علیا کے علاوہ حضرت ابیطالب کی صاحبزادی امِّ ہانی اور حضرت حمزہ کی صاحبزادی صفیہ اور کُنبہ کی اکثر بیبیاں دن رات آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھیں۔ اور اس دُرِّ یتیم کو گودوں گود لیے رہتی تھیں۔ آپ کی دلجوئی اور تسکین کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی تھیں۔ اور کسی وقت آپ کو ملول و محزون نہ ہونے دیتی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانہ ویرانی ہوگئی تھی۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے ابھی آپ کا کُنبہ آپ کا خاندان بھرا پُرا تھا۔ اور اپنے آپ گھر میں خدمت کرنے والے اور خدمت کرنیوالیاں اس کثرت سے موجود تھیں کہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کو اپنی تنہائی اور حزن و ملال کے خاص وقتوں میں کسی دوسرے قبیلے والے یا قبیلے والیوں کی خدمات کا زیربارِ احسان ہونا نہیں پڑا۔

رسالۂ خاتونِ جنّت کے مؤلف نے اس مضمونِ خاص کے متعلق حضرت فاطمہ بنت اسد اور اسماء کے ناموں کے ساتھ خواہ مخواہ حضرات عائشہ اور حفصہ کا نام ملا دیا ہے۔ اور بیچاری امِّ ایمن اور جناب ام الفضل کا نام تک بھی نہیں لیا۔ انہوں نے ایک پُر واقع صورتِ حال کو اپنی خود غرضی سے بیفائدہ غیر واقع بنا دیا ہے۔

اوّل تو حضرت عائشہ کا اُس وقت سن ہی کیا تھا جو کسی کی خدمت یا تربیت کرنے کے قابل کہی جائیں۔ وہ تو خود خدمت اور تربیت کیے جانے کے قابل تھیں۔ ہاں حفصہ کو سن اس قابل ہوچکا تھا مگر واقعات اور اُس زمانہ کے قرائن ہم کو صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں بیبیوں کے لیے جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی ملازمت اور شرفِ خدمت ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ زمانہ بقول علامہ شبلی اسلام کے لیے سخت ترین زمانہ تھا۔ اور ان دنوں تبلیغ اسلام اور جتنے لوگ کہ مسلمان ہو چکے تھے اُنکے جملہ امور اور اُن کی حرکات و سکنات نہایت رازداری کے ساتھ مشرکین

کی حدود اطلاع وسماع سے پوشیدہ اور مخفی رکھی جاتی تھیں۔ اور باوجود اسلام لانے کے تمام اہلِ اسلام سوائے خاص خاص اوقات ومقامات کے عام طور سے ہر وقت اور ہر مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں باریابی کا شرف نہیں پا سکتے تھے۔ اور کفارِ مکّہ اور مشرکینِ کعبہ کی آزاردہی کے خوف سے جو شبانہ روز مکّہ کے کوچہ وبازار میں غریب مسلمانوں کو اُٹھانی ہوتی تھی عام طور سے اُس وقت کے مسلمان علانیہ آپکی خدمت میں حاضر ہونیکی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔

جب یہ قرائن اور یہ اسباب اُس زمانہ کا ایسا خوفناک منظر پیش کرتے ہیں اور جب ہم بڑے بڑے شجاع اور دلیر مسلمانوں کی یہ دہشت اور خوف کی حالت دیکھتے ہیں تو ہم کیسے یقین کرسکتے ہیں کہ شہر اور محلّہ کی کم سن اور جوان لڑکیاں اتنی جری اور دلیر ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گھر میں رات دن بے دھڑک آؤجاؤ کیا کرتی ہونگی۔

ہمارے لائق مؤلف کا مدعا ان بیبیوں کے نام ملا دینے سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں بیبیوں کا نام لکھکر ابتدا ہی سے ان میں اور جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے فیمابین خاص ارتباط اور اخلاص قائم رہنا ثابت کریں جو آگے چلکر جانبین کے آیندہ واقعاتِ مشاجرت پر پردہ ڈال سکے اور ہم اس کو اُنکی ایک بیکار کوشش اور بے فائدہ خامہ فرسائی خیال کرتے ہیں۔ ع ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

اُن کی اس پیش بندی کو مدِّ نظر رکھکر ہم کو ضرور تھا کہ ہم لائق مؤلف کی اس خود ساختہ تمہید پر تنقیدانہ نظر ڈالکر اُسکا بوراد کردیں جیسا کہ اوپر کی عبارت سے پورے طور پر ثابت اور ظاہر کردی گئی۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اوّلاً باعتبار اسکے کہ آپ کا شمار برگزیدگانِ الٰہی کے اعلیٰ طبقہ میں تھا۔ سوائے روحانی تعلیم وتربیت کے کسی وقت اور کسی حالت میں انسانی تربیت وتادیب کی محتاج نہیں تھیں۔ ثانیاً ظاہری طور پر صرف اس طرح کہ ایک خورد سال لڑکی کا ایکبارگی ماں سے چھُٹ جانا اور گھر میں تنہا رہجانا کسی دوسرے مہربان اور شفیق کی نگرانی اور خبرگیری کا محتاج ہوتا ہے اور یہی حالت جنابِ سیدہؑ کی اس وقت ہورہی تھی۔ تو ان صورتوں میں عام طور سے جناب سیدہؑ کے قریب اور عزیز ہی اپنے روحانی تعلقات اور قلبی جذبات کے اثر اور تقاضے سے آپکی تمام موجودہ ضرورتوں کے خبرگیراں اور ذمہ دار ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر بیرونی اور غیر علاقہ والے اشخاص کی انسانی ہمدردی کے اعتبار سے گاہے گاہے دلجوئی اور تشفی دہی معلوم بھی ہو تو اُنکی یہ جذبات اعزّہ اور اقارب کی سرپرستی اور فطرتی محبت وقلبی ہمدردی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتیں۔ تو ایسی حالت میں کہ جب خدا کے فضل وکرم سے جناب سیدہؑ کے گھر میں خود اُنکے شفیق، سرپرست اور ہمدرد اتنے موجود تھے کہ دوسروں کی اعانت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تو خواہ مخواہ بیرونی ہمدردیوں کی موہوم شان اور انداز آپکی صحبت وجلوت میں پیدا کرنا محض بیکار اور فضول ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ اُس مخدرۂ علیا اور خاتونِ مقدسہ کی مبارک سیرت ہے جس کی ترتیب وترکیب میں فطرتِ صالحہ کے اعلیٰ جوہر خصوصیت کے ساتھ ودیعت فرمائے گئے تھے جیسا کہ لائق مؤلف کی تحریر ذیل سے ہویدا اور آشکار ہے۔

خاتونِ جنت محلّہ کی لڑکیوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتی تھیں ہمیشہ اپنے گھر میں اپنی بڑی بہنوں سے کھیلتیں۔ ان کی بہنیں عزیزوں یا ہمسایوں کے گھروں میں جاتی تھیں مگر آپنے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ جناب فاطمہؑ کا زیادہ وقت تنہائی میں بسر ہوتا۔ بے ماں کی بچّی خاموش بیٹھی رہا کرتی۔ اسی خاموشی اور تنہائی نے فاطمہؑ کو متین بنادیا تھا۔ ہمسائے کی کوئی لڑکی آجاتی تو ذرا طبیعت بہل جاتی۔ رسولِ کریم صلعم کو تبلیغِ اسلام کے عظیم الشّان کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ جنابِ رسولؐ کو ایک چیز کا عشق تھا اور وہ محبوب چیز اسلام تھا۔ اسلام کے عشق میں آپنے سب کچھ بھُلا دیا تھا۔ آپکی حیات کا مقصدِ اولین صرف اسلام تھا سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے اسلام ہی کا درد تھا۔ مخالفین کی ستم آفرینیوں نے جناب کو اور بھی مشوّش بنا رکھا تھا۔ ایسی حالت میں وہ معصوم بچّی کی کیسے دلداری کرسکتے تھے۔ تاہم فاطمہؑ جناب کے جگر کا ٹکڑا تھیں۔ دل کا سرور تھیں۔ آنکھوں کا نور تھیں

رسالتمآب کو زہراؑ سے بیحد محبت تھی۔ جب فرصت ہوتی فاطمہؑ کے حال پر لطف فرماتے۔ دلاسا دیتے۔ جناب اگر کہیں تبلیغ کے لیے باہر جاتے تو فاطمہؑ اصرار فرماتیں کہ ابّا جان! مجھے بھی ہمراہ لے چلو۔ آہ کیسی رقت انگیز حالت تھی۔ رسولؐ کا جگر پارہ خدیجہؑ مغفورہ کا دُلارا۔ اور یہ غربت و تیمی۔ گھر میں نہ کسی کا سہارا نہ باہر جانے کا یارا تھا۔ تنگدستی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر گھر میں چراغ تھا تو تیل نہیں تھا اور اگر مشکے تھے تو اُن میں پانی نہیں تھا کھانے کے لیے اگر ایک وقت روزی تھی تو دوسرے دن روزہ۔ یہ افلاس تھا۔ یہ غربت تھی۔ یہ یتیمی تھی۔ یہ بے سروسامانی تھی۔ بااینہمہ ضبط و تحمل کے مالک تھے۔ باپ تھا تو وہ صابر۔ بیٹی تھی تو وہ راضی برضا تھی۔ مال و زر سے خالی تھے۔ پر صبر و توکل کے خزانے معمور تھے۔ استقلال انکے وجود پر ناز کرتا تھا۔ یاس و حسرت کبھی اس گھر میں نہ آتی تھی۔ نامرادی اور ناشادی ہمیشہ انکی زیارت سے محروم رہی۔ سیدہؑ گو معصوم تھیں لیکن نہایت پاکدامن اور نیک نفس بی بی تھیں۔ رسولؐ کریم کے ارشادات پر صدقِ دل سے عمل فرمایا کرتیں۔ اور کبھی بیجا ضد یا ہٹ نہ فرماتیں (ص ۵)

مرقومۂ بالا عبارت سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا وقتِ طفولیت سے فطرت صالحہ کے اصول پر انتہا درجہ کا صابر۔ مستقل۔ قانع۔ محتاط۔ خموش اور تنہائی پسند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر ان تمام اوصاف کو اُن میں انتہائی درجہ پر تسلیم کرنیکے بعد بھی اُن کو بیرونی اور غیر علاقے والوں کی تربیت و پرداخت کا محتاج اور احسانمند بناندا اپنے قول اور مختار کی آپ تردید و تنقید کرنا ہے۔ لائق مؤلف کی اسی تحریر سے عام و خاص طبیعتوں کا فرق مابہ الامتیاز پورے طور پر معلوم ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ انکی بڑی بہنیں تو عزیزوں اور ہمسایوں کے گھروں میں جاتی تھیں لیکن آپ نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہم پوچھتے ہیں۔ یہ کیوں تھا؟ آپ کے نزدیک چاروں بہنیں ایک ماں باپ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبرےٰ علیہا السلام کی اولاد۔ ایک دودھ سے پلنے والیاں۔ ایک گھر میں رہنے والیاں۔ ایک گود میں پرورش پانیوالیاں۔ ایک والدین سے تربیت پانیوالیاں۔ پھر طبیعتوں میں یہ اختلاف۔ مزاجوں میں اتنی تفریق۔ عادات و خصائل میں اتنی دوری اور علیٰحدگی۔ کیا معنی نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تینوں بہنیں اوّل تو بہنیں ہی نہیں تھیں۔ اور کسی طرح کی بہنیں ہونے کی نسبت رکھتی بھی تھیں تو اُن کی فطرت کی ترکیب و ترتیب قدرت کے وہبی طریقہ اور روحانی ذریعہ سے نہیں ہوئی تھی۔ اور بخلاف ان تینوں صاحبزادیوں کے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا قدرت کی تمام وہبی اور روحانی ترکیب و ترتیب کا سراپا مظہر بن تھیں۔ انکی فطرتِ صالحہ بتلا رہی ہے کہ آپ اُن صاحبزادیوں سے بالکل علیٰحدہ تھیں۔ فطرت میں۔ طبیعت میں۔ مزاج میں اور عادات و خصائل میں قطعی جدا اور بالکل بیگانہ۔ ایک گھر میں رہنے۔ ایک ہی مقام پر پلنے اور پرورش پانے اور بظاہر بحال ایک ماں باپ کے ہونے سے قدرت کی تجویز اور مشیت کی تدبیر میں تغیر نہیں ہو سکتا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

صرف اسی سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہؑ کیا شے تھیں۔ اور انکی خالہ زاد یا مُنہ بولی بہنیں کیا چیز تھیں۔ بہرحال سمجھ لینے کے لیے وہی روایت کافی ہے جو ہم امام زین العابدین علیہ السلام کی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں اور وہ اسی قدر ہے کہ جناب سیدہؑ کی خدمت کا شرف حضرت امّ سلمہؓ کو اسی وقت سے ہوا جب سے آپ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ اگرچہ جناب سودہ ان سے پہلے زوجیت کا شرف پاچکی تھیں۔ مگر تمام قرینوں اور لحاظ سے حضرت ختمی مرتبت نے جناب امّ سلمہؓ ہی کو اس خدمت کے لیے مناسب اور موزوں سمجھا۔

باقی رہا وفات خدیجہؑ سے عقد امّ سلمہؓ تک کے تین برس کا زمانہ میں جناب سیدہؑ کی خبرگیری اور نگرانی کس کے متعلق رہی اسکی نسبت ہم اوپر تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم

۱؎ افسوس! مؤلف نے لکھنے کو تو پوری سیرت لکھ ڈالی مگر اتنا بھی نہ سمجھے کہ زلیخا زن بود کہ مرد ۱۲ مؤلف اولادیہ

علیہ وآلہ وسلم کے اعزّہ اور اقارب نے جن کے نام نامی ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس یتیم رسالت کو پوری ہمدردی اور شفقت سے اپنے دامن اور اپنی گود میں برابر رکھا اور آپ کو کسی وقت ملول و محزون ہونے نہ دیا۔ اسی وجہ سے جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بڑھکر کسی ہمدرد اور شفیق کے پیدا کرنیکے لیے کوئی تردد نہیں ہوا۔ اور کیسے ہوتا۔ گھر میں اتنے دلسوز اور ہمدرد موجود تھے جن کے قلبی تعلقات اور جذبات فطرتِ انسانی کے خلاف کیسے بیکار اور بے اثر ثابت ہو سکتے تھے۔

اب رہا یہ امر کہ واقعی جناب سیّدہ کی فطرت صالحہ کو ان کے یا کسی کے اشفاق و تربیت کی ضرورت تھی۔ تو ہم کہیں گے۔ نہیں اور کبھی نہیں۔ آپکی فطرتِ صالحہ روحانی طریقوں پر آپ مرتب ہو رہی تھی۔ انسانی اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اسکے ثبوت میں جناب امِ سلمہ رضہ کا یہ قول کہ بجائے اسکے کہ میں اُنکو آداب سکھاؤں۔ میں اُنسے آپ آداب سکھتی تھی۔ اُن کو آداب سیکھنے کی مطلق حاجت نہیں تھی۔ وہ سب چیز دل کو مجھ سے کیا سب سے بہتر جانتی تھیں۔ کافی ہے۔

حقیقتاً برگزیدگانِ الٰہی کی فطرتِ صالحہ کے یہی انداز ہوتے ہیں۔ اور یہی شان جیسا اُمّ المومنین حضرت امِ سلمہ علیہا السلام کے قول سے ظاہر ہو کہ قدرت کے ایسے روحانی آثار اور تدبیروں کے مقابلہ میں معمولی طبیعتوں کی طرح جناب سیدہ علیہا السلام کی نورانی ترکیب و ترتیب میں انسانی تربیت و تعلیم کو شامل کرنا بیکار ہے۔

اس مضمون کے متعلق اگرچہ ہم کافی طور پر لکھ چکے ہیں تاہم ناظرین باتمکین کے مزید اطمینان کے لیے تھوڑی سی تشریح کو ہم اور ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ اب اس امر کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھنا چاہیے۔ اگر حقیقت میں جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی پرورش اور تربیت کے لیے اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر جناب ختمی مرتبت نے محلّہ اور غیر رشتہ والوں کو کسی وجہ خاص سے منتخب فرمایا ہوتا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہی سے اپنے اس دُرِّ یتیم کو اُنکے سپرد اور حوالہ فرما دیا ہوتا۔ کیونکہ اُنکے گھر میں کھنے سی اُن لوگوں کو اپنے اپنے دور گھروں سے صاحبزادی کی پرورش و پرداخت کے لیے بار بار آنے جانے اور مناسب خدمت بجالانے کی بیکار زحمت ہوتی۔ اور خود معصومہ کو انکے آنے اور خدمت بجالانے کا انتظار کرنا ہوتا۔

حاشا اللہ۔ کوئی معمولی سے معمولی عقل والا آدمی بھی کبھی جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی ہمتی حسن اخلاق۔ اور کریم النفسی کو ان امور میں دوسروں کے زیر بار احسان ہونے سے نسبت دینا پسند کرسکتا ہے۔ نہیں کبھی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کمال استغنا اور اخلاق کا پایہ تو بحد رفیع ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ آنحضرت تو درکنار آپ کے اہلبیت میں سے کوئی متنفس اپنی خاندانی غیرت و حمیّت کے مقابلہ میں اس مفت کے احسان کو اپنے سر لینا کسی حالت میں پسند نہیں کرسکتا تھا۔ اور اگر حقیقتاً جناب ختمی مرتبت کو امدادِ اغیار پر اعتبار و اعتماد ہوتا تو آپ جناب سیّدہ کو انہی حضرات کے سپرد فرما کر مدینہ منوّرہ کو ہجرت فرماتے۔ اور اپنے گھر والوں کے پاس جن کی خدمت کی طرف سے اطمینان نہیں تھا کبھی اپنے پارۂ جگر کو تنہا چھوڑ جاتے۔ مگر واقعات اسکے خلاف ہیں۔ مشاہد تاریخی بتلا رہے ہیں کہ جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت خدیجہ کے وقت وفات ہی سے جناب سیّدہ کی پرورش اور تربیت کے متعلق اپنے گھر والوں کے حسن خدمات کو دیکھ دیکھکر ایسے مطمئن ہو گئے تھے کہ پھر آپ نے اسکے متعلق کوئی فکر نہیں کی۔ کوئی حدیث۔ کوئی قول اور کوئی خبر عام اس سے کہ وہ کیسی ہی ضعیف۔ غیر مقید اور مقطوع الاسناد ہو فریقین کی کسی کتاب میں ہم کو ایسی نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ جناب سیّدہ کی پرورش اور تربیت میں آپ کے گھر والوں کے ساتھ آپ کے محلّہ والے اور دیگر غیر رشتہ وار بھی شریک تھے۔ یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خدانخواستہ اپنے گھر والوں کو ان کی طرف سے غافل اور غیر متوجہ پاکر دوسروں کو اُن کے عوض میں منتخب فرمایا ہو۔ یا کم سے کم ان حضرات کی ناتوجہی کی کبھی شکایت ہی فرمائی ہو

اسکے برعکس مشاہدِ تاریخی ثابت کر رہے ہیں کہ جناب ختمی مرتبت علیہ الثناء والتحیۃ نے حضرت خدیجہ کے بعد اپنی یتیم صاحبزادی کو اُنہی بزرگواروں کے سپرد فرمایا جن میں سے اکثر کی کفالت اور شفقت کے دامنوں میں خود آپ نے اپنی یتیمی کا بھی ایک معتدبہ زمانہ کاٹا تھا اور ایک عرصہ تک اُنکے اخلاق۔ ہمدردی اور سرپرستی کا لطف اُٹھایا تھا۔ اسی لیے اکثر مواقع پر اُنکے محاسنِ خدمات کا اعتراف بھی زبانِ مبارک سے فرمایا تھا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ بنتِ اسد زوجۂ محترمہ جناب ابیطالب علیہ السلام تھیں۔ یہ وہی محترمہ تھیں جنھوں نے بعد حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے یتیم عبداللہ علیہ السلام کو بچپن سے لیکر جوانی تک اپنے دامن اور اپنی گود میں پالا تھا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

پھر ایسے حقیقی ہمدردوں اور اصلی سرپرستوں کی موجودگی میں کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی پرورش اور تربیت میں انکے ہوتے غیروں سے بیرونی امداد لی گئی ہو۔ بہرحال۔ جناب خدیجہ کی وفات سے لیکر عقدِ اُمِّ سلمہ کے زمانہ تک جناب سیدہؑ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کے دامنِ اشفاق میں پرورش پاتی رہیں۔ اور وہ خاتونِ مقدسہ اس دُرِّ یتیم کو ہر وقت اپنے دلِ پُرحسرت کا تعویذ بنائے رہیں۔ انکے مقابلہ میں اُمِّ ایمن کی خدمتیں ویسی ہی سمجھی جائینگی جیسی جنابِ رسالت مآب صلعم کے ایامِ طفولیت میں ثوبیہ کنیز حضرت حمزہ کی خدمتیں انہی فاطمہ بنتِ اسد کی نگرانی میں انجام پاچکی تھیں۔

مگر ان تمام واقعات کے ساتھ ہم کو یقین کرلینا چاہیے کہ آپ کی تربیت وتادیب کے متعلق حضرت فاطمہ بنتِ اسد کی بھی وہی کیفیت اور حیثیت ثابت ہوتی ہے جو جنابِ اُمِّ سلمہ کی جیسا کہ خود اُنکی زبانی اوپر نقل ہوچکی۔ کیونکہ اصولِ قدرت پر آپکی فطرتِ صالحہ انسانی تعلیم وتادیب کی طرف سے بالکل مستغنی پیدا کی گئی تھی۔

بہرحال:۔ اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک تو معلوم ہوچکا ہے کہ جنابِ اُمِّ سلمہ کے عقدِ نکاح تک جنابِ سیدہؑ کی پرورش حضرت فاطمہ بنتِ اسد کے متعلق رہی چنانچہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی بزرگواروں کے اشفاق اور سچی ہمدردیوں کے اعتبار پر اپنے ایسے مغتنم پارۂ جگر کو جس کا نعم البدل آپکے لیے دوسرا ممکن نہیں تھا۔ اس عام پرآشوبی اور ستم آفرینی کے سخت ترین زمانہ میں سپرد فرماکر مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت اختیار کی۔

ہم سیرۃ النبویہ کے اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت خدیجہ اور جنابِ ابیطالب کے ایکبارگی اُٹھ جانے سے مشرکینِ قریش کی موذی اور خونخوار جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذادہی اور ظلم رسانی میں اور شیر ہوگئی۔ علامہ نعمانی اسی زمانہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

بچپن میں رسولؐ کی خدمت اور رفاقت

آپ ایک دفعہ راہ میں جارہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرقِ مبارک پر خاک ڈالدی۔ اُسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپکی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جانِ پدر! رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچائیگا۔ ص ۱۸۲۔

پھر کچھ آگے چل کر اس سے بڑھکر ظلم وستم اور آزاردہی کا ایک دوسرا واقعہ یوں قلمبند فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اُٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدے میں جاتے تو اُن کی گردن پر ڈالدیتا۔ عقبہ نے کہا کہ یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈالدی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کو خبر لگی۔ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں۔ اوجھ ہٹاکر عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بددعائیں دیں صحیح ۱۸۶ تاریخ مدینہ میں امام سمہودی لکھتے ہیں کہ آپ نے اس وقت جن جن کافروں کے لیے بددعا کی وہ سب کے سب غزوۂ احد میں مارے گئے اور واصلِ جہنم ہوئے۔

مندرجۂ بالا واقعات سے جناب سیدہ کو اپنے پدرِ عالیمقدار کے ساتھ اس چھوٹی سی عمر ہی سے جو روحانی تعلقات اور تکلیف و ایذا کے خاص وقتوں میں جیسے جیسے دردمندانہ جذبات کے خیالات وابستہ تھے وہ پورے طور پر واضح ہو گئے اور پھر ایسے کہ کسی آیندہ توضیح و تصریح کی حاجت باقی نہیں رہی حقیقت میں یہ واقعات اُن تعلقات کو اُنکی انتہائی حدود کے ساتھ ثابت کرنیکے لیے پورے طور سے کافی ہیں جو جناب سیدہؑ کو اپنے پدرِ بزرگوار کے متعلق ثابت کرنے اور انجام دینے کے لیے آپ کی فطرت صالحہ کے قدرت کی طرف سے اعلےٰ جوہر بنائے گئے تھے۔

ان تعلقات کو سمجھنے کے لیے عام طور سے یہی کافی ہے کہ ان دونوں آزاردہی کے واقعات کی خبر جناب سیدہؑ کے علاوہ آپ کے اور گھر اور کُنبہ والوں کو ضرور پہنچی ہوگی۔ اور اُسکو سُنکر اُن میں سے ہر شخص کم و بیش ضرور متاثر ہوا ہوگا۔ مگر اس صدمہ اور تکلیف کا جیسا جانگزا اور روح فرسا اثر جناب سیدہ کے قلبِ مبارک پر مستولی ہوا ویسا کسی اور پر تو نہیں۔ اور اس کا سب سے بڑھکر ثبوت یہ ہے کہ اس واقعہ کو سُنکر خدا کی درگاہ میں استغاثہ کا پُردرد نالہ اور دادرسی کی دلخراش آہِ یتیمانہ نکلی تو سیدہؑ کے دل سے اور فاطمہؑ کی زبان سے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ یہ کیوں تھا۔ اسی لیے کہ مخبرِ صادق ارشاد فرما چکے تھے۔ زبانِ رسالت متواتر اقرار کر چکی تھی کہ فاطمہؑ میری پارۂ جگر ہے جس نے مجھ کو ایذا دی اُس نے اُس کو ایذا دی۔

اس روحانی تعلق اور وحدت فی الوجود کے اصول پر ہم کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس صدمہ کا جتنا اور جیسا اثر جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قلب پر مستولی ہوا تھا اُتنا ہی اور ویسا ہی جناب سیدہؑ کے دل پر۔ اور یہ وہی شرفِ مخصوصہ ہے جن میں سوائے جناب سیدہؑ کے خاندانِ نبوّت کے کسی دوسری اور نسوانی ممبر کو مداخلت اور شمول کا شرف حاصل نہیں ہے۔ عام اس سے کہ وہ جناب سیدہؑ کی مائیں کہلانے کی حیثیت رکھتی ہوں یا بہنیں کہے جانے کی خاص نسبت۔

ہم نے کچھ اسی کتاب میں نہیں۔ بلکہ اپنی سیرۃ اہلبیت علیہم السّلام کے تمام نمبروں میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسن خدمت اور رفاقت کی تعمیل میں۔ جن کو نظامِ قدرت نے اہلبیت علیہم السّلام کی تمام صفات میں سے ایک صفتِ مخصوصہ قائم کی تھی اور اسی کو طبقاتِ عالم میں آنحضرتؐ کی برگزیدگی اور انتخاب کی وجوہ میں ایک خاص وجہ قرار دی تھی جس کے لیے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو اصولِ قدرت کے مطابق ایسی کم سنی ہی کے وقت سے کتنی اور کیسی دردمندی۔ دلسوزی اور مستعدی کے ساتھ آمادہ اور تیار ثابت کر دیا ہے۔ جو خدا کی طرف سے آپ کے لیے فرض اور واجب التعمیل قرار پا چکی تھی۔ ہم اپنے آیندہ مضامین میں ان خدمات کی ادا کاریوں کو ان کے خاص خاص مقامات پر پوری تفصیل سے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

مدینہ منورہ میں نزولِ عصمت

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

قبا (مضافاتِ مدینہ) میں نزولِ رسالت کے تین دن کے بعد جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام بھی مکۂ معظمہ سے تشریف لاکر اُسی مکان میں قیام فرما ہوئے جس میں جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف رکھتے تھے۔ یہ اصل میں کلثوم ابن الہدم رئیسِ قبیلۂ عمرو ابنِ عوف کا مکان تھا۔ آپ نے یہاں بقولے چار روز اور بقولے چودہ روز قیام فرمایا[1]۔ پھر یہاں سے اُٹھکر آپ مدینہ میں چلے آئے۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ یہ شرفِ اختصاص ان کو اس لیے عنایت فرمایا گیا کہ ابو ایوب قبیلۂ بنی نجار سے تھے اور بنی نجار رشتہ میں حضرت عبد المطلب کے ماموں ہوتے تھے (صحیح مسلم باب الہجرۃ) مدینہ میں تشریف لاکر آپ کا پہلا کام مسجد تعمیر کرانا تھا۔ انہی کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی جس پر کھجوریں سُکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔

جب سامانِ قیام وغیرہ سے اطمینان ہو گیا تو آپ نے حضرت زید اپنے غلام خاص (بروایتِ طبقات ابنِ سعد اور بروایت تاریخ سمہودی زید اور ابو رافع اپنے دونوں غلامانِ خاص کو) دو اونٹ

[1] مولوی شبلی نے صحیح بخاری کی چودہ روز والی روایت کو ترجیح دی ہے ۱۲

اور پانسو درم دیکر مکہ معظمہ کی طرف روانہ فرمایا اور وہ اپنی ہمراہ جناب سیدہؑ۔ حضرت سودہ۔ اُمِّ ایمن اور اسامہ وغیرہ کو لے آئے۔ آپ نے انہی کے ساتھ زینب۔ رقیہؓ اور امِ کلثوم کو بھی بُلا بھیجا تھا لیکن رقیہؓ اپنے شوہر عثمان کے ساتھ حبشہ میں تھیں۔ زینب اور امِ کلثوم کو اُن کے شوہروں نے آنے نہ دیا۔

سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لیے مکان بنوائے۔ اس وقت تک صرف حضرت سودہ اور حضرت عائشہ نکاح میں آ چکی تھیں۔ جب اور ازواج آ گئیں اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت امِ سلمہ۔ امِ حبیبہ۔ زینب۔ جویریہ۔ میمونہ اور زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ۔ صفیہ۔ سودہ مقابل جانب تھیں۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ آپ جب مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواجِ مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں۔ ص ۲۰۶۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب سیدہؑ حضرت سودہ کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔ اس لیے قرینہ یہ بتلاتا ہے کہ انہی کے مکان میں قیام فرما ہوئیں۔ مگر یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے جس کے لیے کوئی مشاہدہ تاریخی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی وجہ سے یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو اس ہمراہی کی مدت ایک سال سے زائد ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ حالات سال یکم ہجرت کے تھے۔ سالِ دوم ہجرت میں حضرت امِ سلمہ عقدِ نکاح میں آ گئیں۔ اور اُسی وقت سے جناب سیدہ کی تمام خدمتیں آپ سے خاص طور پر متعلق ہو گئیں۔ جیسا کہ ہمارے آیندہ واقعات سے پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گا۔

اتنا لکھکر ہم ایک اور امر کی توضیح و تنقیح کو ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی ماں مدینہ میں کب آئیں۔ تاریخیں خاموش ہیں۔ محدثین کو انکی خصوصیات کے لکھنے اور ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا وہی قیاس۔ وہ تاریخوں کو دیکھکر عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ آپ اپنے صاحبزادے علی مرتضٰیؑ کے ساتھ تو آئی نہیں۔ حضرت جعفر حبشہ میں تھے۔ یہ آئیں تو اپنے بڑے صاحبزادے عقیل کے ہمراہ جو حضرت عباس ابنِ عبد المطلب کے ہمراہ غزوۂ بدر کے بعد مدینۂ منورہ میں قیام گزیں تھے۔ مگر یہ بھی ایسا قیاس ہے جسکے لیے کوئی تاریخی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اب دیکھیے۔ ان تمام قیاسات کو امام شعبی کا یہ قول جناب فاطمہ بنت اسد کے متعلق کہ ھاجرت واسلمت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقابلِ اعتبار اور بالکل بے اعتبار کر دیتا ہے۔

اب یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو امام صاحب کے اس قول پر مورخین کی نظر ہی نہیں پڑی۔ یا امام صاحب کا یہ قول اُن کے نزدیک صحیح نہیں ٹھہرا۔ اسلئے مورخین اسلام میں سے کسی مورخ کی نظر کا اس قول پر آج تک نہ پڑنا سراسر محال ہے اور اگر کوئی تاریخ جاننے والا اس سے استدلال کرے تو اُسکے خاموش کرنیکے لیے مولوی شبلی کا بتلایا ہوا اصول تنقید کہ حدیث کے مقابلہ میں تاریخی واقعات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے جس کو وہ سیرۃ النبویہ کے دیباچہ میں تحریر فرما چکے ہیں پورے طور سے کافی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ امام صاحب کا قول مورخین کے معیارِ صداقت پر کامل نہ اُترا۔ یہ بھی اس طریقہ سے صحیح نہیں ہو سکتا کہ قرنِ ثانیہ کے اتنے بڑے مستند اور قدیم محدث کے مختار کو اہلِ تاریخ اور سِیَر نگار جو ضرور اُسکے بعد وجود میں آئے اپنے اجتہاد سے رد کر دیں۔ تحقیق کرنیوالے اور ہر امر کی اصلیت کو ڈھونڈ نکالنے والے جانتے ہیں کہ امام صاحب کا قول بھی صحیح ہے اور مورخین کی خاموشی اور سکوت بھی معنے دارد کہ درگفتن نمی آید۔ غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مورخین نے اس قول کو ضرور دیکھا مگر جناب فاطمہ بنتِ اسد کے ہجرت فرمانے کے واقعہ کو خاص طور پر لکھنے اور دکھلائے جانے کو ضروری نہ سمجھے۔ اور کیوں سمجھتے۔ وہاں تو ابتدا ہی سے اہلبیت اور تمام متعلقین اور وابستگانِ اہلبیت کے خصائص اور فضائل و مناقب کا استخفاف مدِ نظر تھا۔ مثال کے لیے ابھی ابھی گزشتہ واقعات کے تاریخی اختلافات کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

مولوی شبلی نے طبقات ابن سعد کے اسناد سے ہمراہی سیدہ جناب

سیدہؑ اور حضرت سودہ کا تشریف لانا لکھا ہے۔ امام سمہودی نے اخبار الوفا تاریخ مدینہ میں بہمراہی زید و ابو رافع۔ جناب سیدہؑ اور سودہ کے ساتھ امّ ایمن اور اسامہ پسرِ زید کا آنا بھی لکھا ہے۔ مگر نہیں لکھا ہے تو فاطمہ بنتِ اسد کا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان سے اور جناب رسالت مآبؐ سے اتنی خصوصیات اور تعلقات نہ ثابت ہو سکیں۔

اب انکے خلاف دوسروں کی رعایت اور قدر افزائی بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت زید کو دو اونٹ اور پانسو درم دیکر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرمِ نبوی کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ بھی ساتھ گئے۔ مولوی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مدینہ سے زید کے ہمراہ عبداللہ بھی گئے۔ خواہ آنحضرتؐ کی طرف سے بھیجے گئے یا خود گئے۔ مگر ایک گونہ حسنِ خدمت میں حصّہ دے ہی دیا گیا۔ اب سُنیے۔ امام سمہودی صاحب بخلاف اسکے اخبار الوفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب زید اپنے قافلہ کو مکّہ سے لیکر چلے تو عبداللہ بھی اپنے اہل و عیال کو لیکر اُنکے ہمراہ ہو گئے۔

اب تو انصاف عقل والوں سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ جب اسلامی واقعات کا تاریخی مرقع ایسی ایسی قلمکاریوں اور رنگ آمیزیوں سے بھرا پڑا ہے تو پھر کسی واقعہ کے اصلی صورت و شکل میں دیکھنے اور پائے جانے کی خصوصًا چودہ سو برس کے بعد کیا امید ہو سکتی ہے۔

مگر ان تمام واقعات کے خلاف ایک منصف مزاج محقق کی آنکھ جب امام شعبی کے ایسے معتبر محدّث کے اس مختار پر پڑتی ہے تو وہ اسکو بے معنی اور بلا وجہ نہیں بتلا سکتا۔ کیونکہ اصطلاحِ محدّثین میں ھاجرت مع النبی کے معنوں کا زیادہ تر اطلاق اُن ہی حضرات پر کیا جاتا ہے جنہوں نے ہجرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے قریب زمانہ میں مکّہ کے قیام کو ترک کر کے مدینہ میں ہجرت اختیار کی ہو۔ نہ وہ لوگ جو سال دو سال کے بعد مکّہ سے مدینہ میں آئے ہوں۔ اس لیے اگر جناب فاطمہ بنتِ اسد کا آنا ہجرت رسولؐ کے ایک زمانہ بعد اور قیاسًا حضرت عقیل کے آنے کے قریب یا بعد بتلایا جائے تو امام شعبی کے قول کے خلاف واقع ہوتا ہے اور کبھی قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ تو اب ضرور ہوا کہ وہ معظمہ ہجرتِ نبیؐ کے بعد اور واقعۂ عقیل کے قبل ہجرت سے اتنے قریب زمانہ میں مدینہ آگئی ہوں کہ اُنکی تشریف آوری کو ھاجرت مع النبی کی مختصر عبارت سے تعبیر کر سکتے ہوں۔

اب یہ تلاش کرنا باقی رہگیا کہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد نے پھر کس وقت ہجرت فرمائی۔ اس کے لیے سوائے دو وقتوں کے اور کوئی دوسرا وقت نہیں بتلایا جا سکتا۔ یا تو جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام اپنی مادرِ گرامی قدر کو ہمراہ لیکر مکّۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ میں ہجرت فرما ہوئے۔ یا جناب رسالتمآب صلےّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہمراہ آپ کو مدینہ میں بلا بھیجا۔ اور آپ بھی زید کی ہمراہی میں مکّہ سے مدینۂ منورہ میں آنحضرتؐ کی تشریف آوری کے تھوڑے ہی دنوں بعد رونق افروز ہوئیں۔ تاریخی مشاہدہ کے اعتبار سے قولِ اوّل کے تسلیم کرنے میں مشکل ہے کیونکہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام کے آنے کو تاریخوں میں کیا حدیثوں کی کتابوں میں بھی تنہا لکھا ہے۔ دوسرے قول کے اعتبار کر لینے اور صحیح مان لینے میں اتنی دشواریاں نہیں ہیں۔ کیونکہ اتنی ترمیم کے بعد کہ جناب سیدہؑ اور حضرت سودہ کے ساتھ آپ بھی مکّہ سے بُلالی گئیں امام شعبی کے مندرجۂ بالا قول کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔

اس بحث کو تمام کر کے ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اگرچہ جناب سودہ کا عقد حضرت ام سلمہ کے پہلے ثابت ہوا ہے اور اس وجہ سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جناب سیدہؑ تا وقتِ تزویج یا کم سے کم تا عقدِ ام سلمہ حضرت سودہ کے ساتھ رہتی ہونگی۔ مگر افسوس کہ کسی تاریخ و سیر کی کتاب سے اس دعوے کا ثبوت نہیں ملتا۔ ایک حضرت سودہ پر کیا منحصر ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے دائرہ میں سوائے جنابِ ام سلمہ کے اور کسی محترمہ کی نسبت جنابِ سیدہ کی نگرانی۔ خبر گیری اور تربیت کا تعلق کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ نتیجہ تحقیق اور تفتیش کے بعد واقعات کی اصلیت کا متلاشی ہر طریقہ اور ہر قرینہ کو پھر جنابِ امام زین العابدین علیہ السّلام کی اُسی روایت کو

تسلیم کریگا جو جناب سیدہؑ کی تربیت اور خدمت کا شرف خاص طور پر حضرت ام سلمہ کے متعلق ثابت کرتی ہے اور جسکو ہم اس مضمون کی ابتدا میں اوپر لکھ آئے ہیں۔

اب ایک اور امر تنقیح طلب رہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر جناب سیدہؑ کی خدمتِ تربیت جیسا کہ مندرجۂ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے قیامِ مدینہ کے وقت سے حضرت ام سلمہ کے متعلق مان بھی لی جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقدِ ام سلمہ جو بروایتے ۲ سنہ ہجری کے آخر اور بروایتے ۳ سنہ ہجری میں واقع ہوا اور جو جناب سیدہؑ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت سے لیکر اپنے وقوع کے روز تک کم و بیش دو برس کی مدت پیدا کرتا ہے تو اس عرصہ میں جناب سیدہؑ کی خدمت کس کے متعلق رہی۔ امِ سلمہ تو اُس وقت تک عقد میں آئی ہی نہیں تھیں۔ تو ایسی حالت میں پھر اس عرصہ تک آپ کی خدمت حضرت سودہ کے متعلق نہیں کہی جاسکتی تو پھر کس کے متعلق سمجھی جائیگی۔ کیونکہ اُس وقت تک سوائے حضرت سودہ کے کسی معظمہ کو زوجۂ نبی ہونیکا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔

اسکے جواب میں صرف اتنا لکھدینا کافی ہے کہ قیامِ مکہ کے زمانہ میں اگرچہ حضرت سودہ بیت الشرف میں داخل ہو چکی تھیں۔ جو صورت جناب سیدہؑ کی خدمت تربیت کی قائم تھی وہی صورت یہاں بھی اور اس زمانہ میں بھی یقین کیجائیگی۔ مکہ کے قیام کے ایام میں بھی آپکی خدمتِ تربیت کا کوئی واقعہ حضرتِ سودہ کے متعلق کسی کتاب میں مندرج پایا نہیں جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود شرفِ زوجیت حاصل ہو جانیکے بھی یہ معظمہ اس خدمت کے لیے موزوں نہیں سمجھی گئیں۔ اور اس وجہ سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمات اہلبیتِ نبوی میں اُنہی حضرات کے متعلق رکھی گئیں۔ جو جناب خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے وقت سے ان خدمتوں کو باحسن وجوہ انجام دیتے چلے آتے تھے۔ اسی طرح قیامِ مدینہ کے اُن ایام میں بھی جب تک کہ حضرت ام سلمہ عقد میں نہ آچکیں۔ یہی حضرات اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ اور اسی ضرورت سے حضرت فاطمہ بنت اسد ہمراہی زید مکہ سے مدینہ میں جناب فاطمہؑ کے ساتھ ہی بلالی گئی تھیں۔ جیسا کہ امام شعبی کے قول سے مستفاد ہوتا ہے۔ پھر جب حضرت ام سلمہ حبالۂ نکاح میں آچکیں اور ان محترمہ کو اس مبارک خدمت کے لیے موزوں اور اہل سمجھ لیا گیا۔ اُس وقت سے یہ خدمت انکے سپرد فرما دی گئی۔ بخلاف اور ازواجِ مطہرات کے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے حضرت ام سلمہ کو خاص طور پر کیا تعلق تھا۔ اور آپکی خدمات کے لیے اور ازواج مطہرات پر آپ کو ترجیح دیے جانے کی کیا وجہ تھی؟

ان سوالوں کا جواب پہلے تو قدرت سے پوچھنا چاہیے کہ اُسنے عالمِ آفرینش میں انسانی طبائع کو کیوں مختلف پیدا کیا۔ اور پھر اُن میں سے ایک فردِ خاص کو ایک امرِ خاص کے لیے کیوں موزوں قرار دیا۔ اور بخلاف اُسکے دوسرے کو اُسی جنس اور اُسی طبقہ میں اُسی امرِ خاص کے لیے بالکل ناموزوں تجویز فرمایا۔ یہ قدرت کے خاص الخاص تصرفات ہیں اور انتخابات۔ جنہیں انسان کی معمول پسند طبیعتیں اپنی طبیعت کے عام اصول پر ایسے غیر متوقع امور کے ظہور پر مضطرب ہوکر اسکی وجہیں تلاش کرتی ہیں۔ اور ہزاروں فکریں کرتی ہیں۔ مدتوں سر کھپاتی ہیں اور ایک وقت خاص تک کچھ نہیں پاتیں۔ پر جب تک کہ مشیت کو اُنکے قلوب کی تسکین اور دلوں کی تشفی نہ منظور ہولے وہ لوگ اسکی وجہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ قدرت معلّم ہے اور زمانہ متعلّم۔ یہ ایسا مسلمہ ہے جس سے آج تک انکار نہیں کیا گیا۔ زمانہ کی ایسی اضطرابی حالتوں میں قدرت کا معلّم قدرت کے اُن بعض امور کو خود بتلا دیتا اور سمجھا دیتا ہے جسکو وہ ضروری اور مناسب سمجھتا ہے۔ اور اکثر اوقات یہ امور عملی طریقوں کے اظہار و آثار سے متحیرینِ زمانہ کے سامنے ظاہر و آشکار کیے جاتے ہیں۔ جن کو وہ عالم کی رفتار و کردار میں روزانہ مشاہدہ کرکے ان امور میں اپنے قلبِ مضطر کی کافی تسکین و تشفی کر لیتے ہیں۔ اور پھر ایسی کہ انکا شش و پنج کامل اعتماد و اعتقاد سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جناب ام سلمہ کے ان شرف خصائص اور حسنِ ترجیح کو سمجھنا چاہیے کہ ابتدا میں تو ان مقدسہ کے انتخاب کی کوئی وجہ ظاہر طور پر معلوم نہیں ہوتی مگر آگے چلکر فاطمہ فاطمہؑ کے شوہر۔ فاطمہؑ کے بچوں کے ساتھ انکے قلبی اور روحانی تعلقات

اور جذبات۔ فدایانہ خدمات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اور جن کا زمانہ علی التسلسل سنہ ۲ ہجری سے شروع ہو کر سنہ ۶۳ ہجری تک (کامل اکسٹھ ۶۱ برس) تمام ہوتا ہے۔ ان خدمات کو دیکھکر ہر شخص بلا کسی تحریک کے خود سمجھ لیتا ہے کہ قدرت کا یہ انتخاب۔ نبوت کی یہ تجویز ترجیح کیسی صحیح اور پُر واقع تھی۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ وھٰذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس کتاب پر کیا منحصر ہے ہم اس مقدس سلسلہ کے تمام نمبروں میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ لکھتے اور ثابت کرتے آئے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کے حالات اور واقعات تمام تر قدرت کی تصرفات اور مشیت کے اختیارات سے متعلق تھے۔ جو حقیقتاً زمانہ کی معمولی طبیعتوں اور ظاہری نگاہوں میں ضرور تعجب انگیز معلوم ہوتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اُن کو تاوقتیکہ انکے اسباب اور توجیہات کا آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرلیں انکے سمجھنے اور اپنی تسکین کر لینے سے عام عاداتِ انسانی کے اصول پر وہ قاصر اور مجبور رہا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس مسئلہ میں بھی جناب ام سلمہ کو اور ازواج النبی ص پر ترجیح دیے جانیکے شرف اور خصوصیات کو عین مدعائے مشیت تصور کرنا چاہیے۔ جو تدبیر نظام مشیت کی طرف سے جاری ہوئی۔ بالکل ویسی ہی احکام رسالت کی صورتوں میں ظہور پذیر ہوئی۔

تزویجِ جنابِ سیدہ ع

لولم یخلق علی ما کان لفاطمۃ کفوٌ (امام دیلمی)

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا۔ تمام تاریخیں بتلا رہی ہیں کہ ہجرت کا دوسرا سال اسلام اور بانیِ اسلام علیہ السلام کی کامیابیوں کے لیے بہت بڑا مبارک سال ثابت ہوا ہے۔ غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کی مدینہ پر چڑھائی۔ اُنکی کثرت بسامانِ امارت۔ شان و تمکنت اور ادھر کل ۳۱۳ مسلمانوں کی گنی چنی جماعت۔ ظاہری طور پر کچھ ایسے سامان تھے جن سے اسلام کی ہستی اور بقا کی بہت کم امید کی جاتی تھی۔ مگر بخلاف امید اس غزوۂ اولے میں اسلام کو جیسی شاندار اور کامل فتح نصیب ہوئی جو چودہ سو برسوں کے گزر جانیکے بعد بھی آج تک اُسی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے تاریخی کارناموں میں محفوظ اور یادگار ہے۔

تاریخی مشاہد بتلا رہے ہیں کہ اس عظیم الشان رزمی میدان کی کامل فتح کا خوشنما اور مبارک سہرا جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے سر باندھا گیا اور آپ ہی خاص الخاص اس شاندار معرکہ گیر و دار کے فاتح کہلائے۔ اس عظیم غزوہ کی تمام خدمات ابتدا سے لیکر اسکی آخر ضروریات تک سب سے زیادہ آپ ہی کے دست و بازو سے انجام پائیں۔ مشرکین قریش کی آمد آمد۔ اُنکی صحیح تعداد اور انکی قیامگاہ کے پورے حالات کے معلوم ہونے کی ضرورتوں کو آپ ہی نے پورا کیا۔ عریض نامی غلامِ قریش کی گرفتاری آپ ہی کے حسنِ سعی اور خوش تدبیری کا نتیجہ ثابت ہوئی۔ پھر ایامِ محاصرہ میں رات کے وقت لشکر میں آب رسانی کی خدمات آپ ہی تن تنہا بجالائے پھر مقابلہ و مقاتلہ کے وقت عتبہ۔ شیبہ اور ولید ابن عتبہ ایسے اکابر قریش اور نمودارانِ عرب اور دلیرانِ زمانہ کو آپ ہی کی صمصامِ خون آشام نے مار گرایا۔ راہِ خدا میں یہ جاں نثاریاں۔ رضائے الٰہی کے لیے یہ سرفروشیاں ایسی نہیں تھیں جنکو منعمِ حقیقی قدر افزائی اور استحسان کی نظر سے نہ دیکھتا یا جنابِ رسالتماب ص کی قدر شناسی انکی طرف نگاہ امتنان سے توجہ نہ فرماتی۔ یہ سرفروشیاں اور انکے قبل جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے تمام محاسنِ خدمات اور خدمت نبوی اور حضرت مصطفوی ص کی ذات بابرکات کے ساتھ آپ کے روحانی۔ خاندانی۔ قلبی اور صلبی تعلقات ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں سے آپ کو موجودہ اہلِ اسلام میں ترجیح و تفضیل پانے کے لیے پورے طور سے مستحق قرار دے چکے تھے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ احکامِ رسالت کا کوئی جزو اُس وقت تک نفاذ نہیں پا سکتا تھا جب تک کہ اُس کے لیے نظامِ قدرت کی طرف سے اجرا کی تحریک نہوئی ہو اور قدرت کی طرف سے اُسکے نفاذ و اجرا کی تحریک نہیں کیجاتی۔ جب تک کہ اُسکے نفاذ و اجرا کا وقت مصلحتِ خداوندی کے نزدیک نہیں آلیتا۔ بحمد اللہ کہ اسی مبارک سال میں نظام خانۂ قدرت نے غزوۂ بدر کے کمال فتحیابی کا سہرا جناب علی مرتضےٰ کے سر بندھوا کر تھوڑے ہی دنوں بعد بمصداق نورٌ علےٰ نور دربارِ رسالت سے آپ کو خلعتِ دامادی بھی دلوایا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ مناقب خوارزمی سے باسنادِ حضرت ام سلمہ

وجناب سلمان الفارسی علیہا السلام تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حدِ بلوغ کو پہنچیں۔ اکابر و اشرافِ قریش وصاحبان مال وثروت وشرف وعزت نے جناب فاطمہؑ کی خواستگاری کی اور جو شخص ان میں سے خواستگاری کرتا تھا۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکی طرف سے روئے مبارک پھیر لیتے تھے۔ اور اظہارِ کراہت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کو معلوم ہو جاتا تھا کہ حضرت ہم پر خشمناک ہوئے۔ یا آسمان سے وحی ہماری مذمت میں نازل ہوئی ہے۔ اور اُن لوگوں میں کہ جنہوں نے خواستگاری کی تھی ابوبکر بھی تھے انکے سوال پر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اسکا اختیار خدا کو ہے۔ انکے بعد عمر نے سوال کیا۔ اور حضرت نے اُنکو بھی وہی جواب دیا۔ اسکے بعد ایک دن ابوبکر۔ عمر۔ سعد ابن معاذ وغیرہم مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپس میں مزاوجت جناب سیدہؑ کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ اشراف قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری آنحضرتؐ سے کی اور حضرت نے اُن کو جواب صاف دیدیا۔ کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے اگر اُس کو تزویج کرنا چاہے تو وہ تزویج کر سکتا ہے۔ مگر علیؑ ابن ابیطالب نے ابھی تک اس بارے میں نہیں کہا اور نہ کسی نے اُنکی طرف سے کچھ عرض کی۔ ہمیں گمان ہے کہ سوائے تنگدستی اور کچھ مانع نہیں ہے اور اُن کی نسبت جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہی کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کو بیشک علی ہی کے لیے تجویز کر رکھا ہے۔ پس ابوبکر نے عمر اور سعد ابن معاذ سے کہا کہ اُٹھو علیؑ کے پاس چلیں اور اُن سے کہیں کہ فاطمہ کی خواستگاری کریں۔ اگر تنگدستی اُنھیں مانع ہے تو ہم اس باب میں اُنکی مدد کرینگے۔ اُنہوں نے کہا بہت درست ہے۔ یہ کہکر اُٹھے اور جناب امیر علیہ السلام کے گھر گئے۔ حضرت کو وہاں نہ پایا۔ اُس وقت حضرت اپنے اونٹ کو لے گئے تھے۔ اور ایک مرد انصاری کے باغ میں اُجرت پر آب کشی کر رہے تھے۔ یہ لوگ اُسی باغ میں گئے۔ اور جب آپکی خدمت میں پہنچے تو آپنے پوچھا کہ تم لوگ کس غرض سے میرے پاس آئے ہو۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اے علیؑ کوئی خصلت خصلتہائے نیک میں سے ایسی نہیں

ہے کہ اُس میں تم کو سب لوگوں پر ترجیح نہ ہو۔ تمہارے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو رابطہ بسبب یگانگی ومصاحبتِ دائمی ونصرت ویاری اور جو روابطِ معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع قریش نے فاطمہؑ کی خواستگاری کی مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ اور جواب دیا کہ اسکا اختیار پروردگار کو ہے۔ پس تم کو کیا چیز فاطمہؑ کی خواستگاری سے مانع ہے۔ ہمکو گمان یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فاطمہؑ کو تمہارے لیے رکھا ہے۔ پس جب جنابِ امیر علیہ السلام نے ابوبکر کا یہ کلام سُنا۔ آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہو گئے اور فرمایا تم نے میرے اندوہ وغم کو زیادہ کر دیا اور جو تمنا میرے دل میں پنہاں تھی اُسکو تم نے ظاہر کر دیا۔ کون ایسا ہے جو فاطمہؑ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو۔ لیکن تنگدستی کے سبب اس امر کے اظہار کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور تامل ہوتا ہے۔ پس ان لوگوں نے جس طرح ہوا جنابِ امیر علیہ السلام کو اس امر پر راضی کر لیا کہ آپ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری کریں۔ جنابِ امیرؑ نے اونٹ کھولا اور گھر میں لاکر باندھ دیا۔ اور نعلین پہنکر جنابِ رسولؐ خدا کے بیت الشرف کی طرف روانہ ہوئے۔ آنحضرتؐ اُس وقت خانۂ امِّ سلمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ جب جنابِ امیرؑ نے دقّ الباب کیا۔ امِّ سلمہ نے کہا کون ہے؟ پس قبل اس کے کہ آپ فرمائیں میں ہوں علی ابنِ ابیطالبؑ جنابِ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے امِّ سلمہؓ اُٹھو اور دروازہ کھولدو کہ یہ وہ مرد ہے جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ امِّ سلمہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ کون شخص ہے جس کے حق میں آپ ایسا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور ہنوز آپ نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے امِّ سلمہ چپ رہو۔ یہ وہ مرد ہے جو سفیہ نہیں ہے۔ بلکہ خوش کُن اور شجاع ترینِ مردم ہے۔ یہ میرا بھائی اور ابنِ عم ہے اور یہ مجھے سب خلق سے زیادہ محبوب تر ہے۔ امِّ سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ سُنکر میں اُٹھی اور جلدی سے میں نے دروازہ کھولنا چاہا۔ اور اس عجلت کی وجہ سے میرا پاؤں میری ردا میں اُلجھ گیا اور قریب تھا کہ میں گر پڑوں۔ پھر جب میں نے دروازہ کھولا تو علی ابنِ ابیطالب علیہ السلام کو دیکھا

پھر جناب امیر علیہ السلام اُس وقت تک گھر میں تشریف نہ لائے جب تک کہ آپ کو اس امر کا یقین نہ ہو لیا کہ میں پردہ میں چلی گئی ہوں۔ پھر علی داخل ہوئے اور کہا السّلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جناب رسولِ خدا نے جواب دیا علیک السّلام اے علی! پس جناب امیرؑ خدمتِ بشیرؐ و نذیر میں جا بیٹھے۔ نگاہ نیچی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کام کو آئے ہیں مگر اُسکے اظہار سے شرم کرتے ہیں اور حیا سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ پس جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا یا علی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی کام کو آئے ہو۔ اپنی حاجت بیان کرو۔ اور جو کچھ تمہارے دل میں ہے اُسکا اظہار کرو کہ تمہاری سب حاجتیں مجھے مقبول ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا سب جانتے ہیں کہ آپ نے مجھ کو ابیطالب اور فاطمہ بنت اسد سے عہدِ طفلی میں لیکر اپنے پاس پالا۔ آپنے اپنی غذا سے مجھے غذا دی۔ آپنے مجھے اپنے آداب سے آداب تعلیم کیے۔ اور آپ مجھ پر میرے ماں باپ سے زیادہ مہربان اور شفیقِ حال رہے۔ حق تعالےٰ نے مجھے آپ ہی کی برکت سے اپنے چچاؤں اور بزرگوں کی حیرت اور ضلالت سے بچایا اور ہدایت فرمائی۔ یا رسولؐ اللہ! آپ میرے لیے دنیا و آخرت میں تمام شرافتوں کے ذخیرہ ہیں اور بہ سبب اُن کرامتوں کے جو حق تعالےٰ نے آپ کی برکت سے مجھے عطا فرمائی ہیں امیدوار ہوں کہ گھر اور زوجہ بھی مجھے ملے۔ میں اس وقت آپ کی خدمت میں یہ التجا لیکر آیا ہوں کہ اپنی صاحبزادی فاطمۃؑ الزہرا کو مجھ سے تزویج فرما دیا جائے۔ حضرت اُمّ سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ان باتوں کے سُننے سے جناب رسالتمآبؐ کا چہرہ شگفتہ ہو گیا اور حضرت خنداں ہوئے اور متبسّم ہو کر جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام سے فرمایا یا علی! آیا تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں فاطمہؑ کو تم سے تزویج کر دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم میرا کوئی حال آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میرے پاس ایک شمشیر۔ ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے کہ اُسکے اوپر پانی پہنچاتا ہوں۔ اور سوائے ان کے اور کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تلوار تو جہادوں میں تمہارے کام آنیوالی ہے۔ اور اونٹ۔ اُس سے تم اپنے نخلستان کے لیے پانی کھینچتے ہو اور اپنا

اسباب وغیرہ اُسپر بار کرتے ہو۔ لیکن تمہارے پاس زرہ ہے۔ میں اُسی پر راضی ہوں۔ اور فاطمہؑ کو تم سے تزویج کرتا ہوں۔ اے ابو الحسنؑ! چاہتے ہو کہ میں تمہیں بشارت دوں۔ جناب امیر علیہ السلام نے عرض کی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے اُس بشارت سے مطلع اور سرفراز فرمائیے۔ خدا کا درود ہو آپ پر۔ بہ دستیکہ آپ ہمیشہ با برکت و سعادت۔ صادق الاقرار امین اور راست گفتار ہیں۔ یہ سنکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا علی بشارت ہو تمہیں بہ دستیکہ حق تعالےٰ نے آسمان پر فاطمہؑ کو تم سے تزویج کیا قبل اس کے کہ میں زمین پر تم سے تزویج کروں۔ اور اس جگہ جہاں میں بیٹھا ہوں قبل تمہارے آنے کے ایک فرشتہ مجھ پر نازل ہوا کہ اُس کے مُنہ اور ہاتھ بیشمار تھے۔ اور اُس جیسا فرشتہ میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ فرشتہ آیا تو کہنے لگا السّلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم! آپکو بشارت ہو اجماعِ اہل و پاکیزگی نسل سے۔ میں نے پوچھا اے ملک کیا بشارت ہے جو تو مجھے دیتا ہے۔ اُسنے کہا یا محمدؐ! میرا نام سِطائیل ہے اور میں ایک قائمہؑ عرشِ الٰہی پر موکّل ہوں۔ میں نے اپنے پروردگار سے رخصت طلب کی کہ آپ کو بشارت دوں۔ اور ابھی میرے بعد جبرئیلؑ آتے ہیں۔ وہ آپ کو کرامتہائے حق سبحانہ و تعالےٰ پر جو اس وقت آپ پر مبذول ہوئی ہیں خبر دینگے۔ ابھی اُسکا کلام تمام نہ ہوا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام آ پہنچے۔ اور کہا السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ یا نبی اللہ! پھر ایک حریر سفید حریرہائے بہشت میں سے میرے ہاتھ میں دی۔ اور اُس حریر پر دو سطر نور سے لکھی ہوئی تھیں۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ اے حبیب میرے یہ حریر اور نوشتہ کیا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا یا محمدؐ! چونکہ حق تعالےٰ نے اپنے علم سے جو احوالِ جمیع خلق پر مطّلع تھا۔ آپ کو جمیع خلق پر برگزیدہ کیا اور برائے رسالت بھیجا۔ اور آپکے بعد جمیع خلق سے آپ کے لیے بھائی، وزیر، مشیر اور داماد کو برگزیدہ کیا۔ پس آپکی دختر فاطمہؑ زہرا کو اُس سے تزویج کیا۔ میں نے کہا اے حبیب میرے جبرئیلؑ! وہ کون شخص ہے جبرئیلؑ نے کہا۔ اے محمدؐ! وہ آپکا بھائی اور آپ کا ابنِ عم ہے یعنی علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔ بہ دستیکہ حق تعالےٰ نے جمیع بہشت

کو وحی فرمائی کہ مزین ہو جاؤ۔ پس روضاتِ جناں مزین ہو گئے۔ پھر درختِ طوبےٰ کو حکم فرمایا کہ زیور اور اسباب زینت سے آراستہ ہو۔ حوران بہشت نے زینت اور بناؤ کیا۔ اور حق تعالےٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانِ چہارم پر نزدیک بیت المعمور جمع ہوں۔ پس فرشتہ جو آسمان چہارم پر تھا بیت المعمور کے پاس موجود ہوا اور جو فرشتے آسمانِ چہارم کے نیچے تھے سب اوپر ہو گئے اور حق تعالےٰ نے رضوان خازنِ بہشت کو حکم دیا کہ منبرِ کرامت نزدیک بیت المعمور نصب کرے۔ اور وہ منبر وہ ہے کہ حضرت آدمؑ نے جس روز فرشتوں کو تعلیم اسمار کی اور اُسپر خطبہ پڑھا تھا۔ اور وہ منبر نور کا ہے۔ پس حق تعالےٰ نے ایک ملک کو ملائکہ حجب سے کہ اُسکا نام راحیل ہے وحی فرمائی کہ اُس منبر پر جاکر حق سبحانہ و تعالےٰ کی ستائش بجا لائے اور اُسکو بجلالت و بزرگی یاد کرے۔ اور حق تعالےٰ کی تعریف کرے پس تعریف کا وہ سزاوار ہے اور درمیانِ ملائکہ اُس فرشتہ سے خوش زبان اور نیکو بیان زیادہ کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ پس وہ فرشتہ منبر پر آیا۔ اور حمد و ستائش حق تعالےٰ کی اُن محامد سے بیان کی جو سزاوارِ عظمت و جلال ایزد متعال تھی۔ اور سب آسمانوں سے صدائے فرح و شادی آئی۔ اور جمیع اہلِ سماوات خورسند و شاد ہو گئے۔ اور بروایتے اُس فرشتہ نے یہ خطبہ پڑھا:-

حمد و سپاس اُس خدا کو سزاوار ہے جو سب پہلوں کی اولیت سے پہلے ہے اور بعد فنائے عالمیاں باقی ہے۔ میں اُس خدا کی ثنا کرتا ہوں جس نے ہم کو ملائکہ روحانیاں کیا۔ اور ہم کو اپنی پروردگاری کا اقرار کرنے والا کیا۔ اور اُن نعمتوں پر جو ہمکو عطا ہوئیں شاکر کیا۔ ہم کو گناہوں سے محجوب اور عیبوں سے مستور کیا۔ ہمکو سماوات میں ساکن کیا اور مقرب سرا وقات فرمایا۔ ہم سے حرص شہوات زائل کی اور حرص و خواہش ہماری اپنی تسبیح و تقدیس میں قرار دی۔ وہ خدا کہ جس نے اپنی رحمت وسیع کی ہے اور نعمتوں کا بخشنے والا ہے اُس سے جلیل تر ہے کہ جو مشرکین اُس سے منسوب کرتے ہیں اور بوجہ اپنی عظمت و جلال کے اُن افتراؤں سے بلند تر ہے جو اُسپر قرار دیتے ہیں۔ پس بعد چند باتوں کے بیان کیا بدرستیکہ خداوند جبار نے اپنے برگزیدہ گرامی اور پسندیدہ کو اپنی کنیز کے لیے اختیار کیا کہ بہترین زنان و دختر بہترین پیغمبران و اشراف مرسلان ہے۔ پس اُس پیغمبر کے رشتہ کو ایک مرد اہلبیت کے رشتہ سے پیوند کر دیا کہ وہ مرد اُسکا مصاحب اور اُسکی دعوت کا تصدیق کرنیوالا اور اُس کے دین کی طرف مبادرت کرنیوالا ہے اور وہ مرد علی ابن ابیطالب ہے جس نے دخترِ رسولؐ یعنی فاطمہؑ بتول سے پیوند پایا۔ اور بروایتِ اوّل جبرئیلؑ نے کہا کہ پس حق تعالےٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ اسکا عقدِ نکاح باندھوں۔ بدرستیکہ میں نے اپنی کنیز فاطمہؑ اپنے حبیب محمدؐ کی دختر کو اپنے بندے علیؑ ابن ابیطالب سے تزویج کیا۔ پس میں نے عقدِ نکاح باندھا۔ اور ملائکۂ مقربین کو اسپر شاہد کیا۔ اور اُنکی گواہی اس حریر پر لکھی ہوئی ہے۔ اور تحقیق کہ مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ یہ نامہ آپ کو دکھاؤں اور مشک سے اُسپر مُہر کروں اور رضوان خزانہ دارِ بہشت کو سپرد کروں۔ اور تحقیق کہ جب حق تعالےٰ نے ملائکہ کو تزویج فاطمہؑ پر گواہ کیا تو درختِ طوبےٰ کو حکم دیا کہ جو کچھ زیور اور حُلّے تجھ پر ہیں سب جھاڑ دے اور اُسپر نثار کر دے۔ پس ملائکہ اور حور العین نے وہ نثار سمیٹ لیا۔ اور تحقیق کہ اُس نثار کا حوریں ایک دوسری کو ہدیہ بھیجتی ہیں اور اُس پر قیامت تک فخر و مباہات کرتی ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! حق تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو حکم دوں کہ زمین پر فاطمہؑ کو علیؑ سے تزویج فرما دیجیے اور اُن کو بشارت دیجیے کہ حق تعالےٰ ان کو دو فرزند عطا کریگا۔ کہ وہ پاکیزہ نجیب طیّب طاہر باخبر صاحب فضیلت دنیا و آخرت میں ہونگے۔

اے ابوالحسن بخدا سوگند کہ ملک ابھی میرے پاس سے گیا تھا کہ تم نے دق الباب کیا۔ پس واضح ہو کہ میں تمہارے مقدمہ میں امر پروردگار جاری کرونگا۔ اے ابوالحسنؑ تم جاؤ کہ میں بھی تمہارے عقب میں بجانب مسجد آتا ہوں۔ اور سب لوگوں کے سامنے فاطمہؑ کو تم سے تزویج کرتا ہوں۔ اور تمہاری ایسی فضیلت بیان کرونگا کہ وہ تمہاری اور تمہارے دوستوں کی دنیا و آخرت میں باعث روشنی چشم ہوگی۔ پس جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدمتِ بابرکت حضرت رسالتؐ سے اُٹھکر بسرعت متوجہ مسجد ہوا اور مجھے اس قدر فرح و شادی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اُدھر ابوبکر و عمر منتظر تشریف آوری جناب امیر علیہ السلام تھے۔ اس لیے کہ امتحاناً جناب امیر علیہ السلام

کو جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس بھیجا تھا جب جناب امیرؑ کو آتے دیکھا راہ میں حضرتؐ کو ٹوکا اور پوچھا کیا خبر ہے۔ جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا حضرت رسولؐ نے اپنی صاحبزادی فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا اور مجھے خبر دی ہے کہ آسمان پر حق تعالیٰ نے فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا۔ اور اب حضرت رسول تشریف لاتے ہیں کہ سب لوگوں کے سامنے فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج فرمائیں۔ جب اُنہوں نے یہ خبر حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام سے سُنی بنظرِ اظہارِ فرح و سرور کیا اور مسجد میں چلے گئے۔

مندرجۂ بالا روایت ہم نے کتبِ شیعہ میں سے ملا مجلسی علیہ الرحمہ کی اسناد سے لکھی ہے۔ اب اسی کے قریب قریب تمام مضمون کو علمائے اہلسنّت کی کتبِ معتبرہ روایات سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں:۔

مسندِ امام احمد ابنِ حنبل۔ روضۃ الاحباب اور نزہۃ المجالس میں انس ابنِ مالک صحابی سے مروی ہے کہ انس بیان کرتے ہیں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ ناگاہ آنحضرت پر آثارِ وحی کے محسوس ہوئے جب وہ حالت منجلی ہوگئی تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان اللہ امرنی ان ازوّج فاطمۃ من علیؑ یعنی تحقیقکہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ سے فاطمہؑ کو بیاہ دوں۔

اور پھر دوسرے طریقہ سے انس اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جآء جبرئیل وقال انّ اللہ یقرءک السّلام یا محمّد ثمّ وضع فی یدیہ حریرۃ بیضآء فیھا سطران مکتوبان بالنّور فقال رسول للہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ماھٰذہ الخطوط فقال ان اللہ تعالیٰ اطلع الی الارض فاختارک من خلقہ وبعثک برسالتہ ثمّ اطلع الیھا ثانیۃ فاختار لک اخًا ووزیرًا وصاحبا فزوجہ ابنتک فاطمۃ وھو اخوک فی الدّارین وابن عمّک فی النّسب علی ابن ابیطالب۔

حضرت جبرئیلؑ نے نازل ہوکر حضرت رسولِ خدا سے عرض کی کیا محمدؐ! خدا تعالےٰ نے تمکو سلام کہا ہے۔ بعدہ آپکے روبرو ایک حریر سفید پیش کیا کہ جس میں نور سے دو سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا تحریر ہے؟ جبرئیلؑ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! خدا نے نگاہ کی طرف زمین کے۔ پس آپ کو اختیار کیا اور آپ کو اپنی رسالت پر مبعوث فرمایا۔ پھر دوسری بارنگاہ کی۔ پس آپکے واسطے ایک وزیر اور بھائی اور رفیق اختیار کیا۔ اب آپ اپنی صاحبزادی فاطمہؑ کو اُس سے بیاہ دیجیے اور وہ آپ کا بھائی ہے دارین میں۔ اور چچا کا بیٹا ہے نسب میں۔ یعنی علی ابن ابیطالب۔

صواعقِ محرقہ میں امام دیلمی اور ابوبکر خوارزمی کی اسناد سے لکھا ہے:۔

اخرج ابوبکر الخوارزمی انّہ صلّی اللہ علیہ وسلم خرج علیہم ووجھہ مشرق کدائرۃ القمر فسئالہ عبد الرّحمٰن ابن عوف فقال بشارۃ اتتنی من ربی فی اخی وابن عمّی وابنتی بانّ اللہ زوّج علیًّا من فاطمۃ وامر رضوان خازن الجنان فھز شجرۃ الطوبی فحملت رقاقا یعنی صکاکا بعدد محبی اھل البیت وانشآء تحتھا ملٰئکۃ فی الخلائق فلا یبقی محب لاھلبیت الا دفعت الیہ صکافیہ فکاکہ من النّار فصار ابن عمّی واخی وابنتی فکلاک رقاب رجال ونسآء من امتی من النّار۔

ابوبکر خوارزمی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ ایک دن جناب رسولِ خدا باہر تشریف لائے اور آپکا چہرہ مانند شبِ چہاردہم کے چمکتا تھا۔ عبد الرحمٰن ابن عوف نے سبب پوچھا آپنے فرمایا کہ میرے پاس میرے پروردگار کی جانب سے میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے اور میری بیٹی کے باب میں ایک خوشخبری آئی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے علی و فاطمہؑ کو باہم تزویج فرمایا اور حکم دیا رضوان خازنِ بہشت کو پس اُسنے جنبش دی۔ چنانچہ اُس میں بحسب تعداد دوستانِ اہلبیت دستاویزیں پھیل گئیں اور اُس درخت کے نیچے اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا اور ہر فرشتہ کو ایک دستاویز عنایت فرمائی اور جس وقت کہ سب لوگ جمع ہوئے فرشتوں نے خلائق میں ندا کی۔ پس کوئی دوست اہلبیت کا باقی نہیں رہا۔ مگر یہ کہ اُسکو ایک دستاویز دی گئی کہ اُس میں آتشِ دوزخ سے آزادی لکھی ہوئی ہوگی۔ پس میرا بھائی اور ابنِ عم اور میری بیٹی آتشِ دوزخ سے میری امت کے مرد و زن کی گلو خلاصی کا باعث ہونگی۔

پھر اُنہی انس ابنِ مالک سے کتاب نور الابصار امام شبلنجی مصری میں مروی ہے عن انس ابن مالک قال کنت عند رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فغشیہ الوحی فلمّا افاق قال لی

یا انس اتدری ما جاءنی من ربّی جبرئیل علیہ السّلام
قال قال لی انّ اللہ تعالیٰ وتبارک یامرک ان تزوّج فاطمۃ
من علیؑ فانطلق وادع لی ابا بکر وعمر وعثمان وطلحۃ وزبیر
وبعدتہم من الانصار قال فانطلقت فدعوتہم فلمّا اخذوا
مجالسہم قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم الحمد
للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع سلطانہ
المھروب الیہ من عذابہ النافذ امرہ فی ارضہ وسمآئہ
الّذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم
بدینہ واکرمھم بمحمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان اللہ
عزّ وجلّ جعل المصاھرۃ نسبا لاحقا وامرا مفترضًا
وحکما عادلا وخیرا جامعا وشج بھا الارحام والزمھا الانام
فقال عزّ وجل وھو الّذی خلق من المآء بشرا فجعلہ نسبا
وصھرا وکان ربّک قدیرا وامر اللہ تعالیٰ یجری الیٰ قضآئہ
ویجری قضآئہ الی قدرہ ولکلّ قضاء قدر ولکلّ قدر اجل
ولکلّ اجل کتاب یمحو اللہ مایشآء ویثبت وعندہ ام الکتاب
ثم ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی واشھدکم
انی زوّجت فاطمۃ من علی علی اربع مائۃ مثقال فضۃ
ان رضی بذالک علی السنۃ القائمۃ والفریضۃ الواجبۃ
فجمع اللہ شملھما وبارک لھما وطاب نسلھما وجعل نسلھما
مفاتیح الرّحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ اقول قولی
ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ثم قال رسول اللہ صلّی اللہ
علیہ وآلہ وسلّم متبسّما یا علی ان اللہ یامرنی ان ازوجک
فاطمہ وانی قد زوّجتکھا علی اربع مائۃ مثقال فضۃ فقال
علی علیہ السّلام رضیت یا رسول اللہ ثم ان علیا خرّ
ساجدا شکرا للہ فلما رفع راسہ قال لہ رسول اللہ صلّی اللہ
علیہ وآلہ وسلّم بارک اللہ لکما واسعد جدّکما واخرج
منکما الکثیر الطیّب قال انس واللہ لقد اخرج منھما
الکثیر الطیّب۔

انس سے منقول ہے کہ میں ایک دن جناب رسولؐ خدا کے پاس تھا
کہ آپ کو وحی کے سبب سے غشی طاری ہوئی۔ پس جس وقت افاقہ
ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اے انس! تو جانتا ہے کہ میرے پاس جبرئیلؑ
خداوند عرش کی طرف سے کیا حکم لائے۔ میں نے عرض کی کہ میرے
ماں باپ آپ پر فدا ہوں جبرئیلؑ آپ کے پاس کیا حکم لائے ہیں؟
فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ آپ کو
حکم کرتا ہے کہ فاطمہ کو علی سے تزویج کیجیے۔ پس تو جا اور میرے پاس
ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ اور زبیر اور انہیں کی تعداد کے مطابق انصار
میں سے لوگوں کو بلالا۔ انس کہتا ہے کہ میں گیا اور ان لوگوں کو
بلالایا۔ پس جس وقت وہ لوگ آ کے بیٹھے جناب رسولؐ خدا نے
فرمایا کہ جمیع حمد ثابت ہے واسطے اللہ کے جو محمود ہے بسبب اپنی
نعمتوں کے اور معبود ہے بہ سبب اپنی قدرت کے۔ اور اطاعت
کیا گیا ہے بسبب اپنے غالب ہونے کے اور اسکی طرف لوگ گریز کرتے
ہیں اس کے عذاب سے جاری ہے حکم اسکا اس کی زمین اور
آسمان میں۔ وہ ایسا ہی ہے کہ اس نے خلق کو اپنی قدرت سے پیدا
کیا ہے اور اپنے احکام سے ان کو تمیز دی ہے۔ اور اپنے دین کے
سبب سے ان کو عزت بخشی ہے اور محمدؐ کی وجہ سے انکو بزرگی عطا
فرمائی ہے۔ بتحقیق اللہ عزوجل نے سسرالی رشتہ کو نسب تازہ۔
امر واجب۔ حکم عادل اور خیر جامع گردانا۔ اور اسکے سبب سے
رحموں کو پیوند کرتا ہے اور تمام خلق کے اوپر اسکو لازم کر دیا ہے۔
اور فرمایا ہے (ترجمۂ آیت) "وہ اللہ ایسا ہے کہ اسنے پانی سے
آدمی کو پیدا کیا۔ پس اسکے واسطے نسب اور سسرال رشتہ قرار
دیا۔ اور تیرا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔" اور خدا کا حکم اسکی
قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اسکی قضا اسکی قدر کی طرف
جاری ہوتی ہے اور واسطے ہر قضا کے ایک قدر ہے اور واسطے
ہر قدر کے ایک زمانہ معین ہے اور واسطے ہر زمانۂ معین کے
ایک کتاب ہے۔ محو کر دیتا ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے۔ اور
ثابت کرتا ہے اور اسکے پاس اصل کتاب ہے (لوحِ محفوظ)
امابعد۔ پس اللہ تعالےٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو علیؑ
سے تزویج کروں۔ اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہؑ
کو علیؑ سے چار سو مثقال چاندی پر تزویج کیا۔ اگر علی اس بات
پر راضی ہوں۔ یہ سنت قائمہ ہے اور فریضہ واجب۔ پس اللہ تعالیٰ
ان دونوں میں جمعیت عطا کرے اور ان دونوں کو برکت دے۔
اور ان دونوں کی نسل کو پاکیزہ کرے۔ اور گرداننے ان دونوں کی

نسل کو رحمت کی کنجیاں اور حکمت کی کان اور امت کی امان میں
یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے استغفار
کرتا ہوں۔ بعد اس کے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے تبسم کرکے فرمایا کہ یا علی اللہ تعالےٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے
کہ میں تجھ کو فاطمہؑ سے تزویج کروں۔ اور میں نے تم دونوں کو
چار سو مثقال چاندی پر تزویج کیا۔ پس کہا علیؑ نے کہ یا رسول اللہ
میں راضی ہوا بعد اُس کے حضرت علیؑ سجدے میں گر پڑے واسطے
شکر بجالانے اللہ کے۔ پس جب اپنا سر مبارک سجدے سے اُٹھایا
تو جناب رسولِ خدا نے اُن سے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تم دونوں
کے واسطے اور تم دونوں کے اوپر برکت بھیجے اور تم دونوں کی
سعی و کوشش کو نیک کرے۔ اور تم دونوں سے اولاد پاکیزہ
بکثرت پیدا کرے۔ چنانچہ انس کہتے ہیں کہ واللہ حق سبحانہ و
تعالےٰ نے ان دونوں سے اولادِ پاکیزہ بکثرت پیدا کی۔

حافظ جمال الدین محدثِ شیرازی روضۃ الاحباب میں اس واقعہ
کی تفصیل یوں قلمبند کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

در سالِ دوم از ہجرت در ماہِ رجب آں سال یا در ماہِ صفر نکاحِ علی مرتضےٰ
و فاطمہ زہرا واقع شد و زفاف ہم در آں ماہ و بقولے بعد ازاں بود۔
و گویند فاطمہ رضی اللہ عنہا در آں روز ہیژدہ سالہ بود۔ مرویست
کہ ابوبکر صدیق از پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہؑ را خواستگاری
نمود۔ حضرت فرمود در بابِ تزویجِ فاطمہؑ انتظارِ وحی می کشم۔
صدیق صورتِ حال را با عمر خطاب تقریر کرد۔ وے گفت اے
ابوبکر! خطبۂ ترا رد کرد و فاطمہؑ را بتو نمی دہد۔ بعد از چند وقتے
ابوبکر با عمر گفت تو خواستگاری نمائی فاطمہؑ را۔ عمر بمجلسِ حضرت
آمد و خواستگاری نمود۔ ہماں جواب کہ ابوبکر شنیدہ بود وے نیز بشنید۔
عمر بنزدِ ابوبکر آمد و حکایت گزشتہ باز گفت۔ صدیق گفت یا
عمر! خطبۂ ترا نیز رد کرد و دختر بتو نمی دہد۔ بعد از چند وقتے یاران
علی مرتضےٰ و اہلِ خواص وے با او گفتند تو خواستگاری نمائے فاطمہؑ
را۔ علی گفت بعد ازانکہ ابوبکر و عمر در ایں معرض در آمدند و بایشاں
نداد بمن کے خواہد داد۔ با او گفتند ترا با آں سرور خصوصیتے ہست
کہ دیگرے را نیست۔ قرابت قریبہ با وے داری۔ شاید کہ خطبۂ
ترا قبول کند۔ و در روایتے آنکہ علی مرتضےٰ فرمود کہ خواستم فاطمہؑ را

خواستگاری کنم با خود اندیشہ کردم کہ ہیچ ندارم۔ چگونہ در معرض ایں
امر توانم آمد۔ باز قرابت و صلۂ رحم را ملاحظہ نمودم و بنزدِ رسولِ خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رفتم و سلام کردم و ہیچ نہ گفتم حضرت
جواب سلامم باز داد و فرمود اے علیؑ حاجت تو چیست؟ گفتم
فاطمہؑ را خواستگاری می نمایم پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود
کہ اہلاً و مرحباً و دیگر ہیچ نہ گفت۔ از مجلسِ آں سرور بیروں آمدم
گروہے از انصار با من ملاقی شدند و گفتند خواستگاری نمودی
دختر بتو داد یا نہ۔ گفتم نمی دانم ایں مقدار گفت کہ اہلاً و مرحباً
گفتند ہمی قدر بس است کہ حضرت فرمودہ۔ ہم اہل بتو داد و
ہم خوشی و راحت حوالہ نمودہ۔ و گویند آں سرور با فاطمہ فرمود
کہ علی ترا خواستگاری می نماید۔ فاطمہؑ ہیچ نہ گفت و ساکت ماند
حضرت وے را با علی نکاح کرد و ازاینجاست کہ فقہائے دین
رحمہم اللہ گفتہ اند مستحب است ولی را کہ چوں دختر کبیرہ خود را بزنی
بکسے دہد استیذان از وے نماید۔ و سکوتِ بکر بمنزلۂ اذنِ اوست
و شیخ زرندی در کتاب نظم درر السمطین روایت می کند از انس
ابنِ مالک رضی اللہ عنہ کہ گفت من نزدِ رسولِ خدا نشستہ بودم
کہ آثارِ وحی در بشرۂ مبارک وے ظاہر شد و چوں وحی منجلی گشت
فرمود اے انس! ہیچ می دانی کہ جبرئیلؑ برائے من از خداوند
چہ پیغام آوردہ گفتم یا رسول اللہ پدرم و مادرم فدائے تو باد
چہ آوردہ؟ فرمود کہ ایں آوردہ کہ ان اللہ تعالیٰ یامرک ان
تزوج فاطمۃ من علیؑ۔ بدرستیکہ حق تعالےٰ امر می فرماید کہ فاطمہ
را بزنی بدہی بعلیؑ۔ اے انس برو و ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و
زبیر و جماعتے از انصار را بگو کہ رسولِ خدا شمارا میخواند۔ انس
گوید بموجبِ فرمودۂ او رفتم و آں گروہ را بخواندم چوں جمع شدند
علی نیز حاضر گشت۔ حضرت خطبۂ بلیغہ خواند مشتمل بر حمد و ثنائے
حضرت حق جل جلالہ و ترغیب بنکاح کرد۔ فرمود کہ خداوند تعالےٰ
مرا فرمودہ کہ فاطمہؑ را بزنی بعلی دادم بر مہر چہار صد مثقال نقرہ
راضی شدی اے علیؑ؟ علیؑ گفت راضی شدم۔ و در روایتے آنکہ
علیؑ را فرمود تا خطبہ بخواند۔ پس حضرت دعائے خیر در شانِ علی و فاطمہ
بتقدیم رسانید و گفت جمع اللہ شملکما و اسعد جدکما
و بارک علیکما و اخرج منکما کثیراً طیباً۔

امام سلیمان قندوزی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں جواہر العقدین کی اصل عبارت سے دو مختلف طریقوں سے اس واقعۂ مبارکہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فغشیہ الوحی فلما افاق قال یا انس اتدری بما جاءنی بہ جبرئیل من عند صاحب العرش عز وجل قلت بابی وامی جاءک جبرئیل قال قال جبرئیل ان اللہ یامرک ان تزوج فاطمۃ بعلی فانطلق فادع لی ابوبکر وعمر وعثمان وطلحۃ والزبیر ونفرا من الانصار قال فانطلقت فدعوتہم فلما ان اخذوا مقاعدہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الحمد للہ المحمود بنعمتہ وذکر الخطبۃ المشتملۃ علی التزویج و فی آخرہا فجمع اللہ شملہما واطاب نسلہما وجعل ذریتہما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ ثم حضر علی وکان غائبا فتبسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال یا علی ان اللہ امرنی ان ازوجک فاطمۃ وانی قد زوجتکہا علی اربع مائۃ مثقال فضۃ فقال علی قد رضیتہا یا رسول اللہ ثم ان علیا خر للہ ساجدا فلما رفع راسہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارک اللہ لکما وبارک فیکما واسعد جدکما واخرج منکما الکثیر الطیب قال انس واللہ لقد اخرج اللہ منہما کثیر الطیب اخرجہ ابو الحسن بن شاذان فیما نقلہ عنہ الحافظ الزرندی فی نظم درر السمطین وقد اوردہ المحب الطبری فی ذخائر العقبیٰ واخرجہ ابو الخیر القزوینی الحاکمی۔ ینابیع المودۃ ص ۱۴۵ بمبئی۔

انس کہتے ہیں کہ میں ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایکبارگی آپ پر وحی کی غشی طاری ہوئی۔ جب اُس سے افاقہ ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے انس! تم کو معلوم ہے کہ خداوند عرش کی طرف سے جبرئیل امین کیا پیام لائے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ جبرئیل کیا حکم لائے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جبرئیل امین نے خدا کا یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں فاطمہ کو علی سے بیاہ دوں۔ یہ سنکر وہ چلے گئے۔ پس اے انس جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر اور اتنے ہی لوگوں کو جماعتِ انصار میں سے میرے پاس بُلا لاؤ۔ انس کا بیان ہے کہ میں حسب الارشاد اُٹھا اور اُن حضرات کو بُلا لایا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اُس مجمع میں آکے کھڑے ہوئے اور آپ نے وہ خطبہ پڑھا جس کا آغاز الحمد للہ المحمود بنعمتہ سے ہوتا ہے اور آخر فقرات اُس کے یہ ہیں۔ فجمع اللہ شملہما واطاب نسلہما وجعل نسلہما مفاتیح الرحمۃ ومعادن الحکمۃ وامن الامۃ اس اثناء میں علی حاضر ہوئے اور اسکے قبل آپ وہاں نہیں تھے۔ آپ علی کو آتا دیکھکر مسکرا دیے اور اُنکو مخاطب کرکے فرمانے لگے اے علی! خداوند عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کو تم سے بیاہ دوں۔ اور اس حکم کے مطابق میں نے فاطمہ کو تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی کی تعدادِ مہر پر بیاہ دیا۔ علی نے فرمایا۔ مجھے قبول ہے۔ یہ کہکر وہ شکرِ الٰہی کے سجدے میں زمین پر گر پڑے۔ جب اُنہوں نے سر سجدے سے اُٹھایا تو جناب رسالتمآب نے علی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم تم دونوں کو برکت دے۔ اور تم دونوں کی کوششوں کو نیک کرے۔ اور تم دونوں کی نسل سے اولادِ طاہرہ کثیرہ پیدا کرے۔ انس بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ان دونوں حضرات سے کثرت سے نفوس طاہرہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کو ابوعلی حسن ابن شاذان نے بھی نقل کیا ہے۔ اور اُن سے امام الحرمین علامہ حافظ زرندی نے اپنی کتاب نظم درر السمطین میں اور علامہ محب طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں اور علامہ ابوالخیر قزوینی حاکمی نے بھی نقل کیا ہے۔

(۲) روی ابوداؤد باسنادہ عن قتادہ عن الحسن البصری عن انس قال ان ابابکر خطب فاطمۃ فاعرض النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنہ ثم خطبہا عمر ابن الخطاب فاعرض عنہ وقال انتظر امر اللہ فیہا ثم خطبہا علی فقال لہ اعندک شیٔ قال علی قلت فرسی ودرعی قال اما فرسک فلا بد لک منہ واما درعک فبعہا واتنی بہا قال فانطلقت فبعتہا باربع مائۃ وثمانین درہما فوضعتہا فی حجرہ فقبض منہا قبضۃ وقال ای بلال فجاء اشتر بہا طیبا الی آخر الحدیث۔

ابوداؤد اپنی سنن میں قتادہ کی سند سے جس کو اُنہوں نے حسن بصری کی اسناد سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ انس سے منقول ہے کہ پہلے ابوبکر

نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمۂ کی خواستگاری کی۔ آپنے انکار کیا۔ ان کے عمر ابن خطاب خواستگار ہوئے اُن سے بھی انکار کیا گیا۔ اور ارشاد فرمایا گیا کہ اس امر خاص میں حکم خدا کا انتظار ہے۔ ان لوگوں کے بعد جناب علی مرتضٰے نے درخواست کی۔ حکم ہوا کہ تمہارے پاس سامان عروسی کے لیے کیا ہے۔ آپنے عرض کی ایک گھوڑا ہے اور ایک زرہ۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو تمہیں سفر کی ضرورت کے لحاظ سے اپنے پاس رکھنی کی خاص مجبوری ہے۔ باقی رہی زرہ۔ اُسکو بیچ ڈالو اور اُسکی قیمت میرے پاس لیکر آؤ۔ جناب علی مرتضٰے علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں اُٹھا اور اُس زرہ کو بیچکر اُسکی قیمت چار سو اسی درہم آپ کی خدمت میں لایا۔ آپنے اُس میں سے ایک مٹھی درہم لیے اور پوچھا بلال کہاں ہے؟ بلال حاضر ہوئے تو اُنسے ارشاد ہوا کہ ان درہموں کی خوشبویات لاؤ۔ (تا آخر حدیث)

امام مناوی نے کنوز الدقائق میں علامہ جرزی نے اصابہ میں سید علی ہمدانی نے مودۃ القربے میں۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں۔ علامہ ابن السمان نے اپنی کتاب الموافقہ میں وغیرھم ذٰلک کثیرا من امثالھم اس واقعہ کو مندرجۂ بالا تفصیل و تشریح کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے جس سے اس واقعہ کی اہمیت۔ اسکی تحریک۔ اسکے انجام اسکے اہتمام۔ غرض آغاز سے لیکر اختتام تک اسکے تمام تعلقات کا نظام قدرت سے متعلق ہونا پورے طور سے ثابت ہوتا ہے۔ معتبر اور متواتر روایات سے یقین کیا جاتا ہے کہ اس مبارک تزویج کی شان کچھ ایسی ہی عظیم تھی کہ جناب رسول کریم بھی بانفس نفیس اپنی تجویز سے اسکی تعمیل کے لیے ماذون نہیں تھی اور ہر درخواست پر مخبر صادق کا سچا اور کھلا جواب یہی ہوا کرتا تھا کہ اس امر خاص میں مجھے وحی خدا کا انتظار ہے۔ جیسا کہ اوپر معتمد اور متعدد اسناد سے لکھا گیا ہے۔ اور پھر اُس خوش قسمت سے بھی جسکی تقدیر میں یہ خدا کی نعمت ملنے والی تھی اور نیز اُن حضرات سے جو اُس مجمع میں موجود تھے حکم الٰہی آنے کے وقت صاف صاف لفظوں میں فوراً ارشاد فرما دیا گیا کہ مجھ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمۂ کو علیؑ سے بیاہ دوں۔ اب معلوم ہوگیا کہ یہ تزویج اصل میں قدرت کی تزویج اور مشیت الٰہی کی ارادۂ تقدیرہ تھی۔ بمنتظان قدرت نے جس کو چاہا اُسی کو فاطمہ کے ساتھ بیاہا۔ یہ بھی اسی کے ساتھ ظاہر ہو گیا کہ یہ خاص الخاص خدا کا فرمان تھا۔ جو بلفظہ رسالت کی زبان پر جاری ہوا۔ اور اسی لیے پیغمبر برحق نے نزول حکم الٰہی کے قبل لوگوں کی متعدد اور متواتر درخواستوں پر اپنی طرف سے کسی قسم کے وعدے یا قول و قرار کو رضائے الٰہی کے خلاف سمجھا اور صاف اور کھلے الفاظ میں اپنی مجبوری دکھلادی۔

اس رسالہ میں بھی اور اس کے علاوہ اس مقدس سلسلہ کے تمام سابق نمبروں میں ان ذوات مقدسہ کے تمام حالات و واقعات کو آغاز سے لیکر انجام تک۔ نظام قدرت کے متعلق خاص طور پر ثابت کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ اس رسالہ میں بھی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے حالات کو آپ کی ولادت اور خلقت کے وقت سے لیکر اس وقت تک بالکل قدرت ربانی کے زیر انتظام اور مشیت یزدانی کے تحت احکام دکھلا آئے ہیں۔ جن کو دیکھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ خاندان رسالت میں یہ تزویج اور یہ تقریب وہ معمولی نہیں تھی جو عام طور سے اس سے قبل ہوچکی تھیں۔ اور باوجود اسکے وہ خواتین بھی بنات سید المرسلین ہی بتلائی جاتی ہیں۔ مگر۔ اُن میں سے کسی کی تزویج کے موقعہ پر نہ نظام الٰہی کے یہ اخبار و آثار نقل کیے جاتے ہیں نہ جناب رسالت پناہی کی یہ احتیاط اور انکار۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس تزویج کو اُن سابق تقریبات سے منجانب اللہ ترجیح و تفضیل کا شرف حاصل تھا۔

اس مبارک واقعہ کے متعلق اور خصوصیات کے ساتھ اسکی ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام تعلقات کو حکم خداوندی کے مطابق واقع ہونے کی نسبت سواد اعظم کے قریب قریب تمام مستند اور معتبر اقوال ہم نے اس لیے جمع کر دیے ہیں کہ ہر دیکھنے والا یقین کرلے کہ اسکی اہمیت اسکی قدرتی عظمت پر فریقین کا پورا اعتماد ہے اور جمہور کا اتفاق۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام علمائے مستندین نے کچھ تو اپنے خلوص اور خوش اعتقادی کے اعتبار سے اور زیادہ تر اس کی قدرتی عظمت و اقتدار کے باعث سے اپنی اپنی تالیفات میں اسکو پوری وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو اتنے متعدد طریقوں سے لکھکر ہمکو صرف اسکی اہمیت

اور عظمت دکھلانی تھی۔ اور یہ بتلا دینا تھا کہ سواد اعظم کو تمام علماء و محدثین اس واقعہ کو خاص طور پر حکم خداوندی کے مطابق اور اسکے تمام سامان و اسباب کو قدرت کے آثار و اسرار سے پُر اور مملو کہتے اور مانتے ہیں۔ اور اُن کا یہ مختار تواتر کے معیار تک پہنچا ہوا ہے جیسا کہ مندرجۂ بالا اسناد سے ظاہر ہے۔

بہرحال۔ اتنا عرض کر کے ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک اوپر لکھا جا چکا ہے کہ دار المشیّتِ خداوندی سے اس مبارک تزویج کی نسبت فرمان ایزدی پا کر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام سے حضرت سیّدۃ نساء العالمین۔ بتول العذراء۔ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا عقد تمام اہلِ اسلام کی بھری مجلس میں کر دیا۔ اس مبارک تقریب کے موقع پر مجلسِ عقد کے مجمع میں جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا اور جس کے چند فقرات مع ترجمہ مجمل طور پر اوپر لکھے جا چکے ہیں وہ تمام و کمال امام طبری کی کتاب ذخائر العقبےٰ سے ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ وہو ہٰذا۔

الحمد للہ المحمود بنعمته المعبود بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه وسطوته النافذ امره فی سمائه و ارضه الّذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامه اعزهم بدینه واکرمهم بنبیّه محمّد صلّی اللہ علیه وآله وسلّم انّ اللہ تبارك وتعالیٰ جلّت عظمته جعل المصاهرة سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج به الارحام والزم به الانام فقال عزّ من قائل وهو الّذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وکان ربّك قدیرا فامر اللہ یجری الی قضائه و قضائه یجری الی قدره ولکلّ قضاء قدر ولکلّ قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعنده امّ الکتب وان اللہ تبارك وتعالیٰ امرنی ان ازوّج فاطمة ابنتی من علی ابن ابیطالب فاشهدوا انی قد زوّجته علی اربع مائة مثقال فضة ان رضی بذلك علی وکان علی غائبا فی الحاجة النبی صلّی اللہ علیه وآله وسلّم ثم دعا بطبق من تمر فوضع بین ایدینا فاکلنا اذ دخل علیؑ فتبسّم فی وجه علی وقال انّ اللہ تبارك وتعالیٰ امرنی ان ازوّجك فاطمة علی اربعمائة مثقال فضة ان رضیت بذلك فقال علی رضیت بذلك یا رسول اللہ ثمّ قال النّبی صلّی اللہ علیه وآله وسلّم جمع اللہ شملکما واسعد جدّکما وبارك علیکما وفیکما فاخرج منکما کثیرا طیّبا قال انس فواللہ لقد اخرج اللہ منهما کثیرا طیّبا۔

وہ خدا لائق تعریف ہے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے اور قدرتوں کے باعث سے معبود۔ قابلِ اطاعت ہے شانِ سلطانی میں۔ اور مقام پناہ ہے ہنگامِ ہیبت و عذاب میں۔ اور اپنے حکم و احکام کا زمین و آسمان میں نافذ و صادر فرمانیو الاہے۔ وہ خدا وہی ہے جس نے خلقت کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور اپنے احکام اُن پر ممیّز کیے اور اپنا دین عنایت کر کے اُن کو معزز فرمایا۔ اور پھر جناب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سا پیغمبر دیکر اُن کو تمام مخلوق میں مکرم کیا۔ اُسی خدائے تبارک و تعالےٰ نے جسکی عظمت سب سے بڑھی ہوئی ہے سُسرالی قرابتوں کو سبب لاحق گردانا اور امر مفترض قرار دیا۔ جس سے رحموں کو ملایا اور اُسکو دنیا کے لیے لازم ٹھیرایا اور اُسنے فرمایا اور سب سے معزز وہ کہنے والا ہے کہ وہ خدا وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا فرمایا اور اُسکے لیے آبائی اور سُسرالی قرابتیں قرار دیں اور وہی تیرا رب ہے جو سب چیزوں پر قادر ہے۔ خدا کا حکم اُسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے۔ اور قضا اُسکی قدرت کی جانب۔ اُسکی ہر قضا کے واسطے قدر کا ہونا شرط ہے اور ہر قدر کے لیے ایک وقت معیّن ہے اور ہر وقت معیّن کے لیے ایک حکم خاص پھر بھی خداوندِ عالم ان میں سے جس کو چاہے مٹا دے یا قائم رکھے اور اُسی کو اپنے حکم کا علم ہے۔ تحقیق کہ اُسی خداوندِ عالم نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اپنی لڑکی فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کا عقد علیؑ سے کر دوں۔ پس اے حاضرینِ جلسہ! تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اپنی لڑکی (فاطمہ) کا عقد علیؑ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے عوض میں کر دیا۔ بشرطیکہ علیؑ اسکو قبول کر لیں۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام وہاں موجود نہیں تھے۔ جناب رسالت مآب صلعم کی ضرورت سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ فرما کر ایک طبق خرما اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھایا۔ صحابہ کا بیان ہے کہ ہم سب نے ملکر اُسکو کھایا۔ اس اثناء میں جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام

بھی آ گئے۔ پس آپ نے اُن کا روئے مبارک دیکھکر تبسم فرمایا اور کہا کہ اے علی خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کا عقد تم سے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر کر دوں۔ آیا تم راضی ہوتے ہو؟ پس جناب علی مرتضےٰ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں راضی ہوں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ تم دونوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ تمہاری کوششوں کو مبارک فرمائے۔ اور تم دونوں پر اور تم دونوں کے امور میں برکت عطا فرمائے۔ اور تم دونوں کی نسل سے اولادِ طاہرۂ کثیرہ خلق فرمائے۔ انس کہتے ہیں کہ حقیقت میں ان دونوں بزرگواروں کی نسل سے پاکیزہ ترین اولاد کثیرہ وجود میں آئی۔

یہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے عقدِ نکاح کا خطبہ ہے جس کو ترجمانِ وحی الٰہی نے اپنی زبانِ مبارک سے اہلِ اسلام کی بھری مجلس میں پڑھکر سُنایا۔ اس خطبۂ مقدسہ کے لفظ لفظ اور حرف حرف اس واقعہ کی اہمیت اور عظمت اور رضائے الٰہی اور ایمائے مشیت کے ساتھ اسکی خصوصیت ثابت کر رہے ہیں۔ اس کا فقرہ فقرہ بتلا رہا ہے کہ جس اہتمام اور احتشام کے ساتھ دارالمشیت ایزدی سے اسکے احکام صادر ہوئے اُسی احتیاط اور اکرام کے ساتھ دربارِ رسالت میں بھی اس مہتم بالشان فرمان کی تعمیل فرمائی گئی۔ چونکہ سابق امیدواروں سے اُنکی درخواست کے گزشتہ موقعوں پر صاف اور سیچے لفظوں میں کہدیا گیا تھا کہ یہ امر بالکلیہ منشائے الٰہی کے متعلق ہے۔ اسی وجہ خاص سے نزولِ وحی کے بعد انس بن مالک کے ذریعہ سے مہاجرین کے گروہ میں وہی بزرگوار نام بنام بلوائے گئے جو خاصکر اپنے ظاہری رسوخ۔ توسل اور مداخلت کے اعتبار پر اس کے لیے مستدعی ہو چکے تھے۔ چونکہ مہاجرین کے مقابلہ میں انصار کو نہ یاد کرنا اخلاقِ نبوی کے بالکل خلاف تھا اسلیے تعدادِ مہاجرین کے مطابق اُنکی جماعت میں سے بھی چند حضرات بلوا لیے گئے۔ مگر اُن کے مخصوص نام نہیں رکھے گئے۔ ان شاہدین انصار و مہاجرین کے سامنے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی مبارک تزویج کا وہ خطبہ ارشاد فرمایا گیا جو محدثین و مفسرین کی اسناد سے پہلے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس مقدس خطبہ میں حمد الٰہی کے بعد منشائے ایزدی اور مدعائے خداوندی۔ اُسکی مشیت کے نظام اور اُسکی مصلحت کے احکام جن جن

طریقوں اور ذریعوں سے جاری ہوتے ہیں اور نفاذ پاتے ہیں۔ وہ بالتفصیل بیان فرما دیے گئے ہیں۔ اور اُنکو اس تفصیل سے بیان کرنے کی یہ ضرورت تھی کہ دنیا کے معمول پسند حضرات سمجھ لیں اور یقین کر لیں کہ یہ مبارک تزویج خاص طور پر مشیت اور ارادۂ الٰہی کے متعلق تھی۔ اور اسی وجہ سے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی تا وقتیکہ حکمِ خدا نہ آئے مداخلت کی جرأت اور اجازت نہیں تھی۔ جیسا کہ آپنے سابق مستدعین کی درخواستوں پر اپنی موجودہ مجبوریوں کو صاف صاف اور کھُلے کھُلے لفظوں میں دکھلا دیا تھا۔ اب چونکہ وہ مبارک دن اور وہ سنہرا موقع آ گیا اور بارگاہ ایزدی سے بھی اسکی تعمیل کا حکم نازل ہو گیا اس لیے مخبرِ صادقؐ نے اس خطبۂ مقدسہ کے ذریعہ سے اہلِ اسلام کے مجمع عام میں اس مشیتِ الٰہی کا اعلان فرما دیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ مبارک دن آج ہی ہے اور وہ سنہرا موقع یہی ہے۔ جس دن اور جس وقت اُن تمام قدرتی سامانوں کے ساتھ جو اوپر متعدد اور متواتر طریقوں سے تحریر ہو چکے ہیں خدائے تبارک و تعالےٰ نے اس مبارک تقریب کے بخیر و خوبی انجام دیے جانے کا فرمان دیدیا ہے اور جملہ حاضرین و شاہدین نے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ حقیقت میں مخبرِ صادق علیہ السلام نے اس کے متعلق اپنی زبان صداقت ترجمان سے جو روزِ اوّل فرما دیا تھا بالکل ویسا ہی اس وقت ظہور پذیر ہوا۔

بہر حال۔ تقریر خطبہ کے بعد جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جیسا کہ اسنادِ بالا سے ظاہر ہوتا ہے۔ جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا سے ایجاب لیا۔ اور آپ کے ایجاب فرمانے کے بعد جناب ختمی مرتبت علیہ السلام حضرت سیدۃ نساء العالمین کے پاس تشریف لائے اور اُن کا استیذان حاصل کرنا چاہا۔ حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرت با فاطمہؑ فرمود کہ علی ترا خواستگاری می نماید۔ فاطمہؑ ہیچ نہ گفت و ساکت ماند حضرت وے را بعلی نکاح کرد۔ و از اینجاست کہ فقہائے دین رحمہم اللہ تعالےٰ گفتہ اند مستحب است ولی را کہ چوں دختر کبیرہ خود را بکسے بدہد استیذان از وے نماید و سکوتِ بکر بمنزلہ اذن وے است"
روضۃ الاحباب ص ۲۱۳۔

امام طبری نے ذخائر العقبےٰ میں بھی اسی مضمون کو عطاء ابن رباح

اسناد ذیل کی عبارت میں لکھا ہے:-

عن عطاء ابن رباح قال لما خطب علیؑ فاطمۃ رضی اللہ عنہا سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنہا فسکنت فزوجہا (اخرجہ الدولابی)

امام دولابی نے عطاء ابن رباح کی اسناد سے لکھا ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی مرتضےٰ کا خطبۂ نکاح حضرت سیدہ کے ساتھ پڑھا تو آپ نے بانفس نفیس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو آپ صرف خاموش رہ گئیں اور آپ نے اُن کو علیؑ سے بیاہ دیا۔

امام طبری نے آگے چل کر عبد اللہ ابن مسعود کی اسناد سے یہاں تک لکھدیا اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرما دیا تھا کہ حضرت علی کیساتھ تمہاری تزویج میری تجویز نہیں ہے بلکہ خدا کا حکم۔ اُن کی اصل عبارت یہ ہے۔

یا فاطمۃ انی لم ازوجک من علی من تلقاء نفسی بل امرنی اللہ تبارک وتعالیٰ ان ازوجک منہ (اخرجہ الحافظ الغسانی) اے فاطمہؑ میں تمکو علیؑ کے ساتھ اپنی ذاتی تجویز اور خواہش سے نہیں بیاہتا ہوں بلکہ خدائے تبارک وتعالےٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے کہ میں تم کو اُنکے ساتھ بیاہ دوں۔

اب تو ان تمام واقعات سے پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جناب ختمی مرتبت علیہ السلام نے اِس واقعہ کو بالکلیہ حکم خدا اور ارادہ الٰہی کے مطابق ہونا جیسا کہ اسکے آغاز سے ارشاد فرمایا تھا اُسی طرح اُس کے انجام کے وقت تک بتلا دیا۔ اور اس امر خاص کی طرف سے جو ذمہ داریاں آپکے سپرد فرمائی تھیں اُنکو آپنے جملہ حاضرین و شاہدین کے سامنے جس طرح بیان فرما دی تھیں اُسی طرح جناب علی مرتضےٰ اور جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو روبرو بھی ظاہر فرما دیں۔ تاکہ عوام میں کسی کو اس امر کا خیال نہو کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے نسبی تعلقات۔ ذاتی اور روحانی صفات۔ خصوصیات اور آپ کے محاسن خدمات کی خاص عنایتوں سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو انکے عقد نکاح میں دیدیا ہے۔ اور آپکے ان ذاتی امور جزئیات میں وحی اور الہام الٰہی کی ہدایات وغیرہ کی کوئی مداخلت یا مطابقت نہیں تھی۔

مرقومہ بالا واقعات اور اُنکی متواتر تصدیق اور شہادت کو پڑھکر ایک معمولی سے معمولی سمجھ والا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقتاً اپنی ان صاحبزادی کی مسئلۂ تزویج میں اپنی رائے اور اختیار سے کسی تجویز اور انتخاب کے لیے ماذون و مختار نہیں تھے۔ اور اپنی رائے وتدبیر سے اسکی نسبت کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ مسئلہ خاص طور پر ایسی عظمت اور اہمیت رکھتا تھا کہ اس کے انجام دینے کے لیے نظام رسالت ارشاد و استمداد قدرت کے خاص طور پر محتاج تھے۔ اور اگر یہ مسئلہ عام طور سے ویسا ہی معمولی ہوتا جیسا کہ اس سے قبل آپکی دو یا تین منسوبی صاحبزادیوں کا نکاح ہو چکا تھا جن میں نہ انتظار وحی کی ضرورت دکھلائی گئی تھی۔ نہ جبرئیلؑ کی مخصوص لائی ہوئی بشارت کی خبر پہنچائی گئی تھی۔ اُن نسبتوں کو خاص طور پر نہ مشیت الٰہی سے کوئی تعلق تھا اور نہ آسمان وزمین پر اُن تقریبات کا اس عظمت و اقتدار کے ساتھ منعقد ہونا دکھلایا گیا تھا۔

بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ابھی تک اس مبارک تقریب میں ہم نے متعدد اور متواتر اسناد سے صرف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے خطبۂ نکاح بیان فرمانا لکھا ہے۔ مگر تھوڑی سی اور تلاش کے بعد یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے بھی حضرت رسول خدا کے حکم سے ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ آپ کا یہ خطبہ پڑھنا بھی کچھ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص مرضی اور خواہش سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ جس طرح اس تزویج کے متعلق تمام احکام دربار ایزدی سے نافذ ہوئے تھے اُسی طرح حضرت علیؑ سے مخصوص خطبہ پڑھوائے جانے کا حکم بھی خدائے سبحانہ وتعالےٰ ہی کی طرف سے صادر ہوا تھا۔ امام ابو نصر ہمدانی کتاب سبعیات میں رقمطراز ہیں:-

فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال ان اللہ تعالیٰ امر علیاً ان یقرء الخطبۃ بنفسہ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان یقرء الخطبۃ بنفسہ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فقال الحمد للہ المتوحد بالجلال المتفرد بالکمال خالق بریتہ ومجنس طبقات خلیقتہ الذی لیس کمثلہ شیٔ ولا یکون لمثلہ الا ھو خالق العباد فی البلاد الھمھم التسبیح والثناء علیہ فسبحوا بحمدہ وقدسوہ فھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو وامر عبادہ بالنکاح فاجابوہ الحمد للہ علی نعمۃ والایۃ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ شھادۃ تبلغہ وترضیہ وتجیر قائلھا وتقیہ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد نبی الذی انجاہ لوحیہ ورضیہ صلوٰۃ تبلغہ الزلفیٰ وتخطیہ ورحمۃ اللہ علی آلہ واصحابہ ومحبتیہ والنکاح بما قضاہ اللہ تعالیٰ اذن فیہ وانی عبد اللہ وابن امتہ الراغب الی اللہ الخاطب خیر نساء العٰلمین قد بذلت لھا من الصداق اربع مائۃ درھم عاجلۃ غیر اجلہ۔ زوجتھا یا ایھا الرسول الامین علی سنۃ من مضے من المرسلین فقال النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم زوجت فاطمۃ بک یا علیؑ وزوجک اللہ تعالیٰ ورضیک واختارک فقال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبلتہا من اللہ تعالیٰ ومنک یا رسول اللہ ۵۔

پھر حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے علیؑ کو حکم دیا ہے کہ وہ بذاتِ خود خطبہ پڑھیں پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو خطبہ پڑھنے کا حکم دیا انہوں نے یہ خطبہ پڑھا کہ جمیع حمد ثابت ہیں واسطے اللہ کے اسکی نعمتوں پر اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے ایسی گواہی جو اللہ تعالےٰ تک پہنچ جائے اور اسکو راضی کرے اور گواہی دینے والے کی پشت و پناہ ہو اور اُس کی حفاظت اُس دن کرے کہ جب آدمی گریز کریں اپنے بھائی سے۔ اپنی ماں سے۔ اپنے باپ سے اپنی زوجہ سے اور اپنی اولاد سے (یعنی روزِ قیامت) اور درود بھیجے اللہ ہمارے سردار پر جو محمدؐ خدا کے نبی ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اپنی وحی کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اور اُن راضی و خوشنود ہو گیا ہے۔ ایسا درود اُن پر ہونا چاہیے جو اُن حضرت کو مقامِ قربت میں پہنچائے اور اُنکو اُس سے حظ حاصل ہو۔ اور رحمت خدا کی اُن پر اور اُنکی آل پر اور اُنکے اصحاب پر اور اُن کی اجابت کرنیوالوں پر۔ اور امرِ نکاح اُس قبیل سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اُسکا حکم فرمایا ہے اور اجازت دی ہے۔ اور تحقیق کہ میں خدا کا بندہ اور اُسکی کنیز کا بیٹا ہوں۔ اور اُسکی طرف رغبت کرنیوالا ہوں اور اِس وقت جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔ اُسکا خطبہ کرتا ہوں اور اسی وقت اُسکے مہر میں چار سو مثقال چاندی دیتا ہوں اور اُسکی ادا کاری وعدہ پر نہیں ہے۔ اے رسولِ امین ایسے اُسکو یعنی فاطمہؑ کو مرسلین سابقین کے طریقہ پر اپنی زوجیت میں لے لیا۔ پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تزویج کیا فاطمہؑ کو تیرے ساتھ یا علیؑ اور تزویج کیا ہے تجھکو اللہ تعالےٰ نے اور وہ تجھ سے راضی ہوا ہے اور اُسنے تجھ کو منتخب کیا ہے پس کہا حضرت علیؑ نے کہ میں نے اُنکو اللہ کی جانب سے اور آپ کی جانب سے اے رسولِ خدا قبول کیا[1]۔

ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی بہ تغیر الفاظ چند جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام کا یہی خطبہ اپنی کتاب جلاء العیون میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُسکا ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے ابو الحسنؑ اُٹھو اور فاطمہؑ کی خواستگاری کرو۔ حسب الحکم آپ کے جناب امیر علیہ السلام اُٹھے اور ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اُسکے بعض الفاظ یہ ہیں۔

میں اپنے پروردگار کا اُسکی نعمتوں اور شکر و احسان پر حمد کرتا ہوں اور خدائے وحدہ لاشریک کی وحدانیت پر گواہی دیتا ہوں کہ وہ

---

[1] اس روایت سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صیغۂ نکاح میں تکرار استیجاب و استیذان جانبین کی جو ترکیب اور طریقہ شریعت اہلبیتؑ میں جاری ہے وہ اسی سنتِ رسولؐ کی خاص تاسی اور مطابع ثابت ہوتا ہے ۱۲

المولف سید اولاد حیدر

موجبِ رضا و خوشنودی حق تعالےٰ ہو اور محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجتا ہوں۔ جو باعث اُسکی مزید قرب و منزلت کا ہو۔ واضح ہو کہ نکاح منجملہ اُن چیزوں کے ہے جس کا حکم خداوندِ عالمیان نے دیا ہے۔ اور اُسکو پسندیدہ کیا ہے۔ اور یہ مجلس و مجمع حق تعالےٰ کے حکم قضا و قدر سے مرتب ہوا ہے۔ اور تحقیق کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنی دختر فاطمہؑ کو مجھ سے تزویج کیا اور مہر اُنکا میری زرہ ہے۔ اور بروایتِ دیگر۔ فاطمہؑ کا مہر پانسو درہم مقرر فرمایا۔ اور میں اُس پر راضی ہوا۔ پس اے حاضرینِ جلسہ! آپ بھی جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے اس امر کو دریافت کرلیں اور اس معاملہ کی صورت حال کو خاص طور پر معلوم کرلیں۔ یہ سُنکر تمام اہلِ اسلام نے جنابِ ختمی مرتبت کی خدمت میں دریافت کیا کہ آیا آپ نے اپنی صاحبزادی جنابِ فاطمہؑ کو حضرت علیؑ کی تزویج میں دیدیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ سنکر تمام حاضرین مسلمین نے کہا کہ خدا آپ کو برکت دے اور آپکی پراگندگی کو یکجہتی و یکجائی سے مبدّل فرمائے۔

بعض روایاتِ اہلسنّت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح ختم ہوجانے کے بعد صحابہ نے ان لفظوں میں مبارکباد دی اور تہنیت لوا کی۔ اَللّٰھم لک بالرّفاء والبنین۔ جیسا کہ قدیم سے اُن میں متعارف تھا۔ یعنی یہ مزاوجت مقرون باتفاق و کثرتِ اولاد ہو۔ جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ اسے یوں کہو اللّٰھمّ لکما علی الخیر والبرکۃ یعنی یہ تزویج دونوں کے لیے باخیر و برکت ہو۔ اور روایاتِ اہلبیت علیہم السلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جنابِ رسالتمآبؐ کا یہ ارشاد سُنکر جنابِ امیرؑ نے یہ آیۂ وانی ہدایہ تلاوت فرمایا۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریّتی۔ پروردگارا! جو نعمت کہ تو نے مجھے عنایت فرمائی اور میرے والدین کو اُنکے عمل صالح بجالانے کے باعث عطا کی اور راضی ہوا۔ اُن پر مجھ کو شکر ادا کرنیکی توفیق عنایت فرما۔ اور میری اولاد اور ذرّیات کو صالح اور نیکوکار فرما۔ آپ کی یہ دعا سنکر جنابِ رسولِ خدا نے فرمایا آمین یا ربّ العلمین ویا خیر النّاصرین۔

بہرحال فریقین کی اسناد سے ہم نے اس مبارک تقریب کی موقع پر جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام کا بحکم خدا و رسولؐ خاص طور پر خطبہ پڑھنا اور اُسکے مضامینِ عالیہ میں تزویجِ جنابِ فاطمہؑ کے متعلق اپنا ایجاب۔ جنابِ رسولِ خدا کا اقرار اور خدائے سبحانہٗ و تعالےٰ کا حکم پوری تفصیل سے بیان فرمانا۔ پوری وضاحت سے لکھدیا ہے اور اِن تمام متواتر اظہار و اقرار سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف دو باتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ ان واقعات سے یہ امرِ خاص کلیتاً منشاء و مدّعائے الٰہی کے مطابق یقین کرلیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس امر کی من اللہ عظمت اور اہمیّت کو دیکھکر جنابِ علی مرتضےٰ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی بارگاہِ الٰہی میں خصوصیّت اور قربت اور دربارِ رسالت پناہی میں انکی قدر و منزلت معلوم کرلیجائے۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تزویج کے متعلق مجلسِ عقد اور تقریبِ نکاح تک کی پورے حالات فریقین کی معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ صیغۂ نکاح کے بعد آپکے سامانِ جہیز کی تفصیل لکھتے ہیں جو جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی طرف سے دیا گیا۔

ملّا مجلسی علیہ الرحمۃ قمطراز ہیں کہ شیخ طوسی نوّر اللہ مرقدہ نے جنابِ صادقِ آلِ محمدؐ علیہ السّلام کی اسناد سے تحریر فرمایا ہے کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السّلام سے ارشاد فرمایا کہ اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ حسب الحکم نبوی میں نے اپنی زرہ بیچ ڈالی اور اُسکی قیمت کے روپے لاکر آپ کے دامن میں رکھدیے۔ حضرتؐ نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کتنے روپے ہیں اور نہ میں نے اُنکی تعداد کی نسبت آپ سے کچھ عرض کی پس آپ نے اُن میں سے ایک مُٹھی روپیہ لے لیا اور بلال کو بُلاکر دیا اور فرمایا بازار میں جاؤ اور فاطمہؑ کے لیے عطر و خوشبو خرید لاؤ۔ پھر ان درہموں سے دو مُٹھیاں لیکر ابوبکر کو دیں اور فرمایا بازار میں جاؤ اور کپڑا وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہو لے آؤ۔ پھر عمّار ابن یاسر اور صحابہ کی ایک جماعت کو ابوبکر کے ساتھ کردیا۔ غرضکہ ان لوگوں نے بازار میں پہنچکر ایک پیراہن قیمتی سات درہم اور ایک مقنعہ قیمتی چار درم خریدے۔ ان کے علاوہ ایک سیاہ رنگ کی خیبری چادر جو کرس نامی کپڑے کی بُنی تھی۔ یہ دوپاٹ کی تھی اور

اسکے دونوں پاٹ خرمے کی چھال سے سیے ہوئے تھے جامۂ مصری کی دو تو شکیں ایک میں چھوہارے کے پتے بھرے تھے۔ دوسری میں دُنبے کے بال۔ چار طائف کے چرمی تکیے جن میں گیاہ اذخر (ایک قسم کی خوشبودار گھاس) بھری تھی۔ ایک اونی پردہ۔ ایک بیٹھنے کے لیے چٹائی۔ ایک چکی۔ ایک تانبے کا بادیہ۔ پانی پینے کے لیے چمڑے کا بنا ہوا ایک ظرف۔ دودھ رکھنے کے لیے ایک لکڑی کا کاسہ۔ پانی بھرنے کے لیے ایک مشک۔ ایک لوٹا۔ ایک سبز رنگا ہوا گھڑا۔ اور مٹی کے چند کوزے خریدے۔ یہ تمام اسباب خرید کر کے صحابہ آپکی خدمت میں لے آئے۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن میں سے ایک ایک کو دست مبارک میں اُٹھا اُٹھا کر ملاحظہ فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے خداوندا اسکو میرے اہلبیت کے لیے مبارک فرما۔ اور ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان تمام اسباب اور اثاثہ کو ملاحظہ فرما کر آپکی چشمہائے مبارک سے آنسو رواں ہوئے۔ آپنے فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا۔ خداوندا اُس گروہ کو برکت دے جسکے پاس زیادہ تر مٹی کے برتن ہوتے ہیں۔

حافظ جمال الدین محدث روضۃ الاحباب میں لکھتے ہیں۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود یا علی زرہ را بفروش وبہائے آں را پیش من بیار۔ علی از مجلس نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون آمد و زرہ را در بازار کرد تا بفروشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آنرا بخرید بچہار صد وہشتاد درم علی زر را در گوشہ ردائے اشرف خود بستہ بنزد پیغمبر درآمد و در نظر حضرت گزرانید حضرت فرمود چند است۔ علی ہیچ نگفت۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قبضۂ ازاں برگرفت و ببلال داد تا برائے فاطمہ در بوئے خوش صرف نماید۔ انگاہ بام سلیم (سلمہ) گفت ایں بقیہ را در جہیز فاطمہ مصروف ساز و کارسازی او بکن۔ ام سلیم (سلمہ) آنرا برگرفت و بشمرد دوصیت درہم بودند۔ و در روایتی آنکہ دو دانگ را در بوئے خوش صرف کردند و چہار دانگ را ثیاب و متاع و اثاث البیت خریدند۔ دو جامۂ برد و دو بازو بند نقرہ۔ قطیفہ (چادر) کہ تمام بدن ایشاں را می پوشید تکیہ۔ قدحے۔ یک آسیا۔ آدند۔ دو سبو۔ یک مشک۔ یک مشربہ۔ دو نہالی از کتان سطبر کہ حشو یکے از لیف خرما۔ وحشو دیگرے از تراشہ سختیاں پر بود۔ وچہار عدد بالش کہ دو عدد آنرا از پشم و دو دیگر را بلیف خرما پُر کردہ بودند بجہت فاطمہ رضی اللہ عنہا ترتیب کردند۔ روضۃ الاحباب ص ۲۱۳۔

مرقومۂ بالا واقعات سے جو فریقین کے مستند اور متفق علیہ تمارسے مستنبط کیے گئے ہیں۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی مختصر اور بالکل سادہ اسباب جہیز کی پوری تفصیل معلوم ہوئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام جیسے کریم النفس مستغنی المزاج۔ متوکل۔ قانع اور زاہد ترین بزرگوار اور اُنکی خانہ داری کی روزمرہ ضرورتوں کے لیے اس سے زیادہ اسباب اور اثاث البیت کی حاجت اور ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور اس مختصر اور معمولی ساز و سامان کو بھی وہ حضرات اکثر اوقات اپنی ضرورت سے زائد سمجھتے تھے خصوصاً مستحقین اور مساکین کی عام ضرورتوں اور آرام رسانیوں کے وقت تو گویا یہ تمام مال و متاع۔ ساز و سامان اُنہی لوگوں کا تھا۔ اور اپنا کچھ بھی نہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے اخلاق و ایثار کی حالات میں بالتفصیل پایا جائیگا۔

بہر حال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اس مبارک تزویج کے متعلق اسکی تجویز کے وقت سے لیکر اسکے انعقاد تک کے پورے حالات کامل تفصیل اور تشریح کے ساتھ فریقین کی معتبر اور مستند اسناد سے لکھدیے گئے اور اس مبارک واقعہ کے ہر صیغہ اور ہر شعبہ کو جس قدر روحانی اقتدار حاصل تھا یا ان میں جہاں تک قدرتی آثار قائم تھے وہ جُدا جُدا اور علیحدہ علیحدہ بیان کر دیے گئے۔ اب نیز اُسی سلسلہ کے قائم رکھنے کی بنا پر اب ہم فریقین کے اسناد سے چند معتبر اور مستند حدیثیں ایسی لکھتے ہیں جن سے پورے طور پر یہ امر ثابت ہو جائیگا کہ اسی تقریب کے انعقاد سے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سائر مسلمین کی دلی مسرت اور قلبی فرحت حاصل ہونے کے علاوہ فرشتگان بارگاہ الہی۔ مقربان درگاہ ایزدی اور جمیع عالم روحانی میں کس قدر لا انتہا مسرت اور انبساط کا اثر محسوس ہوا ہے۔

امام طبری ذخائر العقبےٰ میں لکھتے ہیں۔ عن انس قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد اذا قال لعلی ھٰذا جبرئیل یخبرنی ان اللہ تبارک وتعالیٰ زوج ابنتی فاطمۃ منک واشھد علی تزویجکما اربعین الف ملٰئکۃ المقربین واوحی الی شجرۃ طوبیٰ ان انثری علی الحوراء العین الدر والیواقیت فنثرت علیھن فابتدرت الحوراء العین یلتقطھا فھن یتھادن بینھن الی یوم القیامۃ (اخرجہ الملا فی سیرتہ)

انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد میں جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ نے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو مخاطب فرماکر ارشاد کیا کہ ابھی ابھی جبرئیل مجھے یہ خبر دے گئے ہیں کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے میری دختر فاطمہ زہرا کو تمہارے ساتھ بیاہ دیا۔ اور تم دونوں کی تزویج پر چالیس ہزار ملائکہ مقربین کو گواہ قرار دیا اور شجر طوبےٰ کو حکم دیا کہ وہ حوران بہشت کی اوپر در و یاقوت نثار کرے۔ جسب الحکم دربار ایزدی شجر طوبےٰ نے حوروں پہ در و یاقوت نثار کیے۔ تمام حوروں نے خوش ہو ہو کر وہ جواہرات اٹھا لیے اور آپس میں ایک نے دوسری کو اُن کا ہدیہ بھیجا۔ اور یہ سلسلہ اُن میں تا روز قیامت جاری اور قائم رہیں گے۔ ملا نے اسکو سیرت میں بھی لکھا ہے۔

کتاب اربعیات میں امام ابو نصر ہمدانی نے اس مضمون کو کچھ زائد تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت یہ ہے:۔

قال جبرئیل علیہ السلام یا محمد ان اللہ تعالی امر بان تفتح ابواب الجنان ففتحت وتغلق ابواب النیران فغلقت ثم زین اللہ تعالی العرش والکرسی وشجرۃ طوبی وسدرۃ المنتھی ثم امر الولدان والغلمان بان ینصبوا فی کل قصر خیمۃ وفی کل غرفۃ حجلۃ ویجلسوا الولیمۃ عرس فاطمۃ و امر ملٰئکۃ السمٰوات المقربین والروحانیین والکروبیین بان یجتمعوا تحت شجرۃ طوبیٰ ثم ارسل اللہ تعالی الریح المسیرۃ ھبت فی الجنان فاسقطت من اثمارھا الکافور والمسک والعنبر علی الملائکۃ ثم امر اللہ تعالیٰ طیور الجنۃ بان تغنی نغمت ورقصت الحوراء العین ونثرت الاشجار الحلی والجواھر علیھن وحنئت الولدان والغلمان ثم نادی الجلیل جل جلالہ واثنی علی نفسہ و قال انی قد زوجت سیدۃ نساء العٰلمین بفاطمۃ بعلی رضی اللہ تعالیٰ عنھما وقال لی یا جبرئیل کن انت خلیفۃ علی وانا خلیفۃ رسولی محمد فزوجھا اللہ تعالیٰ ایاہ و قبلتھا انا عن علی ھٰذا احقد نکاحھا فی السماء فاعقد انت یا محمد فی الارض۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تحقیق کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کے حکم سے بہشت کے دروازے کھولے گئے اور جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ بعد اسکے اللہ تعالےٰ نے عرش اور کرسی اور درخت طوبےٰ اور سدرۃ المنتہےٰ کو آراستہ کیا۔ پھر غلمان کو حکم دیا کہ بہشت کی ہر قصر میں ایک خیمہ نصب کریں اور ہر غرفہ میں ایک حجلہ بنائیں اور فاطمہ کی دعوت ولیمہ کے لیے جمع ہوں۔ اور آسمان کے فرشتوں کو جو مقرب ہیں۔ روحانی ہیں اور کروبی ہیں۔ حکم فرمایا کہ درخت طوبےٰ کے نیچے سب اکٹھے ہوں۔ بعد اُسکے اللہ تعالےٰ نے ایک ہوائے خوشگوار کو بھیجا کہ جو بہشت میں چلی اور اُس ہوا نے فرشتوں کے اوپر بہشت کے درختوں میں سے کافور۔ مشک اور عنبر چھڑکا۔ بعد اسکے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت کے طائر نغمہ سرا ہوئے۔ حوروں نے رقص کیا اور درختوں نے حُلّے اور جواہر اُنکے اوپر نثار کیے اور غلمان نے مبارکباد دی۔ بعد اُسکے خدائے جلیل جل جلالہ نے اپنی ذات پاک کی ثنا و صفت کی اور فرمایا کہ بتحقیق میں نے سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہرا کو علیؑ کے ساتھ تزویج کیا اور مجھ کو حکم دیا کہ اے جبرئیل تم علیؑ کی طرف سے وکیل ہوا اور میں اپنے رسول محمدؐ کی طرف سے وکیل ہوتا ہوں۔ پس اللہ تعالےٰ نے فاطمہ کو علیؑ سے تزویج کیا اور میں نے علیؑ کی جانب سے قبول کیا۔ اس طرح فاطمہ کا عقد آسمان پر ہوا۔ پس اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم زمین پر بھی دونوں کا عقد کر دو۔

مرقومۂ بالا روایات سے جو خاصکر سواد اعظم کے دو بڑے معتبر اور مستند محدثین کا مختار ہیں۔ ساکنین ملاء اعلےٰ کا بیحد مسرت اور لاانتہا سرور و فرحت کے ساتھ اس مبارک موقع پر متاثر ہونا پورے

طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں جب پروردگار عالم کی مشیت اور اُسکا ارادہ تقدیری امر کی تعمیل اور اجراء کے لیے خاص طور پر مہیا اور آمادہ تھا اور اس تقریب کو اپنی قدرتی عظمت اور اہمیت کی پوری شان و اقتدار سے آراستہ کرنا چاہتا تھا تو پھر اُسکی محکوم مخلوق عام اس سے کہ وہ کالبدِ انسانی میں ہوں یا پیکرِ نورانی میں کیونکر اسکے قدرتی منظر کی دلآویزیوں سے خالی رہ سکتے ہیں۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اس مبارک تقریب کے تمام و کمال حالات ہم پوری تفصیل سے لکھ چکے۔ مختلف خطباتِ عقد جو فریقین کی معتبر اسناد سے اوپر لکھے گئے ہیں اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا مہر چار سو اسّی درہم تھا۔ کیونکہ بقول صاحب روضۃ الاحباب اتنے ہی کو جنابِ امیر علیہ السلام کی زرہ بکی تھی۔ یہ مہر اُسی وقت ادا کیا گیا جیسا کہ علی مرتضےٰ نے اپنے اُس خطبہ میں جسکو ہمنے امام ابونصر ہمدانی کی کتاب سبعیات سے ابھی ابھی اوپر نقل کیا ہے۔ ارشاد فرمادیا ہے کہ یہ رقم موعودہ نہیں رکھی گئی بلکہ اُسی وقت ادا کر دی گئی ہے انہ معجل غیر موجل۔ مگر اس میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی صرف چار سو درہم بتلاتا ہے۔ کوئی اس سے کم۔ کوئی چالیس اوقیہ چاندی بتلاتا ہے اور ایک اوقیہ چاندی کا وزن کل ۱/۲ ۲ رتی مقرر کرتا ہے۔ کوئی صرف تیس روپیہ بتلاتا ہے۔ غرضکہ اصل اور صحیح تعدادِ مہر میں سخت اختلاف ہے۔ اور یہ عام طور سے شکایت کے قابل نہیں کیونکہ اسلام کے ہر تاریخی واقعہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اُسکے تعین میں اختلاف ہو۔ مگر تاہم یہ بھی مسلّمہ ہے کہ انہی خلط مبحث سے صحت کا جوہر جدا کر لیا جاتا ہے اور خذ ما صفا و دع ما کدر کی تعمیل پوری کیجاتی ہے۔

اُن تمام طول طویل اور پر تفصیل مباحث اور دلائل سے پورے طور پر قطع نظر کرکے جو فریقین کے مختلف محدثین کرام اور محققین عظام نے اپنے اپنے مختار کے اثبات میں تحریر کیے ہیں۔ اس خاص مسئلہ کی نسبت سب سے زیادہ قوی۔ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ قابلِ قبول وہ رائے اور وہ قول ہے جو ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے فریقین کے مختلف اور متعدد علماء کی ایک تحقیق و تنقید کے بعد اپنی کتاب مستطاب بحار الانوار اور جلاء العیون میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم اُنکی فارسی عبارت کا اردو ترجمہ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جس سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے اصل اور صحیح مہر کی تعداد معلوم کر لیجائیگی۔ وھو ہذا۔

قولِ مشہور ہے کہ مہر جناب فاطمہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کا پانسو درہم تھا کہ اس زمانہ (ملا مرحوم کے وقت میں) کے حساب سے تین تومان (ایرانی سکۂ طلائی) اور ایک ہزار پانسو دینار (ایرانی سکۂ مسی) ہوتے ہیں۔ اور جو ہمارے ہندوستان کے (انگریزی) سکۂ رائج الوقت کے حساب سے تقریباً ایک سو سات ۱۰۷ روپیہ۔

مرقومۂ بالا واقعات سے یہاں تک معلوم ہو چکا کہ اس مبارک تزویج کی تمام ضروریات مثل خطبۂ عقد نکاح۔ تعیین۔ مہر اور شرائط قبول و ایجاب وغیرہ۔ غرض جملہ لوازم و مراسم پوری عظمت و اقتدار سے انجام پا چکے۔ ہمارے آیندہ سلسلۂ بیان سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ جس خوبی اور نیک اسلوبی سے اس تقریبِ مبارک نصیب کی مندرجۂ بالا ضرورتیں انجام دی گئیں۔ اُسی جلالت اور منزلت سے جنابِ رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نو عروس صاحبزادی کو اُس کے مقدس اور خوش قسمت شوہر کے گھر اُسکے گھر کی رونق۔ زینت اور مفاخرت بننے کے لیے رخصت فرمادیا۔ اور اس طرح اس تقریب تزویج کی آخر او رباقیماندہ ضرورت کو پورا کر دیا۔ اُسکی تفصیل یہ ہے۔

فریقین کی اسناد سے ملا مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔ جنابِ امیر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ عقدِ مناکحت کے بعد ایک مہینہ تک جنابِ سیدہ کے رخصت فرمادیے جانے کی نسبت میں نے جنابِ ختمی مرتبت کی خدمت میں کچھ عرض نہیں کی۔ اکثر اوقات خلوت کے موقع پر آپ مجھ سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے ابن عم! خدا تمہیں مبارک کرے۔ تمنے وہ زوجہ پائی ہے جو بہترین زنانِ عالمیاں ہے۔ اور اے میرے ابن عم! کیا اچھی تمہاری زوجہ ہے۔ میں آپ سے یہ ارشاد و بشارت سُن سُن کر از حد مسرور و فرحناک ہوتا تھا لیکن سوائے سکوت اور فرطِ ادب جھکا لینے کے کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

آپ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد ایک دن عقیل اور جعفر میرے دونوں بھائی میرے پاس آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ حقیقت تو یوں ہے کہ اب تک ہم دونوں کو کسی نیا دی شے نے اتنا خوش

نہیں کیا تھا جس قدر فاطمہؑ کے تمہارے ساتھ بیاہ جانے نے ہمکو شاد و مسرور کیا ہے۔ اب ہم دونوں بھائی ملکر اس وقت اس غرض سے تمہارے پاس آئے ہیں کہ تم سے پوچھیں کہ تم جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فاطمہؑ کے رخصت فرمادیے جانے کے لیے کیوں درخواست نہیں کرتے ہو تاکہ تمہارے گھر میں ہم اُس نورِ رسالت کی زیارت کرکے اپنے دیدۂ دل کو روشن کریں۔

آپ کا بیان ہے کہ یہ سُنکر میں نے اپنے بھائیوں کو جواب دیا کہ مجھے حیا مانع ہوتی ہے کہ میں اس سوال کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس اثناء میں امِ ایمن بھی کسی ضرورت سے وہاں آگئیں اُنہوں نے ہماری باتوں کو سُنکر کہا کہ تم اطمینان رکھو۔ میں آنحضرت سے اس امر میں خود گفتگو کرتی ہوں کیونکہ ان امور میں عورتوں کے مشورے مفید اور زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔

امِ ایمن نے وعدہ تو کر دیا مگر تنِ تنہا اُن کو بھی عرضِ حال کی مجال نہیں ہوئی۔ وہ حضرت امِ سلمہ کے پاس گئیں اور اُن سے سارا ماجرا دُہرایا۔ اور اُن کا استمزاج لیا۔ حضرت امِ سلمہ نے اُنکی رائے سے اتفاق فرمایا اور پھر تمام ازواجِ مطہرات کو طلب کیا اور سب کو اس امر پر متفق پاکر آپ نے اُن سے کہا کہ مناسب ہے کہ ہم لوگ سب ملکر اس امر کو جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کریں۔ سب نے اس بات پر بھی اتفاق کیا۔ اور حضرت امِ سلمہ تمام ازواج مطہرات کو ہمراہ لیکر جنابِ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ اُس وقت حجرۂ عائشہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ازواجِ مطہرات نے عرض کی کہ ہم آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ اگر حضرت خدیجہ اس وقت زندہ ہوتیں تو فاطمہؑ کی عروسی سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔ امِ سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ جنابِ خدیجہ کا نام سنتے ہی آپکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب خدیجہ کی مثال کہاں۔ اُس نے میری اُس وقت تصدیق کی جب سب تکذیب کرتے تھے۔ اُسنے اشاعتِ دین اور قیامِ شرعِ مبین میں اپنے مال و متاع سے میری اعانت کی۔ مجھے حق تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کے حق میں بشارت دوں کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے بہشت میں ایک گھر قصباتِ زمرد سے بنایا ہے کہ اُس گھر میں تعب و مشقت نہیں ہے۔ امِ سلمہ بیان کرتی ہیں کہ یہ سُنکر میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم سب کی جانیں آپ پر نثار ہوں۔ جو کچھ آپ حضرت خدیجہ کے فضائل میں بیان فرمائیں وہ سب درست اور برحق ہے۔ وہ تو رحمتِ پروردگار عالم میں داخل ہو چکیں اور کرامتہائے حق تعالےٰ سے واصل۔ خداوند عالم یہ تمام نعمتیں اُنکے لیے گوارا اور زیادہ فرمائے اور ہمارے اور اُنکے درمیان اعلےٰ علیین بہشت میں جمعیت عطا کرے۔ ہم بلکر آپکی خدمت میں اُسکا جو دنیا و آخرت میں اپنی انتہا اور ثنا در خصوصیت کے ساتھ آپ کا بھائی اور ابن عم ہے پیام لائی ہیں۔ وہ آپکی خدمتِ قدسی برکت سے خواستگار اور مستدعی ہے کہ اُس کی زوجہ فاطمہؑ اُسے تسلیم کر دی جائے۔ وہ شرائط آداب اور لوازم حجاب کی وجہ سے خود گزارش خدمت کی جرأت نہیں رکھتا۔ امِ ایمن کہتی ہیں کہ یہ سُنکر آپنے میری طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ علیؑ کو بُلا لاؤ۔ میں گئی اور علیؑ کو بُلا لائی۔ آپ کے تشریف لاتی ہی تمام ازواجِ مطہرات تعظیماً کھڑی ہو گئیں۔

جنابِ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا اور شرم و حیا سے سر جھکائے بیٹھ گیا۔ آپنے خود ابتدائے سخن اپنی طرف سے کی اور مجھے مخاطب فرماکر ارشاد کیا کہ آیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری زوجہ تمہارے گھر رخصت کر دوں؟ میں نے ویسے ہی سر جھکائے ہوئے عرض کی۔ ہاں۔ آپنے جواب دیا کہ آج کی رات یا کل کی رات انشاءاللہ تعالےٰ میں فاطمہؑ کو تمہارے سپرد کر دونگا۔

جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سُنکر بیحد فرحان و شاداں آپکی خدمت سے اُٹھکر باہر چلا آیا۔ میرے باہر چلے آنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ کو آراستہ کرو۔ اور اپنے حجروں میں سے ایک حجرہ اُسکے لیے علٰحدہ کر دو۔ حضرت امِ سلمہ نے پوچھا کہ کونسا حجرہ اُنکے لیے درست کر دیا جائے؟ ارشاد ہوا کہ تم اپنا حجرہ آراستہ کر دو۔ یہ فرماکر آپ باہر تشریف لائے۔

جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر تشریف لاکر جنابِ علی مرتضےٰ سے فرمایا کہ اے علی! تم اپنے اہل کے لیے کھانا تیار کرو۔

میں گوشت اور روٹی کا انتظام کرتا ہوں اور تم روغن اور خرما لاؤ۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں حسب الحکم روغن خرما لایا۔ آنحضرتؐ نے اپنے دستِ مبارک سے کپڑے میں روغن ڈالا اور خرمے توڑ توڑ کر اُس میں ملا دیے۔ اور میرے لیے ایک گوسفند فربہ اور بہت سی روٹیاں مہیا فرمائیں۔ جب سب کھانا تیار ہو گیا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ! اور جس جس کو چاہو بلا لاؤ۔ جب میں مسجد میں آیا تو تمام مسجد اصحاب سے بھری ہوئی تھی۔ مجھے حیا آئی کہ ان میں سے بعض کو بلاؤں اور بعض کو نہ بلاؤں۔ میں ایک بلندی پر چڑھ گیا اور آواز دی کہ آپ حضرات ولیمہ فاطمہؑ میں تکلیف کریں۔ تمام اہلِ مسجد کھڑے ہو گئے۔ اور میرے گھر کی طرف متوجہ ہوئے۔ مجھے کثرتِ مردم اور قلتِ طعام سے نہایت شرم آئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے شرمندہ پاکر فرمایا کہ میں دعا کرونگا کہ حق تعالے مجھے اس کھانے میں برکت عطا فرمائے۔ جنابِ امیر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی برکت دعا سے تمام صحابہ نے اُسی طعام سے کھایا اور وہ کم نہوا۔ اسکے بعد آپنے اُس میں سے ایک ایک خوان بھر بھر کر اپنی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں بھیجے اس کے بعد ایک خوان اور طلب فرمایا اور اُسکو بھی اُسی طعام سے پُر کیا۔ اور ارشاد کیا کہ یہ علیؑ اور فاطمہؑ کا حصہ ہے اور اُسکو ہم دونوں کے مقام پر بھیجدیا۔

جب آفتاب غروب ہوا تو آپنے حضرت امِ سلمہ سے فرمایا کہ فاطمہؑ کو میرے پاس لاؤ حسب الحکم امِ سلمہ جنابِ سیدہؑ کو آپکی خدمت میں لائیں دامنِ مطہر زمین پر گھسٹتا جاتا تھا۔ فرطِ حیا سے عرقِ جبینِ منور سے ٹپکتا جاتا تھا۔ نہایت شرم اور نہایت حیا سے آپ سر نہوڑائے اور گردن جھکائے اپنے پدرِ عالی مقدار کی خدمت میں تشریف لائیں۔ حضرت علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو داہنی ہاتھ اور فاطمہؑ کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر ہم دونوں کو سینۂ اقدس سے لگایا اور فاطمہؑ کی پیشانی کا بوسہ لیکر میرے سپرد فرمایا۔ فاطمہؑ زہرا سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ خدائے تبارک وتعالے تم کو دنیا و آخرت میں لغزش سے نگاہ رکھے۔ پھر مجھ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ! خداوندِ عالم تمہارے ساتھ دخترِ رسول کی مواصلت کو مبارک فرمائے۔ اے علیؑ! فاطمہؑ نہایت نیک زوجہ ہے۔ اور اے فاطمہؑ! علی نہایت نیک شوہر ہے۔ یہ فرما کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہم دونوں کو اُس گھر میں پہنچا گئے جو ہمارے لیے خالی کر دیا گیا تھا۔ اور جس میں ازواجِ مطہرات پہلے سے موجود تھیں۔ اور ہم دونوں کے خدمتِ رسولؐ سے واپس آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب ہم دونوں حجرے کے اندر جا چکے تو آپ دروازے کے دونوں بازو تھامکر کھڑے ہو گئے اور ہم دونوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ خداوندِ عالم تم دونوں کو مطہر کرے اور تم دونوں کی نسل کو پاک و پاکیزہ فرمائے۔ میں اُسکا دوست ہوں جو تمہارا دوست ہے اور اُسکا دشمن ہوں جو تمہارا دشمن ہے میں تم دونوں کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور خدا کو اپنی طرف سے تم دونوں پر وکیل کرتا ہوں۔

جنابِ امیر علیہ السلام اپنی سلسلۂ بیان میں آیندہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ہم خانۂ رسول سے رخصت ہوکر اپنے گھر آنے لگے تو آپنے زنانِ ہاشمی اور دخترانِ عبد المطلب کو حکم دیا کہ وہ فاطمہؑ کے ہمراہ جائیں اور تمجید حق تعالے بجالائیں۔ پھر اپنی اشتر اشہب نامی پر چادر اُڑھاکر جنابِ سیدہؑ کو اپنے دستِ مبارک سے چڑھایا اور حضرت سلمان الفارسی کو حکم دیا کہ وہ لگامِ اشتر کو کھینچیں اور آپ بنفسِ نفیس اُس اشتر کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور جلوس میں آپکے ہمراہ جناب حمزہ عقیل اور جعفر اور دیگر بزرگانِ اہلبیت تشریف لے چلے۔ اپنی اپنی ہاتھوں میں ننگی شمشیریں کھینچے اور تکبیریں کہتے جاتے تھے۔ انکی تکبیروں کے ساتھ اور بہت سی تکبیروں کی صدائیں آتی تھیں۔ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ جلوسِ فاطمہؑ میں شریک ہیں اور وہ سب تمہارے ساتھ ملکر تکبیروں کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ اسی بنا پر علماء و فقہائے فریقین نے رخصتِ عروس کے وقت نعرۂ تکبیر بلند کرنے کو مسنون اور بعضوں نے تو مستحب قرار دیا ہے۔

جنابِ امیر علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت سیدہؑ کو اپنے گھر بیاہ لایا تو اُن کو اپنے حجرے کے ایک گوشہ میں بٹھلا کر میں دوسرے گوشے میں علیحدہ جا بیٹھا اور ہم دونوں غایت شرم و حیا سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اس اثناء میں جنابِ رسالتمآب صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اور جناب سیدہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ جناب فاطمہؑ نے فوراً تعمیلِ حکم کی اور ایک کاسہ میں پانی لائیں۔ آپ نے اُس پانی پر ادعیاتِ ماثورہ دم کرکے جنابِ سیدہؑ کے سر و سینہ پر چھڑکا۔ اور میرے سر و بازو پر چھڑکا۔ اور ارشاد فرمایا کہ پروردگارِ عالم! یہ دونوں میرے حبیب ترینِ خلائق ہیں۔ تو انکو دوست رکھ اور انکی نسل میں برکت دے۔ اور میں انکو اور انکی ذریت کو شیطانِ رجیم سے تیری حفاظت و حراست میں دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تھوڑی دیر کیلیے تم باہر چلے جاؤ۔ میں سمعاً و طاعتاً کہتا ہوا فوراً باہر چلا آیا۔ میرے چلے آنیکے بعد آپ نے جنابِ سیدہؑ سے پوچھا کہ اے فاطمہؑ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ جنابِ سیدہ بے ساختہ رونے لگیں۔ آپ نے سوچا کہ علیؑ کی تنگدستی کی وجہ سے فاطمہؑ روتی ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ذرا بھی پریشاں خاطر نہ ہو۔ میرے آگے کئی بار دولتِ دنیا پیش کی گئی مگر میں نے تو ہر بار ثوابِ آخرت کو اموالِ دنیا پر ترجیح دیکر اختیار کیا۔ ہر شے کی جتنی خبر اور جتنا علم مجھ کو عنایت کیا گیا ہے۔ اگر اُتنا تجھے بھی دیا گیا ہوتا تو دنیا کی قدر تیری نگاہ میں بھی ذرا نہ ہوتی۔ اے فاطمہؑ خدا کی قسم! میں نے بچپن سے لیکر اس وقت تک تیری خدمت اور خیر خواہی میں کوئی قصور نہیں کیا۔ اور آج تجھ کو اُس کے ساتھ بیاہ دیا ہے جس کا اسلام سب سے مقدم ہے اور جو باعتبارِ علم و حلم کے سب سے افضل ہے۔ اے فاطمہؑ! پروردگارِ عالم نے دنیا بھر میں دو آدمیوں کو منتخب فرمایا۔ ایک کو تیرا باپ کیا اور دوسرے کو تیرا شوہر۔ اے فاطمہ! تیرا شوہر دنیا بھر کے شوہروں سے نیک ترین شوہر ہے۔ کسی شے میں اُس کی مخالفت کو جائز نہ رکھنا۔ یہ فرما کر آپ نے مجھے آواز دی اور میں لبیک کہتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ارشاد ہوا۔ اے علی! اپنی زوجہ سے ہمیشہ بہ نرمی اور مہربانی پیش آیا کرو۔ کیونکہ فاطمہؑ میری پارۂ تن ہے۔ جو اسے آزار دیتا ہے وہ مجھے آزار دیتا ہے۔ جو اسے آزردہ کرتا ہے وہ مجھے آزردہ کرتا ہے۔ اور جو اسے شاد کرتا ہے وہ مجھے شاد کرتا ہے۔ اے علیؑ! وہ تمہارا اہل ہے اور ناموس۔ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور خدا کو تم پر وکیل مقرر کرتا ہوں۔ اس کے بعد جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دولتسرا کی طرف تشریف لیگئے۔

یہاں تک تو وہ واقعات تھے جو ہم نے ملا مجلسی علیہ الرحمہ اور دیگر علمائے شیعہ کی متعدد اور متفرق تالیفات سے مستنبط کرکے یہاں جمع کر دیے۔ کتاب جلاء العیون کی عبارت سے یہ امر خاص طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدمت قدسی برکت مرحوم ملا مجلسیؒ نے ان تمام واقعات و حالات کو کتب فریقین سے ملا ملا کر لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنے سلسلۂ تالیف کے موجودہ نظام اور التزام میں ہر واقعہ کی توثیق و تصدیق میں علمائے فریقین کی اسناد و اشہاد کی اصلی عبارت لکھدینے کا ہمیشہ سے معیار اور دستور قائم کر چکے ہیں اس لیے ہم اپنے موجودہ مضامین کی تصدیق اور ثبوت کے لیے ملا مرحوم کے تنہا حوالے کو کافی نہیں سمجھتے اس باعث سے کہ میر الیقین اور میر احسنِ اعتقاد ملا مرحوم کے حوالے پر تو ضرور اعتماد رکھتا ہے مگر اس کے ساتھ میں دوسروں کو اعتبار کرنیکے لیے مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ ان وجوہ سے ضروری ہے کہ میں مرقومۂ بالا واقعات کو بلکہ اُسکے ہر ہر جزو اور شعبہ کو علمائے اہلسنت کے متعدد اور متفرق علماء و محدثین کے اقوال سے نقل کرکے اُنکی توثیق و تصدیق کی طرف ناظرینِ کتاب کا پورا اطمینان اور کافی تشفی کر دوں۔

روضۃ الاحباب میں حافظ جمال الدین محدث شیرازی تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت دخترِ مرا بخانۂ علیؑ ببرو بسپارد باو بگو عجلت مکنید تا من بیایم و ایشاں را بایکدیگر بہ بینم۔ و چوں نمازِ خفتن گزارد در کوزہ آب برداشت و بنزدِ ایشاں بیامد و آب دہنِ مبارک دراں بیانداخت و معوذتین و دیگر ادعیہ براں خواند انگاہ فرمود یا علیؑ ازیں آب بیاشام و وضو بساز و با فاطمہؑ فرمود تو ہم بیاشام و وضو ساز و مقدارے ازاں بر سرِ فاطمہؑ و سینۂ ایشاں پاشیدہ گفت اللّٰھم انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم آنگاہ مقدارے ازاں بر سرِ علیؑ و شانۂ وے پاشیدہ گفت اللّٰھم انی اعیذ بک وذریتہ من الشیطان الرجیم و در روایتے آنکہ بفرمود اللّٰھم انھما منی وانا منھما اللّٰھم کما اذھبت عنی الرجس وطھرتنی فطھرھما۔ فرمود برخیزید و

بجائے خواب خود بروید کہ خداوندِ تعالےٰ میانِ شما الفت دہاد و برکت کناد در نسلِ شما و خود برخواست کہ از خانہ بیرون برود فاطمہؑ در گریہ افتاد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود اے دخترِ من! چہ چیز ترا در گریہ می آرد بتحقیق کہ ترا بکسے بزنی دادم کہ اسلام وے از ہمہ بیش و علم وے از ہمہ بیش و خلق وے از ہمہ بہتر و عرفان وے بخداوندِ تعالےٰ از ہمہ زیادہ است۔ و روایتے آنکہ سیّدِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را گمان شد کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بجہت آں گریہ می کند کہ علیؑ را مالے نیست۔ فرمود اے جانِ پدر در حقِ تو تقصیر نہ کردم۔ کسے را شوہر تو گردانیدم کہ بہترین اہلبیتِ من است وایمُ الّذی نفسی بیدہٖ لقد زوّجتکِ سیّداً فی الدّنیا والاٰخرۃ ومن الصّالحین وفی روایۃ زوّجتکِ سیّداً فی الدّنیا والاٰخرۃ۔

امام حجر مکی صواعقِ محرقہ میں بذیل تذکرہ سلیمان ابنِ اعمش کوفی ایک طولانی حدیث کے ساتھ حضرت عبداللہ ابنِ عباس کی اسناد سے لکھتے ہیں:۔

عن ابن عباس قال کنت عند النّبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فی بیتہ جاءت فاطمۃ رضی اللّٰہ عنہا عند ابیہا وقالت یا ابت ان نساء القریش یقلن لی انّ اباکِ زوّجکِ بامرءٍ لا مال لہ فقال لہا واللّٰہ ما زوّجتکِ حتی زوّجکِ اللّٰہ تعالٰی فوق عرشہ واشہد بذٰلک ملٰئکتہ ثمّ قال و انّ اللّٰہ تعالٰی اطلع علی اہل الدنیا فاختار عن الخلائق اباکِ فبعثہ رسولاً نبیًّا ثمّ اطلع الثانیۃ فاختار من الخلائق علیًّا ایّاہ واتخذہ لی وصیًّا فہو اشجع النّاس قلباً واعلم النّاس حلماً واسمع النّاس کفًّا واقدمہم سلماً و اعلمہم علماً وفی القیٰمۃ لواء الحمد بیدہ وینادا المنادی یا محمّد نعم الاب ابوکِ ابراہیم ونعم الاخ اخوکِ علی۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دن جنابِ رسولِ خداؐ کی دولتسرا میں بیٹھا تھا کہ اسی اثناء میں جنابِ سیّدہؑ تشریف لائیں اور اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض کرنے لگیں کہ زنانِ قریش مجھے طعنہ دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمہارے باپ نے تم کو تو اُس شخص سے بیاہ دیا ہے جسکے پاس کچھ بھی مال و دولت نہیں۔ یہ سنکر جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جانِ پدر! خدا کی قسم۔ میں نے تم کو اُس وقت تک اُسکے ساتھ نہیں بیاہا جب تک کہ خدائے تبارک وتعالےٰ نے تمہارا بیاہ اُس کے ساتھ خود اپنے عرش پر نہ کر دیا۔ اور اُس پر اپنے ملائکہ کو گواہ نہ مقرر فرما لیا۔ اے فاطمہ! خداتعالےٰ نے اہلِ دنیا کی طرف نگاہ کی اور جمیع خلائق سے تیرے باپ کو منتخب کیا اور اُسکو اپنا رسول قرار دیا۔ پھر بارِ ثانی اُس نے اہلِ دنیا کی طرف نگاہ کی اور جمیع خلائق سے علیؑ کو منتخب کیا اور اُسکو میرا وصی قرار دیا۔ اور اے فاطمہؑ! وہ اپنی قوّتِ قلبی کے اعتبار سے شجاع ترین مردم ہے۔ حلم کے اعتبار سے حلیم ترین انسان۔ داد و دہش کے طریق میں سب لوگوں سے زیادہ مستحقین اور محتاجوں کی سننے والا۔ سلیم الطبعی میں سب سے زیادہ سلیم۔ علم و کمال میں سب سے زیادہ اعلم اور مقدم۔ روزِ قیامت علَمِ حمد اُسی کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اور اُس وقت ایک منادی مجھے ندا کریگا کہ اے محمدؐ! سب سے اچھا اور بزرگ تمہارا باپ ابراہیمؑ ہے اور سب بھائیوں سے اچھا تمہارا بھائی علیؑ ہے (علیہ السّلام)

اسی مضمون کو قریب قریب امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں لکھا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

قالت فاطمۃ یا ابی انّکَ زوّجتنی فقیراً لا مال لہٗ فقال صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یا فاطمۃ زوّجتکِ بمن اقدمہم سلماً واعظمہم حلماً واکثرہم علماً ان اللّٰہ اطلع الی الارض اطلاعۃ فاختار منہا اباکِ وثمّ اطلع الیہا ثانیۃ فاختار بعلکِ۔

جنابِ سیّدہؑ نے اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے مجھ کو ایسے مردِ فقیر کے ساتھ بیاہ دیا جس کے پاس کچھ مال و دولت نہیں ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے تمکو اُس سے بیاہا ہے جو سلامت نفسی میں سب لوگوں سے قدیم حلم میں سب سے عظیم اور علم میں سب سے زیادہ علیم ہے۔ خداوندِ عالم نے دنیا کی طرف نگاہ کی اور اُس میں سے تیرے باپ کو منتخب کر لیا۔ پھر بارِ ثانی نگاہ کی اور تیرے شوہر کو اختیار فرمایا۔

نزہتہ المجالس میں مرقوم ہے:۔ فلمّا کان لیلۃ الزّفاف

بفاطمة الی علی رضی اللہ عنہما ارکبہا النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم علی بغلة الشہباء وامر سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ان یقودہا والنبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم یسوقہا فلما کانوا فی اثناء الطریق تسمع وجبة فاذا جاء جبرئیل معہ سبعین الفا من الملئکة فقال النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ما اہبطکم قالوا جئنا نزف فاطمة علی زوجہا فکبر جبرئیل ومیکائیل والملئکة فصار التکبیر سنة علی العرائس من تلک اللیلة۔

جس وقت حضرت علیؑ کے گھر میں جناب فاطمہ علیہا السلام کے تشریف لیجانے کی رات آئی تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہؑ کو اپنے اُس استر پر سوار کیا جس کا نام شہبا تھا۔ اور سلمان فارسی کو حکم دیا کہ اُسکی لگام کو پکڑیں۔ اور حضرت خود بالنفس نفیس اُس کو ہانکتے تھے۔ پس جس وقت یہ لوگ راہ میں تھے اُس وقت ایک آواز اُترنے کی آئی۔ ناگاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مع ستر ہزار فرشتوں کے نازل ہوئے۔ حضرت نے پوچھا کہ تمہارے نازل ہونیکا کیا سبب ہے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ ہم اس واسطے آئے ہیں کہ فاطمہؑ کو اُنکے شوہر کے گھر پہنچا دیں پس حضرت جبرئیل اور میکائیل اور تمام فرشتگان ہمراہی نے تکبیریں کہیں چنانچہ اسی رات سے دُلہن کے رخصت ہونے کے وقت تکبیریں کہنا سنت ہوگیا۔

کتاب ذخائر العقبےٰ میں امام طبری اس واقعہ کو اس عبارت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں :۔

عن ابن عباس کانت اللیلة التی زفت بہا فاطمة الی علی رضی اللہ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم یمشی امامہا وجبرئیل عن یمینہا ومیکائیل عن یسارہا وسبعون الف ملک خلفہا وہم یسبحون اللہ تبارک وتعالیٰ ویقدسونہ حتی یطلع الفجر (اخرجہ الحافظ ابو القاسم الدمشقی)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب وہ رات آئی کہ فاطمہؑ علیؑ کے گھر پہنچا دی جائیں تو جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے آگے چلے اور حضرت جبرئیل آپکی داہنی طرف ہوئے اور میکائیل بائیں جانب اور ستر ہزار فرشتے اُنکے پیچھے پیچھے چلے اور یہ سب کے سب خدائے تعالےٰ کی رات بھر تسبیح و تقدیس فرماتے رہے یہانتک کہ صبح ہوگئی۔

امام مناوی کتاب روض الفائق میں رقمطراز ہیں :۔

ثم دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم بفاطمة وعلی فاخذ علیا بیمینہ وفاطمة بشمالہ وجمعہما الی صدرہ وقبلہما بین عینہما ثم دفعہا الیہ فقال یا ابا الحسن نعم زوجة زوجتک ثم قام یمشی معہما الی البیت الذی لہما ثم خرج واخذ بعضادتی الباب وقال جمع اللہ شملکما استودعتکما اللہ واستخلفتہ علیکما وفی روایتہ ثم امر علیا بالخروج فخرج فقال بفاطمة کیف رأیت بعلک یا بنیہ فقالت انہ خیر بعل یا ابت ثم دعا بعلی فقال لہ ارفق زوجتک والطف لہا فان فاطمة بضعة منی یولمنی ما یولمہا ویسرنی ما یسرہا استودعتکما اللہ واستخلفہ علیکما واذہب عنکما الرجس وطہرکما تطہیرا۔

پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ و فاطمہؑ کو بلایا۔ علیؑ کا دہنا ہاتھ تھاما اور فاطمہؑ کا اُلٹا ہاتھ۔ پھر دونوں کو اپنے سینۂ مبارک سے لگایا اور دیدہ بوسی فرمائی۔ اسکے بعد فاطمہؑ کو علیؑ کے سپرد فرمایا اور ارشاد کیا اے ابوالحسنؑ! کیا اچھی تیری زوجہ ہے۔ پھر کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں بزرگواروں کے گھر میں تشریف لے گئے۔ بعد اسکے اُن کے حجرہ سے باہر آئے اور دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا اللہ تعالےٰ تم دونوں میں جمعیت عطا فرمائے۔ میں تم دونوں کو خدا کے حوالے کرتا ہوں۔ اور اُس کو اپنی غیبت میں تمہارا حافظ اور نگہبان قرار دیتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپنے دونوں کے حق میں دعائے خیر کی اور حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیة والثنا کو باہر تشریف لیجانے کا حکم دیا۔ حسب الحکم جب آپ حجرہ سے باہر تشریف لائے تو آپنے حضرت فاطمہؑ سے پوچھا کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟

اُنھوں نے جواب دیا کہ ای پدر عالیمقدار! وہ بہت ہی اچھے شوہر ہیں۔ بعد اُس کے حضرت علیؑ کو اندر بُلالیا۔ اور فرمایا کہ ای ابوالحسنؑ! تم اپنی زوجہ کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے سلوک کرو۔ کیونکہ فاطمہؑ میرا جزو بدن ہے۔ جو چیز کہ اُس کو اذیت دیتی ہے وہ مجھ کو اذیت دیتی ہے اور جو چیز کہ اُس کو خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے۔ اور میں تم دونوں کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اپنے بعد اُسکو میں تم دونوں کا حافظ اور نگہبان قرار دیتا ہوں۔ اور اُس نے تم دونوں سے نجاست کو دفع کیا ہے اور تم دونوں کو ایسا پاک کیا ہے جیسا کہ پاک کرنیکا حق ہے۔

ینابیع المودہ میں امام سلیمان القندوزی قتادہ اور حسن بصری کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں:۔

عن قتادہ عن حسن بصری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر ام ایمن ان ینطلق الیٰ ابنته وقال لعلی لا تعجل حتیٰ اتیتك فانطلق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم اتاهما فقال لام ایمن ھٰھنا اخی قالت نعم اخوك وتزوجه ابنتك قال نعم فدخل علیهما فقال یا فاطمة ائتنی بماء فاتته فاطمة بقعب فیه ماء فمج فیه ثم نضح علی راسها و قال اللهم انی اعیذها بك وذریتها من الشیطان الرجیم ثم قال لعلی ائتنی بماء فعلمت القعب فاتیته به فمج منه فنضحه علی راسی وبین کتفی وقال اللهم انی اعیذه بك وذریته من الشیطان الرجیم وقال ابوداؤد سئلت احمد ابن حنبل عن هذا الحدیث فقال هو عن سعید ابن یزید المدینی واخرجه احمد فی المناقب فی طریق ابی یزید المدینی بنحوه وقال فجاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودعا بماء فقال فیه ماشاء اللہ ان یقول ثم نضح منه علی وجه علی ثم دعا فاطمة فقامت الیه تعثر فی ثوبها من الحیاء فنضح علیها ایضا وقال لها انی زوجتك باحب اهلی الیّ واخرجه ابن ابی حاتم بنحو روایة ابوداؤد۔

قتادہ نے حسن بصری سے اور حسن بصری نے انس کی اسناد سے لکھا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امّ ایمن کو بلا کر کہا کہ فاطمہؑ کو پہنچا دو اور علیؑ سے کہہ دینا کہ میرے آنے کا انتظار کریں۔ اس کے بعد آنحضرت تشریف لائے اور امّ ایمن سے پوچھا بھائی یہیں ہیں؟ امّ ایمن نے کہا کیا اچھا آپ کا بھائی ہے جسے آپ نے اپنی صاحبزادی سے بیاہا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ فرما کر آپ اُن دونوں بزرگواروں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور جناب سیدہؑ سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہؑ ایک قعب میں تھوڑا سا پانی لائیں آپ نے اُس میں کُلّی کر دی۔ اور وہ پانی آپ کے سر و سینہ پر چھڑک دیا۔ اور فرمایا پروردگارا! اسکو اور اسکی ذرّیت کو شیطان رجیم سے حفاظت و حراست میں رکھ۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ سے پانی لانے کو کہا وہ بھی اُٹھے۔ اور ایک قعب میں پانی لائے۔ آپ نے اُس پانی میں کُلّی کر دی اور اُنکے سر و شانے کے درمیان چھڑک دیا۔ اور فرمایا پروردگارا! اسکو اور اسکی ذرّیت کو شیطان رجیم سے حفاظت و حراست میں رکھ۔ ابوداؤد کا بیان ہے کہ میں نے اس حدیث کے باری میں احمد ابن حنبل سے پوچھا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اسکے راوی سعید ابن یزید المدنی ہیں اور کتاب مناقب میں ابی یزید المدنی ہی کے طریق سے احمد نے اوپر کی عبارت لکھکر اس عبارت کو اور اضافہ کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپنے پانی طلب فرمایا پانی آیا تو آپ نے ادعیات دم کر کے اُس میں سے تھوڑا علی علیہ السلام کے سر اور بازو کے درمیان چھڑک دیا۔ پھر آپ نے جناب سیدہؑ کو بُلایا اور وہ جناب اس حالت میں اپنے مقام سے اُٹھکر تشریف لائیں کہ آپ کا تمام جسم مطہّر حیا کے مارے کانپ رہا تھا۔ آپ نے اُن پر بھی ویسا ہی پانی چھڑکا اور اُن سے ارشاد فرمایا کہ میں نے اُس شخص کے ساتھ تمہیں بیاہا ہے جو مجھے دنیا میں سب سے محبوب ترین خلائق ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس روایت کو بالکل ویسا ہی لکھا ہے جیسا کہ ابوداؤد نے۔

امام الحرمین حافظ جمال الدین زرندی کتاب درر السمطین میں لکھتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا بماء فمج فیه و غسل وجهه وقدمیه ثم اخذ کفا من ماء فنضحه علی

راس فاطمة وکفیین بین ثدیھا ثم امرھا ان یرش بقیة الماء علی سائر بدنھا فدعا بمحضنت اخر فصنع بعلیؑ کما صنع بفاطمة ثم قال اللھم انھما منی وانا منھما اللھم کما اذھبت عنی الرجس وطھرتنی فاذھب عنھما الرجس وطھرھما۔

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ نے پانی مانگا۔ اُس میں کلّی کی۔ پھر اپنا روئے مبارک دھویا اور پھر اپنے پائے مبارک دھوئے۔ پھر اُس میں سے ایک چلّو پانی لیا اور اُسکو حضرت فاطمہ کے سر و سینہ پر چھڑکا اور فرمایا کہ بقیہ پانی کو تم اپنے جسم پر تھوڑا تھوڑا چھڑک لو اور پھر بار دیگر پانی منگا کر حضرت علیؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جیسا کہ فاطمہؑ کے ساتھ عمل فرما چکے تھے۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اُٹھا کر فرمایا۔ پروردگارِ عالم! یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان دونوں سے ہوں۔ پروردگارا! جس طرح تو نے مجھ کو ناپاکی سے طاہر فرمایا اُسی طرح ان دونوں سے ناپاکی کو خارج فرما اور طاہر فرما۔

اس کے بعد مروی ہے کہ ثم قال جمع اللہ شملکما وبارک لکما فی شبلکما وبارک فیکما واصلح بالکما ثم قام واغلق علیھما باب البیت بیدہ المبارک ویدعوالھما حتی دخل فی بیتہ۔ پھر فرمایا خداوند تعالےٰ تم دونوں میں یکجائی اور موافقت پیدا کرے اور تم دونوں کی اولاد میں برکت دے اور اُن کو تمہیں مبارک فرمائے۔ اور تمہاری اولاد کو صالح قرار دے۔ یہ کہکر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دستِ مبارک سے اُنکے حجرے کے دروازے بند کر دیے۔ اور اُن دونوں بزرگواروں کی حق میں دعائے خیر فرمائے۔ یہاں تک کہ اپنے بیت الشرف میں داخل ہوئے۔

مرقومۂ بالا متعدد اور متواتر اسناد لکھکر ہم نے اپنے دعوے کی توثیق و تصدیق بھی کر دی اور اپنے ناظرین کتاب کی تشفی اور تسکین بھی۔ ان اسناد کے مطالعہ سے وہ بآسانی سمجھ جائیں گے کہ ان حالات کے متعلق جو کچھ شیعہ تالیفات سے اوپر قلمبند کیا گیا ہے وہی قریب قریب سوادِ اعظم اہلسنّت کے علماء اور محدثین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں مندرج فرمایا ہے۔ یہ ہماری عدم تحقیق اور غفلت کا باعث ہے کہ ہم ایک واقعہ کو ایک خاص کتاب میں دیکھکر اُسکو صرف اُسی کے مؤلف کا مختار سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ذرا سی کوشش اور تلاش کے بعد وہی واقعہ جس کو ہم کسی کا خاص اور ذاتی مختار یقین کرتے تھے۔ وہی عام طور سے ایک متفق علیہ امر اور مشہور بین الجمہور واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ صاحب رسالۂ خاتونِ جنت نے بھی جو بالکل حال کی تالیفات سے ہے اور تھوڑے دنوں سے شائع ہوئی ہے ان حالات کو اسی تفصیل سے لکھا ہے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ مضامین میں قریب قریب تمام واقعات اور اُنکے ہر شعبہ کی اسناد سلسلہ وار قلمبند کر چکے۔ صرف دعوت ولیمہ کی توثیق و تصدیق باقی ہے۔ اگرچہ وہ ایسی ضروری نہیں ہے لیکن تاہم اپنے سلسلۂ بیان و نظامِ مضامین قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں اسکی تصدیق و توثیق بھی مندرج کرتے ہیں۔

روضة الاحباب میں مرقوم ہے کہ خواجۂ کائنات علیہ افضل الصلوٰة واکمل التسلیمات مقدار خرما و مویز جہتِ ولیمۂ ایشاں انعام فرمود و سعد گوسفندی آورد و جمعے از انصار چند صاع زرت آوردند و ولیمۂ عروسی فاطمہؑ آں بود۔

امام طبری ذخائر العقبےٰ میں تحریر کرتے ہیں:۔

اخرج احمد من قولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم لعلی لا بد للعرس من ولیمہ فقال سعد علی کبش وقال فلان علی کذا وقال فلان علی کذا وعن جابر قال حضرنا ولیمة علی وفاطمة رضی اللہ عنھما فما رأیت ولیمة اطیب منھا (اخرجہ ابوبکر ابن فارس)

امام احمد حضرت علیؑ کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آپ کا بیان ہے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا یعنی شادی میں بغیر دعوتِ ولیمہ کے چارہ نہیں ہے۔ یہ سنکر سعد ابن عبادہ نے کہا کہ میں ایک مینڈھا حاضر کرونگا۔ کسی نے کہا میں فلاں چیز حاضر کرونگا۔ کسی نے کہا فلاں چیز۔ جابر انصاری سے منقول ہے کہ میں حضرت فاطمہؑ اور جناب علیؑ مرتضےٰ کی دعوتِ ولیمہ میں حاضر تھا۔ میں نے کوئی دعوتِ ولیمہ ایسی طیب وطاہر نہیں دیکھی جیسی ان کے ولیمہ کی ضیافت۔

کتاب اسعاف الراغبین میں صحیح مسلم سے منقول ہو مرقوم ہے۔

عن جابر قال حاضرنا عرس علی بن ابیطالب و فاطمة بنت رسول اللہ فما رء اینا عرسا احسن منہ هیالنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زبیبا و تمرا۔

جابر سے منقول ہے کہ میں علی ابن ابیطالب اور فاطمہ بنت رسول اللہ کی دعوت ولیمہ میں شریک تھا۔ میں نے کوئی دعوت اس سے بہتر نہیں دیکھی۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مویز اور خرمے مہیا فرمائے تھے۔

دعوت ولیمہ کی تفصیل میں ہمعصر مؤلف رسالۂ خاتون جنت جو فی زمانا سواد اعظم اہلسنت کے دونوں طریقے شریعت اور طریقت کے ممتاز ممبر ہیں یوں رقمطراز ہیں :۔

رسالت مآبؐ نے چند درہم حضرت علیؑ کو دیے اور فرمایا چھوہارے اور پنیر وغیرہ لے آؤ۔ چنانچہ حضرت علیؑ بازار تشریف لے گئے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ درم کا گھی خریدا۔ چار کے چھوہارے۔ ایک کا پنیر۔ اور رسول صلعم کے سامنے لاکر رکھدیا۔ آپ نے دسترخوان طلب کیا۔ اور چند چیزوں کو مرتب کرکے حیس (روٹی اور گھی کا مخلوط چور) بنایا۔ اور مجھے حکم دیا کہ باہر جاؤ۔ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اُس کو اندر لے آؤ۔ مہاجر اور انصار کی جماعت آئی اور حیس (مالیدہ) کھاکر چلی گئی۔ ایک مٹی کا پیالہ حضرت نبی کریم نے مانگا اور اُسکو حیس سے پُر کرکے فرمایا کہ یہ فاطمہ اور اُس کے شوہر کا حصہ ہے۔ اسکے بعد ازواج مطہرات کو دیا۔ ص ۱۰۲۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ امام ابو نصر ہمدانی اپنی کتاب استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

واقبل علی رضی اللہ عنہ علی فاطمة یلاطفها بالکلام حتی جن الظلام فاخذت بالبکاء فقال ما یبکیک یا سیدة نساء العلمین الم ترضی ان اکون لک بعلا و تکون لی اهلا فقالت یا بن عم کیف لا ارضی وانت الرضا وانت فوق الرضا وانما فکرت فی امری وحالی عند ذهاب عمری ونزولی فی قبری فشبهت دخولی الی فراش غری دخری بدخولی الی لحدی وقبری وانا اسئلک ابن العم بحق ابی الا ما بلغتنی قصدی وارنی وقمت بنا الی محرابنا نتعبد فی هذه اللیلة فهو احق واحری بنا فنهضا الی المحراب وقاما الی التهجد فی خدمة رب الارباب فترکا فراش لذاتهما واشتغلا بعبادتهما فکانا یقطعان اللیل بالقیام والنهار بالصیام حتی مضت ثلاثة ایام ثم رقد علی فراشهما فهبط الامین جبرئیل علیہ السلام فی الیوم الرابع علی سید الانام وقال لہ ربک یقرئک السلام ویقول لک ان علیا وفاطمة الکرام ترکا فراشهما وهجرا المنام فی هذه الثلاثة ایام واقبل علی الصلوٰة والصیام والقیام فامض الیهما وسل عنهما وقل لهما ان اللہ تعالیٰ قد باهی بکما الملٰئکة المقربین وانکما تشفعان یوم القیمة فی العصاة المذنبین فقام النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واتی منزلهما ودخل فصارت فی البیت اسماء بنت عمیس فقال لها ما یوقفک ههنا وفی البیت رجل فقالت فداک امی وابی یا رسول اللہ ان البنت اذا زفت الی زوجها احتاجت الی امرأة تتعاهدها وتقدم بامرها وبحوائجها فقمت ههنا لاقضی حوائج فاطمة فتغرغرت عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بالدموع وقال یا اسماء قضی اللہ لک کل حاجة من حوائج الدنیا والاخرة قال علی رضی اللہ وکانت غداة قر وبرد شدید فکنت انا وفاطمة تحت العباء فلما سمعنا کلام رسول اللہ همنا ان نقوم فنظرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقال سألتکما بحق علیکما الا تتفرقا حتی ادخل علیکما ودخل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وجلس عند رؤسنا وادخل رجلیہ فیما بیننا فاخذت رجلہ الیمنی وضممتها الی صدری واخذت فاطمة رجلہ الیسری فضمتها الی صدرها وجعلنا ندفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من البرد حتی دفعنا ثم دعا لنا بخیر۔

بعد[1] آنحضرت کے تشریف لیجانے کے حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ رات زیادہ چلی گئی۔ جناب سیدہؑ نے رونا شروع کیا حضرت علیؑ نے پوچھا کہ اے سب عورتوں کی سردار! تم کیوں روتی ہو۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اور تم میری زوجہ ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! میں راضی کیوں نہوں۔ حالانکہ تم میری مرضی کے موافق ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور کچھ نہیں ہے۔ میں تو صرف اس بات کی سوچ اور فکر میں ہوں کہ مرنے کے وقت اور قبر میں اُتارے جانیکے وقت میرا کیا حال ہوگا اس لیے کہ میں اس عزّت اور فخر کے بچھونے پر داخل ہونیکو اپنی قبر میں اور لحد میں داخل ہونیکے ساتھ تشبیہ پاتی ہوں (باپ کے گھر سے شوہر کے گھر ہمیشہ کے لیے آنا) اب میں تم سے سوال کرتی ہوں۔ اے میرے چچا کے بیٹے! اور تمہیں اپنے باپ کے حقوق کی قسم دیتی ہوں کہ جو میرا قصد اور مطلب ہے اُس تک مجھ کو پہنچا دو اور میرے ساتھ اُٹھو۔ اور اپنی محراب عبادت کی طرف آؤ اور ہم تم دونوں آج کی رات عبادت میں بسر کریں۔ اس لیے کہ یہی ہمارے لیے بہتر اور سزاوار تر ہے۔ پس دونوں بزرگوار محراب عبادت کی طرف گئے اور خدمت رب الارباب میں نماز تہجد کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اپنے فرش راحت کو چھوڑ دیا اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ اور وہ دونوں بزرگوار رات رات بھر نماز کے لیے کھڑے رہتے تھے اور دن دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ تین روز متواتر اسی حالت میں گزر گئے تو اپنے بچھونے پر گئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام چوتھے دن تشریف لائے اور حضرت سیدالمرسلینؐ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ آپکا پروردگار آپکو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تحقیق کہ علیؑ اور فاطمہؑ کرام نے اس تین روز میں اپنے بچھونے کو چھوڑ دیا۔ اور سونا ترک کر دیا اور روزہ نماز کی طرف متوجہ ہوئے۔ پس تم اُن دونوں کے پاس جاؤ اور اُن کا حال پوچھو اور اُن سے کہو کہ اللہ تعالےٰ تم دونوں کی ساتھ ملائکہ مقربین سے فخر و مباہات کرتا ہے اور تم دونوں بروز قیامت عاصیوں اور گنہگاروں کی شفاعت کروگے پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور دونوں کے مقام کی طرف تشریف لے گئے۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو وہاں اسماء بنت عمیس کو کھڑا پایا۔ اُن سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو حالانکہ گھر میں مرد موجود ہے۔ اسماء نے جواب دیا کہ یا رسول خدا! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تحقیق کہ جس وقت لڑکی اپنے شوہر کے پاس جاتی ہے تو اُس کو ایک عورت کی بھی احتیاج ہوتی ہے کہ وہ وہاں موجود رہے اور اُس کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ پس میں یہاں اس لیے کھڑی ہوں کہ فاطمہؑ کی ضرورتوں کو رفع کروں۔ پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا کہ اے اسماء اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت میں تیری ہر حاجت کو روا کرے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس روز نہایت سخت سردی تھی اور ہم اور فاطمہؑ دونوں ایک عبا اوڑھے تھے۔ پس جس وقت کہ جناب رسولؐ خدا کے کلام کو سُنا تو ارادہ کیا کہ کھڑے ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمکو اُس حق کی قسم دلاتا ہوں کہ جو تمہارے اوپر ہے کہ تم علٰحدہ نہو یہانتک کہ میں تم دونوں کے پاس آؤں۔ پس جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے سروں کے پاس بیٹھ گئے اور ہمارے بیچ میں اپنے دونوں پاؤں پھیلا دیے۔ میں نے آپکا دہنا پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا اور فاطمہؑ نے آپ کا بایاں پاؤں لیکے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اور ہم دونوں آپکے ٹھنڈے پاؤں کو گرم کرنے لگے یہاں تک کہ وہ گرم ہو گئے بعد اُسکے آپنے ہمارے حق میں دعائے خیر فرمائی (الیٰ آخرہ)

رسالہ خاتونِ جنت کے لائق مؤلف نے اسماء بنت عمیس کی جگہ

---

[1] خان بہادر نواب شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں اپنی کتاب میں اس حدیث کو درج فرما کر اس مقام پر خاص نوٹ دیتے ہیں۔ اُنکی عبارت یہ ہے کہ مؤلف حقیر کہتا ہے کہ یہ روایت گویا فی الواقع اس آیت شریف کی پوری تفسیر ہے کہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعا ومما رزقنھم ینفقون فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ دور رہتی ہیں پہلو اُنکی بچھونوں سے۔ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر سے اور طمع کے اور ہم نے اُنکو دیا ہے اُسمیں سے خرچ کرتے ہیں پس نہیں جانتا ہے کوئی نفس جو کچھ کہ اُنکی خاطر پوشیدہ ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے عوض میں اُسکے جو عمل کرتے ہیں ۱۲

سلمےؓ کا نام لکھا ہے اور اُنکے متعلق اتنا اضافہ اور کیا ہے ذیل میں اُنکی عبارت لکھی جاتی ہے۔

اسماء بنتِ عمیس یا بقول بعض سلمےؓ نے اُس وقت عرض کیا کہ یا رسول اللہ! لڑکیوں کو وقت بے وقت کے واسطے کسی عورت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے میں ساتھ جاتی ہوں۔ سرورِ کائنات یہ سُنکر خوش ہوئے اور اُسکے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ دوسرے روز سرورِ عالم ہمارے پاس تشریف لائے اور میں اور فاطمہؑ دونوں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آنحضرتؐ کی آواز سُنکر ہم نے چاہا کہ اُٹھیں مگر آپنے فرمایا جس طرح بیٹھے ہو اُسی طرح بیٹھے رہو۔ پھر تشریف لاکر ہمارے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور آپنے اپنے دونوں پاؤں ہمارے بیچ میں کرلیے۔ میں نے آپکے سیدھے پاؤں کو اور فاطمہؑ نے بائیں پاؤں کو اپنے اپنے سینوں پر رکھ لیا۔ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور اسکے بعد فاطمہؑ سے کہا کہ تھوڑا سا پانی لاؤ۔ چنانچہ وہ ایک مٹی کے پیالے میں تھوڑا پانی بھر لائیں۔ اُس میں سے آپ نے کچھ پانی پھینکا اور باقی ہاتھ میں لیکر کچھ دعا کی اور فرمایا اے علیؑ! یہ پانی پی لو۔ اور تھوڑا سا چھوڑ دو چنانچہ میں نے تھوڑا سا پیا اور تھوڑا سا باقی چھوڑ دیا۔ جو باقی رہا تھا وہ میرے سینے اور مُنہ پر چھڑک دیا اور میرے واسطے دعا کی۔ اسکے بعد پھر پانی منگوایا اور فاطمہؑ کو اُسی طرح پلایا۔ چھڑکا اور دعا فرمائی صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ اس وقت سلمےؓ ام رافع جو ساتھ آئی تھیں اُن سے رسالتمآبؐ نے فرمایا اب تم یہاں کیوں ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! جس وقت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کی حالت خراب ہوئی ہے اور اُنکو اپنے بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ میں اُنکے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں مجھکو تعجب ہوا اور میں نے دریافت کیا کہ یا ام المومنین! یہ رونے کا کون موقع ہے۔ آپ پیغمبر آخرالزمان کی بیوی ہیں۔ اور پھر وہ بیوی کہ آپکے احسانات کا خود جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتراف فرمایا ہے۔ پھر آپ کیوں دل برداشتہ ہیں۔ اور کیوں آبدیدہ ہیں؟ فرمایا۔ اے سلمےؓ! دُلہنوں کو شوہر کے ہاں جاکر ابتدا میں عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر ضرورت کو پورا کرنے میں مدد دیں۔ فاطمہؑ بچہ ہے۔ شاید اسکو شائستہ اور عقلمند عورت اُس وقت کے لیے میسر نہ ہو۔ یہ سُنکر میں نے عرض کی۔ ام المومنین! اگر میں اُس وقت تک زندہ رہی تو اس خدمت کے بجالانیکا وعدہ کرتی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ وعدہ جو میں نے فاطمہؑ کی ماں سے کیا تھا آج پورا ہوا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سُنکر سلمےؓ کے واسطے دعائے خیر فرمائی (خاتونِ جنت۔ ۵۔ ۱۰۴)

ہم نے اس مبارک تقریب اور سراپا خیر و برکت تزویج کے تمام حالات آغاز سے لیکر انتہا تک ایک ایک کرکے جمع کردیئے جیسا کہ مرقومۂ بالا واقعات سے ناظرینِ کتاب کے ملاحظہ میں آچکے۔ اس مبارک تزویج کے تمام واقعات کو اتنی تفصیل سے لکھنے کی جو خاص ضرورت لاحق ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سلسلۂ سیرتِ اہلبیتِ کرام علیہم السلام کے تمام نمبروں میں برابر لکھتے اور ہمیشہ بتلاتے آئے ہیں کہ ان نفوسِ قدسیہ اور ذواتِ عالیہ کے تمام امور اور تعلقات حکمِ خدا کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور انکے اخلاق۔ تمدن اور معاشرت۔ غرض تمام ضروریاتِ زندگی اگرچہ وہ بظاہر معمول کے عام طریقوں پر مبنی معلوم ہوتے ہوں۔ مگر حقیقت میں اُنکی تعمیل بالکل مشیت کے مدعا اور قدرت کے ایما کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ کے ہر ایک صیغہ اور شعبہ کے متعلق ہم رسالت کے متعدد افعال اور متواتر اقوال سے اوپر ثابت کر آئے ہیں۔

اس مبارک امر کی آغازِ تحریک سے تمام سابق مستدعیوں کی درخواستوں پر جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھُلے لفظوں میں یہ فرمانا کہ اسکے متعلق مجھے وحی خدا کا انتظار ہے صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اس تزویج کا اختیار آپ کو نہیں ہے بلکہ کسی اور کو۔ اور آپ مثل اپنی اور (منسوبی) صاحبزادیوں کے اپنی ان صاحبزادی کی مزاوجت اور مناکحت کے بارے میں بانفسِ نفیس مختار اور مجاز نہیں ہیں۔ اور مشیتِ الٰہی کی ہدایت آئے بغیر آپ اس کے متعلق اپنی طرف سے کچھ نہیں کرسکتے۔

پھر اس تزویج کی اجازت آجانے پر بھی جنابِ ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیۃ نے اسکے کُل مراسم اور تمام لوازم کو ایک ایک کرکے بالکل ویسا ہی انجام فرمایا جیسا منشائے خداوندی اور ایمائے الٰہی کی ہدایتوں میں بتلایا گیا تھا۔ مثلاً حکمِ خدا اور ارشادِ الٰہی کے مطابق خطبۂ نکاح

کا پڑھا جانا۔ ایجاب و قبول کی شرائط کا علیٰ رؤس الاشہاد جانبین سے بجا لایا جانا۔ پہلے بالنفسِ نفیس خود خطبۂ نکاح کا پڑھنا اور پھر اُسی صحبت اور مجمع میں جناب علی مرتضےٰ سے ازسرِ نو خطبۂ نکاح کا پڑھوانا اور اعلانِ عام کرانا۔ اسی طرح عقدِ مناکحت کے تمام شرائط ختم ہو جانے کے بعد صاحبزادی کو رخصت کیے جانے کی تمام مراسم اور اُنکے اہتمام بھی بالکل حکمِ الٰہی کے مطابق انجام دینا اور اُنکے ہمراہ ذکرِ تسبیح و تقدیس فرماتے ہوئے تشریف لیجانا۔ اور دیگر ہمراہیان جلوسِ میمنت مانوس کو بھی تسبیح و تکبیر کے اذکار و اوراد کی ہدایت اور تاکید فرمانا۔ فرشتگانِ رحمت کا عین راستہ میں نازل ہو کر شریک ہونا اور بمطابقت خدا و رسولؐ۔ اُن تمام ملائکہ مقربین کا جن کی تعداد باتفاق فریقین ستر ہزار بتلائی جاتی ہے۔ راستہ سے حضرت علیؑ کی محلسرا تک تسبیحیں پڑھتے اور تکبیریں کہتے برابر جانا اور پھر وہاں پہنچکر اُس وقت سے لیکر طلوع صبح تک برابر تسبیح و تقدیس الٰہی بجالانا۔ جناب ختمی مرتبت کا۔ جناب سیدہؑ کے رخصت فرمائے جانے اور حضرت علیؑ کے گھر میں لائے جانیکے وقت تک بار بار ان دونوں بزرگواروں کے حق میں متواتر اور متعدد موقعوں پر خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اپنے روحانی تعلق اور قلبی محبت و الفت کے تقاضے سے انکی موافقت حسنِ معاشرت۔ خیر و برکت اور ازدیادِ اولاد کی دعاؤں پر دعائیں مانگنا۔ اور ان دونوں بزرگواروں کو مقرب بارگاہِ الٰہی اور مشرف بشرفہائے لاتتناہی بتلانا۔ اور پھر ان دونوں مقدسین کو ایک دوسرے کے ادائے حقوق کے لیے ہدایت فرمانا وغیرہ امثالہم۔ پورے طور سے بتلاتے ہیں کہ دربارِ رسالت کی یہ اہتمام قدرت خدا کے نظام اور مشیتِ الٰہی کے عین احکام تھے جن کو ایمائے اقدسِ الٰہی اور منشائے ایزدی کے مطابق بجالانا۔ خدا کے رسولِ برحق اور اُسکے نائب مطلق کے لیے ضروری اور لازمی تھا۔ جنابِ سرورِ کائنات علیہ و آلہ الصلوٰۃ کو اس واقعہ کی اہمیت اور عظمت اور اس کو بالکل منشاء و مدعائے قدرت کے مطابق دکھلا دینا اور بتلا دینا اس لیے ضروری تھا کہ خواصِ اسلام۔ یا یوں کہو کہ اہلبیت کرام کے مبارک طبقہ میں یہ اوّل مناکحت تھی اور پہلی شادی کی تقریب تھی جس نے عوام الناس کی ہدایت کے علاوہ۔ خواص کے خاص دائرہ میں ان دونوں بزرگوں کے فضائل و مراتب کا اعلان و اظہار مقصود تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی اہلِ اسلام اور اہلبیت کرام کے طبقہ میں شادی بیاہ ہو چکے تھے۔ اُن میں صاحبانِ تقریب نے اپنی اپنی ملکی اور قومی رسم و رواج اور معمول کے دستور کے مطابق اپنی تدبیر اور تجویز سے آزادانہ اور بالکل مختارانہ کام لیا۔ بخلاف اُنکے اس مبارک تقریب میں اسکے آغاز ہی کے وقت سے جنابِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایسی قدسی صفات ذات اور سراپا حسنات نے اسکی تدبیر اور تجویز سے تا صدور وحی الٰہی اپنی قطعی مجبوری دکھلائی۔ پھر آپ کے بعد کون دوسرا ایسا فرد اکمل اور مرد افضل تھا جو اس امر کی تقدیم اور اپنی خود رائی کے قدم آگے بڑھاتا اسی سے ہر شخص بآسانی یقین کر لیگا کہ یہ تقریب اور یہ دونوں بزرگوار جن کی تزویج کی یہ تقریب تھی وہ خدائے تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں تقرب اور خصوصیت کا ایسا ہی اعلےٰ اور عدیم المثال مرتبہ رکھتے ہیں کہ اُن کے ان امور میں قدرت نے آغاز سے لیکر انجام تک اپنی ایماء اور منشا سے خاص طور پر کام لیا اور کسی دوسرے کو اسکی تجویز اور تعمیل کی تکلیف نہیں دی۔

اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مبارک تزویج دنیا کی معمولی شادی اور بیاہ نہیں تھی اور نہ وہ بزرگوار جن کی مزاوجت کی یہ تقریب تھی۔ عوام الناس اور معمولی طبقۂ اسلام میں داخل تھے۔ پھر یہ بھی نہیں تھا کہ اس مبارک تزویج ہی کے وقت سے ان ذوات مقدسہ کی قدر و منزلت کا منجانب اللہ اظہار و اعلان فرمایا گیا ہو۔ بلکہ یہ وہ نفوسِ عالیہ ہیں جن کی قدر و منزلت اور مناقب و مراتب کا مشاہدہ ساری دنیا کو اُنکے روزِ ولادت سے آج تک جا بجا مختلف اور متعدد موقعوں پر ہو چکا تھا۔ اور اُس وقت سے لیکر اس وقت تک جن کے تمام ظاہری اور باطنی محاسن اعمال اور ارشاد و اقوال سے خاصانِ الٰہی اور برگزیدگانِ درگاہِ ایزدی کے اطوار ہویدا و آشکار ہو رہے تھے۔

جن معمول پسندوں نے اپنی ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے خدمتِ رسالت میں اس مزاوجت کے لیے دستِ تمنا بڑھائے تھے اُنکی غلط اندیشیوں کی صحت اور اہلِ اسلام کی ہدایت کے لیے اُس مدبر اور قادرِ مطلق اور اُسکے رسولِ برحق پر لازم تھا کہ وہ ان بزرگواروں کی عظمت و اقتدار اور انکی مبارک تقریب تزویج میں اپنی قدرت کے آثار دکھلا کر انکو

خاص طور پر بتلادے اور سمجھادے کہ انسان کی عام تجویز اور خدا کے خاص انتخاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جو اس وقت تمام لوگوں کے پیش نظر ہے۔

اب مشیت ایزدی اور قدرت الٰہی کے اس عظیم الشان منظر کو مشاہدہ کر کے وہ کون ایسا بطی الفہم۔ ضدی اور ہٹ دھرم ہوگا جو اپنی رائے اور خیال واپس لینے میں ذرا بھی دیر لگائیگا اور ایسا قصد اور ایسا گمان اپنے دل میں پیدا کرنے سے آپ ہی آپ نہ پچھتائیگا۔

ہم نے مرقومۂ بالا واقعات میں مختلف موقعوں پر جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متواتر اقوال وارشادات متفرق اسناد سے اوپر تحریر کر دیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تجویز کی اہمیت کے ساتھ ان دونوں بزرگواروں کی عظمت اور قدر و منزلت بھی تمام اہل اسلام کا مانا ہوا مسئلہ ہے۔ سابق مستدعین کی غلط خیالی اور اُنکی درخواستوں کی بنا زیادہ تر جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کی تنگ حالی اور عسرت کی موجودہ حالتوں پر مبنی تھی اور اسی کو جناب سیدہ کا سبب گریہ خیال کر کے حضرت ختمی مرتبت نے جن الفاظ میں اُن کی تسکین و تشفی فرمائی ہے اُسکو ہم فریقین کی معتبر اور مستند اسناد سے قلمبند کر چکے ہیں۔ آپ نے اپنی صاحبزادی

کو اُنکے شوہر محترم کی عسرت اور تنگدستی کا اعتراف فرماتے ہوئے بتلا دیا ہے کہ اُنکی غربت اور عسرت۔ اُنکی اسلام میں سبقت۔ ایمان کی حقیقت۔ خدا کی معرفت۔ قلب مطمئن کی قوت۔ اعلےٰ درجہ کی شجاعت۔ علم و کمال کی فضیلت۔ صبر و تحمل کی صلاحیت اور جود و سخاوت کی خاص عادات اور خصوصیات میں کوئی دھبہ لگا نہیں سکتی۔ اگرچہ وہ دنیا کے مال سے خالی ہے مگر ذخائر عقبےٰ سے مالا مال ہے۔ گو وہ تنگدست اور نادار تو کیا۔ مگر اسکے ساتھ ہی دل کا ایسا غنی اور طبیعت کا ایسا فیاض کہ دنیا کے بڑے بڑے دولتمند اور مالدار اُسکے شرف و منزلت کی چوکھٹ پر اعزاز کا سر اور نیاز کی گردن جھکائے ہیں۔ اُسکے پاس ظاہری طور پر دنیا کا کوئی سرمایہ۔ کوئی بضاعت نہیں تھی۔ مگر خدا کے دربار میں اُس کے تقرب کا یہ اعتبار اور اقتدار تھا کہ رسولؐ کی عمر بھر کی دولت اور بضاعت اُسی کی امانت میں سپرد فرمائی گئی۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی تسکین و تشفی کے کلمات میں جناب علی مرتضےٰ کے فضائل و مناقب بیان فرمانے سے جناب رسالتمآبؐ کا اصلی مقصود یہ تھا کہ دنیا کے معمول پسند حضرات خاص و عام کی پوری معرفت کے ساتھ یہ بھی یقین کر لیں کہ دنیا کی کسی ظاہری قیمت کی کمی اُسکے اوصاف باطنی کی طاقتوں کے آگے کوئی چیز نہیں سمجھی جاتی۔ ان تمام امور کے بعد حضرت سرور کائناتؐ نے ان دونوں بزرگواروں کے باہمانہ حقوق اور ایک کو دوسرے کے ساتھ نرمی و ملاطفت پیش آنیکی ہدایت فرمائی۔ اور ایک کو دوسرے کی قدر و منزلت اور مدارج و مراتب سے مطلع اور آگاہ فرمادیا۔ برگزیدگان الٰہی کے مقدس دائرہ میں اُنکے نورانی آثار کی برکت سے ایک کو دوسرے کے ساتھ کسی معرفت اور امتیاز کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر ہمکو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل ایک دوسرے کو بتلانیکی غرض سے نہیں تھا بلکہ خاص الخاص عوام الناس کو دکھلانے۔ بتلانے اور اُنکے سمجھانیکے قصد سے کہ یہ ذوات مقدسہ ایسے فضائل و مراتب کے خداداد اعزاز سے ممتاز اور معزز ہیں۔

ان امور کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبقۂ امت میں اپنی صاحبزادی اور اپنے ابن عم کی تزویج۔ اسکی ہر اسم اور اُسکی انجام دہی کے انتظام کی مثال اور نمونہ دکھلا کر یہ تعلیم فرمانا منصب العین تھا

ملہ علامہ نعمانی آنجہانی نے سیرۃ المحمدیہ میں بذیل تذکرہ تزویج جناب سیدہ خلفاء کی درخواست کرنے کی روایتوں کو محض اس بنا پر صحیح نہیں مانا ہے کہ ابن حجر نے باوجود تزویج جناب سیدہ کے متعلق بہت سے واقعات لکھنے کے صرف اس واقعہ کو نہیں لکھا ہے۔ آج وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ایک ابن حجر نے اس کو کسی وجہ سے نہیں لکھا تو کیا۔ اُن سے کہیں زیادہ سابقین اور متقدمین محدثین اور مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں اپنی اپنی معتبر اسناد سے اس کو مندرج فرمایا ہے جنکو ہم اُن کی اصل عبارتوں کے ساتھ اوپر لکھ آئے ہیں۔ نعمانی صاحب کا خود غرضانہ اصول تحریر تالیفی دنیا میں ایسا مشہور عام ہے کہ اُس کی کسی تنقید و تردید کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ دیکھیے اسی کتاب میں اس مقام پر تو ابن حجر کی اتنی آؤ بھگت کیگئی پھر اُسی کتاب میں دوسرے مقام پر اُن کی رواۃ پرستی کی درگت بنائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو سیرۃ المحمدیہ۔

المؤلف احقر سید اولاد حیدر

اور یہ ہدایت فرمانا مقصود تھا کہ مناکحت اور مزاوجت اور شادی بیاہ کے تمام مراسم اور مناسک اس سادگی اور پاکیزگی اور خوش اسلوبی سے ہونے چاہییں۔ جن سے زن و شوہر کی موافقت کے اسباب اُنکی معاشرت کے قرائن اور ابواب ہمیشہ کے لیے قائم اور مستحکم رہیں۔ اور جو دنیا میں اُن کے لیے نیکنامی اور عزت کا ذریعہ اور آخرت میں شادکامی اور قربتِ الٰہی کا وسیلہ ثابت ہوں۔

اس مبارک واقعہ کے ہر پہلو پر جہاں تک میری یاد کام کرتی ہے میں نے اپنے مندرجۂ بالا مضمون میں کافی طور پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آغاز سے لیکر انجام تک اسکی تمام مراسم کی خوبی اور خوش اسلوبی اور اس کو بتمامہ خیر و برکت کے اصول پر مبنی ہونے کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اب ہم اپنے مضمون کے خاتمہ میں ان برگزیدگانِ الٰہی کے اُن محاسن اعمال اور اُنکی نادر الوجود مثال۔ ناظرین کے ملاحظہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ جن میں ان خاصانِ خدا نے بکمالِ رضا و رغبت اور بہ تمام مسرت و فرحت اپنی عروسی کے اول تین شبانہ روز صرف فرمائے ہیں۔ اور جن کو ہم نے سوادِ اعظم اہلسنت کے معتبر اور مستند عالم اور امام ابو نصر ہمدانی کی کتاب سبعیات کی اصل عبارت سے اوپر نقل کر دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسی ہی مبارک اور پاک تزویج تھی اور اسکے لیے ایسے ہی پاک اور مبارک بزرگوار بھی خدا کی طرف سے منتخب فرمائے گئے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اسکی اہمیت اور عظمت اور ان حضرات کی قدر و منزلت کے دکھلانے کی غرض سے مشیتِ خداوندی نے اسکی انجام وہی میں اس سرگرمی سے کام لیا اور زمانہ کے معمول پسند لوگوں کو دکھلا دیا کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے جیسے پاک اور مقدس شوہر کے لیے جنابِ سیدہؑ ہی کی جیسی پاکدامن۔ پارسا اور عفت مآب زوجہ شایاں تھی اور یہی مخصوص تجویز تھی جو پہلے ہی سے مدبر تقدیر نے اپنے حکمِ محکم الطیبٰت للطیبون والطیبون للطیبٰت میں ظاہر فرما دی تھی۔ اور جس کے ظاہری معنی جناب مخبرِ صادق نے اپنے ارشاد میں کامل طور سے یوں ادا فرما دیے تھے کہ لولم یخلق علیا ماکان لفاطمۃ کفوا۔ اگر علیؑ پیدا نہ ہوتے تو فاطمہؑ کے لیے کوئی دوسرا کفو نہیں تھا۔

اس تجویزِ الٰہی کی تعمیل کامل ہو جانیکے بعد ان دونوں بزرگواروں نے بھی اپنے محامد ذات اور محاسنِ اعمال کی وہ یکتا اور بے نظیر مثال دکھلائی جو امکانِ انسانی سے بالکل باہر تھی۔ ہم ابھی ابھی امام ہمدانی کی کتاب کی اصل عبارت اوپر نقل کر آئے ہیں جس سے ان بزرگواروں کی عروسی کے اول تین شب و روز کے حالات نہایت وضاحت سے معلوم ہو جاتے ہیں اور اُن واقعات سے ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ یقین کر لیگا کہ حقیقتاً عناصرِ روحانی کی بنی ہوئے یہ وہی پیکرِ انسانی ہیں جو اپنے محامد و اوصاف کے اعتبار سے تمام نفوس روحانی پر ہر طریقہ اور قرینہ سے پوری فضیلت اور کامل ترجیح رکھتے ہیں۔ انکی کامل معرفت۔ انکا استغراق فی العبادت۔ ان کا اشتیاق الی الطاعت۔ ان کا خوف عاقبت۔ انکا صبر۔ انکا تحمل خصوصاً ایسے اوقات میں انکی ذات قدسی صفات کے تمام جوہروں کی حقیقت کھول دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ برگزیدگانِ الٰہی کے مدارجِ اعلےٰ پر شرف پانیوالے بزرگواروں کی یہ شان ہوتی ہے۔

انکے مندرجۂ بالا محاسنِ اعمال کی بے نظیر مثال نے ساری دنیا کو دکھلا دیا کہ خدا کو برحق جاننے والے اور اپنی ہستی کی بساط اور حقیقت کو سچے طور سے پہچاننے والے عام اس سے کہ وہ کسی حالتِ خاص میں کیوں نہوں۔ اپنی نیک نفسی۔ فرشتہ سیرتی اور عاقبت اندیشی کے اظہار اور اُنکی مبارک عادات ہویدا اور آشکار کرنے سے باز نہیں رہتے۔ انکے اظہار سے اُنکو نہ اپنی خودنمائی مقصود ہوتی ہے اور نہ خودستائی بلکہ اُن کا اصلی مدعا۔ عوام الناس کی ہدایت اور تنبیہ ہوتی ہے اور عام لوگوں کو خاص لوگوں کی معرفت اور تمیز۔ ان دونوں مقدس و مطہر بزرگواروں کے حالات جو ابھی ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔ آئینہ کی طرح صاف صاف دکھلا رہے ہیں کہ ان سراپا نورانی پیکروں نے اپنی عروسی کی پہلی تین میٹھی راتیں اور سہاؤنے دن۔ کس استقلال۔ کس بے نفسی اور کس رضا و رغبت سے رات رات بھر عبادت خدا میں کھڑے کھڑے رہکر اور دن دن بھر روزوں پر روزے رکھ رکھ کر کاٹے ہیں۔ اور کس دلیری اور بہادری سے اپنے فانی عیش و عشرت اور عارضی آرام و راحت کے تمام خیالوں سے دوری اختیار کی ہے اور کس شگفتگی اور کشادہ پیشانی سے قربتِ خدا کی سخت ترین راہوں میں لبیک کہتے ہوئے اور قدم

بڑھاتے ہوئے خدا کی محراب عبادت میں جاکھڑے ہوئے ہیں۔

یہ وہی علیؑ ہیں اور فاطمہؑ (ارواحنا لہما الفدا) اور یہ اُنہی بزرگواروں کا بیت الشرف ہے جسکی قدر و منزلت آیۂ وانی ہٖ ایہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدوٰ والاصال (سورۃ النور) میں بصراحت موجود ہے۔

اسکی شانِ نزول میں ابن مردویہ اور امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔ عن انس وبریدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیوت الخ فقال رجل ای بیوت ھذہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قال بیوت الانبیاء فقال ابوبکر ھذا البیت منھا واشار الی بیت علی وفاطمۃ علیہما السلام قال نعم من افاضلہا۔

انس اور بریدہ سے منقول ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورۂ بالا آیت پڑھی۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! یہ کن گھروں سے مراد ہے؟ آپ نے فرمایا انبیاء کے گھروں سے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسولؐ اللہ! یہ گھر۔ خانۂ علی و فاطمہ علیہما السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ اُنہی گھروں میں ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں۔ بلکہ اُنکے بہتریں میں سے ہے۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہ مقدس بزرگوار محرابِ عبادت میں کھڑے تو ہیں مگر اس مشغولیت اور محویت کی خاص کیفیتوں کے ساتھ کہ اپنے موجودہ خشوع اور خالص رجوع الی اللہ کے عالم میں گویا ایک کو دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ کوئی واسطہ ہی نہیں۔ اور کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ اب ان کو جس کے ساتھ موجودہ حالت میں کامل تعلق اور خالص واسطہ ہے وہ اُن کا وہ برحق اور لاشریک پروردگار ہے جس کی محرابِ عبادت میں وہ اپنے نیاز کے سر اور اطاعت کی گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے اسی تعلق اور انہماک کو جو خدا کی عبادت میں اُنکو فی الحال حاصل ہے۔ اپنی آفرینش اور اپنے تمام دینی و دنیاوی آرام و آسائش کا عین مدعا سمجھے ہوئے ہیں۔ اور اپنی اسی مشغولیت اور محویت کو وہ اپنے ابدی عیش و عشرت اور دائمی آرام و راحت یقین کرتے ہیں۔

ان خاص کیفیتوں میں نہ اُن کو اسکا خیال کہ چند دقیقہ پیشتر ہماری کیا حالت تھی اور ہمارے بہی خواہوں اور آرام رسانوں نے اپنے اشفاق۔ اخلاق۔ ارمان اور تمنا کے ہاتھوں ہماری راحت و آرام کے لیے کیا کیا سامان فراہم کیے تھے۔ اور نہ اسکی پرواہ کہ ہماری یہ بے نفسی۔ ترک تعلق۔ ایک دوسرے سے جُدائی اور مفارقت۔ خلاف وقت۔ خلاف مصلحت اور خلاف عادت سمجھی جائیگی۔ اور اربابِ زمانہ اور ہر خویش و بیگانہ کی دلشکنی اور عام شکایت کا باعث ہوگی۔

حقیقت تو یوں ہے کہ جن خاصانِ خدا نے اپنے وجود و خلقت کے روز سے آج تک دنیاوی تعلق کی طرف کبھی نگاہ ہی نہیں کی۔ جنھوں نے آرام و راحت کا کبھی سوتے جاگتے خیال ہی نہیں کیا۔ جنھوں نے لذّاتِ دنیا کا آج تک مزہ ہی نہ چکھا۔ جنھوں نے آج تک عیش و عشرت کا نام ہی نہیں سُنا۔ جنھوں نے سوائے خدا کے کسی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جنھوں نے سوائے اپنے پروردگار کے کسی سے تعلق ہی نہیں رکھا۔ جنھوں نے سوائے ذکرِ الٰہی کے دنیا کی اور کسی شے یا کسی نعمت سے لذّت ہی نہیں اُٹھائی۔ جنھوں نے سوائے اپنے ربّ برحق کی اطاعت اور خدمت کے کسی اور کام میں فرحتِ دلی اور مسرّتِ قلبی ہی نہیں اُٹھائی۔ وہ دنیا کے عام نفس پرستوں اور عیش مستوں کی طرح کبھی دھوکے سے ان فانی امور کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں؟ لا واللہ

یہ وہی نفوس عالیہ ہیں جن کی ظاہری ترکیب تو انسانی ہے مگر باطنی ترتیب بالکل نورانی۔ چشمِ ظاہر سے اُن کی زیارت کرنے والے انکو اپنی ظاہر بینی کے اصول پر تو انسانی پیکر سمجھتے ہیں۔ مگر معرفت اور حقیقت کے جلوہ سے بہرہ مند حضرات اپنے معارف و مکاشف کے کمالِ بینش سے اُن کے پاک اور مقدس مجسّمات کو روحانی عناصر کے جوہروں سے پُر اور مملو پاتے ہیں۔ اور یہی خاص اور غیر خاص عارف اور غیر عارف اشخاص کے فرق مابہ الامتیاز ہیں اور اسی کی شناخت صداقت اور کمال معرفت ثابت کرنے کے لیے جیسا کہ ہم

لہ (ترجمہ) ان گھروں میں کہ اللہ تعالٰے نے انکو بلند کیے جانے اور انمیں اپنے نام کے ذکر کیے جانیکا حکم کیا ہے صبح و شام اُس میں خدا کی تسبیح کرتے ہیں ۱۲

اور بتلا آئے ہیں۔ اس مبارک تزویج اور مہذب تقریب کے سامان کیا خدا نے اور اُسکے رسولؐ نے اس اہتمام سے کام لیا تھا۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے اپنی عروسی اور بیاہے جانے اور پھر اپنے گھر سے موجودہ گھر میں رخصت ہو آنے اور لائے جانے کی خاص حالتوں کو انسان کے مرنے اور اُسکو نئے گھر یعنی قبر میں لائے جانے سے ایسی تشبیہ کامل دی ہے کہ اگر دونوں حالتوں کے سامان اور اُنکے انتظاموں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو دونوں مساوی اور مماثل صورتوں میں کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔

ایک لڑکی کے رخصت کیے جانے کے وقت اُسکے تمام اعزہ اور اقارب کا جمع ہونا اور ایک ایک کر کے اُسکے تمام کُنبہ والوں کا اُس سے رخصت ہونا تمام متعلقین اور متوسلین کا گریہ و زاری کرنا۔ گھر سے باہر تک کہرام مچ جانا۔ اُسکے محافہ کے ساتھ تمام اعزہ اور اقارب کا کمال اندوہ و افسوس کے ساتھ چند قدم تک مشایعت کی غرض سے جانا۔ نو عروس لڑکی کے دل میں ماں باپ کے گھر سے کیا تمام کُنبہ سے ہمیشہ کے لیے جدا کیے جانیکا فطرتی خیال پیدا ہو جانا۔ پھر اُس سراپا ملول اور محزون نو عروس کا ایک ایسے اجنبی گھر اور گھر والوں میں ایکبارگی آنا جس کا اور جنکا عمر بھر میں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا پھر اپنی تمام عمر انہی لوگوں کے ساتھ بسر کرنا۔ اپنے تمام آبائی اور خاندانی مراسم اور دستور ترک کر کے اُنہی کی تہذیب۔ اخلاق اور معاشرت کو اختیار کرنا اور انہی پر ہمیشہ کے لیے کاربند ہونا۔ یہ تمام ایسے یقینی اور حقیقی واقعات ہیں جو روزانہ ہر شخص کے مشاہدات میں آیا کرتے ہیں۔ اور جبتک دنیا قائم ہے یہ حسرتناک منظر ہمیشہ دیکھے جایا کرینگے۔

ان تمام واقعات کو پیش نظر رکھکر اور دونوں کی مساوی حالتوں کو مقابلہ کرنے سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب سیدہؑ نے اپنی پاک نفسی۔ عاقبت بینی اور خوف الٰہی کے غیر متحمل تقاضوں کو دنیا کے ایک مسرت انگیز عالم کو دوسرے افسوسناک اور پُرحسرت واقعہ سے مشابہ بتلایا ہے جو کامل طور سے آپ کے قلب مبارک کے اُن تمام جذبات اور حالات کا پورا پتہ دیتا ہے جو اُس وقت آپکے نورانی دل پر محسوس ہو رہے تھے۔

معصومہ مقدسہ کی یہ مثال اور سیدہ طاہرہ کا یہ خیال پورے طور سے بتلا رہا ہے کہ جس طرح دنیا میں شادی بیاہ کا اثر زن و شوہر کے دل پر ہوا کرتا ہے اُس سے ان حضرات کو کوئی تعلق اور سروکار ہی نہیں۔ بلکہ اکثر وہم پرستانِ زمانہ کے نزدیک خلاف دستور کے اصول پر تو یہ مثال اور خیال دونوں فالِ بد اور شگون بد سمجھے جائینگے۔ مگر حقیقت اور معرفت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو آپ کی یہ تمثیل اور آپکی یہ تشبیہ کچھ نو عروسانِ ماتم ہی کے لیے نہیں بلکہ زمانہ کے عام عیش مست اور تمام راحت پرست مرد عورتوں کی عبرت اور تنبیہ کا کامل سبق ہے۔ صدیقہ کبرےٰ اور مخدرہ عُظمےٰ نے اس کی تعلیم کی خاص غرض سے باوجود جنس نسوان ہونے کے اپنی عملی تمثیل دکھلا کر اپنے تمام ہمجنسوں کو اس کا مشاہدہ کرا دیا کہ خدا کی معرفت رکھنے والی بیبیاں ہر حالت اور ہر عالم میں خدا کے خوف۔ عتاب اور عذاب سے ڈرنے والی اور خوف کھانے والی اشراف زادیاں خدا کی طاعت اور اطاعت کی راہوں میں اپنے تمام عیش و عشرت کو قربان کر دینے والی پاک اور پارسا خواتین با تمکین ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اور وہ دنیا سے اپنی بے تعلقی اور اپنی سچی خدا پرستی کے سامنے اپنی ان فانی اور عارضی عیش و آرام کی حالتوں کو یوں بے حقیقت اور ناقابل توجہ سمجھتی ہیں۔ کیا کوئی شخص دستور کے اصول اور روزانہ معمول کے طریقہ پر دنیا کی کسی نو عروس کی ایسی بے نفسی اور خدا پرستی کی مثال دنیا کے وسیع کارناموں میں پیش کر سکتا ہے؟ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سوائے برگزیدگانِ الٰہی کے معدودے چند بزرگواروں کے اور دوسرے لوگوں میں بھی عام طور پر اُنکے عیش و عشرت اور فرحت و مسرت کے ایسے خاص وقتوں میں بے نفسی۔ خدا ترسی اور ترک علائق کی ایسی بے نظیر مثال پائی جاتی ہے؟ لا واللہ۔

زمانہ کے اہل اللہ اور معرفت آگاہ حضرات جانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے یہ صفات مخصوصہ اُنہی نفوس برگزیدہ کے لیے محفوظ اور مخصوص کر دی گئی ہیں جن کے قلوب کا امتحان۔ جن کی نفوس کی آزمائش عالم آفرینش ہی کے وقت پروردگار عالم کر چکا ہو۔ اور اُن کے انہی بے مثال اور بے نظیر اوصاف کے اعتبار سے اُنکو اپنی قربت۔ اپنی پسندیدگی اور برگزیدگی کے اعلےٰ مدارج

ومقاصد پر فائز فرما چکا ہے وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو فضل عظیم۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں جناب سیدہؑ کی ایک اور خدا ترسی اور سخاوت کا واقعہ جو آپ کی عروسی کے چندروز پیشتر ظہور پذیر ہوا فریقین کی معتبر اسناد سے قلمبند کرتے ہیں۔

نزہۃ المجالس میں مرقوم ہے:۔

ذکر ابن الجوزی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صنع لفاطمۃ رضی اللہ عنہا قمیصا جدیدا للیلۃ عرسہا وزفافہا وکان لہا قمیص مرقوع واذا بسائل علی الباب یقول اطلب من بیت النبوۃ قمیصا خلقا فارادت ان یدفع الیہ قمیص المرقوع فتذکرت قولہ تعالیٰ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون فدفعت لہ الجدید فلما قرب الزفاف نزل جبرئیل وقال یا محمد ان اللہ تعالیٰ یقرءک السلام وامرنی ان اسلم علی فاطمۃ قد ارسل لہا ھدیۃ من ثیاب الجنۃ من السندس الاخضر فبلغہا السلام والبسہا۔

ابن جوزی سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہؑ کے لیے اُن کی شب عروسی کے واسطے ایک نیا پیراہن بنوا دیا تھا۔ اُن کے پاس ایک پُرانا پیراہن بھی تھا۔ ناگاہ ایک سائل نے دروازے پر آکر کہا کہ میں خانۂ نبوت سے ایک پُرانے پیراہن کا سوال کرتا ہوں۔ یہ سُنکر جناب سیدہؑ نے ارادہ کیا کہ اپنا پُرانا پیراہن سائل کو دیدیں مگر فوراً ہی آپ کو حق سبحانہ وتعالےٰ کا یہ قول کہ "ہر گز تم نیکی تک نہ پہنچوگے جب تک کہ تم اُن اشیاء کو جو تمہیں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہیں اُس کی راہ میں نہ صرف کروگے۔" یہ سوچکر آپ نے سائل کو اُسی وقت اپنا نیا کرتا اُتار کر عنایت فرما دیا۔ جب آپکی رخصتی کے دن قریب آئے تو حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) پروردگارِ عالم آپ کو سلام کہتا ہے اور اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ سے اُس کا سلام کہوں اور خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اُنکے لیے تحفۂ سلام کے ساتھ ایک اور ہدیہ بھی ہمراہ بھیجا ہے اور وہ بہشت بریں کے حُلّوں میں سے ایک حُلّہ سُندس سبز کا ہے۔ پس آپ فاطمہؑ کو خدا کا سلام پہنچا دیجیے اور یہ حُلّہ (جوڑا) اُنکو پہنچا دیجیے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

مرقومۂ بالا واقعات سے جناب معصومہؑ کی بے نفسی۔ خدا ترسی۔ دنیاوی عیش وعشرت۔ آرام وراحت اور شادی بیاہ کی فرحت ومسرت سے آپ کی قطعی بے تعلقی ثابت ہو چکی ہے۔ یہ واقعہ ان تمام حالات کی تصدیق اور تائید کامل کرتا ہوا یہ بتلاتا ہے کہ جنابِ سیدہؑ کے قلب مبارک پر تقربِ خدا کے مقابلہ میں اپنی تقریب تزویج کی مسرت کا کوئی اثر نہیں پہنچا تھا اور نہ آپ ان سامانوں سے کوئی خاص دلچسپی فرماتی تھیں۔ اور نہ آپ خدا کی راہ میں علاوہ اس سے کہ کوئی شے کیسی ہی بیش قیمت کیوں نہ ہو۔ کوئی چیز سمجھتی تھیں۔

دنیا کی مستورات کو عموماً اپنے ملبوس اور زیورات اور دیگر سامان آرائش وغیرہ سے جس قدر دلچسپی اور محبت ہوتی ہے وہ ایک ایسا مسلّمہ امر ہے جس سے انکار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً اُن کی عروسی کے وہ کپڑے اور وہ سامان جو اُنکے والدین نے اُن کو جہیز میں دیے ہوں اُنکے لیے گویا جان سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ مگر یہ واقعہ صاف صاف اس مسلّمہ اور قاعدہ کے خلاف بتلا رہا ہے کہ جنابِ سیدۂ طاہرہ باوجود اس کے کہ جانتی تھیں اور خوب جانتی تھیں کہ اُنکے پدرِ عالیمقدار نے اُن کا یہ پیراہن اُن کی عروسی کی موقعہ کے لیے خاص طور پر تیار کرایا ہے اور یہ اُسی وقتِ خاص کے لیے مخصوص ہے۔ اس وجہ سے عام طور پر یہ ملبوسِ فاخرہ آپکو کس قدر عزیز اور رفیع ہونا چاہیے۔ مگر حتیٰ تنفقوا مما تحبون کی تاکید نے چشم زدن میں اُسکی تمام وقعت اور محبت کو آپ کے قلب منوّر سے بالکل محو اور زائل کر دیا اور ایسا کہ آپنے اُس بوسیدہ اور کہنہ پیراہن کو اُس نئے اور نفیس ملبوس پر ترجیح دیکر وہ تو اپنے لیے رکھ لیا اور یہ سائل کو اُسی وقت خلعت کر دیا۔

اگر ان دونوں واقعات کو جو شبِ عروسی اور اُس سے چندروز پیشتر ظہور پذیر ہوئے اور جن کو ہم نے فریقین کی اسناد سے ملا کر لکھا ہے۔ ایک جگہ جمع کرکے دیکھا جائے اور اُن پر غور سے کام لیا جائے

تو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا کہ جنابِ سیدہؑ نے اپنی مبارک تزویج کے مسرت خیز اور فرحت انگیز موقع پر بھی۔ اُنکے خاص اثر او جذبات سے ظاہری اور باطنی دونوں طریقوں میں صرف رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ خدا کے حصول کی غرض کے لیے قطعی طور پر اپنی بے تعلقی اور غیر سروکاری ثابت فرمادی۔ اور خلافِ معمول۔ خلافِ عادت اور خلافِ دستور بتلادیا اور ثابت فرمادیا کہ برگزیدگانِ دربارِ ایزدی اور پسندیدگان سرکار خداوندی کو ان عارضی اور جلد مٹ جانے والی دنیاوی کیفیت اور حیثیت سے کوئی واسطہ اور دلچسپی نہیں ہوتی۔

اس مضمون کی تشریح کو یہاں تک پہنچا کر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ ہم جنابِ سیدہؑ کی تعلیم و تربیت کے متعلق اپنے سابق مضامین میں لکھ آئے ہیں کہ جنابِ معصومہؑ کی تمام خدمتیں آپکے بیاہ ہو جانیکے وقت تک حضرت امّ المومنین ام سلمہ کے متعلق رہیں۔ اپنے اس وعدے کے مطابق جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں اپنے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ آپکے مرقومۂ بالا حالات و واقعات تزویج کو پڑھکر خود دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ آپکی مزاوجت کی ابتدائی تحریک سے لیکر آپ کے رخصت فرمائے جانے کے آخر وقت تک سوائے اُن علیا مکرمہ اور مخدرۂ عظمٰے کے۔ ازواجِ مطہرات کے دائرہ میں کسی اور خاتونِ معظمہ کا بھی خاص طور پر کوئی ذکر پایا جاتا ہے۔

اس تقریب کے متعلق جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص بیت الشرف میں جو مراسم بجالائے گئے وہ جناب ام سلمہ ہی کا خاص حُجرہ تھا۔ جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام نے خدمتِ رسولؐ میں خواستگاری فاطمہؑ کی جو استدعا پیش کی تھی وہ ام سلمہ ہی کے ذریعہ اور وساطت سے۔ اور جس جگہ اور جس مکان میں اس نسبت کی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی وہ ام سلمہ ہی کا حجرہ تھا۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سامانِ جہیزِ فاطمہؑ جہاں اور جسکی تحویل میں رکھوایا تھا۔ وہ ام سلمہ ہی تھیں اور انہی کی عصمت سرا۔ اسی طرح عروسی کی تمام خدمات کو باحسن وجوہ انجام دیکر رخصتی کی درخواست بھی علیؑ کی طرف سے لیکر آنحضرت کی خدمت میں ام سلمہ ہی گئی تھیں اور اس وقت

آپ نے اپنے تنہا جانے کو قرینِ مصلحت نہیں سمجھا تھا۔ اس لیے تمام ازواجِ مطہرات سے پہلے اس امر پر مشورہ لیکر اپنے ہمراہ لے لیا تھا اور جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کے اس معروضہ کو جناب ختمی مرتبت کی خدمت تک پہنچایا تھا جیسا کہ ہم مرقومۂ بالا واقعاتِ تزویج میں کامل تشریح کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ ان تمام واقعات کو غور سے پڑھکر ہر شخص نہایت آسانی اور سہولیت سے ہمارے سابق بیان کردہ دعووں کی تصدیق کر لیگا۔

ہم کو اپنے اسی سلسلۂ بیان میں اسماء بنت عمیس اور معصومۂ طاہرہ کے ساتھ اُن کی خاص خصوصیت اور تعلق کی وجہ بھی لکھدینا ضروری ہے۔

ملّا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ اور امام ابو نصر ہمدانی کی اسناد سے ہم جنابِ سیدہؑ کی شبِ عروسی کے متعلق اسماء بنتِ عمیس کی خدمتوں کا حال اوپر لکھ آئے ہیں۔ مگر رسالۂ خاتونِ جنت کے ہمعصر مؤلف نے ناسخ التواریخ کے حوالہ سے ان خدمتوں کے متعلق سلمٰے زوجۂ ابو رافع کا (جو جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے زمانۂ خلافت ظاہری میں بیت المال اسلامی کے خازن تھے) نام لکھا ہے۔

حقیقت یوں ہے کہ ان دونوں خواتین کو جنابِ سیدہؑ کے ساتھ خصوصاً اور تمام خاندانِ اہلبیت کے ساتھ عموماً جو شرفِ خدمت حاصل تھا وہ تمام کتابوں میں درج ہے۔ اس لیے میری کسی مزید تفصیل و تشریح کا محتاج نہیں۔ اسماء بنتِ عمیس اُس وقت تک جنابِ جعفرِ طیار کی زوجہ تھیں۔ اور آیندہ حضرات حسنین علیہما السلام کی ولادت کے مبارک اوقات میں قابلہ کی خدمت بجالانے کا خاص شرف حاصل فرما چکی تھیں۔ اسی سے اُنکی خدمت خصوصیت اور حسنِ عقیدت ظاہر ہے۔ اب رہیں سلمٰے۔ ابو رافع کی بی بی۔ اور ابو رافع کو خاندانِ رسالت سے پرورش پائے جانیکا خاص شرف حاصل تھا۔ ان خصوصیات اور تعلقات کی بنا پر ان دونوں خواتین کے متعلق آپکی خدمتگزاریوں کا واقعہ بالکل صحیح اور برواقع سمجھا جائیگا مگر تحقیق کرنے کے بعد اس واقعہ کے متعلق سلمٰے کی حاضری اور خدمت زیادہ صحیح اور قابلِ ترجیح ہے کیونکہ

تمام تاریخوں سے فتح خیبر تک جو ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اسماء کا اپنے شوہر حضرت جعفر طیار کے ساتھ حبشہ میں رہنا ثابت ہے۔ تو پھر ۲ھ ہجری میں ان کا مدینہ میں تشریف رکھنا کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

صاحب ناسخ التواریخ نے سلمیٰ کی خدمات کی نسبت اتنا اضافہ اور فرمایا ہے جس کو ہم ذیل کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

سلمیٰ ام رافع جو ساتھ آئی تھیں اُن سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پوچھا کہ اب تم یہاں کیوں ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ یارسول اللہ! جس وقت ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی حالت خراب ہوئی اور اُن کو بچنے کی امید نہ رہی تھی میں اُنکے پاس بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ مجھے تعجب ہوا۔ اور میں نے دریافت کیا کہ یا ام المؤمنین! یہ آپکے رونے کا کونسا موقع ہے۔ آپ پیغمبر آخر الزمان کی بی بی ہیں۔ اور وہ بی بی کہ آپکے احسانات کا خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اعتراف فرمایا ہے۔ پھر آپ کیوں دل برداشتہ ہیں۔ اور کیوں آبدیدہ ہیں۔ فرمایا۔ اے سلمہ! دُلہنوں کو شوہر کے ہاں جاکر ابتدا میں عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر ضرورت کے پورا کرنے میں اُنکی مدد کرے۔ فاطمہؑ بچہ ہے۔ شاید اُسکو شائستہ اور عقلمند عورت اُس وقت کے لیے میسر نہو۔ یہ سُنکر میں نے عرض کی۔ اے ام المؤمنین! اگر میں اُس وقت تک زندہ رہگئی تو اس خدمت کے بجالانے کا وعدہ کرتی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ وعدہ جو میں نے فاطمہؑ کی ماں سے کیا تھا آج پورا ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ سُنکر سلمیٰ کے حق میں دعا کی۔ سیرۃ فاطمہ ص ۵-۴-۱۰۔

مرقومۂ بالا واقعہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو جناب سیدہؑ اور اُنکی مادر گرامی قدر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ سلمیٰ کی محبت اور حسن عقیدت۔ دوسرے حضرت خدیجہ کی اپنی کمسن صاحبزادی سے جنہیں وہ عنقریب اس دنیائے ناپائدار میں یتیم چھوڑ جانیوالی ہیں قلبی محبت۔ روحی الفت۔ اُن کے بیاہے جانے کی بے انتہا تمنا اور بیحد حسرت اور آخر وقت تک صاحبزادی کی محبت اور آرام و راحت کے ان خیالات اور جذبات نے اُس وقت کی خاص مجبوری کی حالتوں میں آپکی بیقراری۔ گریہ و زاری اور بار بار دیدۂ حسرت سے اشکباری ثابت کررہی ہے کہ اُس خاتون معظمہ اور مخدرۂ مقدسہ کے قلب نورانی میں خدا کی یاد کے بعد سوائے اپنی پیاری صاحبزادی جناب سیدہؑ کے اور کسی کی یاد باقی نہیں تھی اُن کی حسرت بھری آنکھوں میں اس وقت فاطمہؑ کی پیاری تصویر کے سوا اور کسی کی صورت نہیں گھوم رہی تھی۔ مجبوری کی یہ حالت تھی اور مرنیوالی کی یہ حسرت۔ اس خاص کیفیت میں سلمیٰ کا یہ وعدہ اور اقرار کہ وہ آپ کے بعد آپکی اس حسرت اور خدمت کو ضرور پورا کرینگی آپ کے لیے کس قدر اطمینان دہ اور تسکین بخش ثابت ہوا ہوگا۔ جس کے سمجھنے کے لیے اسی قدر کافی ہوگا کہ سلمیٰ کی زبانی اس پُرحسرت واقعہ کو سُنکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بیساختہ اُنکے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اسی طرح اُن کے تسلیمی جواب اور اقرار کو جناب خدیجہ نے بھی۔ اگرچہ اُس وقت آپکی زبان مطہر گویائی سے قاصر رہی ہوگی مگر اپنے دل ہی دل میں انکے لیے دعائے خیر فرمائی ہوگی۔

بہرحال۔ ہم اس مضمون کو پوری تفصیل اور ضروری تشریح کے ساتھ تمام و کمال بیان کرکے اپنی کتاب کے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں اور اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی حیات ستودہ آیات کے تمام حالات و واقعات جناب سرورِ کائنات علیہ وآلہ التحیات والصلوات کے روز وفات تک مسلسل اور ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

اپنے التزام سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے ہیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ تقریب تزویج جناب سیدہؑ غزوۂ بدر کے بعد ۲ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ اسلیے ہم غزوۂ بدر کے بعد سے آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات تک میں جتنے واقعات کو حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے حالات سے تعلق ہے بیان کرینگے۔

مرقومۂ بالا واقعات میں آپکی عروسی کے تمام و کمال احوال معلوم ہوچکے ہیں۔ انکو دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ان مقدس بزرگواروں کے خاص اوصاف و عادات ایسے پاک و پاکیزہ ثابت ہوتے ہیں تب انکی معاشرت اور باہمی تعلقات

کیسے خوشنما، شائستہ اور خوشگوار گزرے ہونگے۔ حقیقت یوں ہے کہ جن کے اخلاق ایسے آراستہ۔ جن کے عادات و اوصاف ایسے پاک و صاف ہوں جو دنیا میں دوسروں کی تعلیم کے لیے کافی ہوں۔ جن کے اطوار، معاشرت۔ محاسن سلوک اور تہذیب ایسی شائستہ ہو جو خاص و عام تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نمونہ سمجھی جاتی ہو۔ جن قدسی نفسوں کے تمام محامد و اوصاف کی تعلیم قدرت کی طرف سے خاص طور پر کی گئی ہو۔ پھر اُن کی معاشرت کے پاک و صاف دامن پر سوء اتفاقی کا دھبہ کیسے آسکتا ہے۔ یا ان میں سے ایک کو دوسرے کا شاکی کیسے کہا جاسکتا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام سے جناب سیدہ کی وفات کے بعد آپ حضرات کے باہمانہ طرز معاشرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جن الفاظ میں جناب سیدہ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت بیان فرمائے ہیں وہ فریقین کی معتبر اسناد سے ذیل میں ناظرین کتاب ملاحظہ فرمالیں اور اُنکو میرے مرقومہ بالا دعوے کے ثبوت میں کافی سمجھیں۔ وہو ہذا۔

کتاب سبعیات میں امام ابو نصر ہمدانی لکھتے ہیں:-

قال علی کرم اللہ وجہہ فواللہ ما اغضبتہا ولا اکرہتہا بعد ذالک علی امر حتی قبضہا اللہ تعالیٰ الیہ ولا اغضبتنی ولا اعصیت لی امرا ولقد کانت تکشف عنی الھموم والاحزان کلما نظرت الیہا رحمۃ اللہ علیہا۔

جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے (استفسار کے جواب میں) ارشاد فرمایا کہ واللہ (فاطمہ کو) میں نے کسی بات میں آزردہ نہیں کیا اور نہ اُن سے کبھی کسی ایسی بات کے لیے کہا جسے وہ پسند نہ فرماتی ہوں یہاں تک کہ خدائے تبارک و تعالےٰ نے اُن کو اپنے پاس بلالیا۔ اور اُنہوں نے بھی کبھی مجھ کو آزردہ نہیں کیا اور نہ کبھی میرے حکم کے خلاف کیا۔ اور ہر آئینہ وہ ایسی تھیں کہ جب میں اُنکو دیکھتا تھا تو میرے تمام رنج و غم دور ہوجاتے تھے۔ خدائے یگانہ و تعالےٰ اُن پر رحمت فرمائے۔

یہ تو جناب امیر علیہ السلام کی زبانی جناب سیدہ کے محاسن سلوک اور حسن معاشرت معلوم ہوئے۔ اب اُس صدیقہ کبرےٰ کی زبانی جناب امیر علیہ السلام کے محامد و اوصاف جن الفاظ میں ادا ہوئے ہیں اُن کے معلوم کرنے کے لیے ہم اُنہی مختصر کلمات کو بار دیگر لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں جن کو ہم اس کتاب میں سبعیات، امام ہمدانی کی اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

جناب امیر علیہ السلام کے استفسار کے جواب میں جناب سیدہ نے ارشاد فرمایا یابن العم کیف لا ارضی وانت الرضا وفوق الرضا۔ اے میرے چچا کے بیٹے! میں کیونکر تم سے راضی نہ ہوں اس لیے کہ تم تو بالکل میری مرضی کے موافق ہو بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہو۔

جناب سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا نے اپنی رضامندی اور جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے اظہار محامد و اوصاف میں یہ دو فقرے ایسے جامع اور معنی خیز ارشاد فرمائے ہیں جو پورے طور سے میرے مدعائے بیان کو ثابت کرتے ہیں۔

اُحد میں رفاقت نبوی کی خدمات

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ۳ھ ہجری میں غزوۂ بدر کے بعد جنگ اُحد واقع ہوئی۔ اس قیامت خیز لڑائی میں فوج اسلامی کے چند افسروں نے حصول غنیمت کے لالچ میں پڑ کر اور اپنے پہرہ کے مقام کو غیر محفوظ چھوڑ کر اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام پر مصیبت عظیم بلوائی اور جنود اسلام کو قریب فتح پہنچا کر جیسی شکست دلوائی وہ اسلام کی تمام چھوٹی بڑی تاریخ و سیر کی کتابوں میں درج ہے۔ اُن کو دہرانا میرا مقصود نہیں ہے۔ ہم کو تو اس ناگوار واقعہ کی نسبت صرف اُن حالات کا لکھنا ضروری ہے جو جناب سیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس مصیبت انگیز واقعہ میں باتفاق جمہور مذکور ہے کہ جناب ختمی مرتبت علیہ السلام والتحیہ نے بھی بنفس نفیس ضرب سنگ کی وجہ سے سخت جراحت اُٹھائی تھی۔ جس کے صدمہ سے سامنے کے ۲ دو دندان مبارک ٹوٹ گئے تھے۔ اور روئے مبارک پر بھی سخت چوٹ آئی تھی۔ آپ زمین پر گر کر بیہوش ہوگئے تھے۔

ہم کو اسکے لکھنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ اس خبر وحشت اثر کو سنکر جناب سیدہ کے دل پر کیسا اثر ہوا ہوگا۔ اور آپ اُس وقت اپنے پدر بزرگوار کے سخت مجروح ہوجانیکا حال پُر ملال

ہونگی کیسی مضطر اور بیقرار ہوگئی ہونگی۔ کیونکہ جناب رسالت مآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دل میں جناب سیدہؑ کی جتنی اور جیسی
روحی الفت و محبت تھی وہ میرے بیان کی کیا کسی کے بیان کی محتاج
نہیں۔ اور ایسے ہی جناب سیدہؑ کے دل میں اپنے پدرِ عالیمقدار کی
عظمت۔ محبت اور اخلاص تھا۔ وہ ایسا مسلّم امر ہے جس کے ثبوت
کی ضرورت نہیں۔ سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے جیساکہ بخاری باب
المغازی۔ کامل واقدی اور مدارج النبوہ محدث دہلوی کی اسناد
سے مرقوم ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے
شہید ہوجانے کی غلط افواہ میدانِ جنگ سے مدینہ میں پہنچی۔ وہ
منافقین جو راہ سے کٹ کر چلے گئے تھے۔ زیادہ تر اسکی شہرت
کے باعث ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر جناب سیدہؑ کو معلوم ہوئی۔ سُنتا
تھا کہ آپ بیتاب ہوکر اور دو چار پردگیان عصمت سرا کو ہمراہ لیکر
کوہِ اُحد کی طرف تشریف لے چلیں۔ اتفاق سے رزمگاہ میں
اُس وقت پہنچیں جب جناب علی مرتضٰے علیہ السّلام جنابِ رسالتمآب
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو غار سے نکالکر ایک صاف اور ستھری
جگہ پر بٹھلا چکے تھے۔ جنابِ علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثناء نے حضرت
فاطمۃ الزہرا کو ملول و محزون دیکھکر بہت کچھ تسکین دی۔ وہ بھی
اپنے مظلوم پدرِ بزرگوار کو زندہ پاکر فی الجملہ مطمئن ہوگئیں زخموں
کی شدت نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بہت مضمحل
کردیا تھا اور ابھی تک آپ کے زخموں سے ویسا ہی خون جاری
تھا۔ علی مرتضٰے جناب سیدہؑ کو جنابِ رسول خدا کے پاس چھوڑکر
فوراً ایک چشمہ سے جو قریب بہہ رہا تھا۔ اپنی ڈھال میں پانی لائے
علی مرتضٰے علیہ السّلام تو زخموں پر پانی ڈالتے جاتے تھے اور
حضرت فاطمہؑ اُن کو دھوتی جاتی تھیں۔ مگر زخم ایسا کاری تھا
کہ بار بار دھوئے جانے پر خون کی روانی بند نہیں ہوتی تھی۔
آخرکار جناب سیدہؑ نے ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر
لگایا۔ اُسکے لگانے سے خون بند ہوگیا۔

حافظ جمال الدین محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کو
اس عبارت میں لکھتے ہیں:۔

چوں آوازۂ قتلِ آنحضرت بمدینہ رفتہ بود جماعت زنانِ اہلبیت
دیگر اندیشاں چہاردہ تن اتفاق کردند واز مدینہ بیروں آمدند می دویدند
تا جنگگاہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسیدہ بآنحضرتؐ و پدرِ خویش را
بآں حال دید درگریہ شد وآں سرور را در بغل گرفت۔ سیّدِ عالم
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بسیار رقت نمود و حضرت فاطمہ خون از
سر و روئے مبارک پاک می کرد و علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ بہ سپرِ
خویش آب می آورد۔ حضرت فاطمہؑ خون را از روئے آنحضرت
می شُست و ہر چند جہد کرد کہ خون از جراحتِ آں سرور بایستد۔
نمی استاد۔ و قطعۂ از حصیر پیدا ساخت و بسوخت و بخاکسترِ آں
جراحت وے را مندمل ساخت۔ روضۃ الاحباب ص ۲۷۰۔

مرقومۂ بالا واقعہ کو پیش کرکے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو یاد دلاتے
ہیں کہ ہم اس کتاب کے اوائل مضامین میں جنابِ سیدہ سلام اللہ
علیہا کے وہ حسنِ خدمات معتبر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ جو آپنے
اپنی کم سنی اور بچپن کے زمانہ میں اپنے پدر عالی مقدار کی خدمت۔
نصرت اور اعانت میں اُس وقت انجام دیے ہیں جس وقت کہ مشرکین
قریش اور کافرین مکہ آپ کو شبانہ روز ہر قسم کے آزار دیا کرتے تھے۔
اور ہر طرح کی تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے
کہ جب کم سنی اور بچپن کے زمانہ میں آپ کے قلبِ منوّر پر اپنے
پدرِ بزرگوار کی تکلیف و ایذا کا اتنا کامل اثر ہوا کرتا تھا اور آپ
اپنی اُس مجبوری کے عالم میں اس ہمت۔ محبت اور الفت کے
خاص تقاضوں سے اپنے پدرِ عالی مقدار کی رفاقت اور اعانت
کی خدمات انجام دیا کرتی تھیں تو اس موقع پر اور اس حالت میں
کہ آپ کے پدر عالی مقدار کو کافروں کی سابق تکلیف دہی اور
ایذا رسانی سے کہیں زیادہ اور سخت صدمہ پہنچا تھا۔ اور گویا اُن
کے زعم میں جیسا وہ مشہور کرچکے تھے۔ آپ کی مبارک جان کا
خاتمہ ہی ہوچکا تھا۔ آپ کے قلبی اضطرار اور دلی اضطراب کا کیا
حال ہوا ہوگا۔ یہ اُسی روحانی صدمہ اور قلبی تکلیف کے اثر تھے
جس کی وجہ سے آپ بیت الشرف سے بے چین ہوکر افتاں و خیزاں
اور مضطرب و پریشاں میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ اور اپنے پدرِ
بزرگوار کو مجروح و خون آلود پاکر بیقرار ہوگئیں۔ بے اختیار ہوکر جناب
رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے لپٹ گئیں اور اپنی چادر سے
آپکے زخموں کی گرد و غبار صاف کرنے لگیں۔ جنابِ رسولِ خدا بھی
اپنے پارۂ جگر کی یہ قلبی اور روحی الفتوں کے جذبات دیکھکر بے اختیار

رونے لگے۔

حقیقت میں یہ وہ قیامت خیز وقت تھا اور مصیبت انگیز موقعہ کہ ہر شخص کو بلالحاظ و امتیاز اپنی اپنی پڑی تھی۔ احد کی رزمگاہ گویا قیامت کی امتحان گاہ تھی۔ مسلمانوں کے لیے وہ بڑا وقت آلگا تھا کہ کسی کو اپنی جان بچنے کی امید باقی نہیں تھی۔ اور اسی لیے جو شخص تھا وہ اپنی جان لیے بھاگا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں آنحضرتؐ کی تنہائی، بیکسی اور مایوسی بیان کے قابل نہیں۔ زخموں سے مجبور اور ایسے مجبور ہو رہے تھے کہ کسی کو پکارنا اور پاس بلانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ایسے وقت میں جناب امیر اور جناب سیدہ علیہا السلام کا خدمتِ مبارک میں پہنچ جانا اور آپ کی آرام رسانیوں کے تمام سامان فراہم فرمانا کس قدر آپ کی خوشنودی خاطر اور تسکین و تجمیع کا باعث ہوا ہوگا۔

فی الواقع یہ بھی تائیدِ الٰہی کی ترکیب تھی اور قدرت خداوندی کی تدبیر۔ یہ موقع۔ یہ عالم اور یہ وقت ہی ایسا تھا جس میں سوائے روحی اور قلبی تعلقات رکھنے والے حضرات کے دوسرے عام لوگوں سے ایسی دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ ان خدمات کے بجالانے کی کوئی امید نہیں کیجاتی تھی۔ ایسے رستخیز اور قیامت انگیز موقع میں جو نفوس کہ ترکیب خلقت اور ترتیب اخلاق و سیرت کے اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اور یکساں تھے ہوں وہی حضرات ایسی جاں نثاری، ایثارِ نفسی، رفاقت اور کامل ہمدردی کا اظہار کر سکتے ہیں اور دوسرے کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ ان زخموں کا جتنا صدمہ، تکلیف اور جتنا درد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسوس ہوتا تھا اُتنا ہی درد اور آزار اپنے اُسی تعلق اور تقرب اور توحد فی الذات کے لحاظ سے ان حضرات کے قلب و روح پر محسوس ہوتا تھا کیونکہ یہ وہی علی مرتضےٰ تو تھے اور وہی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہما جن کے لیے باتفاق فریقین جناب ختمی مآبؐ ارشاد فرماچکے تھے یا علی لحمک لحمی ودمک دمی ونفسک نفسی اور الفاطمۃ بضعۃ منی وھی قلبی وھی روحی التی بین جنبی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ تعالیٰ۔ (نور الابصار امام شبلنجی مصری ہاسے علیؑ!

تمہارا گوشت عین میرا گوشت ہے۔ تمہارا خون میرا خون ہے اور تمہارا النفس میرا النفس ہے۔ اور فاطمہ میری بضاعت ہے۔ وہی میرا قلب ہے۔ وہی میری روح ہے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ جس نے اسے ایذا دی اُسنے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اُسنے گویا خدا کو ایذا دی۔

بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں جب یہ دونوں مقدس بزرگوار جناب رسالت مآبؐ کی ان خدمات کو من احسن الوجوہ انجام فرماچکے تو جناب حیدر کرارؑ نے اپنی تیغ آبدار ذوالفقار کو جس سے آپ نے تن تنہا مشرکین و کفار کو عموماً اور ایک ایک بنی عبد الدار کو خصوصاً جو فوج کفار کے علمدار بن بنکر یکے بعد دیگرے آتے گئے۔ مار گرایا تھا جناب سیدہؑ کے حوالے فرمایا اور ارشاد کیا کہ لو۔ اسے بھی دھو ڈالو۔ اور اُس وقت اپنے حسن خدمات اور جوشِ شجاعت اور نصرت شہنشاہِ رسالت کے جذبات کے اظہار میں یہ اشعار آبدار زبانِ حقیقت ترجمان سے ارشاد فرمائے۔

افاطمُ ھاکِ السیف غیر ذمیم ؛ فلست برعدید ولا بلئیم

اے فاطمہ! یہ شمشیر لیلو۔ یہ ناپاک نہیں ہے اور نہ میں بزدل اور نہ بدکار ہوں

افاطم قد ابلیت فی نصر احمد ؛ ومرضات رب العباد رحیم

اے فاطمہ! فی الحقیقت میں نے صرف رسول خدا کی نصرت اور خدائے رحیم کی خوشنودی کے لیے یہ جنگ کی ہے۔

ارید ثواب اللہ لا شئ غیرہ ؛ ورضوانہ فی جنۃ ونعیم

میں اسکا ثواب خدا سے چاہتا ہوں اور کوئی چیز اس کے سوا نہیں۔ اور میں اُس کی خوشنودی بہشت اور اُس کی نعمتوں میں چاہتا ہوں۔

وکنت امرأ اسمو اذا الحرب شمرت ؛ وقامت علی الساق بغیر حلیم

اور میں وہ مرد ہوں کہ جب لڑائی دامن اُٹھالیتی ہے اور استادہ ہو جاتی ہے تو میں بلند ہو جاتا ہوں اُس فعل سے جو قابلِ ملامت نہیں ہے۔

ھممت ابن الدار حتی ضربتہ ؛ بذی رونق یفری العظام صمیم

میں نے پسر عبد الدار کا ارادہ کیا یہاں تک کہ میں نے اُن کو قتل کیا اپنی اس شمشیر سے جو استخوان کو کاٹتی ہے اور گزر جاتی ہے۔

فغادرتہ بالقاع فارفض جمعہ ؛ عنادید من ذی قانط و کلیم
میں نے اُنکو ناپاک زمین پر چھوڑ دیا اور اُسکا مجمع پریشان ہوگیا اور ان میں بعض جراحت رسیدہ ہے۔

و سیفی بکفی کالشھاب اھزہ ؛ اجذبہ من عاتق و صمیم
میری شمشیر میرے پنجہ میں تھی مثل شعلۂ آتش کے کہ میں اس کو ہلا رہا تھا اور اس سے قطع کر رہا تھا استخوانوں کو جن پر جسم کا قیام تھا۔

فما زلت حتی فض ربی جموعھم ؛ و اشفیت منھم صدر کل حلیم
پس اسی طرح میں مصروف کارزار رہا یہاں تک کہ پروردگار نے گروہ کفار کو پراگندہ کردیا اور میری ہر مقام اور ہر امر میں مدد فرمائی۔

(نوائح یبذی علامہ حسین ص ۱۳-۲۱۲- دیوان جناب امیرؑ۔ استخاف اسلام ص ۶۸)

یہ تھے غزوۂ احد کے متعلق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے محاسنِ خدمات اور روحی اور قلبی تعلقات جو اُس معصومہ کو اپنے پدر بزرگوار جناب سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوات کے ساتھ وابستہ تھے جو ایسے قیامت خیز معرکۂ جنگ میں اُنکو بیخود ہوکر تشریف لیجانے سے کسی طرح روک نہ سکے اور نہ جان جانے کے خوف ہی اُن کو اس مہلک عالم میں چلے آنے سے باز رکھ سکے۔ اور یہ کیونکر ممکن تھا۔ وہ خلوص محبت اور تعلق ایسا ہی روحی اور قلبی تھا جو جانبین میں فطرت الٰہی کی طرف سے ودیعت فرمایا گیا تھا۔

جناب سیدہ کی جیسا کہ بتلایا جاتا ہے۔ اور بھی متعدد بہنیں تھیں مگر اُن میں سے ایک بھی تو اپنے پدر عالیمقدار کی یہ ایذا و تکلیف اُنکی تیمارداری تو درکنار۔ خالی مزاج پرسی تک کو بھی نہیں آئیں۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس مصیبت ناک واقعہ کا اُن صاحبزادیوں کے دلوں پر اثر ہی نہیں ہوا۔ یا غالباً جانبین میں وہ قربت اور خصوصیت ہی حقیقت میں نہیں تھی جو محض غلط فہمی اور خود غرضی کی بنا پر جانبین کی طرف منسوب کیجاتی ہے۔

مرقومۂ بالا واقعات کو لکھکر ابھی ہم کو واقعۂ احد کے متعلق ایک بات اور لکھنی باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جناب سیدہ کو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موجودہ حالتوں میں گونہ سکون و اطمینان آجانے سے کسی قدر جمعیتِ خاطر ہوگئی تھی کہ یکایک جناب حمزہ علیہ السلام کی شہادت کی وحشتناک خبر پاکر آپ کا غم آلود قلب پھر پاش پاش ہوگیا جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک دل پر بھی موجودہ مصائب و شدائد کی حالتوں میں جو غم و ملال مستولی ہوا وہ تمام کتابوں میں مندرج ہے۔ اُسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حضرت حمزہ علیہ السلام کی نعش مبارک کو اس مصیبت کی حالت میں دیکھکر جناب رسالت مآبؐ اور حضرت سیدۂ طاہرہؑ کی گریہ و زاری قابلِ بیان نہیں۔ اس کیفیت کو صاحب روضۃ الاحباب نے جن لفظوں میں دکھلایا ہے وہ ذیل میں درج کیجاتی ہیں:۔

زبیر آمد و از مقالۂ مادرِ خویش حضرت را واقف گردانید آں سرورؐ وے را دستوری داد۔ تا آمد و برادر را چوں بداں ہیئت دید استرجاع نمود و جبہت وے از حضرت حق تعالےٰ آمرزش طلبید و لکن از گریہ خود را نتوانست نگاہ داشت۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم از گریۂ او بگریہ در آمد و فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نیز می گریست۔ حضرت فرمود۔ اے عمِ من! لن اصاب بمثلک ابداً ہرگز مصیبت زدہ بمثل تو نخواہد شد و با صفیہؑ و فاطمہؑ زہرا ارشاد نمود کہ بشارت باد شمارا کہ جبرئیلؑ آمد و میگوید کہ حمزہ ابن عبد المطلب را در میان اہل ہفت سمٰوٰت اسد اللہ و اسد رسولہ نوشتند ص ۲۷۲۔

حضرت حمزہ علیہ السلام کے واقعۂ جانگزا کے متعلق جناب سیدہؑ کی یہ گریہ و زاری اور بیقراری عارضی اور اُسی عبرتناک وقت اور حسرتناک منظر تک محدود نہیں تھی۔ چونکہ یہ روحی تعلقات تھے اور قلبی جذبات۔ اس لیے معصومہؑ کی خاطرِ قدسی متاثر پر اس مصیبتناک واقعہ کا اثر ہمیشہ تازہ اور زندہ رہا۔ اور آپ اپنے عمِ بزرگوار کا اس شقاوت اور بیرحمی سے قتل کیا جانا اور شہید ہوجانے کے بعد بھی لاشِ مبارک کا ہندۂ جگرخوارہ کی خونخواریوں کے ہاتھوں بیحرمت ہوکر اذیت پانا یاد کرکے ہمیشہ محزون و ملول رہا کرتی تھیں۔ شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا برابر حضرت حمزہ علیہ السلام کی قبرِ شریف کی زیارت کو کوہِ احد پر تشریف لیجایا کرتی تھیں اور قبرِ مبارک کی مرمّت اپنے دستِ مبارک سے فرماتی تھیں اور علامتِ مزار قائم رہنے کی غرض سے آپنے ایک پتھر بھی وہاں رکھدیا تھا۔ اسنی المطالب مطبوعۂ کانپور ص ۱۹۹۔

مرقومۂ بالا واقعہ سے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے اُن روحی اور قلبی تعلقات کی پوری تحقیق ہوجاتی ہی جو آپ کو اپنے عمِ بزرگوار سے ساتھ خدا کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے تھے اور جن کو آپ نے اپنی تمام عمر فراموش نفرمایا اور اُنکے اظہار میں ہمیشہ اپنی خصوصیت اور تقرب کا کامل ثبوت پہنچایا۔

ان واقعات کو لکھکر ہم نے خواتینِ اہلبیت کے عموماً اور جنابِ سیدہؑ کے خصوصاً وہ حالات وجذبات دکھلائے ہیں جو اُنکے مُردہ عزیزوں کی وفات کے وقت انتہائے غم وملال کی وجہ سے اُن پر طاری ہوئے تھے۔ اور جن سے خواتینِ اہلبیت کی مراسمِ عزا آدابِ تعزیت اور خدمات موتی کی شرائط جو جاری اور قائم تھیں وہ پورے طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ اب اسکی مثال ہم خاندانِ اہلبیت کے سوا دوسرے گھر اور گھروالیوں میں بھی دکھلاتے ہیں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ خاندانِ نبوّت کے آداب ومعاشرت۔ تہذیب اور شائستگی کو دوسرے گھروں کے دستور اور رسم ورواج سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔ اور یہی عام وخاص کے امتیاز کا اصلی معیار ثابت ہوتا ہی۔ امام عبدالبر اپنی کتاب استیعاب میں خالد ابن ولید کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :۔

ذکر محمد ابن سلام لم یبق امرءۃ من بنی المغیرۃ الا وضعت لمتہا علی قبر خالد ابن ولید یقول حلقت راسہا ص ۱۵۸۔

جب خالد ابن ولید مرگئے تو مغیرہ کی اولاد سے جتنی عورتیں تھیں سبھوں نے اپنے سر کے بال مُنڈا کر خالد کی قبر پر چڑھائے۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ ایک عرب کے قدیم رہنے والے دو گھروں کے طرزِ معاشرت۔ اخلاق اور آداب میں کتنا فرق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت اہلبیت علیہم السلام کے گھر اُتری تھی اس لیے اُن کے تمام دینی اور دنیاوی مراسم دستور اور آداب اُس کے نصاب اور اُسکی حدود کے اندر آگئے تھے۔ دوسرے گھروں میں یہ بابت اور نسبت کہاں۔

جنگِ احزاب میں رسول اللہ کی خدمت

۵ھ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ مخالفتِ اسلام اور عداوتِ بانیٔ اسلام علیہ السلام کی سختی اور شدّت کے اعتبار سے مشرکینِ قریش اور کفارِ عرب کی گویا یہ آخری کوشش تھی جس میں اُنہوں نے اپنی عیاری۔ جوڑ بندی۔ بیرونی اور اندرونی سازشیں شبخون، قتل، غارت۔ غرض اسلام کے اُکھاڑ پھینکنے کی کوئی ترکیب وتدبیر اُٹھا نہیں رکھی۔ فوج کی تعداد بھی گویا لاتعداد تھی۔ عرب کا رستمِ دستان عمرو ابن عبدِ وُدّ جو تنہا ہزار پہلوانوں کے برابر شمار کیا جاتا تھا ان کا شریک اور رفیق تھا۔ اور ایسا کہ ہر وقت جان دینے پر تیار۔ موسمِ سرما بھی ایسا شدید کہ جانوں میں کپکپی پڑی تھی۔ ملک میں ایسا قحطِ سخت کہ دانہ دانہ موتیوں کے مول ہو رہا تھا۔ اُس پر مخالفین نے رسد رسانی کی تمام راہیں اور ذریعے بند کر رکھے تھے۔ اور خاص ایسے وقت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوجِ مخالف کی کثرت دیکھکر حضرت سلمان الفارسی علیہ السلام کی صلاح سے گرد خندق کھدوا کر لشکر سمیت قلعہ بند ہوچکے تھے۔

سیرۃ المحمدیہ میں مولوی شبلی صاحب نے جن الفاظ میں اس خوفناک منظر کو دکھلایا ہے وہ یہ ہے :۔

قریش۔ یہود۔ اور قبائلِ عرب کی چوبیس ۲۴ ہزار فوجیں تین حصّوں میں تقسیم ہوکر مدینہ کی تین اطراف پر اس زور وشور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی تمام زمین دہل گئی۔ اس معرکہ کی تصویر خدا نے کھینچی ہے :۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

(احزاب) جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپہنچے اور جب آنکھیں ڈگمگا گئیں اور کلیجے منہ میں آگئے۔ اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

آگیا اور وہ زور زور سے لرزنے لگے۔

فوجِ اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی۔ رسد کی قلت۔ متواتر فاقے۔ راتوں کی بیخوابی۔ بیشمار فوجوں کے ہجوم۔ ایسے واقعات تھے جنہوں نے اُن کا پردہ فاش کر دیا۔ آ آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اجازت مانگنی شروع کر دی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

یَقُولُونَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَّمَا ھِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں بلکہ اُن کو بھاگنا مقصود ہے۔

قریباً ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور صحابہ پر تین تین فاقے گزر گئے۔ ایک دن صحابہ نے بیتاب ہوکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے اپنے شکم کھولکر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں۔ لیکن جب آپنے شکم مبارک کھولا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے تھے۔

جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس تکلیف و مصیبت کی خبر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو معلوم ہوئی۔ سُننا تھا کہ قلب مبارک بیقرار ہوگیا اور روح بیچین۔ ایک تو اس خوفناک منظر کے دن رات دھڑکوں سے دل تہ و بالا ہو ہی رہا تھا کہ انپر اپنے پدرِ بزرگوار کی یہ کیفیت اور مصیبت معلوم کرکے اور تڑپ گئیں۔ بھوک کی شدّت سے شکمِ مبارک پر پتھروں کا باندھا جانا اور متواتر کئی دن تک ایک دانہ کا لبہائے مبارک تک نہ جانا سُنکر آپ کی پریشانی اور اضطراب ایسا بڑھ گیا کہ آپ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ حسنِ اتفاق سے اُس دن بچّوں کے لیے جَو کی روٹیاں پکی تھیں۔ اُن میں سے چند ٹکڑے بچ رہے تھے اور وہ اُس وقت تک رکھے ہوئے تھے۔ وہ آپ کو بروقت یاد آگئے۔ آپ نے اپنے اُسی اضطرار و اضطراب کی غیر متحمّل حالت میں اُن ٹکڑوں کو فوراً اپنی چادر کی کھونٹ میں باندھ لیا اور اُٹھ کھڑی ہوئیں اور لشکرگاہِ اسلامی کا سیدھا رستہ لیا۔

ہم اس شدید ترین محاصرے کا خونیں منظر ابھی ابھی دکھلا آئے ہیں۔ مدینۂ منورہ کی تین طرف مشرکین قریش اور مخالفین یہود کی چوبیس ہزار فوجیں رات دن چوگردی پہرہ دے رہی تھیں۔ مسلمان تو مسلمان۔ مسلمان ہونیکا ذرا سا شبہہ بھی قتل و غارت کا یقینی باعث تھا۔ ایک طرف شہر سے ملا ہوا رستہ اگرچہ فوجوں سے خالی تھا مگر دشمنوں کے جاسوسوں اور اُن منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو پورے طور سے مخالفین کی سازش اور قابو میں آچکے تھے۔ اور شبانہ روز اسلام کے استیصال اور لشکرِ اسلام کی ہزیمت کی فکروں میں مبتلا تھے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جناب سیدہؑ ایسے خوفناک عالم میں روٹی کے چند ٹکڑے جو اُس وقت میسّر آئے ہیں چادر میں باندھکر اپنی خالص محبّت کے غیر متحمّل تقاضے سے اپنے پدرِ عالی مقدار کی خدمت میں دینے چلی ہیں۔

وہ کونسی کشش ہے اور کونسا جذبہ ہے جو ایسے قیامت خیز تہلکہ اور دہشت انگیز ہنگامہ میں جہاں قدم قدم پر جان جانیکا خوف یقینی ہے جناب سیدہؑ کو بلاخوف و ہراس اس سرعت کے ساتھ کھینچ لیے جاتا ہے آپ کے قلبِ منوّر میں اس وقت نہ مخالفین کی کثرتِ لشکر کا خوف ہے اور نہ اپنی جان جانے کی پروا۔ ہم کہتے ہیں یہ وہی وحی تعلّقات اور قلبی جذبات ہیں، جو جانبین میں قدرت کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے ہیں۔ اور جو اس سے دو تین برس پہلے آپکو عصمت سرائے غزوۂ احد کے میدان تک کھینچ لائے تھے۔ وہی وقت۔ وہی ضرورت اس وقت بھی آپڑی ہے اور ایسی کہ ذرا سا وقفہ۔ ذرا سا صبر و تحمّل دشوار ہو اور محال۔ صاحبزادی کو معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس قیامت کے محاصرے میں اُنکے پدرِ بزرگوار کے مُنہ میں کئی دن سے ایک دانہ بھی اُڑکر نہیں پہنچا ہے۔ بھوک کی شدّت سے ایک کیا دو دو پتھر شکمِ مبارک پر باندھے ہیں، اس قیامت خیز خبر نے ایسا اثر کیا ہے کہ آپ اس بیتابی اور ایسی پُر اضطرابی کی حالتوں کے ساتھ ایسی خوفناک جنگگاہ میں دوڑی چلی جاتی ہیں۔

افتاں و خیزاں وہاں اتفاق سے اُس وقت پہنچیں جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا ایک جا تشریف فرما تھے۔ پہنچتے ہی اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ بچّوں کے لیے دو روٹیاں پکائی تھیں۔

اُن میں سے چند ٹکڑے رہ گئے تھے۔ اس وقت آپکی تکلیف و مصیبت اور خاصکر بھوک کی شدّت کا حال سُنکر یہ پارۂ نان خدمتِ والا میں لے آئی ہوں۔ تناول فرمائے جائیں۔

ذخائر العقبیٰ میں امام طبری شافعی نے حافظ دمشقی کی اسناد سے اس واقعہ کو ذیل کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے۔ وہو ہٰذا

عن علی علیہ السّلام قال کنّا مع النبی صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم فی الخندق اذجائتہ فاطمة بکسرة من خبز وقالت اخبرت لابنی جئتك منه هٰذا الکسرة فقال یا بنیّة انها لاول طعام دخل فی فم ابیك منذ ثلاثة ایّام۔

جناب علی مرتضٰے علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت میں بروز خندق موجود تھا کہ جناب فاطمہؑ کچھ روٹیوں کے ٹکڑے لیکر آنحضرتؐ کی خدمت میں تشریف لائیں اور خدمتِ نبوی میں عرض پیرا ہوئیں کہ میں نے یہ روٹیاں بچوں کے لیے پکائی تھیں اُن میں سے یہ ٹکڑے آپکی خدمت بابرکت میں ہدیہ لائی ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اُنہیں لے لیا اور ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ! حقیقت میں یہ پہلا طعام ہے جو تین دن کے بعد تیرے باپ کے مُنہ میں گیا ہے۔

یہ تھے ان حضرات کے اخلاص و محبت اور باہمانہ قلبی تعلّقات اور یہ تھے جانبین میں خلوص و الفت کے روحی جذبات جناب سیّدہؑ کی حیات ستودہ آیات کے زمانے میں ان تعلّقات اور جذبات کی ابھی بہت سی ایسی مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں جن کو، ہم اُن کے مناسب مقامات پر اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں تحریر کریں گے۔

ہبۂ فدک جناب سیّدہؑ کے نام

سنہ ہجری میں جناب علی مرتضٰے علیہ التحیّة والثنا کی بے نظیر کوششوں سے خیبر کا علاقہ فتح ہوا۔ سیرة المحمدیہ میں مولوی شبلی صاحب نعمانی فدک کی تحقیق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں،

تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ اُس کو وادی القرےٰ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد و ثمود یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثارات اب تک باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت و آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز بنگیا۔ معجم البلدان۔ لفظ قرےٰ۔

وادی القرےٰ فدک

خیبر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے وادی القرےٰ کا رُخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہیں تھا۔ مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ اُنہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کردی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا محمل آپ کے غلام (مدعم) اُتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ عام مؤرخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے پوری تصریح کردی ہے۔ وقد استقبلتنا یهود بالرمی ولم نکن علی تعبیة یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم تیار نہ تھے۔

بہرحال۔ جنگ شروع ہوگئی۔ اور تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈالدی۔ اور خیبر کے موافق صلح ہوگئی۔ سیرة المحمدیہ ص ۳۶۸ باسناد زرقانی۔ بر موطا بحوالۂ بیہقی باب الجہاد۔ ذکر غلول۔

مولوی صاحب نے اپنی کوتاہ قلمی کے قدیم دستور کے مطابق اتنا ہی لکھکر اراضی فدک کہو۔ یا باغ فدک کے تمام نہالِ امید کو جڑ ہی سے کاٹ دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ اس میں آیندہ بہت سی شاخیں پھوٹیں گی۔ اس لیے آغاز ہی سے اسکا استیصال اور اسکی قطع و بُرید ضروری سمجھی گئی۔ حقیقتاً اُنکی مخالفتِ اہلبیت۔ تعصب مذہبی اور خلفا پرستی کا مقتضا بھی یہی تھا۔

بہرحال۔ مولوی شبلی صاحب کی اس خود غرضانہ تحقیق کی پوری تنقید یہاں کرنے سے تو ہم بالکل مجبور ہیں۔ اُسکو ہم انشاءاللہ پوری تفصیل کے ساتھ سیرة المصطفویہ میں قلمبند کرینگے مگر اس مقام پر مولوی نعمانی صاحب کے اس مختار پر جسکو اُنہوں نے صرف زرقانی اور امام بیہقی کی اسناد پر قائم کیا ہے۔ کچھ لکھدیا جانا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور اُنہی کے دیگر علماء و محدثین

کی سندات اور مختارات سے اُنکی تحقیقات پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ مولوی شبلی اس واقعہ کی تحریر میں آغاز ہی سے خود مشتبہ معلوم ہوتے ہیں۔ اُنکی تحریر کا انداز صاف صاف بتلا رہا ہے کہ وہ "لکھیں یا نہ لکھیں" "مانیں یا نہ مانیں" کے پیچوں میں پیچ پڑے ہیں۔ اس لیے اتنا لکھدیتے ہیں کہ لڑائی نہیں ہوئی جیسا جمہور محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے۔ ظاہرا کوئی دقت نہیں۔ مگر آیندہ جو خود غرضی اور تعصب مذاہبی اس میں مضمر ہے وہ ہرگز اس اتنے لکھدیے جانے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ بغیر جنگ حاصل شدہ اموال میں مسلمانوں کا موجودہ یا آیندہ کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ خدا و رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خالصہ قرار پاتا ہے اور وہ اُسکے مختار ہیں جسکو چاہیں دیدیں۔ مگر کسی مقدار سے بھی اگر مقابلہ اور مقاتلہ ہوگیا تو اُس اموالِ محصولہ میں تمام مسلمانوں کی شرکت ہوجاتی ہے۔

فدک جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جیسا خالصہ تھا خدا جانتا ہے اور خدا کا رسولؐ۔ دنیا جانتی ہے اور دنیا کے لوگ۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ بند ہوتے ہی رسولؐ کا یہ خالصہ۔ فاطمہ زہرا اور اُنکے بچوں کی جاگیر ضبط ہر کر ہوکر عام مسلمانوں کا مال قرار دے لیا گیا اور ممالک اسلامی کے عام رقبہ اور حدود میں ملا لیا گیا۔ اب اس کے لیے کوئی عذر شرعی ہونا چاہیے۔ کوئی استحقاق کا سبب بھی تجویز کرلینا چاہیے۔ اسی بنا پر بیہقی۔ زرقانی اور مولوی شبلی نعمانی نے اس خالصہ کو کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح عام محصولۂ جنگ لکھ ہی دیا۔ حالانکہ اصل واقعہ سے پانچ سو برس کے بعد یہ عذر گڑھا جاتا ہے۔ اور یہ خواہ مخواہ کا حق نکالا جاتا ہے۔

اگر حقیقت میں یہ مسلمانوں کا عام محصولہ تھا تو پھر دعوی فدک کی پیشی کے وقت خلیفۂ اوّل نے اس کے ضبط کیے جانیکے وقت تک اس کو مالِ رسولؐ قرار دیکر نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی حدیث جس کو سوائے اُنکے دنیا بھر میں کسی اور نے ایک لاکھ چالیس ہزار صحابی میں رسولؐ کی زبانی نہیں سُنا تھا۔ بیان کرکے کیوں فاطمہؑ کے دعوے کو خارج کردیا تھا۔ شروع ہی سے اسکو عام مسلمانوں کی ملکیت کیوں نہ قرار دیدی تھی۔ رسولؐ کی توریث کی بحث ہی بیکار تھی۔

پانچ سو برس کے بعد بیہقی جیسے سخت متعصب اور خلفا پرست علماء نے خلیفۂ اوّل کے اس اقرار کو اُنکی کمزوری سمجھی اور لانورث کی توجیہ کو غلط اور بے ضرورت سمجھ کر شروع ہی سے رسولؐ کے خالصہ ہونیکا حق ہی مٹا دیا۔ اور عام مسلمانوں کا محصولۂ جنگ ٹھیرا کر ممالکِ اسلامی میں ملا دیا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفۂ اوّل نے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اس دلیل کو کیوں نہ پیش کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ اسکو کیسے بیان کرتے۔ وہ تو اس معرکہ کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھنے والے اور اس واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ جاننے والے تھے۔ اور انکے ایسے ہزاروں چشم دید گواہ اُس وقت موجود تھے۔ اس مجبوری کی بنا پر اسکو خالصۂ رسولؐ کی حقیت تک تو ضرور ماننا پڑا۔ مگر پانچ سو برس کی مدت گزر جانے کے بعد جب اسکی حقیقتِ حال۔ اسکی یاد اور تمام اخبار و آثار صفحۂ روزگار سے بالکل محو اور زائل ہوگئے تو البتہ بیہقی ہوں یا زرقانی یا شبلی نعمانی یا جو ہوں اپنی خود غرضی عالم فریبی اور استخفافِ حقیت کی غرض سے اس کے متعلق جیسی جیسی طبع آرائی اور قلم فرسائی فرمائیں وہ دشوار نہیں ہے۔ مگر تاہم اپنی اس کوشش اور ایسی کد و کاوش کے بعد بھی یہ حضرات یاد رکھیں کہ حق ہمیشہ حق ہی ہو کر رہے گا اور ناحق ناحق۔

جس طرح خلیفۂ اوّل نے اسکے ضبط کرلیے جانے کی ضرورت سے صرف اپنی سُنی ہوئی حدیث لانورث کی دلیل پیش کی۔ اسی طرح پانچ سو برس کے بعد بیہقی نے بھی اپنے تنہا مختار کی بنا پر فدک کے خالصہ کو عام مسلمانوں کا محصولہ قرار دیدیا۔ اذ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اپنا یہ عالم فریب معیار قرار دیتے وقت یہ خیال نہ آیا کہ اس مختار اور معیار سے جناب صدیق اکبر کی تکذیب و تردید لازم آتی ہے۔ کیونکہ اسکی آیندہ کوئی حالت بھی ہو اور کوئی حیثیت۔ مگر اس وقت تک وہ اسی خالصۂ رسولؐ ہی جانتے تھے۔ مگر بیہقی صاحب تو شروع ہی سے اس کو مالِ رسولؐ کو

نہیں سمجھتے بلکہ عام مسلمانوں کی جائداد اور ملکیت قرار دیتے ہیں۔ ع
ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ اب کہیے کس کو سچا مانا جائے اور کس کو جھوٹا۔ ایک طرف اہلسنت کے صدیقِ اکبر ہیں اور ایک طرف ثانی امام اعظم۔ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم کہیں دونوں جھوٹے۔ مگر۔ تاہم صدیقِ اعظم نے اس واقعہ کو خالصۂ رسول بتلانے تک تو ضرور سچ کہا مگر ثانی امامِ اعظم نے تو آغازِ واقعہ ہی سے سچ بولنے کی قسم کھالی اور جھوٹ بولنے پر حلف اُٹھالیا۔

اب سنیے بیہقی کی تقلید زرقانی نے کی اور زرقانی کی شبلی نعمانی نے۔ زرقانی کی عبارت اس وقت میرے پیشِ نظر نہیں ہے مگر نعمانی صاحب کی انوکھی اور دو ٹکی تحریر البتہ میرے سامنے موجود ہے۔ جس میں اوّل مقام پر لکھتے ہیں کہ "یہود تیار نہ تھے"۔ پھر لکھتے ہیں کہ "تیر بھی چلائے اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک خادم کو مار بھی ڈالا"۔ پھر اس کے بعد رقمطراز ہیں کہ "لیکن عام مورّخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا"۔ باوجود اتنی مختلف آراء کے پھر بھی مولوی صاحب امام بیہقی کی روایتِ احاد اور اضافتِ نو ایجاد پر پورا اعتماد کرکے مقابلہ اور مقاتلہ سب کچھ لکھ مارتے ہیں۔ سند میں بیہقی کی عبارت جو پیش کیجاتی ہے وہ بالکل دُم بُریدہ۔ نہ رُواۃ کا پتہ ہے نہ رجال کا نشان اور سلسلہ۔ اگر سلسلۂ رجال کی نقل سے کتاب کی اصل عبارت اور اُسکی سلاست میں فرق آتا تھا تو فوٹ نوٹ میں علیحدہ اُس کی تفصیل کردی گئی ہوتی۔

غرض کچھ بھی نہیں ہوا۔ صرف بیہقی کے ایک قول منفرد پر اس قدر اعتبار کیا گیا کہ تمام تاریخوں کا اتفاق۔ تمام سیرتوں کا مختار دفترِ پارینہ سمجھکر دھو دیا گیا۔ نعمانی صاحب کو بیہقی کی تصدیق و تحقیق کے لیے اب نہ اس وقت صحیحین کھولنے کی ضرورت ہے اور نہ ابن حجر کی صواعقِ محرقہ اور فتح الباری دیکھنے کی احتیاج۔ نہ طبری کی اسناد سے اس کو ملا لینے کی حاجت باقی ہے اور نہ سیرتِ ابن ہشام اور ابی اسحاق سے ملا لینے کا موقع۔

اُن کے قدیم دستور کے خلاف شمس العلماء صاحب پر اس وقت ایک خاص اضطرابی کیفیت طاری معلوم ہوتی ہے جو اُن کو اس مسئلہ کی تنقیح و تحقیق میں اطمینان اور ایمان سے کام لینے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتی ہے۔ انکی وہ اضطرابی کیفیت اور ناقابلِ برداشت ضرورت کیا ہے۔ وہی حقوقِ اہلبیتؑ کا پامال کرنا۔ اُن کے فضائل و مراتب کا مستاصل کرنا۔ اُن کو چھپانا۔ اور جس طرح سے ہو سکے اُس کو حتے المقدور صفحۂ ہستی سے مٹانا اور خاک میں ملانا۔

مولوی صاحب ہیں تو محقق۔ اس میں کلام نہیں۔ دیکھتے دیکھتے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے بیہقی کی مندرجہ عبارت پر نظر جا پڑی۔ اُسپر زرقانی کی شرح نے اور سونے میں سُہاگے کا کام دیدیا۔ اب کیا تھا۔ اُس میں یہودیوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کا تھوڑا بہت حال لکھ بھی دیا تھا۔ انکے مطلب کے لیے کافی ہو گیا۔ اور انھوں نے بھی اپنی گوں کی بات پاکر اسکی اسنادِ احاد پر پورا اعتماد کرکے وادی القرٰے کے ساتھ فدک کو بھی محصولۃ المسلمین قرار دیدیا۔ غریب فاطمہؑ اور اُن کے معصوم بچے (سلام اللہ علیہم) تو پیچھے۔ پہلے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہی کی حقیت اُڑادی ؎

توکار زمیں را نکو ساختی ٭ کہ بر آسماں نیز پرداختی

ہم شمس العلمائے نعمانی کی اس خود غرضانہ اور محض تعصبانہ اصلاحات اور مختارات کی نسبت سوائے اسکے اور کیا کہیں ع اللہ کرے اور بھی توفیق زیادہ۔

اس مضمون کی تشریح کے متعلق ہمکو ایک امر کی تنقیح نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص ان تمام مباحث کو پڑھکر اپنی یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ نعمانی صاحب نے اس میں فدک کا تو کہیں حال لکھا ہی نہیں۔ پھر اُن پر یہ ناکردہ الزام کیسے۔ وہ تو وادی القرٰی کا حال لکھتے ہیں اور اُس میں علے اختلاف الروایات کہا جا سکتا ہے کہ لڑائی ہوئی بھی اور نہیں بھی ہوئی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ مولوی صاحب کا معیارِ تالیف ہمیشہ سے خصوصاً اہلبیت علیہم السلام کے متعلق حقیقی اور اصلی واقعات کا چھپانا۔ اُن کے کھلے اور پاک وصاف مضامین کو مشتبہ اور مبہم بنا دینا۔ یا کم سے کم اُن کو دوسرے واقعات اور حالات کے ساتھ ایسا پیچیدہ اور پوشیدہ کر دینا ہے کہ نہ دیکھنے والا دیکھے اور نہ سمجھنے والا سمجھے۔ وہی قدیم دستور یہاں بھی قائم

رکھا گیا ہے اور وہی پرانی ترکیب یہاں بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ اس طرح پر کہ اصلی سرخی قائم کی گئی ہے وادی القرٰی کے نام سے اور اس کے نیچے مہین حرف میں فدک کا نام بھی لکھدیا گیا ہے اور اُس کی یہ صورت قائم کی گئی ہے۔

وادی القرٰی
فدک

ملاحظہ ہو سیرۃ المحمدیہ ص ۳۶۸ ۔

اس سرخی سے کیا سمجھا جائیگا۔ سوائے اسکے کہ وادی القرٰی اور فدک ایک ہی ہے۔ اور ایک مقام ہونے کے اعتبار سے جو معاملات وہاں پیش آئے وہ بھی ایک ہی سمجھے جائیں گے۔

اس بنا پر سطحی طور اور سرسری نظر سے دیکھنے والا ان واقعات کو دیکھتے ہی سمجھ جائیگا کہ وادی القرٰی کا دوسرا نام فدک تھا یا وادی القرٰی اور فدک دونوں مقاموں میں یہ واقعات یکساں پیش آئے حالانکہ وادی القرٰی کی حدود اور اُس کے رقبہ کو فدک کی اراضی اور اُسکی حدود سے کوئی واسطہ نہیں۔ اُس کے معاملات کو اسکے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ یاقوت حموینی کا یہ لکھنا علامہ نعمانی کے لیے سندِ آسمانی ہو گیا۔ یہ صحیح ہے کہ وادی القرٰی میں بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ اور یہی اُسکی وجہ تسمیہ ہے۔ وادی القرٰی کے ساتھ فدک کا لکھا جانا بتلا رہا ہے کہ فدک بھی اسی کے مضافات میں داخل ہے۔ یہ بھی ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر مولوی صاحب نے فتوح البلدان کی مرقومہ بالا اسناد سے یہ کہاں ثابت کیا ہے کہ وادی القرٰی اور اُس کے آس پاس کی تمام آبادیاں ایک ہی حدود اور رقبہ کے اندر داخل تھیں۔ اور اسی طرح نہ کسی تاریخ اور نہ کسی سیرت کے حوالہ سے یہ بتلایا ہے کہ جو واقعات فوجِ اسلامی کو وادی القرٰی میں یہودیوں کے ساتھ پیش آئے وہی فدک میں موسائیوں کے ساتھ۔ جب کوئی کتابِ تاریخ و سیر ایسا نہیں بتلا رہی ہے تو پھر وادی القرٰی کے ساتھ فدک کا سرخی میں خواہ مخواہ داخل کر دینا صاحبانِ تحقیق کے سامنے کیسا مہمل اور بیکار ثابت ہوتا ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ نہ مہمل ہے نہ بیکار بلکہ سراپا موضوع ہے اور اُن کے مفید کار۔ اور مولوی صاحب کا یہ طرزِ خاص اُنکے قدیم تعصبانہ اور خودغرضانہ دستور پر مبنی ہے جسکو سالہا سال سے اُنھوں نے اپنا معیارِ تالیف قرار دے لیا ہے۔ اور وہ حقیقتاً اپنی خلفا پرستی کی ضرورت میں پڑکر اس طرز کے اختیار کرنے میں مجبور تھے۔ ان تمام ترکیبوں سے اُن کا جو مدعا تھا وہ یہی تھا کہ فدک کے معاملات کو وادی القرٰی کے ساتھ کسی نہ کسی طرح خلط ملط کر کے ایسا پیچیدہ بنا دیا جائے جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ فدک کوئی خاص قطعۂ زمین تھا ہی نہیں۔ وہ تو وادی القرٰی کے ساتھ شامل اور اُسی کی حدود میں داخل تھا۔ جو وادی القرٰی میں ہوا وہی فدک میں۔ اس ترکیب و تلبیس سے فدک کے حالات چھپے ڈھکے رہجاتے ہیں اور بہتوں کا پردہ فاش نہیں ہوتا۔ مولوی شبلی کے تمام انتظام۔ اُن کی تمہید اسی ترکیب و تدبیر پر مبنی تھی۔ جس کو مولوی صاحب کی بزرگی کے سوا اور کیا کہا جائے۔

کوئی معمولی اور غیر مشہور واقعہ ہوتا تو خیر۔ ہمارا دعوٰے ہے کہ حصولِ فدک جیسا مشہور و معروف واقعہ جس کا ذکر خدا کی کتاب۔ رسولؐ کی حدیث۔ مؤرخین کی تاریخ۔ سیرت نگاروں کی سیرت۔ محدثین کی مسانید اور علما و فضلائے دین کی تمام تالیفوں میں درج اور جو چودہ سو برس سے آج تک شیعہ و سُنّی حضرات میں معرکۃ الآرا مسئلہ بنا ہوا چلا آتا ہے مولوی شبلی کی ایک قلمکاری سے کیسے چھپ سکتا ہے۔

یاقوت حموینی یا بیہقی نے جو کچھ لکھا ہوگا وہ وادی القرٰی کے معاملات ہونگے۔ آپ اُس کے ساتھ خواہ مخواہ فدک کو کیوں داخل کیے دیتے ہیں۔ اور اس طرح کہ معجم البلدان اور بیہقی کی پوری اور اصل عبارت بھی نقل نہیں کرتے۔ اس لیے لامحالہ جہاں تک آپنے اُن دونوں کتابوں کی خاص عبارت اور اُن کا ترجمہ قلمبند کیا ہے اُسی پر اعتبار کیا جائے مگر یہ ترجمہ دیکھنے سے بھی تو کہیں فدک کا نام نہ بیہقی کی اصلی عبارت میں پایا جاتا ہے اور نہ حموینی کے ترجمہ میں۔ تو پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وادی القرٰی اور فدک ایک ہی مقام تھے۔ اور اُن کے واقعات بھی ایک ہی تھے۔ یہ صحیح ہے کہ مولوی صاحب کی خودغرضی نے اُن کو ایسا لکھنے پر مجبور کر دیا مگر یہ ضرور نہیں کہ مولوی صاحب تحقیق کرنیوالوں کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھکر اُنکو اپنے لکھنے کے مطابق سمجھ لینے کے لیے مجبور کریں۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر کہ ہم وادی القریٰ۔ فدک اور تیما جن بستیوں کے ساتھ۔ جو معاملات طے پائے مع اُنکے پورے نشانات اور باشندوں کے حالات کے پوری تفصیل سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ امام سمہودی مصری خلاصۃ الوفا فی تاریخ دار المصطفےٰ میں فدک کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فدک بفتح فا و دال مہملہ۔ دو روز راہ است از مدینہ۔ و قلعۂ آں را شمروخ نامند۔ اہلِ فدک یہود بودند۔ چوں خیبر فتح شد اہلِ آں (فدک) اماں طلبیدند بشرط آنکہ نصفِ آں را بایشاں پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بگزارد۔ پس نیم از آں خاصۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت۔ و در وجہ تسمیہ گفتہ اند کہ اول کسے کہ آنجا نزول کرد فدک ابن حام بود۔ پس بنام او مسمےٰ شد۔

امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ تمام اصحاب مغازی نے فدک کے آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آنیکا قصہ بیان کیا ہے کہ فدک کے باشندے یہودی تھے جب خیبر فتح ہوگیا تو اُن لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امن دیں ہم شہر کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ابوداؤد نے سنن میں زہری سے روایت کی ہے کہ خیبر کے کچھ باقی لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمارا خون معاف کردیجیے اور ہمیں چلے جانے کی اجازت دیدیجیے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسس کو اہلِ فدک نے سُنا اور اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور ابوداؤد نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیۂ اہلِ خیبر کا محاصرہ کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں فدک والوں سے اور چند معین گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔

ابوداؤد کی آخر روایت سے تو یہاں تک ثابت ہوگیا کہ فدک پر کیا منحصر ہے اور بھی ملے ہوئے گاؤں والوں سے صلح ہوگئی۔ تو ان متواتر اسناد کے مقابلہ میں مولوی شبلی کی صرف بیہقی کے تنہا اعتبار پر یہ مختار قائم کرلینا کہ وادی القریٰ میں لڑائی ہوئی اور وادی القریٰ اور فدک چونکہ ایک اراضی اور رقبہ میں تھے اس لیے جو معاملات یہاں پیش آئے وہی وہاں بھی سمجھے جائیں گے۔ کیسے کسی سمجھدار کی سمجھ میں آئیگا اور کیسے قابلِ اعتبار سمجھا جائیگا۔

مندرجہ بالا اسناد کو اپنے دعوے کی تصدیق میں پیش کرکے اب ہم محدث شیرازی کی تحقیق ذیل میں درج کرتے ہیں جس کو اُنہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب روضۃ الاحباب میں وادی القریٰ۔ فدک اور تیما کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

اہلِ سیر رحمہم اللہ تعالےٰ آوردہ اند کہ چوں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم در حوالی خیبر آمد۔ محیصہ ابن مسعود حارثی را بفدک فرستاد تا اہلِ آں جا را باسلام دعوت نمود و تخویف کرد کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجنگ شما ہم خواہد آمد۔ چنانچہ بجنگِ خیبر یاں رفتہ است۔ ایشاں گفتند کہ عامر و یاسر و حارث و سیدِ یہود۔ مرحب در نطاۃ ساکن اند و دہ ہزار مقاتل دارند۔ گمان نمی برم کہ محمد بایشاں مقاومت تواند کرد۔ محیصہ یک دو روز در دیارِ ایشاں توقف نمود۔ چوں ایشاں سرِ صلح و صلاح نداشتند خواست کہ باز گردد۔ گفتند کہ صبر کن تا با اکابرِ خویش مشورت می نمائیم و جمعے ہمراہ تو بنزد محمد بفرستیم تا صلح قرار دہند۔ در ایں اثناء خبرِ قتلِ اہلِ حصن ناعم بایشاں رسید۔ خوفِ عظیم در دلِ اہلِ فدک افتاد۔ گفتند اے محیصہ ایں سخن را کہ با تو گفتیم مستور دار و باکس مگو تا ترا چندیں زر دہیم۔ محیصہ گفت نتوانم کہ از رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پنہاں دارم۔ آمد و کیفیتِ واقعہ را بعرض حضرت رسانید۔ آنگاہ آں جماعت مردے از رؤسائے قریش با طائفۂ از یہودِ فدک بنزدِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرستادند۔ تا امرِ صلح استحکام پذیرد و بعد از گفتگوئے بسیار بر آں قرار دادند کہ نصف زمینِ فدک برسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدہند و نصفے از ایشاں باشد۔ حضرت براین راضی شدند۔

یہ تو فدک کے خاص حالات تھے۔ اس کے طے ہوجانے کے بعد اہالیانِ وادی القریٰ کے معاملات لکھتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعۂ خیبر کے بعد پہلے فدک کے معاملات کا تصفیہ ہوا۔ جیسا کہ جمہور کا متفقہ مختار ہے۔ فدک کے تصفیہ کے بعد وادی القریٰ کے واقعات پیش ہوئے۔ وادی القریٰ کی نسبت وہ لکھتے ہیں:۔

چوں اہلِ وادی القریٰ از آمدنِ آنحضرت وقوف یافتند از برائے جنگ آمادہ گشتند و بجنگ بیروں آمدند۔ حضرت صفِ اصحاب را برائے قتال آراستہ گردانید و لوائے خود را بسعد ابن عبادہ

وبروایتے حباب ابن منذر وبروایت دیگر بسہیل ابن حنیف وبروایت دیگر بعباد ابن بشر۔ داد۔ آنگاہ یہود وادی القریٰ را باسلام دعوت نمود وایشاں را اعلام نمود کہ اگر مسلمان شوید اموال و دماء شما مصئون ومحفوظ ماند وحساب شما بر خدائے تعالےٰ باشد۔ سخن آں گروہ قبول نہ کردند وبجنگ درپیوستند وآں روز تاشب محاربہ بنمودند ده نفر از یہود کشتہ شدند۔ روزِ دیگر صباح فتح واقع شد ومالِ بسیار واثاث ومتاع بیشمار بدستِ ایشاں بیافتاد وغنیمتِ مسلماناں گشت وبر یہود وادی القریٰ منت نہادہ اراضی وباغاتِ آنجا رابدستِ ایشاں گزاشت تاکار کنند واجرت بگیرند۔

یہ وادی القریٰ کے حالات تھے اور واقعات حبیب السیر اور تاریخ ابوالفدا کے ترجموں میں بھی قریب قریب یہی حالات لکھے ہیں۔ اُن کی عبارت یہ ہے :۔

منزلِ صہباسے کوچ کرکے جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی القریٰ میں پہنچے۔ لڑائی ہوئی۔ گیارہ یہودی مارے گئے۔ آخر کو بھاگ نکلے۔ بہت سامالِ غنیمت مسلمانوں کو ہاتھ لگا۔ آخر جزیہ دینا قبول کیا اور صلح ہوگئی۔

ان دونوں تاریخوں میں بھی فدک کے بعد وادی القریٰ کے واقعات لکھے ہیں۔ چونکہ مولوی شبلی نے وادی القریٰ کے ذکر میں تیما کا بھی نام لکھا ہے۔ مگر صرف نام ہی پر اکتفا فرمائی ہے۔ واقعہ کچھ بھی نہیں لکھا کہ اُسکا حشر کیا ہوا۔ اس لیے ضرور ہے کہ ہم ان لوگوں کے حالات بھی ناظرینِ کتاب کے ملاحظہ کے لیے پیش کرکے علامہ نعمانی کی اس کمی کو پورا کردیں۔ اہلِ تیما کے متعلق صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں :۔

چوں خبرِ یہودانِ خیبر وفدک ووادی القریٰ بہ یہود تیما رسید ترسیدند واز در صلح درآمدند وجزیہ قبول نمودند۔ روضہ ص ۳۹۵۔

مرقومۂ بالا اسانید اور اُنکے واقعات سے فدک۔ خیبر۔ وادی القریٰ اور تیما کے علٰحدہ علٰحدہ حالات اور معاملات پوری تفصیل سے معلوم ہوئے۔ یہ واقعات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ ان تینوں مختلف مقامات میں یکے بعد دیگرے واقعات اس طرح پیش آتے گئے کہ اسلام نے سب سے پہلے فدک کے ساتھ بغیر کسی جنگ کے بصلح وآشتی صورتِ معاملہ اُن شرائط پر طے کرلی جو اوپر لکھی گئی۔ پھر وادی القریٰ والوں کے معاملات پیش آئے۔ یہاں کے یہودیوں نے ایک شبانہ روز تک مقابلہ بھی کیا اور مقاتلہ بھی۔ اسلام کی طرف کا کوئی بھی نہیں۔ اُنکی طرف کے گیارہ آدمی مارے گئے۔ آخرِ کار عاجز آکر جزیہ دینے کی شرائط پر سب نے صلح کرلی۔ ان کے معاملات کے طے پاجانے کے بعد تیما والوں کی باری آئی۔ اُنھوں نے اپنی ہمقوم یہودانِ خیبر۔ فدک اور وادی القریٰ کے نتیجوں پر غور کرکے فوراً جزیہ دینا قبول کرلیا اور طرفین سے صلح ہوگئی۔

اب ناظرینِ کتاب مولوی صاحب کی مجمل اور بالکل نامکمل تحریر کو جو ابھی ابھی ہم اوپر نقل کرآئے ہیں۔ صاحب روضۃ الاحباب جیسے مفصّل اور مسلسل بیان سے ملاکر موازنہ کرلیں اور خود تصفیہ کرلیں کہ ہر ایک مقام کے واقعات کی جدا جدا تفصیل اور تحقیق جو حقیقتاً تاریخ نویسی اور سیرت نگاری کا اصلی مقصود ہے۔ دونوں مؤلفین میں کس کے بیان اور تحریر سے ثابت اور ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ نعمانی نے تو اپنی حکمت عملی اور خود غرضی سے تین جُداگانہ مقاموں کے واقعات کو اپنے بیان میں خلط مبحث کرکے ایک ایسا معجون مرکب تیار کردیا ہے جس سے ہیجانِ مزاج کے سوا طبائع کے سکون اور اطمینان کی کوئی امید نہیں کیجاسکتی۔ بخلاف ان کے اربابِ تحقیق وانصاف آپ دیکھ لینگے اور سمجھ لینگے کہ محدثِ شیرازی نے اپنی کتاب میں ہر ہر مقام کے جُدا جُدا حالات وواقعات کو لکھکر اُسکی روئداد اور صورتِ حال اس تفصیل سے لکھی ہے کہ پھر کسی کو آیندہ تحقیق وتفتیش کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اسی تفصیل سے یہ امر بھی پورے طور سے ثابت ہوجاتا ہے کہ فدک، وادی القریٰ اور تیما قریب قریب اور ملی ہوئی یہودیوں کی ٹولیاں تھیں۔ اور حوالی خیبر میں واقع تھیں جیسا کہ جمہور محققین کا اتفاق ہے۔ مگر حقیقتاً جیسا کہ نعمانی صاحب کے مختار سے ظاہر ہوتا ہے ایک بستی نہیں تھی۔ بلکہ تین جُداگانہ آبادیاں تھیں۔ فدک وادی القریٰ سے جُدا تھا اور وادی القریٰ تیما سے۔ ایک بستی کے رقبے۔ آبادی اور ملکیت کو دوسری بستی کے رقبے۔ آبادی اور ملکیت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہاں باعتبار قوم وملت کے ان کے باشندے یہود تھے۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ شبلی صاحب کا

صرف وادی القرےٰ والوں کے مقابلہ کا جستہ جستہ حال لکھکر اسی کے ساتھ فدک اور تیما کے معاملات کا بھی من سمجھوتا کرا دینا اُن کی خودغرضی۔ تعصب اور استخفافِ حقیقت کے خاص ثبوت ہیں۔ جو اربابِ تحقیق کی نگاہوں سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

بہرحال۔ اپنے مرقومۂ بالا استدلال میں ہم نے مولوی شبلی صاحب کی کوتاہ قلمی۔ اخفائے واقعات۔ خودغرضانہ تحقیق اور غلط مختار جو اُنہوں نے صرف روایت احاد کی بنا پر قائم کیے ہیں۔ اُنہی کے سرآمدِ علماؤ محدثین کے اقوال و اسناد سے پورے طور پر ظاہر اور ثابت کر دیا ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا اور دکھلا دیا ہے کہ صرف استیصالِ حقوقِ اہلبیت علیہم السّلام کی ضرورتوں نے جو ہمیشہ سے ان کا نصب العین تھا۔ مولوی صاحب کو اس طمع سازی۔ افترا پردازی۔ ملمع کاری اور غلط نگاری پر مجبور کر دیا ہے۔

ہم مولوی شبلی صاحب کی خدمت میں اُنکی ان قلمکاریوں کے لیے اپنی طرف سے کیا بلکہ تمام سادات بنی فاطمہؑ کی طرف سے سوائے اسکے کچھ اور عرض نہیں کرتے ع خدا اجرے دہد در کشتن ما قاتلِ ما را۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں اور فدک کے خاص حالات اور اُسکی نصف اراضی کا ازانِ خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم قرار پانا۔ آیۂ وات ذوالقربیٰ حقّہ کے نازل ہونے پر جنابِ ختمی مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اراضی فدک۔ اپنی صاحبزادی جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو بحکمِ خدا ہبہ فرما دینا ہم سوادِ اعظم کے معتبر اور مستند ماخذوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں:۔

مسنداتِ ابنِ ابی حاتم۔ ابنِ مردویہ۔ بزاز۔ ابو یعلی موصلی طبری۔ کنز العمال اور تفسیرِ درِ منثور سیوطی میں باسنادِ ابی سعید خدری سے مرقوم ہے:۔

عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ات ذی القربیٰ حقّہ دعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فاطمۃ فاعطاھا فدک۔

ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ جب آیۂ وات ذوالقربیٰ حقّہ "دیدو حق قرابت والوں کا" نازل ہوا تو جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جنابِ سیدہؑ کو بلایا اور اُنکو فدک عنایت فرمایا۔

یہ تو عطائے فدک کی وہ اجمالی روایت ہے جس کو سوادِ اعظم کے مفسّرین۔ محدّثین۔ مؤرخین اور علمائے متبحّرین۔ غرض ہر طبقہ اور ہر درجہ کے مصنفین و مؤلفین نے قلمبند فرمایا ہے جن کے نامِ نامی ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اب ہم اسکی تفصیلی حالت اور روایت کو ملا معین کشمیری کی معتبر کتاب معارج النبوۃ کے ترجمہ[1] سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فدک کی جانب بھیجا اور جنابِ امیر علیہ السّلام کے دستِ مبارک پر بدیں شرط مصالحہ واقع ہوا کہ امیرؑ اُن کے قتل کرنے کا قصد نہ فرمائیں۔ اور حوائط خاص ازانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم مقرر ہو۔ پس جبرئیل علیہ السّلام نازل ہوئے اور کہا کہ یا رسولؐ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ ذوالقربےٰ کا حق دیدو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پوچھا ذوی القربےٰ کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے؟ جبرائیل امین نے کہا کہ ذوالقربےٰ فاطمہؑ ہیں اور فدک اُن کا حق ہے۔ پس جو کچھ خداؐ رسولؐ کا فدک سے متعلق ہے سب فاطمہؑ کو دیدو۔ آنحضرت

---

[1] یہنے معارج النبوۃ کے ترجمہ کو خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس پریانواں کی کتاب عمدۃ المناقب فی فضل علی ابن ابیطالبؑ سے نقل کیا ہے۔ میرے پاس معارج النبوۃ کا قدیم اور ایسا عدیم النظیر نسخہ موجود ہے جو مؤلف کے ساتھ تین بار سفرِ مدینہ منورہ میں رہ چکا ہے اور حسب التحریر و توثیق مؤلف حرمِ محترم میں اُسکے مندرجات کی تصحیح و ترمیم بمقابلۂ علماؤ محدثین مدینۂ طیبہ فرمائی گئی ہے۔ عام تفہیم کی ضرورت سے اُردو ترجمہ سے فدک کے واقعات کو بیان کرنا ہم نے مناسب سمجھا اور فارسی کی اصل عبارت کو نہ لکھا۔

فدک کے حالات کو ذخائر العقبےٰ میں امام طبری شافعی نے۔ امام قندوزی نے ینابیع المودۃ میں بھی لکھا ہے۔ محدثین کے علاوہ مؤرخین حبیب صاحب مقصد اقصےٰ۔ روضۃ الصفا اور حبیب السیر وغیرہم نے بھی مندرج کیا ہے ۱۲ المؤلف اولاد حیدر

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت فاطمہؑ زہرا کو بُلا کر ایک وثیقہ لکھ دیا اور فدک اُن کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کے بعد حضرت فاطمہؑ نے اُس وثیقہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ نوشتہ حضرت رسولؐ خدا کا ہے جو میرے اور حسن اور حسین علیہما السّلام کے نام آپ نے لکھا تھا۔

بہرحال۔ عطائے فدک کے یہ خاص حالات ہیں اور یہ واقعات جو سوادِ اعظم اہلسنت کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لکھے گئے ہیں ہمنے اپنی ضرورت کے مطابق فدک کے اتنے ہی حالات لکھدیے ہیں۔ باقی حالات ہم اپنے سلسلۂ مضامین میں پوری تفصیل و تنقید کے ساتھ انشاء اللہ بہت جلد بیان کرینگے۔

نصارائے نجران کے معاملات

نزولِ آیۂ تطہیر

یہ واقعہ ۹ھ ہجری کا ہے۔ نصارائے نجران کا ایک وفد جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا۔ اور وجود حضرت عیسےٰؑ کے متعلق آپ سے بحث آرا ہوئی۔ اُنکی گستاخانہ اور متعصبانہ کج بحثی کی ولائل نے اتنا طول کھینچا کہ مکالمہ اور مناظرہ کی حدود سے گزر کر مباہلہ کی نوبت آگئی۔ اور دوسرے دن صبح کو مباہلہ قرار دیکر عیسائی جماعت اپنے مقام کو واپس آگئی۔ صاحب روضۃ الاحباب اس واقعہ کو ذیل کی عبارت میں نقل فرماتے ہیں:۔

ایشاں با حضرت گفتند چہ می گوئی در شانِ حضرت عیسےٰ؟ فرمود امروز در جوابِ شما ہیچ نمی گویم۔ اقامت کنید در ایں بلدہ تا جواب بشنوید ایں سوال را۔ روزِ دیگر حق سبحانہٗ و تعالےٰ ایں آیہ فرستادہ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون الحق من ربک فلا تکن من الممترین فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایشاں را طلبیدہ وآیاتِ مباہلہ بر ایشاں برخواند مضمونِ آیت تقرار نمودند امابر اعتقادِ خویش مُصر بودند۔ وصباحِ دیگر بنزدِ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم دویدند وحال آنکہ حضرتؐ از حجرہ بیروں آمدہ بودند حسینؑ ابنِ علیؑ را در زیرِ بغل و دستِ حسن ابنِ علی بدستِ خویش گرفتہ و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا و علیؑ مرتضےٰ از عقبِ آنحضرت بودند وبا ایشاں فرمودند چوں من دعا کنم شما آمین گوئید گروہ نصارائے نجران چوں آں پنج تن را باآں حال دیدند و ندبہ و دعا و آمین ایشاں را بشنیدند پرسیدند ابوالحارث را کہ حبر و دانشمندِ ایشاں بود گفت اے یاران بدرستیکہ روئے چند می بینم کہ اگر خدا را خواہند کوہ را از مکان خود زائل گرداند زنہار کہ مباہلہ کنید کہ ہلاک خواہید شد و بر روئے زمین ہیچ نصرانی نخواہد ماند۔ روضۃ الاحباب ص ۵۶۳۔

تفسیر کشاف میں مرقوم ہے کا دلیل اقوی من ھٰذا علی فضل اصحاب الکساء فھم علی وفاطمۃ وحسنان لانھا لما نزلت دعاھم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاحتضن الحسین واخذ بید الحسن ومشت فاطمۃ خلفہ وعلی خلفھا فعلم انھم المراد بالاٰیۃ وعلم ان اولاد الفاطمۃ وذریتھما یسمون ابناءہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وینسبون الیہ نسبۃ صحیحۃ۔

اصحابِ کساء کی فضیلت میں یہ دلیل سب دلیلوں سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ حضرات علی مرتضےٰ۔ فاطمہ اور حسنین علیہم السّلام ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان حضرات کو بُلایا۔ حسین علیہ السّلام کو تو گود میں اُٹھا لیا۔ حسن علیہ السّلام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جنابِ سیدہ آپ کے پیچھے ہو گئیں اور جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السّلام اُن کے پیچھے۔ پس آگاہ ہو جانا چاہیے کہ یہی حضرات خاص طور پر اس آیۂ وافی ہدایہ سے مراد ہیں اور مقصود۔ اور یہ بھی معلوم کر لینا چاہیے کہ جنابِ فاطمہؑ ہی کی اولاد رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد کہلائی۔ اور انہی حضرات کا نسب آپ کے نسب کی طرف صحیح طریقہ سے منسوب ہوا ہے۔

نزولِ تطہیر

اسی طرح نزولِ آیۂ تطہیر کے وقت بھی جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا اس

حصولِ نعمتِ الٰہی میں شریک تھیں۔ صحیحین مسلم و ترمذی میں اسکی شانِ نزول کے متعلق تحریر ہے:۔

عن ام سلمة قالت انّ هذٰا اٰية نزلت فی بيتی انما يريد الله ليذهب عنكم الرّجس و يطهّركم تطهيرا و انا جالسة عند الباب و فی البيت رسول الله صلّی الله عليه و اٰله وسلّم و علی و فاطمة و حسن و حسين فجلّلهم بكساء و قال اللّهمّ هؤلاء اهلبيتی و حامتی اذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهيرا قالت ام سلمة و انا معهم يا رسول الله قال انت علی الخير۔

امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ سوائے اسکے نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ اے اہلبیتؑ کہ لیجائے تم سے نجاست کو اور پاک کرے تمکو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے۔ میں دروازے کے پاس بیٹھی تھی اور گھر کے اندر جنابِ علی مرتضےٰ جناب سیدہ اور حضرت حسنین علیہم السلام تشریف رکھتے تھے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ان حضرات پر اپنا کپڑا اُڑھا دیا اور فرمایا، پروردگارا! یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مددگار۔ ان سے نجاست کو دور کردے اور ان کو پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے۔ جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! میں بھی انہی میں سے ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو خیر پر ہے۔

انہی ائمۂ حدیث نے اسی روایت کو ام المؤمنین عائشہ کی زبانی بھی نقل کیا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے۔

عن عائشة قالت جاء رسول الله صلّی الله عليه و اٰله وسلّم غداة و عليه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن ابن علی فدخله فجاء الحسين ابن علی فدخله ثم جاءت فاطمة عليها السّلام فدخلها ثم جاء علی فدخله ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهّركم تطهيرا۔

ام المؤمنین عائشہ سے مروی ہے کہ ایک روز صبح کے وقت جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سیاہ بالوں کی منقش کملی اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ اسی اثنا میں حضرت امام حسین علیہ السّلام تشریف لائے اور اُن کو آپ نے اُس کملی میں لے لیا۔ پھر حضرت امام حسن علیہ السّلام تشریف لائے۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں لے لیا پھر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا تشریف لائیں۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی کملی میں داخل کرلیا۔ پھر جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا تشریف لائے۔ آپ نے اُن کو بھی اُسی گلیم کے اندر لے لیا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی کہ نہیں چاہتا ہے اللہ مگر یہ کہ دور کرے اے گھر والو تم سے نجاست کو اور پاک کرے تم کو ایسا جو پاک کرنیکا حق ہے۔

یہ دونوں نصوص قرآنی جو حقیقت میں بڑے فیوض ربانی تھے اور جن سے حضرات اہلبیتِ کرام علیہم السّلام کی فضیلت۔ قربت۔ طہارت اور عصمت کی بیمثال حقیقت ثابت ہوتی ہے پورے طورکے بتلا رہے ہیں کہ ان دونوں عظائمِ واقعات میں جو عطایائے یزدانی اور عنایتہائے ربانی کے حقیقی آثار اور حضرات اہلبیت علیہم السّلام کے کمال فضائل و مناقب کے اصلی معیار ہیں۔ جناب سیدہؑ اور آپ کے دونوں صاحبزادے خاص طور پر شامل تھے اور آپکے شوہر عالی گوہر بھی داخل۔ نسائنا اور ابنائنا سے آپ اور آپکے دونوں صاحبزادے تعبیر تھے۔ انفسنا سے آپکے شوہر تعبیر کیے گئے تھے لہٰذا بجز جنابِ سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا کے اُمّتِ اسلامیہ میں کوئی دوسری عورت ایسی ذی سعادت اور خوش قسمت نہیں تھی جو نعمائے ربانی کے ایسے اعلےٰ مدارج و معارج پر فائز ہوئی ہو۔

اور حقیقت میں جب تک آپ کی ذات قدسی صفات داخل نہ کی جاتی تو لفظ اہلبیت بہت سے ظاہر بین اور ہٹ دھرم لوگوں کے آگے مبہم اور مشتبہ رہجاتا۔ کیونکہ اگر اہلبیت کے معنوں میں مرد و عورت دونوں مشترک ہیں تو آپ کی عدم شرکت اُن کیلیے ایک خواہ مخواہ کے عذر کا موقع دیدیتی۔ اور اگر بعض غلط فہموں کی قیاسی دلائل کی بنا پر اہلبیت کے معنی گھر والے نہیں۔ صرف گھر والیاں مراد ہیں۔ تاہم آپکی وجود اور شمول نے نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ ثابت کر دیا کہ سوائے آپ کے اور کوئی اسلامی عورت عام اس سے کہ وہ زوجۂ رسولؐ ہی کیوں نہو۔ اس مقدس طبقہ میں شامل نہیں کیجاسکتی اور نہ کبھی ان فضائل و مناقب پر فائز ہوسکتی ہیں جیسا کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی اُس استدعا اور تمنا کے جواب میں جسے ہم صحیحین مسلم اور ترمذی کی اسناد سے اوپر لکھا ہے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود

ہیں کے کہ انہوں نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اپنے شامل حال کیے جانے کی استدعا بھی کی مگر نامنظور ہوئی۔ ہاں۔ اُنکی پاک نفسی۔ نیک سیرتی اور عظمت کے اظہار و اعتبار سے صرف اتنا ارشاد فرمادیا گیا کہ تم خیر پر ہو۔

اس واقعہ نے جناب سیدۃ نساء العالمین اور حضرت ام سلمہ کیا سائر اُمہات مؤمنین کے تقرب الٰہی اور فضائل و مراتب کے فرق مابہ الامتیاز کو پورے طور سے ظاہر اور ثابت کردیا۔

حجۃ الوداع

ذیقعدہ سنہ۱۰ ہجری میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج بیت اللہ کے لیے مدینۂ منورہ سے مکۂ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا۔ چونکہ یہ حج آپ کا آخری حج تھا اس لیے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق آپ قبل ہی سے ارشاد فرماچکے تھے خذوا عنی مناسککم فلئی لا اُحجّ بعد عامی۔ مناسکات (حج) کے متعلق مجھ سے سیکھ لو (لیلو) جو کچھ تمہیں سیکھنا ہو کیونکہ اس کے بعد پھر میں حج نہ کرونگا۔

خود جناب ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جس خصوصیت کے ساتھ اس حج کا انتظام فرمایا وہ تمام کتب اسلامی میں مندرج ہے۔ اُسکی تفصیل میری ضرورت بیان سے زائد ہے۔ اتنا ہی لکھدینا سمجھ لینے کے لیے کافی ہے کہ اس سفر میں بخلاف دستور تمام اعزہ و اقارب اور ازواج مطہرات اور سائر مستورات اصحاب آپ کی شریک تھیں اور رفیق۔ یہاں تک کہ جناب سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا مع دیگر خواتین اہلبیت نبوت بھی ہمراہ تھیں۔

ہماری تحقیق جہاں تک کام کرتی ہے ہم کو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپکی حیات ستودہ آیات کی تمام مدت میں آپ کا یہ دوسرا سفر ہے۔ پہلا سفر تو وہ تھا جو دس برس پہلے سات برس کے سن میں مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ میں ہجرت فرمانے کے وقت اختیار فرمایا گیا تھا۔ اور دوسرا یا اپنے پدر بزرگوار کی طرح آپ کا بھی یہ آخری حج اور آخری سفر تھا۔ جو فریضۂ حج کے مناسکات بجالانے کی نیت سے بحکم خدا و رسول اختیار کیا گیا۔ قیام مدینہ کی مدت کے اعتبار سے تو آپکے لیے یہ پہلا اتفاق ثابت ہوتا ہے کہ آپنے کسی سفر میں عصمت سرائے امامت سے شہنشاہِ رسالتؐ کی رفاقت میں قدم باہر نکالے ہوں۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام علاقۂ یمن میں تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اہلِ یمن کا مشہور قبیلہ۔ بنی ہمدان جس میں تمام تر صاحبانِ علم و فضل اور اہلِ استعداد و جامعیت بستے تھے آپ کی موعظت اور حسنِ خطابت سے اثر پذیر ہو کر آپ کے دستِ اقدس پر بیعت لاچکا ہے اور ایمان و اسلام کی بیش بہا اور لازوال دولت پاچکا ہے۔ اس سفر سے کچھ ہی روز پیشتر جناب علی مرتضےٰ انکے اسلام لانے کی نوید دربارِ رسالت میں پہنچا چکے ہیں۔ اس مژدۂ جانفزا کے پاتے ہی جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مسرور ہوئے کہ آپ نے جوشِ مسرت میں اپنی زبان حقیقت ترجمان سے خوش ہو ہو کر تین بار فرمایا۔ السّلام علےٰ ہمدان۔ السّلام علےٰ ہمدان۔ السّلام علےٰ ہمدان۔ یہ بھی ہمدانیوں کی خوش قسمتی۔ جس بزرگوار پر خدا۔ خدا کے رسولؐ۔ خدا کے ملائکہ اور خدا کی تمام مخلوق درود و سلام بھیجیں۔ وہی بزرگوار اُن پر متواتر سلام پر سلام بھیجے ؎

آدمی کیا ہے فرشتہ یہ بشر ہو جائے
شرط ہے اُس کی نظر جبہ نظر ہو جائے

بہرحال۔ میرے مرقومۂ بالا بیان سے اتنا معلوم ہوچکا ہے کہ جنابِ سیدہؑ بھی سفر حجۃ الوداع میں اپنے پدر عالیمقدار کے ہمراہ تھیں اور باستثنائے جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا جملہ اعزہ متوسلین اور متعلقین رکاب میں حاضر تھے۔ روانگی کے وقت جناب علی مرتضےٰ علیہ السّلام کو بھی بتاکید تمام لکھ بھیجا گیا تھا کہ یمن کے معاملات تمام کرکے تم بھی بہت جلد مکۂ معظمہ میں آکر مجھ سے ملجاؤ۔ اور میرے ساتھ مناسکاتِ حج بجالاؤ۔

قبل اسکے کہ ہم حجۃ الوداع کے واقعات بیان کریں ہمارے لیے اس امر کی توجیہ و توضیح اور یہ دکھلادینا اور بتلادینا نہایت ضروری ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس خصوصیت۔ اہمیت اور وسعت سے کیوں اہتمام فرمایا گیا تھا۔ ظاہر طور پر یہ کہہ دینا اور بتلادینا

صحیح ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ نے خود ارشاد فرمادیا تھا کہ یہ میرا آخری حج ہے اس لیے ہر شخص غایت حسرت و ملال اور نیز یمن و برکت کے خیال سے آپ کے ہمرکاب ہولیا تھا۔ یہ سبب صحیح مان بھی لیا جاوے تو تاہم اتنے بڑے سامان و اہتمام کے لیے یہی تنہا سبب خیال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر تمام اہل اسلام نے مفارقتِ نبوی کے حزن و ملال یا رفاقتِ مصطفوی کے یمن و برکت کے خیال سے از خود یہ سفر اختیار کیا ہوتا۔ تو پھر جنابِ ختمی مرتبت علیہ التسلیم والتحیۃ کو اس حج کے لیے اتنی دسعت اور عظمت کے ساتھ اعلان کرنے اور نزدیک و دور تمام اسلامی قبائل میں خبر بھیجنے۔ تمام اعزہ اور اقارب کو ہمراہ لینے اور خاصکر جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام کو علاقہ یمن کی تبلیغِ اسلام کے کاموں سے چھڑا کر واپس بلا لینے کی جیسا کہ تمام تاریخ و سیر کی کتابوں میں قلمبند ہے۔ کیا ضرورت تھی۔

سطحی اور سرسری طور پر دیکھنے سے بھی صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سفر کی عظمت بڑھانے اور اہمیت دکھلانے کی ضرورتوں میں جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بانفسِ نفیس جس اہتمام اور انتظام سے سعی و کوشش فرمائی اُس میں مرقومۂ بالا سبب کے علاوہ کوئی اور ضروری اور خاص وجہ بھی مضمر تھی۔ اور وہ وجہ اور ضرورت بھی آپکی کوئی ذاتی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ مناصب رسالت اور فرائض نبوت کے متعلق احکامِ الٰہی کی وہی تبلیغی خدمت تھی اور اسلام کی خدمتِ آخر جس کو حج آخر کے ساتھ ہی ساتھ یا اس کے بعد انجام دینا مناسب اور واجب تھا۔

باعتبار عظمت اور اہمیت کے یہ خدمت ایسی ہی مہتم بالشان۔ عظیم المنزلت اور واجب التعمیل تھی کہ آپ کی تمام گزشتہ اور موجودہ خدمات تبلیغی کی توثیق و تصدیق کا معیار ٹھیرائی گئی۔ اور آپکی سابق تبلیغی خدمات کے شمار اور سلسلہ کے اعتبار سے یہ خدمت آخری خدمت تھی۔ آپ کا حج بھی آخری حج تھا۔ اسلام کی تعلیم۔ تلقین۔ توسیع۔ تدوین۔ غرض تمام جزدی اور کلی امور تکمیل کے درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اب اُن کے استقلال فی الایمان کو آیندہ قائم رکھنے کی آخری تدبیر کرنی اور ہدایت فرمانی باقی تھی۔

آفتابِ رسالت قربتِ الٰہی کے حجاب میں بہت جلد چھپنے والا تھا صدور وحی اور نزولِ روح القدس کے سلسلے منقطع ہونیوالی تھے۔ ان ضرورتوں سے نظامِ قدرت اور احکامِ مشیّت نے تمام اہلِ اسلام اور جمیع امتِ مرحومہ حضرت خیر الانام کو ضلالت و گمراہی اور ہلاکت و تباہی سے آیندہ بچا لینے کے لیے یہ استفادہ فرمایا کہ خدا کی طرف سے اُس کا سچا اور برحق رسول تمام اہل اسلام کے سامنے جن میں بوڑھے۔ جوان۔ عورت۔ بچے سب شامل ہوں سیرۃ انبیائے سابقین کے مطابق اپنا اصلی قائم مقام اور حقیقی جانشین اور جائز وارث جس کو وہ تمامی ذاتی اور صفاتی کمالات سے آراستہ اور پیراستہ پاتا ہو۔ اُسی طرح مقرر فرمائے جس طرح داؤد نے سلیمان کو اور موسےٰ نے ہارون ابن عمران کو (علے نبینا وآلہ وعلیہم السّلام)۔ اور اُس کو علے الاعلان اُن کی دونوں آنکھوں کے سامنے دکھلا دے اور بتلا دے کہ یہی ہے میرے بعد میرا جانشین اور تمہارا مولا۔ تاکہ وہ اسی کی اطاعت اختیار کریں اور ضلالت و ہلاکت سے محفوظ رہیں۔ جسے ہم بہت جلد اسی مضمون میں آیندہ بیان کرتے ہیں۔

یہ تھی اس سفر کی اہمیت۔ عظمت اور انتظامی وسعت و اشاعت کی خاص ضرورت جو ہماری مندرجہ عبارت سے ثابت ہوئی۔ اس کو لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک بیان ہو چکا ہے کہ جنابِ سیدہؑ اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ادائے حج کی نیت سے تشریف لائی ہیں اور جنابِ علیؑ مرتضےٰ بھی یمن سے واپس بلائے گئے ہیں اور امروز فردا میں بہت جلد آنیوالے ہیں۔ چونکہ جنابِ علی مرتضےٰ اور حضرت سیدۂ طاہرہ سلام اللہ علیہا دونوں بزرگواروں کو مثل نزولِ آیۂ مباہلہ و تطہیر اس موقع پر بھی بارگاہِ الٰہی سے بہت بڑی عزت و توقیر عطا ہونیوالی ہے اس لیے ان دونوں حضراتِ مقدسین کی موجودگی اور حاضری اس مبارک تقریب کے موقع پر ضروری اور لازمی ہے۔ یہی ضرورت تھی کہ جنابِ سیدۂ طاہرہ خلافِ دستور اس سفر میں ہمراہ لائی گئیں اور حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ علیہ السلام یمن سے

براہِ راست واپس بلائے گئے۔

چنانچہ جناب علی مرتضٰے علیہ السلام یمن سے تشریف لائے اور زیارتِ نبوی ص سے مشرف ہوئے تو ارشاد ہوا کہ ہدیے کے اونٹ لائے ہو؟ کہا کہ نہیں۔ فرمایا گیا کہ ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں تمہارے ہدیے کے اونٹ بھی اپنے ہمراہ لے آیا ہوں۔ جاؤ اونٹوں کی قربانی کرو۔ یہ تھی توحد فی الذّات کی کامل مثال جس پر نصِ انفسنا دال ہے۔

بہرحال، حج کے تمامی مناسکات ادا فرما کر جب جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام خیمۂ مطہرات میں تشریف لے گئے تو جنابِ سیّدۂ عالمیان کو مُحِل دیکھا۔ تعجب ہوا۔ استفسار فرمایا تو صدیقۂ کبرٰے نے ارشاد کیا کہ میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ اس لیے میں پہلے ہی احرام سے باہر ہوگئی اور میں نے خدمتِ رسالت سے اس کا استفتا لے لیا ہے اور مجھ کو میرے پدرِ عالیمقدار نے ماذون فرما دیا ہے۔ یہ سُنکر جنابِ علیؑ مرتضٰے نے جواب دیا کہ جو تم نے کہا وہ سچ ہے اور جو کچھ تمہیں جنابِ مخبرِ صادق نے بتلایا وہ سب سچ ہے اور برحق۔

ازالۃ الخفا کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ علی مرتضٰے نے تنہا جانوروں کی قربانی نہیں کی جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا ہے بلکہ آپ نے جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر نیزہ پکڑا اور اونٹ نحر کیے۔ اور قربانی سے فارغ ہو پیغمبرِ خدا علیہ التحیۃ والثنا خچر پر سوار ہوئے اور جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور قیامگاہ کو تشریف لائے۔

غدیرِ خُم کے واقعات

جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکۂ معظمہ سے فرائضِ حج ادا کرکے مدینۂ منوّرہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے اور جب منزلِ غدیرِ خُم پر پہنچے تو آیۂ وافی ہدایہ یاایھا الرّسول بلّغ ما انزل الیك وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ و اللہ یعصمك من النّاس۔ اے رسولؐ! اُس امر کو (فوراً) پہنچا دو جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اگر تم نے نہیں پہنچایا تو گویا تم نے رسالت کی کوئی تبلیغی خدمت ہی انجام نہیں دی خدا تمہیں لوگوں سے بچانیوالا ہے۔

اس مقام پر اس آیۂ وافی ہدایہ کے نازل ہونیکی خاص وجہ یہ تھی کہ اسی مقام سے مختلف مقامات اور قبائلِ عرب کی طرف راستے جاتے تھے۔ اور یہیں سے مکّہ سے آنیوالے قافلہ کے لوگ متفرق ہو ہو کر اپنے اپنے مواطن ومساکن کی جانب روانہ ہوتے تھے۔ اس ضرورت سے لازمی تھا کہ یہ واجب التعمیل حکمِ الٰہی اُسی مقام پر پہنچایا جائے تاکہ اہلِ اسلام کی وہ کثیر التعداد جماعت جو اس وقت تک آپ کے ہمرکاب تھی متفرق نہ ہونے پائے۔

واقعاتِ تاریخی پڑھے جائیں۔ سیرت کی کتابیں ملاحظہ کیجائیں۔ ایک نہیں متعدد کتابوں میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا پایا جائیگا کہ اس حکمِ خداوندی کے پاتے ہی جنابِ ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی تعمیل میں کتنی عجلت سے کام لیا۔ فوراً اسلامی جماعت میں حیّ علیٰ خیر العمل کی منادی کرادی۔ اور یہ حکمِ عام صادر فرمایا گیا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ یہیں ٹھہر جائیں اور جو لوگ ابھی پیچھے ہیں اُن کا انتظار کر لیا جائے۔ مدّعا یہ تھا کہ اہلِ اسلام کی اتنی بڑی جماعت میں ایک فردِ واحد بھی اس کی شرکت سے محروم نہ رہنے پائے تمام اہلِ اسلام جمع ہوئے۔ میدان دو تنک جھاڑا گیا اونٹوں کے پالان سے منبر بنایا گیا۔ محدّثِ شیرازی حافظ جمال الدین کتابِ روضۃ الاحباب میں اس واقعہ کو ذیل کی عبارت میں بیان کرتے ہیں:۔

چوں بمنزلِ غدیرِ خُم کہ از نواحی جحفہ است رسید نماز پیشین را در اوّلِ وقت گزارد و بعد ازاں روبسوئے یاراں کردہ فرمود الست اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم یعنی آیا نیستم من اولےٰ بمؤمنان از نفسہائے ایشاں و در روایتے آنکہ فرمود کہ گویا مرا بعالم بقا خوانند و من اجابت نمودم بدانید کہ من درمیانِ شما دو امرِ عظیم می گزارم و یکے از دیگرے بزرگتر است۔ قرآن و اہلبیتِ من۔ بہ بینید و احتیاط کنید بعد از من کہ باآں دو امر چگونہ سلوک خواہید نمود و رعایتِ حقوقِ آنہا بچہ کیفیت خواہید کرد و آں دو امر از یکدیگر ہرگز جدا نخواہند شد تا در

لب حوضِ کوثر بمن رسند۔ آنگاہ فرمود بدرستیکہ خدا تعالےٰ مولائے من است و من مولائے جمیع مومنانم۔ بعد ازاں دستِ علی رابگرفت و فرمود من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ وادر الحق معہ حیث کان۔ ونیز مروی ست کہ قدوۂ اصحاب عمر ابنِ خطّاب گفت اے علیؑ بامداد کردی و مولائے ہر مومن و مومنہ شدی

روا زبرائے سرِ تاجِ خویش تاجے ساز

زخاکِ پائے جوانمرد و آلِ من والاہ

دل از عداوت او دور دار تا نہ خوری

ز تیغ زخم بنی عاد زخمِ من عاداہ

گواہ پاکی اصلت ولائے میرے داں

کہ برکمال معالیش ہل اتیٰ ست گواہ

مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم صفحہ ۱۳۱ میں رقمطراز ہیں کہ راہ میں ایک مقام خمؔ پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے۔ یہاں ایک تالاب ہے تالاب کو عربی میں غدیر کہتے ہیں۔ اسی لیئے اسکا نام غدیرِ خم آیا ہے۔ آپ نے تمام صحابہ کو جمع کرکے ایک مختصر سا خطبہ دیا۔ وہ یہ ہے :۔

امّا بعد الا ایھا النّاس فانّما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجبت وانا تارک فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدیٰ والنور فخذ وا الکتاب اللہ و استمسکوا بہٖ واھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھلبیتی۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اُن میں اوّل خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہیں میں اپنے اہلبیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

اس کے بعد مولوی صاحب یوں قلم آرا ہیں :۔

آخری جملہ۔ یعنی ذکرِ اہلبیتؑ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ نسائی۔ مسند امام احمد حنبل۔ ترمذی۔ طبرانی اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ اُن روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اللّٰھمّ وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں ہے کہ ان الفاظ کے کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ بخاری میں ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے گئے تھے۔ جہاں سے واپس آکر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ اُنہوں نے یمن میں اپنے اختیار سے ایسا معاملہ کیا تھا جس کو اُن کے بعض ہمراہیوں نے پسند نہیں کیا تھا۔ اُن میں سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ علیؑ کو اس سے زیادہ کا حق تھا۔ عجب نہیں کہ اس قسم کے شکوک رفع کرنیکے لیے آپنے اس موقع پر یہ الفاظ فرمائے ہوں۔ سیرۃ المحمدیہ ص ۱۳۱ ج ۲۔

مولوی صاحب نے اپنے قدیم دستور کے مطابق اس واقعہ کو چبا چبا اور چھپا چھپا کر جس انداز سے لکھا ہے وہ ناظرینِ کتاب پر آئینہ ہے۔ اور مولوی صاحب کی عصبیّت۔ نفسانیت اور سخت ناصبیّت کا کامل ثبوت۔ اُن کی قلمکاری اور غلط نگاری کی یہاں ہم کوئی تنقید و تردید کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہم اس حدیث کی پوری تفصیل۔ تشریح۔ توثیق و تصدیق سراج المبین جلد اوّل میں بذیلِ ذکر حدیثِ غدیر کرچکے ہیں۔ اور بار دیگر انشاءاللہ المستعان۔ سیرۃ المصطفویہ میں پوری تشریح کریں گے۔

وما توفیقی الّا باللہ۔

مگر بااینہمہ۔ حق کی تلاش کرنیوالوں کو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ باوجود اتنی کدو کاوش۔ عبارت آرائی اور خامہ فرسائی کے۔ حقیقت کے زور۔ اصلیت کی قوّت نے اس واقعہ کا لب لباب مولوی صاحب سے لکھوا ہی چھوڑا۔ اُنکی ناصبیّت سے جو خارجیت کے قریب پہنچی ہوئی ہے اتنا ہی غنیمت ہے اور بہت ہی غنیمت۔ الحقّ یعلو ولا یُعلیٰ کا یہی اعجاز ہے او ظھر الحقّ وللحقّ اکثرھم کارھون کا یہی قدرتی راز۔

بہرحال، اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں واقعات کو فریقین کی معتبر اسناد سے۔ پوری

تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے جن سے جناب سیدہ اور اُن کی اولادِ معصومین کی ایسی علو مرتبت۔ قرآنِ مجید کے ساتھ مساوات اور ہم منزلت اور تمام کائنات پر فضیلت و شرافت اور پھر دو سرے خاص واقعہ سے آپ کے شوہر گرامی بنفس پیغمبرِ الٰہی کی برحق خلافت حقیقی امارت کی پوری بشارت کالشمس فی النصف النہار ظاہر اور آشکار ہوتی ہے۔ اور یہی وہ عظیم المنزلت۔ واجب التعمیل خدا کے احکام تھے جو اس سفر کے متعلق تھے۔ جس کی وجہ سے موقع شناس مصلحت اندیش۔ عاقبت بین۔ رسولِ امین صلے اللہ علیہ وآلہ الطاہرین نے اپنے دونوں عزیز ترین مقربیں کو خاصکر اس سفر میں ہمراہ رکھا تھا اور اس نعمتِ الٰہی اور وصیت رسالت پناہی کی پوری بشارت کو اتنے بڑے بلیغ اور وسیع اہتمام و انتظام سے باحسن الوجوہ انجام فرمایا۔ وذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم۔

وفات رسول اور اضطراب بتول

(صلے اللہ وسلامہ علیہما)

جانبین میں جو روحی تعلقات تھے اور قلبی جذبات۔ وہ اس کتاب میں ایک مقام پر نہیں بلکہ متعدد مقاموں پر پوری تشریح کے ساتھ مندرج ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ہر شخص خاص اوقات میں اپنے ذاتی تعلقات اور جذبات سے خود معلوم کر سکتا ہے کہ ایک باپ کی دائمی مفارقت کا صدمہ اُس کی اولاد پر کیسا شاق اور کیسا بڑا اثر گزرتا ہوگا۔ اور اسی طرح اُس ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانیوالے باپ کو اپنی پیاری اولاد سے جانیکا قلق کیسا سخت اور ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہوگا۔ پھر وہ اولاد بھی کیسی اکلوتی اولاد جس کے سوا نہ کوئی دوسرا باپ کی آنکھوں کا نور ہے اور نہ اُس کے دل کا سرور۔ یہی ساری زندگی کی دولت ہے اور ریاضت۔ یہی تمام عمر کی کمائی ہے اور بضاعت۔ غریب بیٹی کو اجل نصیب ماں گود میں چھوڑ کر چل بسی تھی غمدیدہ اور مصیبت رسیدہ باپ نے اپنے اس درِ یتیم کو جس محنت اور مشقت سے گلے کا تعویذ بنا کر پالا تھا۔ اور صرف اسی کی صورت دیکھ دیکھ کر مجروح دل کی تسکین کی تھی اور زخمی قلب کو سنبھالا تھا۔ دنیا جانتی ہے اور دنیا والے۔ اسی طرح صاحبزادی نے بھی ماں سے چھوٹ کر شفیق باپ کے دامن میں جس ناز و نعم سے پرورش پائی تھی اور اُن کے اشفاق۔ سرپرستی اور عنایت و کرم سے آرام پایا تھا۔ راحت اُٹھائی تھی۔ اُس کو جناب سیدہ کا دل ہی جانتا تھا اور آپ کے دل سے زیادہ آپ کا پیدا کنندۂ عادل۔ اُن جذبات کا اندازہ ہمارے لیے دشوار ہے اور مشکل۔

جب جانبین سے باہمی تعلقات اور جذبات کی یہ کیفیت ہو تو اُنکی دائمی مفارقت کے موقع پر اُن کے جانگزا حزن و ملال اور روح فرسا غم و الم کا کیا پوچھنا ؎

سر کنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

اتنی تمہید کے بعد ہم اپنے مدعائے بیان کو آغاز کرتے ہیں۔ سلہ ہجری میں صفر کے تیسرے ہفتہ سے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علیل ہوئے۔ چہار شنبہ کا دن تھا اور اُس روز آپ امّ المومنین میمونہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ اُس دن تیسرے پہر سے آپ کی طبیعت پر بار اور حرارت کے آثار نمایاں ہوئے۔ شام ہوتے ہوتے شدید بخار آگیا۔ جناب سیدہ آپ کی علالت کی خبر پاتے ہی خدمتِ قدسی برکت میں حاضر ہو گئیں اور آپ کی دلجوئی۔ تسکین دہی اور راحت رسانی کی خدمتیں بجالانے لگیں۔ جب تک مرض میں اعتدال کی صورت رہی۔ جناب سیدہ کا یہ روزانہ معمول رہا کہ اپنے پدرِ بزرگوار کی ضروری خدمتوں سے فراغت کر کے تھوڑی دیر کے لیے تشریف لیجاتی تھیں اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے آتی تھیں۔ اور پھر خدمتِ اقدسِ نبوی میں حاضر ہو جاتی تھیں۔ مگر جب کہ مرض میں شدت ہوئی اور حالت خوفناک اور دگرگوں ہونے لگی۔ آپ نے گھر جانا یکقلم موقوف کر دیا۔ اور پھر اُس وقت سے لیکر وفات فرمانے کے وقت تک ہمہ دم خدمت میں حاضر رہیں۔ اور یہ ہو کیسے سکتا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ کر اپنی ضرورت کو اُس کی خدمتوں پر ترجیح دی جائے۔ خدا علیم ہے سیدہ کا دل ایسا پتھر نہیں تھا اُن کی حسرت بیں آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور اُن کا اندوہ گیں

دل محسوس کر رہا تھا کہ ایسے شفیق اور مہربان باپ کا سایہ ہمیشہ کے لیے سر سے اُٹھ رہا ہے جو تمام آرام و راحت عظمت و عزت اور شرف و مفاخرت کا باعث ہے اور سبب۔ ایسے قیامت خیز وقت میں اپنا یا بال بچوں یا گھر بار کا خیال جناب سیدہ کے دل میں کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔ آپ کو اس وقت سوائے اپنے پدر بزرگوار کے اور کسی کی خبر نہیں تھی۔ حسرت آمیز نگاہیں ہر وقت روئے مبارک سے لگی رہتی تھیں۔ دل مضطرب۔ ہر دم و ہر لحظہ ہمہ تن آپ ہی کے خیال اور آپ ہی کی دیکھ بھال کی طرف لگا تھا۔ بار بار اُٹھتی تھیں اور چہرۂ پُر نور کی طرف حسرت سے دیکھتی تھیں۔ اگر آثار اچھے پائے گئے تو کچھ تسکین ہو گئی۔ اور اگر تیور بگڑے ہوئے معلوم ہوئے تو قلب کا انتشار اور بھی بڑھ گیا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کے مسلسل تار بندھ گئے۔ غرض اس امید و بیم۔ انتشار اور اضطراب عظیم کی سخت حالتوں میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کے تمام ایام کاٹے۔ شدت مرض سے آنحضرت کو کبھی افاقہ ہو جاتا تھا تو آپ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف حسرت سے دیکھکر رہجاتے تھے۔ کبھی پاس بُلا کر اور پہلو میں بٹھا کر اپنے پارۂ دل کو چھاتی سے لگا لیتے تھے۔ تسکین اور دلجوئی فرماتے تھے اور دنیا کے مصائب و نوائب پر صبر و خاموشی اختیار کر لینے کے لیے خاص طور پر ارشاد کرتے تھے۔

پیارے نواسے بھی بیماری کی ایسی شدید حالت میں رات دن گلے کے تعویذ بنے رہتے تھے۔ غریب ماں باپ کی ہجیبنی کے خیال سے اکثر بچوں کو جُدا رکھنا چاہتی تھی تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بے رُخی اور تہدید ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ فوراً اپنے پاس بُلا کر اپنے دوش۔ اپنے سینہ اور پشت مبارک پر اُسی طرح بٹھا لیا کرتے تھے جس طرح صحت کی قدیم حالتوں میں ان بچوں کے ساتھ اشفاق فرمایا کرتے تھے۔ ہم کتاب روضۃ الاحباب کی اصلی عبارت سے ان واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وھو ھذا

دراں ایام قضایائے چند متحقق گشتہ یکے ازاں بصحت رسیدہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت ندیدم ہیچ احدے را مشابہ تر بہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از فاطمہ زہرا از روئے حسنِ سیرت و استقامت منظر و سکینہ و وقار و قیام و قعود۔ چوں بر پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم درآمدے آں سرور بر فاطمہ متوجہ و مستقبلِ وے شدے و او را ابوشیدے و ببوئیدے و بر جائے خود بنشانیدے و چوں بخانۂ وے رفتے وے نیز باپدر بزرگوار ہماں طریقہ مرعی داشتے۔ و دراں خستگی فرستاد و فاطمہ را بخواند و چوں آمد فرمود۔ مرحبا یا بنتی و او را بر دستِ راست از دستِ چپ خود نشاند و با او سخنی بسبیل سارہ فرمود۔ فاطمہ گریاں شد۔ باز با وے بہماں طریقہ سخنے فرمود۔ ایں نوبت فرحان و خنداں گشت۔ عائشہ گوید۔ از فاطمہ پرسیدم کہ ندیدم فرح را نزدیک تر بحزن مثلِ امروز و از وے استفسار کردم کہ چہ می گفت۔ جواب داد کہ سرِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم را فاش نکنم۔ و آں سخن را با من نہ گفت تا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم از دنیا انتقال کرد۔ بعد ازاں از وے پرسیدم کہ آں سخن چہ بود۔ گفت اول بار گفت بدرستیکہ جبرئیل با من ہر سال یک بار درس قرآن میخواند و امسال دو نوبت خواند۔ و گمان نمی برم الّا آنکہ اجلِ من نزدیک رسیدہ و اول کسیکہ از اہلبیت من بمن ملحق شود تو باشی پس بگریستم و در بارِ دوم گفت راضی نیستی کہ سیدۂ زنانِ اہلِ بہشت باشی۔ و در روایتے آنکہ جبرئیل مرا خبردار گردانید کہ نیست ہیچ زن از زنانِ مسلماناں کہ ذریتِ او اعظم باشد از ذریتِ تو۔ باید کہ صبرِ تو از باقی زنان کمتر نباشد۔ و دراں سخن ارشادے بود فاطمہ را باآنکہ در مفارقت آں سرور باید کہ گریہ و جزع نہ نماید و صبر کند چہ می دانست کہ صبر و شکیبائی از ملاقات و مصاحبتِ وے بیتما بر فاطمہ نہایت دشوار خواہد شد۔

اس کے بعد محدث شیرازی جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ کے قریب وفات کے وہ واقعات تحریر فرماتے ہیں جن سے تمام اعزہ۔ اقارب اور تمامی متعلقین کے وداع آخر فرمائے جانیکے حالات پوری تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں:-

حضرت فاطمہ زہرا را گرفت و آں را بسینۂ بے کینۂ خود ضم کرد و چشمانِ خود برہم نہاد زمانے نیک۔ چنانکہ گفتند کہ روح نامی از جسد گرامی او مفارقت نمود۔ فاطمہ سر پیش بُرد و گفت یا ابتاہ۔

ہیچ جواب نہ شنید۔ پس گفت جانِ من فدائے جانِ تو باد بمن نگاہے کن و سخنے بگو۔ آں سرور چشم بکشاد و گفت اے دخترِ من گریہ مکن کہ جملہ عرش از بکائے تو می گریند و از دست مبارک اشک از چہرۂ فاطمہؑ پاک می کرد و او را دلداری و بشارتہا می داد و گفت بارخدایا فاطمہؑ را در مفارقتِ من صبرے کرامت فرما۔ و با او گفت چوں روح مرا قبض کنند بگو انا للہ و انا الیہ راجعون بدرستیکہ ہر انسانے را در ہر مصیبتے عوضے ہست۔ گفت یا رسول اللہ از تو کدام چیز عوض تواند بود۔ بعد ازاں چشم بر نہاد فاطمہؑ گفت واکرب اباہ۔ حضرت فرمود ہیچ کرب و اندوہ بعد از امروز بر پدرِ تو نیست۔ یعنی کرب و اندوہ بہ سببِ شدتِ الم و صعوبت وجع بود بعد از امروز آنہا نخواہند ماند۔ یا آنکہ کرب و اندوہ بواسطۂ علائق جسمانی و تعلقات و پریشانی کہ لازمۂ حیات بدن انسان است می باشد و اکنوں چوں قطع آں علاقہ خواہد شد و بعالمِ وصال ملک متعال انتقال دست خواہد داد مرا در آں عالم ہیچ حسرت و اندوہ نخواہد شد۔

پھر ازواج مطہرات کے وداع فرمائے جانے کے بعد لکھتے ہیں:-
انگاہ فاطمہؑ را فرمود حسن و حسین علیہما التحیۃ والرضوان را نزدیک آں سرور بیاورد۔ ایشاں آمدند و سلام کردند و در برابر جدِ بزرگوار بنشستند و چوں او را باآں حال دیدند بہ گریہ آغاز نہادند و چناں زار بگریستند کہ از گریۂ شاں ہر کہ درآں خانہ بود می گریست حسنؑ روئے خود را بر روئے مبارک آں حضرت و حسینؑ سر خود را بر سینۂ پُرسکینۂ آں سرور نہاد حضرت چشمانِ نرگسیں کشاد و در ایشاں از سر لطف و شفقت نظر کرد و ایشاں را بوسید و بوئید و در بابِ تعظیم و احترام و محبت ایشاں وصیت فرمود۔ و در روایتے آنکہ بعضے از خواص اصحاب بر درِ حجرہ بودند۔ از گریۂ حسن و حسین علیہما السلام بگریستند چنانکہ او از گریۂ ایشاں بگوشِ پُرہوش آں سرور رسید۔ وے نیز بگریست ص ۵۵۹۔

اس واقعہ کے بعد مناسبت مقام کی ضرورت سے ہم سب کے ساتھ وداع علی علیہ السلام کے خاص حالات بھی اسی کتاب کی اصلی عبارت سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جس سے بخوبی ثابت ہو جائیگا کہ ان دونوں حضرات سے جناب سرورِ کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ جو روحی تعلقات ایامِ حیات سے لیکر آخر اوقاتِ وفات تک رکھتے تھے۔ چنانچہ وداعِ ازواجِ مطہرات جناب سیدہؑ اور حضرات حسنین علیہما السلام کے رخصت فرمائے جانے کی باری آئی۔ ان کے بعد جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام آخر بزرگ تھے۔ جن کو وداع اور رخصت فرما کر جنابِ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوات رہگرائے اعلٰے علیین ہو گئے۔

صاحبِ روضۃ الاحباب رقمطراز ہیں:-
فرمود بخوانید برادرِ من علیؑ را۔ علیؑ بیامد و بر بالینِ وے بنشست۔ حضرت سر خود را از بستر برداشت۔ امیرؑ در شیب بغلِ وے درآمد و سر مبارکش بر بازوئے خود نہاد۔ آں سرور فرمود۔ ای علیؑ! فلاں یہودی پیشِ من چنداں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیزِ لشکرِ اسامہ بقرض گرفتہ بودم۔ زنہار کہ وے را از ذمۂ من ادا بکنی۔ اے علیؑ تو اول کسے خواہی شد کہ بر لبِ حوضِ کوثر بمن رسی۔ و بعد من بسے امور مکروہ بتو خواہد رسید۔ باید کہ تنگدل نشوی و طریق مصابرت پیش گیری و چوں بینی کہ مردم دنیا را اختیار کردند تو باید کہ آخرت را اختیار بکنی۔

یہ تھے نفسِ رسولؐ زوجِ بتولؑ کے وداع فرمائے جانے کے حالات اور ایسے سچے اور پُراثر جن کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے واقعات کی حقیقت اور صداقت مترشح ہے۔ یہی تو وہ کلمات اور توقیعات ہیں جو ایک بزرگ اپنے قریب سے۔ ایک وارث اپنے وارث سے اور ایک منیب اپنے نائب سے اپنے بسترِ مرگ پر آخری وصایا کی صورتوں میں بیان کرتا ہے۔

اس کے بعد ہی محدثِ موصوف جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے حالات ان الفاظ میں قلمبند فرماتے ہیں:-

از جابر ابنِ عبداللہ انصاری منقول است کہ گفت در زمان خلافت عمرِ خطاب کعب الاحبار نزدِ وے آمد و پرسید کہ کلمۂ آخر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باں تکلم نمود۔ چہ بود۔ عمر گفت از علیؑ ابنِ ابیطالب بپرس۔ کعب از علیؑ پرسید۔ امیرؑ گفت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بر سینۂ خود مستند ساختہ بودم سر را بر دوشِ من نہاد و گفت الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ کعب گفت آخر عہد د

وصیتِ انبیاء این باشد و براین مامور اند و براین مبعوث شدند۔ علیؑ گوید حضرت با من سخنے می گفت و آبِ دہنِ وے بمن می رسید حال بروے متغیر شد و زناں از پسِ پردہ بیطاقتی می نمودند و من نیز تحمّلِ آں نداشتم کہ ویرا باآں حال بہ بینم۔ گفتم ای عباس مرادریاب۔ عباس آمد و بایکدیگر وے را بخوابانیدیم۔

(روضہ ص ۵۶۰)

ان واقعات نے بتلا دیا کہ جس بزرگوار کو آپ نے سب سے آخر وداع کیا تھا اور وصیت فرمائی تھی اُسی کی آغوش میں اور اُسی کے ہاتھوں کے سہارے آخر بار بسترِ موت پر لیٹ کر ہمیشہ کے لیے آرام فرمایا اور آخر ہوئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ کلّ من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام۔

وفاتِ رسولؐ سے لیکر رحلتِ بتولؑ تک کے حالات

آہ ازاں روز زنزد تو جُدا ایم کردند
وقفِ صدصدمہ وُصد آفت وصد غم کردند

حقیقت تو یوں ہے کہ جنابِ ختمی مرتبت کے ختم ہوتے ہی گویا فاطمہؑ کا خاتمہ ہو گیا۔ قبرِ رسول کے بند ہوتے ہی فاطمہ زہرا پر مصیبتوں کے دروازے کھُل گئے۔ آفتوں کے آسمان ٹوٹ پڑے۔ باپ کے مرنے کے بعد کُل پچھتر روز زندہ رہیں۔ مگر ایسی زندگی مرگی تھی اور ایسا زندہ مُردہ درگور۔ ڈھائی۔ پونے تین مہینوں کی قلیل مُدّت جس مصیبت اور اذیت میں گزری وہ غم والم کے دفتر ہیں اور اپنی زندگی کے اتنے دن اُس معصومہ نے جس سختی۔ بلا اور شدّت سے کاٹے ہیں وہ حسرت اور عبرت کے کارنامے ہیں۔ ایک غم ہو تو کہا جائے۔ ایک صدمہ ہو تو سہا جائے۔ یہاں تو بلاؤ مصیبت کا وہ لگا تار سلسلہ بندھا جو ٹوٹا ہی نہیں۔ اور اگر ٹوٹا بھی تو رشتۂ حیات کے ساتھ ہی۔ دن تھا آفت اور رات تھی مصیبت۔ حق تلف کیا گیا تو ان کا۔ ملکیت ضبط کیگئی تو ان کی۔ باپ کی مفارقت میں سمجھی تھیں کہ زمانہ کے لوگ ہمدردی کرینگے۔ انسانی اخلاق و عادات کے مطابق اس واقعہ میں انکا ساتھ دینگے۔ جانتی تھیں کہ اگر حقیقی طور پر نہیں تو ظاہری طور پر سہی۔ اصلی نہیں تو نمائشی ہی سہی۔ دستور اور عموں کے طریقہ پر

دنیا اور دنیا والے ہمدردی اور دلجوئی کرینگے۔ تسکین تشفی اور دلاسا دینے آئینگے۔ مگر ؎

ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

دنیا والوں نے بخلاف امید معصومہ کو ایسی اذیتیں پہنچائیں جو انسانی ستمگاریوں سے بڑھکر حیوانی خونخواریوں کی حدود تک پہنچ گئیں۔ باپ کے ماتم میں فاطمہؑ کی تعزیت کرنے اور اُن کے آنسو پونچھنے کے لیے کوئی بھی نہیں آیا۔ ہاں گھر جلانے۔ دروازہ گرانے۔ ڈرانے اور دھمکانے غرض غریب رونیوالی کو اور رُلوانے کے لیے ایک سے دس تک اور دس سے سَو تک جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم کی آنکھیں بند ہوتے ہی فاطمہؑ کی طرف سے گویا تمام دنیا کی نگاہیں پھر گئیں دل پلٹ گئے۔ نیتیں بدل گئیں۔ گویا بضعۃ الرسول سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ فاطمہؑ زہرا کا عالمِ اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ سیدۃ نساء العالمین کا عامۃ المسلمین پر کوئی حق ہی نہیں تھا۔ فاطمہؑ وہ فاطمہؑ ہی نہیں تھیں۔ جن کی قدر و منزلت خود رسول صلعم کو کرتے ہوئے دنیا والے اپنی آنکھوں سے ایک بار نہیں ہزار بار اور ہزار بار کیا جتنا بار دیکھ چکے تھے۔ یہ سیدہ وہ سیدہ ہی نہیں تھیں جن کو وہ مختلف نصوصِ ربّانی اور متعدد منشورِ یزدانی کے مقاصد و مطالب تنزیل جنابِ مخبرِ صادق علیہ السّلام کی زبانی سُن چکے تھے اور تسلیم کر چکے تھے۔

تنہا جنابِ سیدہ علیہا السّلام کے حقوق سے ناتوجہی اور روگردانی نہیں کی گئی بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مخصوص حقوق سے بھی چشم پوشی اختیار کی گئی ہے۔ اور اُن کی خصوصیت کے اقرار سے بھی خاموشی ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں نیز پرداختی

وھٰذا الشی عجاب فاعتبروا یا اولی الابصار۔
ہم ان معاملات کی نسبت اپنی طرف سے کوئی رائے زنی کرنا

نہیں چاہتے۔ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب سابق ڈپٹی کلکٹر اور اُن کی دینی تحقیقات اور قومی خدمات کو ہندوستان میں کون نہیں جانتا اور مذہبی حیثیت سے اُن کو ایک سُنّی فاضل حنفی عالم۔ حافظ اور مترجم القرآن اور ایک مشہور و معروف صاحبِ تالیف و تصنیف کون نہیں مانتا۔ شمس العلماء حافظ صاحب نے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے مصائب اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کے مسالک کو مجمل طور پر بیان کر کے ان واقعات پر جو اپنی رائے قائم کی ہے ہم اُسی کو اپنی موجودہ ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اور پھر حافظ صاحب موصوف کے اس مجمل مختار کو مفصل طور پر علیحدہ علیحدہ مباحث میں انشاء اللہ المستعان بیان کرینگے۔ حافظ صاحب کی اصلی عبارت یہ ہے[1]:۔

جو شخص (وفات رسولؐ سے) سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے۔ دینؔ دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے سایہ اُٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوٰے کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط اُنہی کے ساتھ تھے۔ پھر اُنہی رنجوں میں گُھل گُھل کر چھ مہینے کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں۔ اُن لوگوں سے جنھوں نے رنج دیے تھے نہ بولیں۔ اور نہ بات کی۔ یہانتک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی منادی کرا دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہو۔ تاہم اُن کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دلِ غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے۔ برائے نام خلافت دیدی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر۔ خلافت تو کون دیتا تھا۔ مگر باغِ فدک کے دیدینے میں ایسی کونسی قباحت تھی۔ غایۃ مافی الباب۔ حدیث معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ کے خلاف ہو بھی تو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھائیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیتِ نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اُس ناقابلِ برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ص ۱۵۲۔ رویائے صادقہ۔

مرقومۂ بالا عبارت لکھکر حافظ صاحب نے تو معاملۂ فدک کے جستہ جستہ سب حالات بھی لکھدیے اور برجستہ فیصلہ بھی کر دیا مگر تاہم اُنکے اس مجمل بیان سے اصل واقعات کی کوئی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہوتی۔ حافظ صاحب نے مجرمین فدک کی عیب پوشی کو اپنے اجمالی بیان میں پیشِ نظر رکھا ہے۔ اور حقیقتاً یہ اُن کی خوش اعتقادی کے لیے مناسب تھا اور شایاں۔ مگر عام اس سے کہ اُن کی وہ کتاب جس میں اُنھوں نے یہ حالات اور اپنے مختار قائم فرمائے ہیں۔ ان حالات کی پوری تفصیل اور تشریح کی گنجائش اور مناسبت رکھتی ہو یا نہو۔ ہم کو اس سے بحث نہیں ہے۔ مگر ہمارا سلسلۂ بیان ان حالات کی پوری تفصیل۔ کامل تحقیق اور کافی تنقید کیے بغیر تمام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم ان تمام بیانات کو اپنی موجودہ تالیف کے لیے حد سے زیادہ

---

[1] مرحوم حافظ صاحب نے ناہنجار زمانہ کی موجودہ ناصبیت کا اثر سے متاثر ہو کر اپنی آخر تصنیف امہات الامۃ میں اپنے مندرجۂ بالا مختار کو قائم نہ رکھا اور ان معتقدات کو نسیاً منسیا فرما گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ تو شیعہ اُن کے ہمطریق سُنّی بزرگواروں نے بھی اُنکی اس کتاب سے ایسی نفرت کا اظہار کیا کہ آخر مولوی صاحب کو اُسکی تمام چھپی ہوئی جلدیں جلوانی پڑیں۔ شیعہ اسپر بھی جواب سے باز نہ آئے۔[2]

[2] میرے مرحوم دوست سید محمد محسن صاحب وفا سیتاپوری نے ام الائمہ لکھکر اور مطبع یوسفی دہلی سے شائع کرا کر حافظ صاحب کی غلط بیانیوں اور سُنی سُنائی کہانیوں کی پوری تردید و تنقید فرما دی۔ عطاہ اللہ خیر الجزاء۔ المولف اولاد حیدر

ضروری سمجھتے ہیں۔

بہرحال۔ حافظ صاحب نے سرسری طور پر اُن مصائب اور صدمات کو جو بعد وفات جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کو یکے بعد دیگرے پیش آئے قلمبند کر دیا ہے اور آخر میں اپنی رائے اور اپنا مختار بھی تحریر فرما دیا ہے۔ جس سے ہر شخص کم سے کم ان واقعات کا وجود تو ضرور صحیح مان سکتا ہے۔ اور یہ بھی غنیمت ہے۔ زمانہ کی موجودہ ناصبیت نے تو ان واقعات کے وجود ہی کو سرے سے مستاصل کر دینے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

اگرچہ یہ بحث بہت قدیم اور بالکل پامال ہو چکی ہے۔ مناظرہ اور کلام کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہو گی جس میں یہ بحث پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند نہ کی گئی ہو یا اُس کا کوئی شائبہ نہ بیان کیا گیا ہو۔ پھر یہ بات سمجھنے کو ہو جاتی ہے کہ جب یہ واقعات اتنے مشہور ہیں اور کلام و مناظرہ کی تمام کتابوں میں مسطور تو پھر انکو سیرت کی کتابوں میں خواہ مخواہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعہ کی حیثیت اور مناسبت پر پہلے غور کرنا چاہیے اگر وہ تاریخ اور سیرت دونوں کی نہ حیثیت رکھتا ہے اور نہ مناسبت تو واقعی اُس کو تاریخ و سیرت میں جگہ دینا زیادتی ہے، اور اگر نہیں۔ وہ صاحب سیرت اور وقوعات سنین دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ ایکبار نہیں ہزار بار کلام و مناظرہ کی کتابوں میں تحریر ہو چکا ہے۔ تو اُسکا تاریخ و سیرت کی کتابوں میں جمع کر دیا جانا۔ مدعائے تالیف کے خلاف اور ترتیب واقعات سے زائد نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ سیرت کے حالات اور تاریخ کے واقعات میں اسکو ترک کر دینا سیرت نگار کی نازیبا فروگذاشت ہے۔ اور مؤرخ کی خلاف یادداشت جس کی وجہ سے اُس پر کوتاہ قلمی اور واقعات کی کمی کا بدنما الزام صحیح لگایا جائیگا۔

ہم جب دیکھتے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے زمانۂ حیات میں فدک کا دعوٰے کیا۔ عام اس سے کہ وہ کیسے ہی غلط اصول پر کیا گیا ہو (نعوذ باللہ) اور اُس سے ایک نتیجہ نکلا۔ عام اس سے کہ وہ نتیجہ آپ کے موافق ہوا ہو یا خلاف جیسا کہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے۔ جب یہ امر محقق ہو گیا کہ یہ معاملات جنابِ سیدہ علیہا السلام کے ایامِ حیات میں ضرور پیش آئے۔ تو پھر آپ کی سیرت نگاری کا شرف حاصل کرنیوالا۔ ایک سیرت نگار کی حیثیت میں ہو کر ان مشاہدات واقعات کو کیسے قلم انداز کر سکتا ہے۔

اسی بنا پر ہمارے ہمعصر صاحبِ رسالۂ خاتونِ جنت کو بھی اسکے درج کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اور اس ضرورت نے اُن سے اس کو درج ضرور کرا دیا۔ مگر اُنہوں نے اپنے اعتقادات کے مطابق صدیقۂ کبرٰے کے اس دعوے کو غلط اور جھوٹا ثابت ٹھیرایا (معاذ اللہ)۔ ہر شخص اپنے معتقدات کا جوابدہ ہے اور پابند۔ ہمارے لائق ہمعصر اس کو صحیح نہیں جانتے۔ بخلاف اُن کے ہمارا ایمان چونکہ اس کو بالکل سچا اور صحیح یقین کرتا ہے۔ اس لیے ہم جناب سیدہ کی اس استدعا کو بالکل صحیح مانتے ہیں اور سراپا حق۔

ہمارے لائق ہمعصر نے املاکِ فدک کو رقومات فَے میں داخل کیا ہے۔ اور اُس کے معاملۂ ہبہ سے قطعی انکار فرمایا ہے۔ ہبہ کی بحث کو ہم پیچھے لکھیں گے۔ پہلے فَے کی بحث کو طے کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لائق ہمعصر فَے کے معنی میں لکھتے ہیں۔ "اُس غنیمت اور خراج کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار کے اموال سے بے جنگ و جہاد حاصل ہوا ہو۔ اصل میں فَے کے معنی ہیں رجوع کے۔ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ انہی کی طرف لوٹ آیا۔ یہ لفظ قرآن مجید سے لیا گیا ہے۔ خداوند فرماتا ہے

وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علیٰ کل شیء قدیر ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین۔

ہمارے ہمعصر مؤلف نے بقدرِ ضرورت قرآن کی عبارت تو لکھدی مگر ترجمہ نہیں کیا۔ اس میں مؤلف کی جو مصلحت خاص مضمر ہے وہ ذیل کی تشریح سے ظاہر کی جاتی ہے۔ اس آیۂ وافی ہدایہ کے ترجمہ میں شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

اور جو (مال) خدا نے اپنے رسولؐ کو (بے لڑے) مُفت میں

اُن سے دلوادیا۔ تو (مسلمانو!) تم نے اُس کے لیے دوڑ دھوپ تو کی نہیں (نہ) گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے۔ مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قادر کردے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو (مال) اللہ اپنے رسول صلعم کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوادے تو وہ اللہ کا (حق) ہے اور رسول صلعم کا۔ اور (رسول صلعم کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور بے نوا مسافروں کا۔ (ترجمۂ قرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۸۴۲)

اب اس ترجمہ کی عبارت کو ہمارے لائق ہمعصر کے مختار سے ملایا جائے جو انہوں نے ابھی ابھی فَے کے معنی میں لکھے ہیں کہ "فَے کے معنی رجوع کے ہیں۔ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ انہی کی طرف لَوٹ آیا۔" تو مطلب و معانی تو درکنار مشیت ربانی کا اصل مدعا اور عدالت یزدانی کا حسن مقتضا کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے۔ خداوند عالم کی غرض تو یہ ہے کہ بغیر جنگ کیے حاصل شدہ اموال ہمارے ہوں اور ہمارے رسول صلعم کے۔ مگر لائق ہمعصر اُن کو خواہ مخواہ تمام مسلمانوں کی طرف لوٹائے دیتے ہیں۔ شاید ان کو ذی القربیٰ۔ الیتامیٰ والمساکین پر شبہہ ہوا ہے۔ اور انھوں نے غلط فہمی سے عموماً تمام مسلمانوں کے عزیز و اقارب یتیم و مساکین کو اس میں داخل کرلیا ہے۔ یہ مختار اُن کا بالکل غلط ہے۔

حافظ نذیر احمد صاحب نے خطوط ہلالی میں رسول صلعم کی خاص شرط لگاکر صحیح طور پر بتلادیا ہے کہ اس آیۂ وافی ہدایہ میں جن اقارب۔ یتیم اور مساکین کا ذکر کیا گیا ہے اُن سے صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز و اقارب یتیم و مساکین مراد ہیں۔ نہ تمام اہلِ اسلام کے کُنبے والے فقراء اور غرباء۔ کیونکہ اگر اس میں تعمیم کا دستور جاری کیا جائے تو فللّٰہ وللرسول کی تخصیص جو اصل مدعائے خداوندی او تقاضائے عطائے ایزدی ہے بالکل بیکار ثابت ہوتی ہے۔ فھو غایۃ الاشکال ونھایۃ المحال۔

حالانکہ اسی تخصیص کو ہمارے لائق ہمعصر نے اپنی اسی کتاب میں کُل چار صفحوں کے بعد نہایت زوروں سے لکھا ہے جنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

مشکوۃ میں ابوداؤد نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبد العزیز ابن مروان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کرکے یہ گفتگو کی۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنان بے شوہر ہوتی تھیں اُن کا نکاح اُسکی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ ص ۱۸۵۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اپنی اس تحریر کو حافظ صاحب کے ترجمہ سے ملالیں اور سمجھ لیں کہ دونوں عبارتوں سے ذوی القربےٰ میں رسول کے قرابتدار یا صغیران اور زنان بے شوہران بنی ہاشم شامل ہوتے ہیں۔ یا عام مسلمان اور اُنکے قرابتداران۔ اور یہ بھی غور کرلیں کہ عمل رسول اور سیرت پیغمبر سے بنی ہاشم کی تخصیص ثابت ہوتی ہے۔ یا تمام اہل اسلام کی تعمیم غور کرنیکے بعد اب فرمائیں کہ آپ کا پہلا مختار کہ گویا یہ مال اصل میں مسلمانوں ہی کا تھا۔ اُنہی کی طرف لوٹ آیا۔ کہاں تک صحیح ثابت ہوسکتا ہے۔ جب لائق ہمعصر کی تحریر ہی سے بنی ہاشم (قرابتداران رسول صلعم) کی تخصیص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مبارک عمل اور مقدس سیرت سے ثابت ہوتی ہے۔ تو پھر اس تخصیص میں خواہ مخواہ عام مسلمانوں کی تعمیم کی بیکار تاویل کرنا خود غرضی اور نفسانیت نہیں تو کیا ہے۔

ہم اپنے لائق ہمعصر کے مزید اطمینان اور تشفی کے لیے عمل رسول صلعم کی ایک اور خاص مثال سواد اعظم کے ایک دوسرے شمس العلماء صاحب کی اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب سیرۃ المحمدیہ جلد دوم میں رقمطراز ہیں۔ آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلال کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ آتا۔ انکے پاس رہتا تھا۔ ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اُسی سے ادا کردیا کرتے۔ ایک دفعہ بازار جارہے تھے۔ ایک مشرک نے دیکھا۔ ان سے کہا کہ تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیاکرو۔ انھوں نے قبول کیا۔ ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا۔ اور اُن سے کہا کہ او حبشی! انھوں نے اس بد تہذیبی

کے جواب میں لبیک کہا۔ بولا کچھ خبر ہے۔ وعدے کے صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ تم نے اس مدت میں قرضہ نہیں ادا کیا تو تم سے بکریاں چرواکر چھوڑونگا۔ یہ عشا پڑھکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں تشریف لائے اور سارا حال بیان کیا۔ اور کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ کل وہ مشرک آکر مجھ کو فضیحت کریگا۔ اس لیے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائیگا تو واپس آجاؤنگا۔ غرض رات کو جاکر سو رہے اور سامانِ سفر یعنی تھیلا۔ جوتی اور ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح کو اُٹھکر سامانِ سفر کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ آنحضرت صلعم نے یاد فرمایا ہے یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلّہ سے لدے ہوئے کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا مبارک ہو۔ یہ اونٹ رئیسِ فدک نے بھیجے ہیں۔ اُنہوں نے بازار میں جاکر سب چیزیں فروخت کیں۔ اور مشرک کا قرضہ ادا کرکے مسجدِ نبوی میں آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ سب قرضہ ادا ہو گیا (سیرۃ المحمدیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)۔

اب محاصلِ فدک کے تصرّف کی نسبت جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل اور آپ کا مختار ہونا پورے طور کر معلوم ہو گیا۔ اس واقعہ کو پڑھکر ہر شخص نہایت آسانی سے سمجھ لیگا کہ آپ فدک کی آمدنی کو باختیارِ خاص اپنی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔ جیسا کہ فللہ وللرسول کا اصل مدعا تھا۔ اس میں کسی دوسرے کی نہ مداخلت تھی نہ مشارکت۔ اگر ہمارے لائق ہمعصر کے مطابق یہ گویا اصل میں تمام مسلمانوں کا مال تھا تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکو اپنا عین المال کیوں قرار دیتے۔ اور اگر یہ عامۃ المسلمین کا مال تھا تو پھر بلا مشورت اور اجازت اُنکی اس میں بنفسِ نفیس تنہا کیوں تصرّف فرماتے۔ واقعات بتلا رہے ہیں کہ جس ضرورت میں یہ فدک سے آیا ہوا مال صرف فرمایا گیا وہ آپ کی خاص ضرورت تھی۔ اور اُس میں کسی دوسرے مسلمان کی سرمو شرکت نہیں تھی۔ تو پھر معاذ اللہ۔ یہ فعلِ رسالت عملِ عدالت کے کس قدر خلاف ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی تو کسی واقعہ سے ظاہر نہیں ہوتا کہ فوری ضرورتوں کی وجہ سے آپنے کسی مسلمان سے اُس وقت نہ پوچھا اور آگے چل کر پھر اس کے متعلق اُنسے اجازت لے لی۔ یا اس کے برابر کا معاوضہ دیدیا۔ اس کے برعکس واقعات تو یہ بتلا رہے ہیں کہ فدک کے محاصل جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ملکیت تھی۔ اور اُسپر آپ ہی کا خاص قبضہ اور تصرّف تھا۔ اور اُس کو آپ اپنی ہی خاص ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔

یہ دوسری بات ہے کہ آپ کے ذاتی مصارف سے خرچ ہو کر جو بچ رہتا ہو وہ آپ فقرائے مہاجرین یا عام غربا و مساکین اور دیگر مستحقین کی رفع احتیاج میں صرف فرماتے ہوں جیسا کہ آپ کے خلقِ عظیم اور شانِ کریم کے شایاں تھا۔ ان وقتی اور عارضی کرم و ایثار سے عام مسلمانوں کے مستقل حقوق نہیں قائم ہو سکتے۔

فدک کے متعلق لائق ہمعصر تفسیر کبیر ص ۲۷۱ مطبوعۂ مصر سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ آیۂ وما افاء اللہ علی رسولہ کی شانِ نزول میں لکھا ہے کہ یہ آیت فدک کے متعلق ہے۔ اس لیے کہ فدک کے باشندے جلا وطن کر دیے گئے تھے اور اُن کے سب گاؤں اور مال بغیر لڑائی کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور فدک ہی کے غلّہ میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا اور اپنے عیال کا خرچ نکالکر باقی کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔

اس عبارت سے بھی محاصلِ فدک میں عامۃ المسلمین کا کوئی خاص تصرّف ثابت نہیں ہوتا۔ اوّل تو امام فخر الدین رازی صاحب نے اپنی عصبیت سے ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور ابن السبیل کی تخصیص و تنصیص کو شروع ہی سے غائب کر دیا جس طرح ہمارے ہمعصر مؤلف نے اپنی کتاب کے فٹ نوٹ میں اِس آیت کے ترجمہ کو نہ لکھکر اصل میں قرابتدارانِ رسول کے حقوق کو چھپا دیا۔

اوّل تو کمال تعجب ہے اور سخت حیرت کہ امام صاحب آیت کی تفسیر کر رہے ہیں۔ قرآنِ مجید سامنے کھلا ہوا ہے اور اُس

آیۂ وافی ہدایہ کا لفظ لفظ اور حرف حرف آپ کے پیشِ نظر ہے۔ مگر تفسیر کرتے وقت اس کے مصارف کی تفصیل میں اس کے صرف کیے جانے کی ضرورتوں کو نہ ذوی القربیٰ سے متعلق تبلاتے ہیں نہ مساکین اور ابن السبیل کی نسبت۔ حالانکہ اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جس آیۂ قرآنی کی تفسیر کر رہے ہیں اور جس حکمِ ربانی کی تعبیر۔ اس میں ذوی القربیٰ۔ ایتام اور ابن السبیل کی تفریق و تخصیص موٹے موٹے حرفوں میں لکھی ہوئی ہے۔ مگر آپ کو کسی خاص ضرورت سے ایسی محویت اور خود فراموشی لاحقِ حال ہے کہ نہ ذوی القربیٰ پر نظر پڑتی ہے اور نہ ابن السبیل پر نگاہ جاتی ہے۔ بلکہ ان گروہِ مخصوصین کے مصارف منصوصہ کی جگہ ایک نئی ضرورت کی جس کا کہ نہ اس آیت میں کہیں نام ہے نہ نشان۔ خواہ مخواہ کی محض بیجا تاویل کر دی جاتی ہے۔ اور لکھدیا جاتا ہے کہ عیال کا خرچ نکالکر باقی کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ اس سراپا مہمل اور موضوع تاویل کے لیے کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔

اگر عیال کے لفظ پر زور دیا جاتا ہے کہ اسی میں آپ کے سب اعزہ اور اقارب آگئے تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی شخص کے اہل و عیال سے اسکے رشتے ناتے والے کیسے سمجھے جائیں گے۔ یا تمام قوم کے عام یتیم۔ غربا اور مساکین اسکے عیال کے دائرے میں کیسے آجائینگے۔ نہیں معلوم کہ کس زبان کی لغت عیال کی یہ تفصیل مندرج ہے۔

بہرحال۔ عیال سے ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور غرباؤ مساکین مراد لینا تو عام مجانین کا کام ہوگا۔ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ تو اب یہ معلوم ہوگیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو اپنے عیال پر صرف فرماتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں وغیرہ میں خرچ فرماتے تھے۔ عیال پر صرف فرمانے کے لیے آپ کیا تمام لوگ خدا کی طرف سے صریح اور صحیح طور پر مجاز کیے گئے ہیں اور حقیقتاً اگر یہ مان بھی لیا جائے تاہم فریقین کی تمام اسنادِ معتبرہ اور اشہادِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپکی آل۔ عترت۔ ذریت۔

ذوی القربیٰ۔ ان تمام متحد المعنی الفاظ کا اطلاق اصلی پھر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی اولادِ طاہرین پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے موجودہ سلسلہ کے تیسرے نمبر۔ کتابِ ذبحِ عظیم میں بالتفصیل بیان کر آئے ہیں۔ ومن شاء فلیرجع الیہ۔

اس طریقہ سے ہمارے ہمعصر مؤلف اور اُن کے امام رازی صاحب کے قول سے یہ امر پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محاصلِ فدک کو سب سے پہلے اپنی اور جنابِ سیدہؑ (ذوی القربیٰ) کی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔

عیال کے بعد ہتھیاروں کی خریداری کا خرچ تبلایا گیا ہے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ قرآن میں تو اس کی تصریح نہیں کیگئی۔ اُس میں تو ذوی القربیٰ۔ یتامیٰ اور ابن السبیل کی تفصیل ہے۔ اس نو ایجاد اضافہ کی مجبوری صرف اسی بنا پر مبنی ہے کہ ذوی القربیٰ کی تنصیص و تخصیص کو کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر تعمیم کے اندر داخل کر دیا جائے۔ اور اس ترکیب و تدبیر سے ذوی القربیٰ کے خالصہ کو عام مسلمانوں کا گوشوارہ قرار دیدیا جائے۔

بہتر۔ یوں ہی سہی۔ اگر بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ عیال کے خرچ کے بعد جو بچتا تھا وہ ہتھیاروں وغیرہ کی خریداری میں صرف ہوتا تھا تو وہ ہتھیار اور اسلحہ بھی رسولؐ ہی کی ملک ہوتے تھے۔ اور اُنکی تمام ضرورتیں بھی تو آپ ہی کی ضرورتیں تھیں۔ کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ آپ کو غزوات کے موقعوں پر ان کی ناگزیر ضرورتیں ہوا کرتی تھیں۔ تمام اعزہ اور اقارب جانفروشی کے لیے ہمیشہ رکاب میں حاضر رہا کرتے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے گھر بھی بھرا پڑا تھا۔ بنی ہاشم اور بنی مطلب شمار کے اعتبار سے ایک رسالہ کی صورت میں قریب قریب تیار اور مرتب ہو سکتے تھے۔ اس بنا پر اگر آپ نے اپنے اور اپنے ان اعزہ اور قرابتداروں کے لیے جنگ و جدال کی ناگزیر ضرورتوں میں فدک کے محاصل سے ہتھیار خرید فرمائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اپنے اور اپنے قرابتداروں کے لیے ضرورتوں کا فراہم کرنا اور اُن پر صرف فرمانا تو بالکل للرسول

ولذی القربیٰ کے مطابق واقع ہوتاہے۔ اور اس سے بھی تو براہِ راست عامۃ المسلمین کی کوئی مداخلت یا مشارکت نہیں ثابت ہوتی۔

اب اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ہتھیار قرابتداروں کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو عنایت فرمائے جاتے تھے۔ تب بھی کوئی دشواری نہیں۔ اچھا یہی سہی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ تمام دنیا کا عام دستور ہے کہ لڑائی اور دشمن کے مقابلہ کے وقتوں میں فرمانروایانِ سلطنت اور حکمرانانِ حکومت کی طرف سے فوج کے سپاہیوں کو ہتھیار دیے جاتے ہیں۔ اسلحے تقسیم کیے جاتے ہیں جن سے وہ میدانہائے جنگ میں کام لیا کرتے ہیں۔ ان کے مصارف سلطنت اور سلطان کے مال سے ادا کیے جاتے ہیں اور یہ تمام اشیاء و اسباب سلطنت اور سلطان کے کہے جاتے ہیں نہ اُن سپاہیوں کے۔ اگر ہم زمانۂ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی اسی انتظام کو جاری تسلیم کر لیں۔ تاہم ہمارے لیے کوئی قباحت نہیں لازم آتی۔ کیونکہ فوج کی ضرورتیں حسبِ قاعدہ عین آپ ہی کی ضرورتیں سمجھی جائینگی اور وہ تمام اشیاء اور اسباب آپ ہی کی املاک۔ اور یہ ایسا قدیم دستور ہے جو اگلے وقتوں سے لیکر آج تک تمام ریاستوں اور سلطنتوں میں جاری اور قائم ہے۔

اس دلیل سے بھی امام صاحب کا خود ایجادی اضافہ ہمارے ہمعصر مؤلف کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ امام فخرالدین رازی نے جیسا کہ ہم آغازِ بحث میں لکھ آئے ہیں۔ ذوی القربیٰ کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ اور اپنی تفسیر میں اسکی تشریح و تصریح کو القط کر دیا ہے۔ صرف عیال کا لفظ ذوی القربیٰ کی جگہ طوعاً و کرہاً داخل کر کے ذوی القربیٰ کی تخصیص قرآنی کو تعمیم کے عام معانی میں ڈال دیا ہے۔ خاصکر اس لیے کہ سرسری طور پر دیکھنے والے ان بزرگواروں کی فضیلت و ترجیح کی تمیز نہ کر سکیں اور اُنکے حقوقِ مخصوصہ او منصوصہ کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ موضوعات و افترایات۔ بنائے واقعات کے بہت دن بعد تالیف و تصنیف میں داخل کیے گئے ہیں۔ پہلے اصل واقعات کے سوا ان زوائد حشویات کا روایتوں میں کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بعد کے لوگوں نے شدتِ تعصب، خود غرضی اور نفسانیت کی وجہ سے اصل واقعہ کی تلاش و تحقیق تو کی ہی نہیں۔ کی بھی تو وہی اسلافِ ناانصاف کی کورانہ تقلید۔ پھر اصل حقیقت معلوم ہو تو کیسے۔

ہم اپنے اس بیان کے ثبوت میں ابن السمان کی کتاب الموافقۃ کی اصل عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں اور اُسکو اپنے موجودہ مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ وہو ہذا

قال ابن السمان فی کتاب الموافقۃ فی فاطمۃ وابوبکر جاءت فاطمۃ الی ابی بکر قال یعطنی فدک فان رسول اللہ وھبہا لی فقال صدقت یا بنت رسول اللہ ولکنی رأیت رسول اللہ یقسمہا فیعطی الفقراء و المساکین وابن السبیل بعد ان یعطیکم منہا قوتکم۔

علامہ ابن السمان کتاب موافقۃ میں جنابِ سیدہ اور ابوبکر کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ابوبکر کے پاس گئیں اور فرمایا کہ فدک مجھ کو دیدو۔ کیونکہ جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے مجھے ہبہ فرما دیا ہے حضرت ابوبکر نے کہا کہ یا بنتِ رسول اللہ صلعم آپ سچ فرماتی ہیں لیکن میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ اس میں سے پہلے آپ حضرات کے مصارف نکالکر بقیہ کو غرباء مساکین اور مسافرین پر تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

اس عبارت کو بجنسہ خواجہ محمد پارسا صاحب نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب خواجہ صاحب نے اس غرض سے تالیف فرمائی ہے کہ اہلبیتِ اطہار اور صحابۂ کبار کے درمیان مخالفت اور مشاجرت کو غلط اور بے اصل ثابت کر کے ان حضرات میں موافقت اور مرافقت ثابت کردیں۔

اس عبارت سے بھی ہتھیاروں کی خریداری کا پتہ نہیں چلتا حالانکہ اخراجات کی تفصیل صدیقِ اکبر کی زبانی لکھی گئی ہے جس میں حقوق ذوی القربیٰ کے بعد محتاجین ایتام اور مسافرین کے اِیثار بالمراتب اُسی طرح بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ آیۂ وافی ہدایہ

میں ارشادِ ربانی ہو چکا ہے۔ اگر حقیقتاً حربہ۔ ہتھیار اور دیگر اسلحات کے اخراجات کی کوئی بھی اصل ہوتی تو حضرت ابوبکر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے بیان فرما دیتے۔ اور ایثارِ عامہ کے ساتھ انکی مصارف کی ضرورتیں بھی بتلا دیتے۔ بخیریت اور عبرت سے غور کرنا چاہیے کہ ایسی حالت میں صدیق اکبر کے قول پر اعتبار کیا جائے یا امام فخر الدین رازی صاحب کے مختار پر ع

بحیرتم چہ کنم ہیچ بر نمی آید

ہمارے لائق ہمعصر اب دونوں حضرات کے مختلف فیہ اقوال میں خود امتیاز فرمالیں اور مجھ کو کسی تصفیہ کی تکلیف نہ دیں۔ ان تمام دلائل اور اُن کی اسناد کو پیش نظر رکھکر جو ہم اس بحث کے متعلق لکھ آئے ہیں یہ امر پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام موضوعات اور مصنوعات صرف ذوی القربےٰ کی تخصیص مٹانے اور اُن کے حقوق کے گھٹانے کے لیے خاص طور پر ایجاد کیے گئے ہیں۔ چونکہ ان بے اصل تاویلوں سے اپنی غرض نکلتی تھی اور مدعا پورا ہوتا تھا اس لیے خود غرض محدثین سلف نے لکھا۔ اور متعصب مفسرین خلف نے اُسی خود غرضی اور تعصب کی بنا پر آج تک اپنی اپنی تالیفات میں اس کی نقل جاری رکھی۔ ورنہ جب اسکی کامل تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ اس کی کوئی بنا ہے اور نہ کوئی اصلیت۔ ان موضوعات سے پشتاروں کے پشتارے بھرے پڑے ہیں اور یہ سب سلاطینِ امویہ کے ایام کی یادگار صنعت و حرفت ہے۔

بہرحال۔ ہمارے لائق ہمعصر ان بیانات کو لکھکر فدک کے متعلق اپنی یہ رائے قائم کرتے ہیں۔

فےء کا مال غنیمت کے مال سے صرف اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کا حصہ غنیمت کے مال کی طرح نہیں ہوتا۔ اور وہ رسولِ خدا صلعم کے اختیار میں رکھا گیا۔ تاکہ آپ اس پر متولیانہ قابض رہیں اور خدا کی مرضی اور حکم کے مطابق اُسے کام میں لائیں۔ بعد آپ کے خلیفۂ وقت اور امامِ زمان کو قبضہ اور اختیار میں دیا گیا تاکہ وہ بھی اُنہی مصارف میں صرف کریں جن میں رسولِ خدا صلعم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فےء کے مال میں بہ سبب اسکے کہ وہ ذاتی ملکیت آپ کی نہ تھی میراث جاری نہیں ہو سکتی تھی اور چونکہ فدک اموالِ فے میں سے تھا اس لیے اگر آنحضرت صلعم کے متروکہ میں بالفرض میراث جاری بھی ہو جاتی اور میراث کی حکمِ عام سے آپ کی ذاتِ مبارک مستثنےٰ بھی نہ ہوتی تاہم فدک بوجہ نہ ہونے ذاتی ملکیت کے تقسیم اور اجرائے احکام میراث سے مستثنےٰ رہتا۔ چونکہ رسول اللہ صلعم فدک کی پیداوار کا کچھ حصہ اپنے اہل و عیال کے لیے نکالکر باقی مسافروں پر خرچ کر دیتے تھے۔ اس لیے آپ کے وصال کے بعد بعض مفسدوں نے جو اسلام کو پھلا پھولا نہ دیکھ سکتے تھے حضرت فاطمۂ زہرا کو یہ یقین دلایا کہ فدک رسول اللہ صلعم کی خاص ملکیت ہے۔ اور چونکہ آپ کے سوا اس کا جائز وارث اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لیے آپ ابتدائے خلافت کے وقت میں حضرت صدیق اکبر کے پاس تشریف لائیں اور والدِ بزرگوار کے وارث ہونے کی حیثیت سے فدک کا دعوےٰ قرآنِ حمید کی آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کے بموجب آپ نے اُن کی عدالت میں دائر کیا۔ اس آیتِ شریف کا منشا یہ ہے کہ تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ یہ حکم دیتا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا کرو۔ ابوبکر صدیق نے جنابِ فاطمہؑ کو یہ جواب دیا کہ پیغمبروں کے مال میں وراثت کا مسئلہ جاری نہیں ہو سکتا۔ یہ سنکر حضرت زہرا ابوبکر سے ناراض ہو کر چلی گئیں اور مرتے دم تک نہ بولیں۔

فدک کے متعلق ہمعصر مؤلف کے یہ معتقدات ہیں اور واقعات جن کو ہم نے اُن کی اصلی عبارت میں نقل کر دیا ہے۔ اس عبارت کو پڑھکر ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ علاقۂ فدک سے تنہا جنابِ سیدہؑ کے حقوق اُٹھا دینے کے لیے نہیں۔ بلکہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی تمام استحقاقِ ملکیت متعلقہ اور حقوقِ تصرف مٹانے اور گھٹانے کے لیے کس بیدردی سے کام لیا گیا ہے۔ صورتِ واقعہ بھی اس اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کمال

واقعہ اتفاقی طور پر ایک محض خفیف اور بے حقیقت واقعہ تھا۔ جو بالکل معمولی طور پر آپس میں گفتگو ہو کر رہ گیا۔ اور ایسا کہ کسی نے جانا اور کسی نے نہیں جانا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ تاریخِ اسلام میں فدک کا واقعہ بڑی شہرت اور اہمیت رکھتا ہے۔ اور بڑا حسرتناک اور عبرت خیز واقعہ شمار کیا جاتا ہے۔ فقہ۔ کلام۔ حدیث اور تاریخ۔ غرض تمام کتابوں میں اسکا ذکر۔ اسکی بحث موجود ہے اور محفوظ۔ یہ وہی واقعہ ہے جو انتزاعِ خلافت علیؑ کے بعد ہی حقوقِ فاطمہؑ کی پامالی کے متعلق وقوع پذیر ہوا۔ اور جس نے اسلام میں مشاجرت۔ تفرقہ اور اختلاف پیدا کرنے کے علاوہ اُس کے اصول میں طمع۔ خود غرضی۔ نفسانیت۔ طمع فی الامارت۔ تصرّف فی الریاست وغیرہ وغیرہ۔ غرض تمام دنیا طلبی کی باتیں داخل کر دیں۔ اور احکامِ الٰہی کی متابعت اور حضرت رسالت پناہی کی اتباع یکقلم موقوف کر کے اسلام کے اصولِ منصوصہ کو اصولِ موضوعہ ثابت کر دیا۔

بہرحال۔ ہم اپنے سلسلۂ بیان میں ان مباحث کو تو پیچھے لکھیں گے پہلے ہم اصل واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ بخاری صاحب نے جو اس تمام عصبیّت کے موجد اوّل ہیں واقعۂ فدک میں اس اختصار کی ایجاد فرمائی ہے۔ اِن خیرخواہیوں کو مدِّنظر رکھکر انکے ہواخواہوں نے اسلام کے قدیم دستور کی بناء پر تحقیق کی تو کوئی توفیق نہیں ہوئی۔ وہی کورانہ تقلید اختیار کی اور جس طریقہ سے ہوسکا ان حالات کے مختصر کرنے۔ ان واقعات کے چھپانے اور گھٹانے کی ترکیبیں عمل میں لائے۔ مگر یہ حق تھا اور حق کی طرف سے ایک حقدار کا حق قائم کیا گیا تھا۔ کسی کے چھپائے کیسے چھپتا۔ اور کسی کے گھٹائے کیسے گھٹ سکتا۔ یہ تقدیرِ ربانی تھی۔ تدبیرِ انسانی اسکو کسی طرح مٹا نہیں سکتی۔

انہی حضرات میں جو اس کے استیصال میں اتنے کوشاں تھے بلکہ یوں کہیے کہ وقتِ وقوع سے لیکر اس وقت تک اسکے مٹانے میں اپنا خون اور پسینہ ایک کیے ہوئے تھے۔ بہت سے معتبرین اور مستندین محدثین ایسے نکل آئے جو اس کے ہر ہر شعبہ کو اپنی اپنی تالیفات میں پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند فرما گئے۔

لائق ہمعصر کے آگے تو صرف بخاری ہے اور اُنہیں جو کچھ ہے وہ یہی کہ ان فاطمۃ بنت النبی ارسلت الی ابی بکر تسئلہ میراثہا من رسول اللّٰہ مما افاء اللّٰہ علیہ بالمدینۃ وفدك وما بقی من خمس خیبر فقال ابوبکر ان رسول اللّٰہ قال لا نورث ما ترکناہ صدقۃ انما یاکل اٰل محمد فی ھذا المال وانی واللّٰہ لا اغیر شیئًا من صدقۃ رسول اللّٰہ عن حالہا فی عہد رسول اللّٰہ و لاعملن فیہا مما عمل بہ رسول اللّٰہ فابی ابوبکر ان یدفع الیٰ فاطمۃ منہا شیئًا فوجدت فاطمۃ ابوبکر فی ذالك فہجرتہ فلم تکلمہ حتی توفیت۔

یعنی فاطمہؑ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آدمی کو بلوا کر ابوبکر کے پاس بھیجا اور مدینہ۔ فدک اور باقی خُمسِ خیبر میں سے جو رسول اللہؐ کے بعد رہ گیا تھا اپنا حصّہ مانگا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول صلعم نے فرمایا ہے کہ ہم پیغمبروں کے مال میں وراثت نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ خدا کی راہ میں صدقہ ہے۔ البتہ آلِ محمدؐ اس مال سے اپنے ضروری خرچ کے موافق لے سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میں اس میں ذرا بھی تغیّر نہ کرونگا۔ جب ابوبکر نے حصّہ دینے سے انکار کر دیا تو فاطمہ خفا ہو گئیں اور اُن سے بولنا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔

اس عبارت کو پڑھکر کیا سمجھا جا سکتا ہے۔ صرف اتنا ہی نہ۔ کہ جناب سیدہؑ ان اموال میں اپنا حصہ مانگنے گئیں خلیفہ صاحب نے جواب دیا بحدیث لانورث کے مطابق حصّہ دینے سے انکار کیا۔ جناب سیدہ خفا ہو گئیں۔ اور پھر مرتے دم تک نہ بولیں۔ بات اتنی تھی۔ اور واقعہ اتنا۔

ہمارے لائق ہمعصر کو اگر تفتیش و تحقیق کا ذرا بھی سلیقہ ہے تو وہ اپنے مذہب کی تاریخ و سیرت کی سیر کریں اور اُن میں آنکھوں سے دیکھیں اور پڑھیں کہ جناب سیدہؑ نے عطایائے فدک کے متعلق ہبہ کا۔ اور بقیۂ املاکِ رسولؐ میں وراثت کا اور اموالِ خُمس میں ذوی القربیٰ کے نصوص کے مطابق خُمس کا دعوےٰ فرمایا تھا۔

خلیفہ صاحب کی عدالت میں اُن مادی پر تحقیقیں قائم ہوئیں۔ شاہد گزرے۔ بیانات لیے گئے۔ غرضکہ پورے احتجاج سے ہر ایک امر کی بڑی چھان بین کی گئی اور تلاش و تحقیق کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر آخر میں ان تمام شواہد و ثبوت کو پس پشت رکھکر خلیفہ صاحب اپنے اُسی مختار پر جس کو وہ پہلے ہی بیان کر چکے تھے قائم رہے اور اُسی کے مطابق فیصلہ کرکے عدالت کے فرض سے فارغ ہوئے۔ اور فاطمہؑ کے اتنے دعووں میں سے ایک کی بھی ڈگری نہیں دی۔

اب اسی سے لائق ہمعصر کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ معاملہ کتنا طول طویل اور پُر تفصیل تھا اور زمانہ کے خود غرضوں نے صرف نامعتبر اور معمولی دکھلانے کی غرض سے اس کو کس قدر مختصر بنا دیا ؎

پسند اشت ستمگر کہ ستم بر ما کرد
بر گردنِ او بماند و بر من بگذشت

اب ہم اس واقعہ کو سوادِ اعظم کے معتبرین و مستندین محدثین اور علماء کی تالیفوں سے قلمبند کرتے ہیں۔ وراثت کی بنا پر حضرت سیدہؑ کا دعوےٰ کرنا۔ چونکہ لائق ہمعصر تسلیم کر چکے ہیں اُس کی تفصیل کو ہم پیچھے لکھیں گے۔ پہلے ہم ہبہ کے متعلق جسکو وہ بالکل کھا بدے ہیں اُنہی کے علماء و محدثین کے اقوال و اسناد پیش کرتے ہیں۔ ہبۂ فدک کے متعلق محمد ابنِ سعد طبقات میں رقمطراز ہیں:۔

اخبرنا محمد ابن عمر اخبرنا ھشام ابن سعد عن زید ابن مسلم عن ابیہ قال سمعت عمر یقول لما کان الیوم الذی توفی فیہ رسول اللہ صلعم بویع لابی بکر فی ذلک الیوم فلما کان من الغد جاءت فاطمۃ الی ابی بکر ومعھا علی فقالت میراثی من رسول اللہ ابی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ابوبکر من الرثۃ او من العقد قالت فدک وخیبر وصدقاتہ بالمدینۃ ارثھا کما یرثک بناتک اذا مت فقال ابوبکر ابوک واللہ خیر منی وانت واللہ خیر من بناتی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ھذہ الاموال القائمۃ فتعلمین ان اباک اعطاکھا فواللہ لئن قلت نعم لاقبلن قولک ولاصدقنک قالت جاءتنی ام ایمن انہ اعطانی فدک قال فسمعتہ یقول ھی لک فاذا قلت ھی لک وانا اصدقک واقبل قالت اخبرتک ماعندی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ محمد ابنِ عمر نے ہشام ابنِ سعد سے اور اُسنے زید ابنِ مسلم اور اُنہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کا بیان ہے کہ جس دن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ اُسی دن لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اُس کی صبح کو جناب سیدہؑ حضرت علیؑ مرتضےٰ کے ہمراہ ابوبکر کے پاس تشریف لائیں اور ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پدرِ بزرگوار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث چاہتی ہوں۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ اُسے بقاعدۂ میراث چاہتی ہیں یا بطریقۂ اقرار و میثاق۔ آپ نے جواب میں ارشاد کیا کہ فدک۔ خیبر اور مدینہ کی املاک و ابوابِ صدقات ہماری ارث میں اُسی طرح داخل ہیں جس طرح تمہاری میراث تمہارے مرنے کے بعد تمہاری بیٹیوں کی ارث میں آجائے گی۔ ابوبکر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم آپ کے پدرِ بزرگوار مجھ سے بدر جہا بہتر تھے۔ اور اسی طرح آپ میری بیٹیوں سے بدر جہا بہتر ہیں۔ لیکن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں کہ میرا کوئی وارث نہیں۔ میں جو کچھ چھوڑ جاؤں وہ سب صدقہ ہے۔ یعنی تمام اموال قائمہ۔ اب آپ کو معلوم ہو کہ آپکے والدِ بزرگوار ان اموال کو عطا فرما گئے ہیں۔ اور قسم بخدا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آپ کے کہنے کو مان لیتا۔ اور آپکی تصدیق کرتا۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ امِّ ایمن کی معرفت میرے پاس آپ نے کہلا بھیجا کہ آپ نے علاقۂ فدک مجھے عنایت فرمایا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر میں نے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سُنا ہوتا تو میں آپ سے کہتا کہ میں نے ایسا سنا ہے اور آپ کی تصدیق کرتا اور آپ کے قول کو قبول کرتا۔ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد کیا کہ میرے پاس جو خبر تھی وہ میں نے تمہیں پہنچا دی۔

مرقومہ بالا سند سے معاملۂ فدک کے ابتدائی واقعات اور صرف واقعہ اولیٰ کے حالات سوادِ اعظم اہلسنت سے کہ بہت بڑے مستند اور معتبر محدث کے مختار سے معلوم ہوئے۔ اب اس کے آیندہ حالات اور بیانات ملاحظہ فرمائے جائیں۔

ابراہیم ابنِ عبداللہ یمنی شافعی کتاب اکتفاء میں معاملۂ فدک کی آیندہ روداد اس طرح قلمبند فرماتے ہیں:۔

قالت فاطمۃ رضی اللہ عنہا فقالت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعطانی فدک فقال ابوبکر ھل لک علی ھذا بینۃ فجاءت بعلی فشھد لھا ثم بام ایمن فقالت الیس تشھد انی من اھل الجنۃ قال بلی قالت فاشھد ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعطاھا فدک فقال ابوبکر فبرجل تستحقھا وتستحقین بھا القضیۃ۔

جنابِ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور فرمانے لگیں کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فدک کو عنایت فرمایا ہے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے اور دلیل۔ پس جنابِ علی مرتضے علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی گواہی دی۔ پھر اُن کے بعد ام ایمن آئیں اور اُنہوں نے حضرت ابوبکر کو مخاطب کرکے پوچھا کہ آیا تم اس امر کی شہادت دیتے ہو کہ (بقول جنابِ رسولِ خدا صلعم) میں اہالیانِ جنت سے ہوں۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ ام ایمن نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ سیدہؑ کو فدک عطا فرما دیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں صرف ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت پر آپکے قضیہ کا تصفیہ کردونگا۔

اسی واقعہ کو شارحِ مواقف نے اپنے ان الفاظ میں قلمبند فرمایا ہے:۔

فان قیل ادعت فاطمۃ انہ نحلھا۔ ای اعطاھا فدک بحلبہ عطیتہ وشھد علیہ علیؑ والحسنؑ والحسینؑ والصحیح ام ایمن فرد ابوبکر شہادتھم فیکون ظالما قلنا اما الحسنؑ والحسینؑ فللفرعیۃ لان شھادۃ الولد لا یقبل لاحد ابویہ واجدادہ عند اکثر اھل العلم وایضا فما کان صغیرین فی ذالک الوقت واما علیؑ وام ایمن فلقصورھما من نصاب البینۃ وھو رجلان او رجل وامراتان۔

یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فدک کا دعوےٰ کیا اس بنا پر کہ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کو آپ کے لیے عطا فرما دیا ہے اور اُس پر حضرات علی مرتضےٰ۔ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام (صحیح طور پر) اور ام ایمن کی گواہیاں گزریں۔ ابوبکر نے اُن کی گواہیوں کو نہ مانا اس لیے ظلم کیا۔ ہم کہتے ہیں حضرات حسنین علیہما السلام تو شروط فرعیہ میں داخل تھے۔ کیونکہ بیٹے کی شہادت باپ اور اجداد کے مقابلہ میں اکثر اہلِ علم کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ اور علاوہ اس کے وہ دونوں حضرات اُس وقت تک بالکل بچے تھے۔ اب باقی رہے حضرت علیؑ اور ام ایمن۔ تو اُن کی گواہیاں نصابِ بینہ کے مطابق کامل نہیں تھیں۔ دو مرد ہونے چاہییں تھے۔ یا ایک مرد اور دو عورتیں۔

امام فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں اس واقعہ کے متعلق جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک غلام کی بھی شہادت کا اضافہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

فلما مات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادعت فاطمۃ رضی اللہ عنہا انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان نحلھا فدک فقال ابوبکر انت اعز الناس علی فقراء واحبتھم الی غنی لکنی لا اعرف صحۃ قولک ولا یجوز ان احکم بذلک فشھد لھا ام ایمن ومولی ومولیٰ رسول اللہ صلعم فطلب منھا ابوبکر منہ الشاھد الذی یجوز قبول شہادتہ فی الشرع فلم یکن فاجری ابوبکر ذالک علیٰ ما کان یجریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

جب جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت

فرمائی تو جناب سیدہ علیہا السلام نے یہ دعوے پیش کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک کو انہیں ہبہ فرما دیا ہے:۔ ابوبکر نے کہا کہ آپ غربا کے نزدیک عزیز ترین ہیں اور بمقابلہ متمولین محبوب ترین۔ لیکن میرے نزدیک آپ کے قول کی صحت نہیں ہوتی۔ اور میں آپ کے قول پر اس وجہ سے کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ پس حضرت ام ایمن اور ایک غلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہیاں دیں۔ ابوبکر نے اُنکی گواہیاں اُس طریقہ پر لینی چاہیں جو از روئے شرع قبولِ شہادت کے لیے قائم ہیں۔ لیکن اُن کی گواہیاں الیسی نہ ہو سکیں۔ پس ابوبکر نے اُس معاملہ میں وہی طریقہ جاری رکھا جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری فرما گئے تھے۔

ابھی اس جیسے کثرت سے اہلسنت کے اسناد و اشہاد ہمارے پیش نظر ہیں۔ جن کو ہم طوالت اور تکرار در تکرار کے خوف سے مرفوع القلم کرتے ہیں اور صرف انہی تینوں مرقومۂ بالا اسناد کو اپنے مدعائے بیان کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہمارے لائق ہمعصر اس طومار کو بخاری کے اُس اختصار سے ملالیں جنہوں نے معاملۂ فدک کے تمام حالات کو صرف دو باتیں لکھکر یسئلہ عن میراثہا من رسول اللہ فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ تمام کر دیا۔

ہم کو بخاری صاحب کے اس اختصار پر ذیل کا لطیفہ یاد آیا ہے جو اُن کے موجودہ اختصار پر پورے طور سے چسپاں ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

ایک صاحب نے اپنے کسی دوست سے نظامی کی یوسف زلیخا کی بڑی تعریف کی۔ اتفاق سے اُن صاحب کو نظامی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اُن کی تعریف کے جواب میں کہنے لگی کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ یوسف زلیخا کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ اُس میں ہے کیا سوائے اسکے کہ۔ پیرے بود پسرے داشت گم شد باز یافت۔

بخاری صاحب نے اتنے بڑے عظیم الشان معاملہ کی اپنی خود غرضانہ اختصار سے یہ نوبت پہنچائی اور اپنے متعصبانہ اعتقادات سے یہ گت بنائی کہ ع خیرہ ماند در او دیدۂ اولی الابصار۔

مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہو گیا کہ فدک کے معاملہ میں خلیفہ صاحب نے پورے احتجاج اور کامل اجتہاد سے کام لیا ہے۔ گواہیاں لیں۔ بیانات لیے۔ جرحیں کیں۔ غرض سب کچھ تو ہوا۔ کیا رہ گیا۔ مگر اس کے بعد بھی جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اور جو اُن کو کرنا تھا وہ کیا۔ اتنی اشہاد اور اسناد پر بھی خلیفہ صاحب کی تسکین نہیں ہوئی۔ اور اُن کو اپنے اجتہاد و اختیار سے جو اوّل روز کرنا منظور تھا وہی آخر روز تک بنا رہا۔ اور اُسی کے مطابق اُن کے دار الانصاف سے فیصلہ سُنایا گیا۔

مگر خلیفہ صاحب کی اس فیصلہ کی نسبت زمانہ اور اہل زمانہ نے جو رائے قائم کی وہ اس بحث کی ابتدا میں شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب کی رائے اور مختار سے ثابت کر آئے ہیں۔ مگر ناظرین کتاب کے مزید اطمینان کے لیے ایک بہت بڑے قدیم سُنّی عالم کا مختار بھی ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:۔

سالت علی ابن علی الفاروقی الشافعی مدرس المدرسۃ العربیۃ ببغداد فقلت لہ الا کانت صادقۃ قال نعم فقلت فلم یدفع الیہا ابوبکر فدک وھی عندہ صادقۃ فتبسم ثم قال کلاما لطیفا قال لو اعطاھا الیوم فدک بمجرد دعواھا لجاءت الیہ غدا وادعت لزوجہا الخلافۃ وزحزحتہ عن مقامہ ولم یمکنہ الاعتذار والمدافعۃ بشیء لانہ یکون قد اسجل علی نفسہ بانہا صادقۃ فیما تدعی۔

علی ابن علی فاروقی شافعی سے جو مدرسۂ عربیہ بغداد کے مدرس تھے میں نے (ابن ابی الحدید) پوچھا کہ آیا جناب سیدہ اپنے دعوے میں سچی تھیں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں میں نے عرض کی کہ حضرت ابوبکر نے تو فدک اُنہیں واپس نہیں دیا۔ حالانکہ وہ اُن کے نزدیک سچی تھیں۔ یہ سُنکر شیخ مسکرا دیئے اور اُنہوں نے اس لطیفہ میں اس طرح مستحسن جواب دیا کہ

اگر حضرت ابوبکر بمجرد طلبی کے حضرت فاطمہؑ کو فدک دیدیتے تو وہ پھر دوسرے دن تشریف لاتیں اور اپنے شوہر کے لیے خلافت کی دعویدار ہوتیں اور اُن کو اُن کے منصب سے معزول کرنا چاہتیں۔ اور حضرت ابوبکر اُن کو ایسا کرنے سے باز رکھنے کے لیے کوئی عذر نہیں کر سکتے تھے اور نہ مدافعت۔ کیونکہ وہ تو اپنے نفس میں سمجھ چکے تھے کہ جناب سیدہ جس شے کا دعوےٰ کریں وہ سب سچ ہے۔

بُرا ہو اس تعصب اور نفسانیت کا کہ کہنے کو تو سب کچھ کہہ جائیں لیکن جب ماننے کا وقت آئے تو وہی حق پوشی اور حقیقت فراموشی۔ اس وقت اب نہ کہنا کسی کو یاد آتا ہے اور نہ لکھنا۔ غرض تحریری اور تقریری عہد و پیمان۔ ایجاب و اقرار سب مرفوع القلم اور بیکار۔

ہاں۔ خوب یاد آیا۔ یہی حضرات یہ بھی تو تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہبۂ فدک کے وقت جناب سیدہ کے نام ایک وثیقہ تحریر فرما دیا تھا جس کو آپ نے حضرت ابوبکر کے آگے پیش بھی کیا تھا۔ اور یہ وثیقہ کی تحریر ایسی مشہور ہے کہ فریقین کی کتابوں میں باتفاقِ جمہور مشہور ہے۔ چنانچہ ملّا معین ہروی معارج النبوۃ میں اس کے متعلق ذیل کی عبارت تحریر فرماتے ہیں۔

در مقصد اقصے بایں عبارت مذکور است کہ بعضے گویند کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بسوئے خیبر امیر المؤمنین علیؑ را فرستاد و مصالحہ بر دست امیرؑ واقع شد۔ بر آں نہج کہ حضرت امیرؑ قصد خون ایشاں نکند و حوائط فدک خالص از آنِ رسولؐ باشد۔ پس جبرئیلؑ فرود آمدہ گفت کہ حق تعالےٰ می فرماید کہ حقِ ایشاں را بدہ۔ رسولؐ گفت خویشانِ من کیستند و حقِ ایشاں چیست۔ جبرئیلؑ گفت فاطمہؑ است۔ حوائطِ فدک را باو بدہ و آنچہ از خدا و رسولِ اوست در فدک۔ ہم باو بدہ۔ پیغمبرؐ فاطمہؑ را بخواند و برائے او حجت نوشت۔ و آں وثیقہ بود کہ بعد از جنابِ رسولؐ پیشِ ابوبکرِ صدیق آورد و گفت ایں کتابِ رسولِ خداؐ است۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ است۔

ایک ملّا معین ہروی نے اسکو معارج النبوۃ میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ تاریخ حبیب السیر اور تاریخ روضۃ الصفائے خاوند شاہی میں بھی یہی عبارت درج ہے۔

مزید بر آں شیعوں کا یہ دعوےٰ کہ اس وثیقہ اور شہادتوں کو لیکر حضرت ابوبکر نے واپسی فدک پر قصد مصمم کر لیا اور بازدعوےٰ کا اقرارنامہ لکھکر جناب سیدہ کو حوالہ کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر آ گئے اور انہوں نے یہ معلوم کر کے کہ خلافت نے جنابِ فاطمہؑ کو فدک کی املاک کا بازی دعوےٰ لکھدیا ہے وہ وثیقہ لے لیا۔ اور چاک کر ڈالا۔ بالکل اسی طور پر سوادِ اعظم کی حدیث و تاریخ کی کتابوں میں بھی درج ہے۔ اس واقعہ کو شیعوں کی خاص الخاص موضوعات۔ مخترعات اور اضافات کا خطاب دیا جاتا تھا۔ مگر تحقیق و تفتیش کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ شیعوں کے ساتھ اہلسنت بھی اس کے راوی ہیں اور قائل۔ چنانچہ علّامہ سبط ابن جوزی جو سوادِ اعظم اہلسنت میں فنِ تنقید اور تردید ضعاف و موضوعات کے لیے خاصکر مشہور ہیں اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

جاءت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى ابى بكر وهو على المنبر فقالت يا ابابكر افى كتاب الله ان ترثك ابنتك ولا ارث ابى فاستعبر ابوبكر باكيا وبابائى ابوك وبابائى انت ثم نزل فكتب لها بفدك ودخل عليه عمر فقال ما هذا فقال كتاب كتبته لفاطمة ميراثها من ابيها قال فماذا تنفق على المسلمين وقد حاربتك العرب كما ترى ثم اخذ عمر الكتاب فشقه۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ابوبکر کے پاس تشریف لائیں۔ وہ منبر پر بیٹھے تھے۔ اور کہنے لگیں اے ابوبکر قرآن کی رُو سے تمہاری بیٹیاں تو تمہاری میراث پائیں اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ یہ سُنکر ابوبکر کو بڑی عبرت ہوئی اور ایسی کہ وہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ میرے آباؤ اجداد آپ پر اور آپکے باپ پر فدا ہوں۔ یہ کہکر منبر پر سے نیچے اُتر آئے اور فدک کی میراث کا وثیقہ جنابِ سیدہؑ کے نام لکھدیا۔ اس اثناء میں عمر آ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ ابوبکر نے کہا کہ فدک کی میراث کا وثیقہ

جس کو میں نے فاطمہؑ کے نام لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا پھر اُن مسلمانوں کو کیا دوگے جو تمہارے واسطے عرب سے لڑائیاں لڑے ہو جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔

اس روایت کو امام نور الدین علی ابن برہان حلبی شافعی نے بھی اپنی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں علامہ سبط ابن جوزی کی عبارت سے نقل فرمایا ہے۔ اُنکی اصلی عبارت یہ ہے۔

فی کلام سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ انہ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کتب لہا فدک ودخل علیہ عمر فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمۃ بمیراثہا من ابیہا فقال ماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربتک العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہؑ کو فدک لکھدیا۔ عمر آئے اور پوچھنے لگے یہ کیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے فاطمہؑ کو فدک کی میراث کا وثیقہ لکھدیا ہے۔ عمر نے کہا کہ پھر مسلمانوں کو کیا دوگے جو تمہارے لیے اہل عرب سے لڑائیاں لڑے ہیں۔ جب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ کہکر وہ وثیقہ لے لیا اور پھاڑ ڈالا۔

ان اسناد سے تحقیق ہو گیا کہ شیعوں کی طرح اہلسنت کے علماء و محدثین نے بھی اس نوشتے کے چاک کر دیے جانے کے واقعات کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے دعوے کی تصدیق میں صرف زبانی شہادت پر اکتفا نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ تحریری ثبوت بھی پیش کیے تھے۔ مگر سب بیکار۔ کیونکہ وہاں تو فیصلہ کنندہ عدالت کو اپنے اجتہادی مختار پر اتنا اصرار تھا کہ ہلائے نہیں ہلے۔ نہ قولِ الٰہی کی کچھ سُنی۔ نہ عمل و ارشاد رسالت پناہی کی مانی۔

ہمارے لائق ہمعصر نے مشکوٰۃ کی ایک حدیث لکھی ہے جسکو ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق اوپر نقل بھی کیا ہے۔ اُسی حدیث سے لائق ہمعصر نے ہبۂ فدک کی نفی ثابت کی ہے۔ ہم اُس حدیث کو قابل ہمعصر کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

مشکوٰۃ میں ابوداؤد نے مغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز ابن مروان خلیفہ ہوئے تو اُنہوں نے بنی مروان کو جمع کر کے یہ گفتگو کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانہ میں فدک کی آمدنی کو صغیران بنی ہاشم کی پرورش میں صرف فرماتے تھے۔ اور اُن میں جو زنانِ بے شوہر ہوتی تھیں اُن کا نکاح اُسی کی آمدنی کے خرچ سے ہوتا تھا۔ جناب فاطمہؑ نے فدک آنحضرت سے مانگا مگر حضور نے اُنکی درخواست قبول نہ فرمائی۔

یہ موضوعات تو یاروں کے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں۔ مگر ان قلمکاریوں سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہوتا کہ اصلیت کے خلاف یہ مصنوعیت اور موضوعیت کہاں تک قائم رہیگی۔ اور اس دروغ کو کہاں تک فروغ ہوگا۔ جب تحقیق کی آنچ دکھلائی جائے ان ملمع کاریوں کے جوڑ سے جوڑ جدا ہو جائیں گے اور ساری قلعی کھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایسا سفید جھوٹ ہے کہ اسکے کورے جھوٹ ہونے میں کوئی دھبہ تک نہیں ہے۔

اگر بفرضِ محال یہ ایسا ہی ہے جیسا صاحبِ مشکوٰۃ نے لکھدیا تو پھر جنابِ سیدہؑ کے رجوعِ دعوے کے وقت حضرت ابوبکر نے اُن کے مُنہ پر اس واقعہ کو بیان کر کے اُن کی کما حقہ تردید و تکذیب کیوں نہ فرمادی۔ حدیثِ لانورث۔ طلبِ شہادت۔ قصۂ نصاب اور کتابتِ وثیقہ وغیرہ وغیرہ۔ اتنے سے معاملہ کو اتنا طول وطویل بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بات اتنی تھی صدیقۂ کبریٰ نے ہبۂ فدک کا دعوےٰ کیا تھا اُسی وقت اُنکو اُن کے مُنہ پر یہ واقعہ بیان کر کے جھٹلا دیا جاتا اور یاد دلادیا جاتا کہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ آپ ہی نے اپنے پدرِ بزرگوار سے اسی فدک کے لیے درخواست کی تھی۔ وہ نامنظور فرمائی گئی۔ تو پھر آپ اُس کے پانے کا غلط دعوے کیوں کرتی ہیں۔ اور ایسی حالت میں کون شخص آپکے دعوئے فدک کو سچا سمجھیگا۔ اور آپ کو فدک دیدیگا۔ یا دلوادیگا۔

مگر ایسا تو نہ ابوبکر نے طلبِ فدک کے وقت جناب سیدہؑ سے کہا اور نہ اُن کے بعد حضرت عمر نے جنابِ علی مرتضےٰ اور عباس ابن عبدالمطلب کے باہمی تصفیۂ تنازع کے وقت اس کا

کوئی ذکر فرمایا۔ صحیحین بخاری و مسلم کی مجلدات ملاحظہ ہوں۔ کہیں ان لغویات کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ صحیحین پر کیا موقوف ہے تمام صحاح اور مسانید و سنن موجود ہیں۔ اُن میں تلاش کیجائے تحقیق فرمائی جائے۔ ان سے کیا پایا جائیگا سوائے اس کے کہ اُس وقت تک ان موضوعات کا کہیں نام بھی نہیں تھا مگر موضوعات و مصنوعات کے زمانہ میں جس کے لیے سلطنت امویہ خاص طور پر موجدِ اوّل ثابت ہوتی ہے۔ حدیثِ لانورث کے ضعف پر خیال کر کے اس اضافہ کی بنا قائم ہوئی اور مغیرہ سے یہ حدیث گھڑوا کر تیار کرائی گئی۔

اب اس روایت کو ایک دوسرے طریقہ سے ملاحظہ فرمایئے اور اسکی صداقت کو آزمایئے۔ اس کے راوی حضرت عمر ابنِ عبد العزیز ہیں جو جناب سیدہؑ کا فدک مانگنا اور آنحضرت صلعم کا انکار فرمانا بیان کرتے ہیں۔ اب دیکھیے فاروقِ اعظم حضرت عمر ابن الخطاب اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کے اس بیان کے جواب میں کہ آپ کے والد فرما گئے ہیں کہ ہم کسی کو وارث نہیں چھوڑتے اور ہمارا تمام متروکہ صدقہ ہے۔ تو ہم کیسے مانیں کہ اُنھوں نے فدک کو خاص طور پر آپ کو عطا فرما دیا ہے۔ سیدہؑ نے جواب دیا جاءتنی ام ایمن فاخبرنی انہ اعطانی ذلک۔ ام ایمن نے آکر مجھے یہ پیام دیا کہ فدک آپ نے مجھے عطا فرما دیا۔

اب ان دو مختلف فیہ روایتوں میں سے جن میں ایک کے راوی تو فاروق اعظم عمر ابن خطاب ہیں اور دوسری کے راوی آپکے خلیفہ عمر ابنِ عبد العزیز ہیں۔ اب فرمایئے کس کے بیان پر اعتبار کیا جائے۔ اس کے جواب میں آپ کا خلوص اور آپ کی خوش اعتقادی ضرور کہدیگی کہ حضرت عمر ابنِ خطاب والی روایت کو ہر طرح سے ترجیح دی جائے گی۔ جب آپ کی یہ رائے صحیح ہے تو اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ کی مشکوٰۃ والی روایت کی کیا حیثیت باقی رہجائیگی۔ سوائے اس کے کہ وہ صریح افترا۔ صریح خطا۔ بالکل موضوع اور سراپا مصنوع کہی جائے اور کیا۔

اب ہم مزید اطمینان کے خیال سے اس کے اور رواۃ کی تنقید بھی اہلسنت کی کتب رجال سے ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں کہ پھر کسی کو اس کے جھوٹ اور محض افترا مان لینے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

اس کے پہلے راوی عبد اللہ ابنِ جرّاح ہیں جن کے کثیر الخطا ہونے پر تمام محدثین اور ناقدینِ فن حدیث کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دیکھیے حاشیہ کاشف الذہبی میں لکھا ہے:۔

عبد اللہ ابن جرّاح ابن سعید۔ ابو محمد۔ سکن نیشاپور وانتشر علمہ بہا قال ابو ذرعہ صدوق وقال ابو حاتم کثیر الخطاء۔

عبد اللہ ابنِ جرّاح ابن سعید ابو محمد نیشاپور میں رہتے تھے اور وہیں اشتہارِ علم فرماتے تھے۔ ابو ذرعہ اُنہیں صدوق جانتے ہیں۔ اور امام ابو حاتم کثیر الخطاء۔ اب دوسرے راوی کی حیثیت ملاحظہ ہو۔

آپ کا نام جریر ہے۔ ان کی نسبت رجال کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ آخر میں ان پر نسیان غالب آگیا تھا۔ اور ایسا میزان الذہبی میں درج ہے کہ ایک امام بیہقی نے صرف اپنی سنن کی تیس حدیثوں میں جو ان سے مروی ہیں۔ ان کے حافظہ کی خرابیاں علیحدہ علیحدہ دکھلائی ہیں۔

امام احمد ابنِ حنبل کا یہ قول ان کی نسبت آج تک مشہورِ عام ہے کہ لم یکن بالذکی فی الحدیث اختلط علیہ حدیث اشعث وعاصم الاحول۔ یہ حدیث میں ذکی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اشعث کی حدیث کو عاصم الاحول کی حدیث سے مخلوط فرما دیتے ہیں۔

اسی پر منحصر نہیں۔ آگے چلکر اس روایت موضوعہ نے سُنّی علماٗ میں بڑے بڑے فساد پیدا کر دیے۔ اس کا پورا حال میزان ذہبی میں عبد الرحمٰن ابنِ محمد کی زبانی نقل ہے جس کا خلاصہ ہم بھی ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جریر شہر رَے کے عالم تھے۔ اور علامہ شاذکونی بغداد کے امام الحدیث علامہ کو جریر کی روایت میں تدلیس کا شبہہ ہوا اور اُنھوں نے خود جریر کی خدمت میں جاکر اس کی شکایت کی۔ جریر بگڑ گئے اور ایسا بگڑے کہ جانبین کے طرفداروں میں ملدیث اور فتنہ و فساد

کی نوبت آگئی۔ ملاحظہ ہو۔ حاشیہ تشئید المطاعن مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۹ ۲۳ مع اصل عبارت میزان ذہبی۔

اب تو ہمارے لائق ہمعصر کو اپنی اُس روایت کی جو اُن کی تحقیق کی مایۂ ناز تھی پوری حقیقت معلوم ہوگئی۔ اور یہ بھی اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ آپ نے اپنی کتاب میں حسبِ ضرورت موضوع اور مصنوع روایت کو اپنا معیار مختار قرار دیا ہے۔ اُس کی اسناد اور اُس کی روایت کی آپ ہی کے علمار نے اپنی اپنی کتابوں میں کیسی کیسی دھجیاں اُڑائی ہیں اور اُسکے بیخ و بن کا ریشہ سے ریشہ جُدا فرمایا ہے۔

افسوس ہے کہ ایک مؤلف کی حیثیت اور منصب رکھکر بلا تحقیق و تفتیش ایسے موضوعات و مصنوعات کو اپنی تالیفات میں مندرج کر دینا اپنی جامعیت اور قابلیت میں دھبہ لگانا ہی اور اپنی تالیف و تصنیف کی وقعت کو محققین کی نگاہوں سے گھٹانا ہی۔ اور کیا۔ اس لغو اور مہمل روایت کے لکھنے کے وقت اتنی زحمت نہ گوارا فرمائی گئی کہ من حیث الروایۃ اس واقعہ کا کیا وجود اور کیا ہستی قائم ہوتی ہے۔ اور اسکو سوائے ایک کے کسی دوسرے شخص نے بھی لکھا ہے یا نہیں۔ اگر ہمارے لائق ہمعصر نے یہ زحمت اور تکلیف گوارا نہ فرمائی تو اُنکی خدمت کرنے کو ہم تیار ہیں۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سوائے مشکوٰۃ کے اور کسی سُنّی کتاب میں کسی سنّی عالم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا ہے۔ صحابہ، تابعین اور خلفائے راشدین کے وقت میں تو کہیں اسکا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ہاں مابعد میں ضرورت کے وقت اسکی ایجاد کی گئی۔ اور اس طرح اپنا کام نکالنے کی ترکیب عمل میں لائی گئی۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا گیا۔ ناقدینِ فن اور محدّثینِ حدیث و سنن نے اس کی کامل تنقید و تردید فرمادی۔ ہم معاملات فدک کو اہلسنّت کے علماء و محدّثین کی جماعتِ کثیر سے اوپر لکھ آئے ہیں اُن میں کہیں اس موضوع و مصنوع واقعہ کا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ سمجھ لینے کے لیے تو وہی کافی ہے مگر مزید اطمینان اور احتیاط کے خیال سے پھر اُن علماء اور محدّثین کے نام اور اُن کی تالیفات کے نام ذیل میں مندرج کیے دیتے ہیں۔

(۱) علامہ شہرستانی نے ملل و نحل میں (۲) علامہ مجد الدین نے اپنی تاریخ میں (۳) ابن شعبہ نے اپنی تاریخ میں (۴) ابن السمان نے کتاب الموافقت میں (۵) ابوبکر جوہری نے کتاب السقیفہ میں (۶) خواجہ محمد پارسا نے فصل الخطاب میں (۷) محب طبری نے ریاض النضرہ میں (۸) ابن حزم اندلسی نے اپنی کتاب محلّے میں (۹) ابراہیم ابن عبداللہ یمنی نے اپنی بیاض میں (۱۰) امام سمہودی نے جواہر العقدین میں (۱۱) امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں (۱۲) ابن حجر نے صواعق محرقہ میں (۱۳) امام سیوطی نے تفسیر درِ منثور میں (۱۴) ملا متقی نے کنز العمال میں (۱۵) ملا معین ہروی نے معارج النبوۃ میں (۱۶) تاریخ حبیب السیر اور (۱۷) خاوند شاہ نے تاریخ روضۃ الصفا میں معاملۂ فدک کے متعلق کہیں اس قسم کی روایت کا اشارۃً و کنایۃً ذکر بھی نہیں کیا ہے۔

اتنی اسناد متواتر اور متکاثر کے مقابلہ میں اس خبر احاد کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ اور اس کو کون شخص سوتے جاگتے کبھی اس کو اعتبار کے قابل سمجھیگا۔

اب اس واقعہ کو دوسرے پہلو سے ملاحظہ فرمایا جائے اور حضرت ابوبکر کے فیصلہ پر تنقیدانہ نظر ڈالی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ جس ثبوت اور اشتہاد و اسناد کی بنا پر اُنھوں نے اس فیصلہ کو قائم کیا ہے وہ صرف معاملۂ خاص تک محدود و منحصر رکھا گیا ہے۔ اور دوسرے دعاوی اور دادخواہیوں کے انفصال کے وقت ان اشہاد و اسناد کی پروا نہیں کی گئی۔ صرف مدعی کے زبانی بیان پر اعتبار کر کے شے مدعا بہا اُس کو حوالہ کر دی گئی۔ اور کسی نصاب و بیّنات کے لحاظ اور موازنہ کی کوئی ضرورت نہیں دیکھی گئی۔ دیکھیے چند دنوں کے بعد جابر انصاری اور اموالِ بحرین کا واقعہ پیش ہوا۔ اُس کی نسبت حضرت ابوبکر کی عدالت سے جو فیصلہ جاری ہوا وہ صحیح بخاری کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کیا جاتا ہے۔

حدثنا علی ابن عبداللہ قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمرو سمع محمد ابن علی عن جابر ابن عبداللہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو قد جاء مال البحرین

انا اعطیك ھكذا ھكذا فلم یجئ مال البحرین حتی قبض النبی فلما جاء مال البحرین امر ابوبكر بنادی من كان له عند النبی عدة او دین فلیاتنا فاتیته فقلت ان النبی قال لی كذا وكذا قال فحثی علی حیثة فعددتھا فاذا خمس مائة وقال خذ مثلیھا۔

علی ابن عبداللہ نے سفیان سے اور سفیان نے عمر سے اور عمر نے محمد ابنِ علی کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ جابر ابنِ عبداللہ کہتے تھے کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب بحرین کا مال آئیگا تو ہم اُس میں سے فلاں فلاں رقم تم کو دیں گے۔ بحرین کا مال ابھی نہیں آیا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد جب بحرین کا مال آیا تو ابوبکر نے منادی کرائی کہ جس شخص سے آنحضرت صلعم نے کوئی وعدہ کیا ہو یا قرض لیا ہو وہ آئے اور مجھ سے لیجائے۔ پس میں نے اُن سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے اس (مالِ بحرین) میں سے فلاں فلاں رقم کا وعدہ فرمایا تھا۔ ابوبکر نے کہا تم مُٹھی بھر کر لیلو۔ میں نے وہ رقم لے لی۔ اور اُس کو شمار کیا تو وہ کُل پانچ سو تھی۔ ابوبکر نے کہا ہاں اتنا لیجاؤ۔

امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بھی اس مضمون کو ایسا ہی شیخین کی شرط پر لکھا ہے۔ لیکن اُنہوں نے وعدۂ رسولؐ سے خلیفہ صاحب کے ایثار کو سہ گونہ کر دیا ہے۔ اُن کی عبارت بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

اخرج الشیخان عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم لو جاء مال البحرین اعطیتك ھكذا ھكذا فلما جاء مال البحرین بعد وفات رسول اللہؐ قال ابوبكر من كان له عند رسول اللہؐ دین او عدة فلیاتنا فجئته فاخبرته فقال خذ فاخذت فوجدتھا خمس مائة فاعطانی الفا وخمس مائة۔

شیخین مسلم اور بخاری نے جابر سے روایت کی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب بحرین کا مال آئیگا تو ہم اُس میں سے تم کو اتنا اتنا عنایت کرینگے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب بحرین کا مال آیا تو ابوبکر نے لوگوں سے پوچھا کہ اگر کسی کا کوئی وعدہ یا دین جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ رہا جاتا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ پس میں اُن کے پاس گیا اور اپنے وعدے سے اُنہیں خبر دی۔ اُنہوں نے کہا لیلو۔ میں نے اُس میں سے لے لیا اور وہ شماراً پانچ سو تھے۔ پس ابوبکر نے مجھے ایک ہزار پانچ سو دیے۔

مرقومۂ بالا واقعہ سے حضرت ابوبکر کی فیاضی اور ایثار کی پوری کیفیت معلوم ہوئی۔ عام اس سے کہ مالِ بحرین اُنکا مالِ ذاتی ہو یا بیت المال اسلامی مگر دنیا میں خلیفہ صاحب کی فیاضی کی تو دھوم ہو گئی۔ مگر حقیقت بین نگاہوں میں اگر اُن کا یہ ایثار اپنے ذاتی مال سے کیا گیا تھا تو البتہ قابلِ تعریف اور اگر مالِ غیر سے تھا تو یہ سخاوت حاتمانہ نہیں تھی بلکہ خیانت مجرمانہ۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تصرف باطل جائز سخاوت و ایثار ہی کے معنوں میں تسلیم کر لیا جاوے تو انصار سے زیادہ آلِ محمد یا اہلبیت تنگدست اور نادار ہو رہے تھے۔ اُن پر توجہ فرمائی گئی ہوتی ؎

گُل پھینکے ہیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی

بہر حال۔ ان واقعات سے حضرت ابوبکر کے مساوی الوضع والقسم کے دعاوی میں مختلف قسم افعال و احکام صادر فرمانا تو ثابت ہو گیا جو تمام دیکھنے والوں اور سُننے والوں کو تعجب دلاتا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز تو اُن کے ان افعال و احکام کی تاویلیں اور توجیہیں ہیں جو شارحین اور محدثین اہلسنت نے اُن کے متعلق قلمبند فرمائی ہیں چنانچہ امام کرمانی اس مقام میں امام طحاوی کی یہ رائے تحریر فرماتے ہیں:۔

اما تحمل ابی بكر بعدة النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم فذلك لان الوعد منه یلزم فیه الانجاز لانه من مكارم الاخلاق وانه لعلی خلق عظیم واما تصدیق ابی بكر جابرا فی دعواه لقوله من كذب علی متعمدا فلیتبوء مقعده فی النار فھو وعید ولا یظن بان

مثلہ یقدم علیہ۔

ابوبکر نے سمجھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں کا وفا کر دینا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایفائے وعدہ مکارم اخلاق میں داخل ہے۔ اور جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بمصداق انّک لعلیٰ خلق عظیم اسکے لیے بدرجۂ اولےٰ سزاوار تھے۔ اب رہی یہ بات کہ جابر کے کہنے کی تصدیق ابوبکر نے کیسے اور کیوں کرلی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تصدیق بھی آنحضرت صلعم ہی کے اس قول کے مطابق تھی کہ اگر کوئی شخص قصداً ہمارے متعلق کوئی جھوٹی بات کہیگا تو وہ اوندھے مُنہ جہنّم میں دھکیلا جائیگا اور یہ ایسا وعدہ تھا کہ حضرت ابوبکر نے جابر ابن عبداللہ کی نسبت اسکے اقدام کا ذرا بھی شک نہ فرمایا۔

ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:۔

وفیہ قبول خبر الواحد العدل من الصحابہ ولو جرّ ذٰلک نفعاً لنفسہ لانّ ابابکر لم یلتمس من جابرا شاھداً علیٰ صحۃ دعواہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ قول کہ خلیفہ نے خبرِ واحد پر اعتبار کرلیا تو یہ اعتبار کرلینا اُن کا عدالتِ صحابہ پر مبنی تھا۔ کیونکہ اگر حضرت ابوبکر کو اُن کی طرف سے لوثِ نفس کا خیال ہوتا تو وہ جابر سے اُنکے دعوے کی صحت پر ضرور شاہد طلب فرماتے۔

علّامہ عینی نے بمقابلہ اور شارحین کے اس مضمون کو زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اُن کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ کیجائے:۔

انّما لم یلتمس شاھداً منہ لانّہ عدل بالکتاب والسّنّۃ۔ اما الکتاب فقولہ تعالیٰ کنتم خیر امّۃ۔ وکذٰلک جعلنٰکم امّۃً وسطاً۔ فمثل جابر ان لم یکن من خیر امّۃ فمن یکون۔ واما السّنّۃ فلقولہ من کذّب علی متعمّداً الخ الحدیث۔ ولا یظن کذٰلک بمسلم فضلاً عن صحابی فلو وقعت ھٰذہ المسئلۃ الیوم ولا یقبل الّا بیّنۃ۔

حاصل ترجمہ یہ ہے:۔ پس یہ بات کہ ابوبکر نے جابر سے شاہد طلب نہ کیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جابر کی عدالت کتاب وسنّت دونوں سے ثابت تھی۔ قرآن سے تو اس طرح کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اس امت کو خیر امّت سے یاد فرمایا ہے اور پھر دوسرے مقام کو امتِ وسطےٰ کے لقب سے ذکر کیا ہے۔ پس اس بنا پر اگر جابر جیسے لوگ خیرِ امّت نہ ٹھیرینگے تو پھر کون ہوگا۔ اب حدیث وسنّت کی رو سے تو آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ لگائے (تاآخر حدیث) تو پس کسی مسلم کی نسبت تو ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ صحابی (جو شرفِ صحبت سے مستفید ومستفیض ہوچکا ہے) پھر اگر یہ معاملہ بروقت نہ وقوع پذیر ہوا ہوتا تو البتہ طلبِ شہادت کی ضرورت ہوتی۔

مرقومۂ بالا واقعہ سے حضرت ابوبکر نے جس حُسنِ سلوک اور رعایت سے جابر انصاری سے کام لیا وہ پورے طور سے ظاہر اور ثابت ہوگیا۔ ہم بھی کہیں گے جزاک اللہ۔ مگر خلیفہ صاحب سے اتنی شکایت ضرور کرینگے کہ ہر شے کو دیکھنا چاہیے دونوں آنکھوں سے آپ نے ایک ادنےٰ اور معمولی صحابی کے مقابلہ میں تو اُس کے خیرِ امّت ہونے۔ شرفِ صحابیت سے مشرف ہونے وغیرہ وغیرہ۔ تمام اعزاز واقتدار کا لحاظ کیا اور اعتبار فرمایا۔ مگر ان کے برعکس خیر النساء العالمین بضعۂ خیر المرسلین سلام اللہ علےٰ ابیہا وذرّیتہا وعلیہا الاجمعین کے جس کے گھر سے مہاجر مہاجر کہلائے اور انصار انصار۔ جس کے در سے جابر سے ہزاروں غائب وحاضر شرفیابِ اسلام۔ کسی قدر ومنزلت کا جس پر ایک نہیں متعدد بلکہ متواتر آیاتِ الٰہی اور احادیث اور ارشاداتِ حضرت رسالت پناہی شاہد تھے۔ کوئی خیال نہ فرمایا۔ خیر اگر ان محامد ومدائح منصوصہ ومخصوصہ پر بوقت نظر نہ پہنچی اور خیال نہ آیا تو جابر کی طرح اس پر عام امّتِ اسلام اور صحبت وزیارت رسولؐ کے شرف کا اطلاق نہ فرمایا گیا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کے نزدیک جناب سیّدہ۔ معاذ اللہ خیرِ امّت اور دائرہ صحابیت میں شامل سمجھے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھیں ؎

اگر چنیں بشود شیوۂ مسلمانی ۔ ہزار بار بنا اسلام کفر نا ہست

اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ زیادہ تحقیق وتفتیش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک جابر ہی کے ساتھ حضرت ابوبکر نے یہ مراعات وعنایات نہیں قائم کی تھیں بلکہ ع صلائے عام ہے یاران آشنا کے لیے۔ اور لوگوں کے ساتھ بھی ایسی ہی فیاضی اور محاسن سلوک کے اظہار فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ابوبشیر مازنی کا واقعہ بھی جابر ابن عبد اللہ انصاری کے ساتھ کنز العمال میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ جس کی اصل عبارت ذیل میں مرقوم ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال سمعت منادی ابوبکر ینادی بالمدینة حین قدم مال البحرین من کانت له عدة عند رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فلیات فیاتیه رجال فیعطیهم فجاء ابوبشیر المازنی فقال ان رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قال لی یا ابا بشیر اذا جاءنا شیء فاتنا واعطاه ابوبکر حفنتین او ثلاثا فوجدها الفا واربعمائة (ابن سعد)

کنز العمال میں ابن سعد کی اسناد سے ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ میں نے مدینہ میں جب بحرین کا مال آیا تو ابوبکر کے منادی کو یہ منادی کرتے ہوئے سُنا کہ جب کسی شخص کے ساتھ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وعدہ رہ گیا ہو وہ میرے پاس آئے۔ پس لوگ آئے۔ اُن کو اُنہوں نے دیا بھی۔ اس اثناء میں ابوبشیر مازنی بھی پہنچے اور کہنے لگے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا تھا کہ اے ابابشیر! جب کچھ میرے پاس آجائے تو تم میرے پاس آئیو۔ یہ سُنکر حضرت ابوبکر نے دو چھٹے یا تین (پیمانے) اُس مال سے اُن کو دیدیں۔ شمار کیا گیا تو وہ ایک ہزار چار سو تھے۔

ہم نے اپنے موجودہ مدعائے بیان کے متعلق اتنے متعدد اور متواتر واقعات صرف اس غرض سے لکھدیے ہیں کہ میرے اس سابق بیان کردہ دعوے کی کامل تصدیق ہوجائے کہ فدک کا معاملہ تمام اہل اسلام کے لیے غیرت اور عبرت کی بہت بڑی امتحان گاہ ہے۔ غریب فاطمہ اور اُن کی نادر ذریت پر جو کچھ گزرا۔ گزرا۔ مگر مخالفت حکم خدا و رسول۔ حق تلفی۔ حق فراموشی اور ناانصافی وغیرہ وغیرہ کے الزام اس وقت سے لیکر قیامت تک مسلمانوں کے سر رہ گئے۔

اس واقعہ کو اس کثرت سے لکھنے کی نہ ہم کو نہ اور کسی فرد شیعہ کو کوئی ضرورت اور احتیاج تھی۔ مگر ہم مجبور ہیں اور بالکل مجبور۔ اہلسنت کے انواع واقسام کے انکار۔ اور پھر اُن انکاروں پر اصرار۔ اور اُن اصراروں پر بیجا تکرار نے اتنا طول دیا اور اور ان صریح مظالم کے لیے ایسی ایسی تاویلات مہمل اور بیکار پیش کیں۔ جن کو ایک سطحی اور سرسری طور سے دیکھنے والا تخت غلط فہمی میں پڑجاتا۔ اس لیے ان تمام بے اصل اور بے معنی تاویلات کی جو حقیقت میں عذرِ گناہ بدتر ز گناہ کی پوری مصداق تھیں ہم کیا تمام حق جانبداروں کے لیے تنقید و تردید ضروری اور لازمی تھی۔ جیسا کہ ہم اُنہی کے علماء اور اُنہی کی کتابوں کی اسنادِ معتبرہ اور اشہاد متواترہ سے اوپر قلمبند کر آئے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت اور اصلیت تو یہ تھی۔ جو اوپر لکھی گئی۔

اب اس سے عبرت اور غیرت جو نتیجے نکلتے ہیں وہ خلاصہ طور پر یہ ہیں کہ جابر ابن عبد اللہ انصاری اور ابوبشیر مازنی کے معاملات میں خلیفہ صاحب نے ان دونوں کی تنہا صحابیت کی فضیلت پر اعتبار کرکے اُن کے بیان پر اعتبار کرلیا۔ اور اُنہی کے بیان کے مطابق اُنکی مطلوبہ رقم بلکہ اُس سے اضعاف مضاعف عنایت فرمایا جائے۔ اب خلیفہ صاحب کے فیصلہ کو اُن کی سابق تجویز سے مقابلہ کیا جائے تو آسمان زمین کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ سابق معاملہ کی تجویز میں جو دقتیں اور دشواریاں فیصلہ کنندہ حضرت کو پیش آئی تھیں۔ اُن میں سے ان آخر دو دعووں کے پیش آنے کے وقت اُن میں وہ کوئی دشواری اور دقت ذرا بھی محسوس نہیں ہوئی۔ نہ اُن میں کسی گواہ کی ضرورت ہے۔ نہ اُس کے بیان کی۔ نہ کوئی ثبوت مانگا جاتا ہے اور نہ کوئی تحریر او رنہ نوشتہ۔ نہ کسی سے تحقیق کیجاتی ہے اور نہ کسی مسلمان سے مشورت کیجاتی ہے۔ مدعی دعوے کرتا ہے اور مال رسول سے رقم مدعا بہا دیدی جاتی ہے۔ اور اگر لو فرضنا وہ مال رسول صلعم بھی نہیں تھا بلکہ عامۃ المسلمین کا مین المال تھا۔ تاہم نہ کسی مسلمان سے پوچھا جاتا ہے اور نہ اجازت لیجاتی ہے۔ حالانکہ۔ برعکس اس کے آنحضرت کا خاص شعار معلوم ہوتا ہے

کہ بیت المسلمین میں جب باختیارِ خاص کسی تصرف کی ضرورت آپڑتی تھی تو آپ تمام اہلِ اسلام کی عام اجازت لے لیتے تھے اور اُن سے اس امرِ خاص میں مشورت فرما لیتے تھے۔ چنانچہ اسیرانِ بدر کے معاملات میں ذیل کا واقعہ جس کو ہم امام حاکم کی مستدرک سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں ہمارے بیان کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

حدثنا ابو العباس محمد ابن یعقوب حدثنا احمد بن عبد الجبار حدثنا یونس بن بکیر عن محمد بن اسحٰق حدثنی یحیی ابن عباد بن عبد اللہ ابن الزبیر عن ابیہ عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قالت لما بعث اہل مکۃ فی فداء اسارا ہم بعثت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی فداء ابی العاص بمال و بعثت فیہ بقلادۃ کانت خدیجۃ ادخلتہا بہا علیٰ ابی العاص حین بنی الیہا فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تلک القلادۃ رق لہا رقۃ شدیدۃ وقال ان رائیتم ان تطلقوا اسیرہا و تردوا علیہا الذی فقالوا نعم و اطلقوہ و ردوہ علیہ الذی لہا۔

ابو العباس محمد ابنِ یعقوب نے احمد ابنِ عبد الجبار سے۔ اُسنے یونس ابنِ بکیر سے اُس نے یحیےٰ ابن عباد ابن الزبیر سے اُسنے اپنے باپ سے اور اُس نے عائشہ زوجۂ رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب مکہ کے لوگ اسیرانِ بدر کا فدیہ دینے آئے تو زینب (بنتِ رسول اللہ) نے بھی اپنے شوہر ابی العاص کا فدیہ بھیجا۔ اور اُس میں ایک گلوبند جس کو حضرت خدیجہ نے زینب کو ابو العاص کے ساتھ شادی ہونے کے وقت دیا تھا۔ جب جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نگاہ اُس گلوبند پر پڑی تو آپ کو سخت صدمہ لاحقِ حال ہوا اور آپ نے تمام اہلِ اسلام کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ مجھ کو رائے دو تو میں زینب کے مطلوبہ اسیر کو بھی چھوڑ دوں اور اُسکے مرسلہ مالِ فدیہ کو بھی اُسے واپس دیدوں۔ سب مسلمانوں نے عرض کی۔ ہاں۔ یا رسول اللہ! ہمیں منظور ہے۔ آپ اُنکے اسیر کو بھی چھوڑ دیں اور اُنکے مرسلہ مال کو بھی واپس دیدیں۔

اس واقعہ سے کماحقہ ثابت ہوگیا کہ اموالِ مسلمین کے تصرف کی نسبت آپ کوئی امر مسلمانوں کی مشورت اور اجازت بغیر نہیں کرتے تھے۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک اسی سیرت اور طریقہ کو خلیفۂ اول صاحب کے اس عمل سے ملایا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ جابرؓ ابن عبد اللہ انصاری اور ابو بشیر مازنی کے معاملات میں اُنہوں نے عملِ جنابِ رسولِ خدا کی ذرا بھی پیروی نہیں کی۔ اور محض اپنے اجتہاد اور اختیار سے جو جی میں آیا وہی کر گزرے۔ نہ کسی اہلِ اسلام سے پوچھا اور نہ اُن لوگوں میں سے کسی کا مطلق استمزاج لیا۔ کہاں تو جنابِ سیدہؑ کے مطالبہ اور مقابلہ کے وقت یہ دعوے کہ سیرتِ رسولِ خدا سے سرمو اختلاف نہ کیا جائے گا اور کہاں چند ہی روز بعد ایسا صریح اختلاف اور بدیہی انحراف۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کی روش کو جنابِ رسولِ خدا کے طریقہ سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ بہر حال۔ خلیفہ صاحب کے عمل کو جنابِ رسولِ خدا کے طریقہ کے بالکل برعکس اور خلاف ثابت کر کے اب ہم اپنے سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان دونوں مندرجۂ بالا واقعات کی نقل سے ہم کو یہ دکھلانا مقصود تھا کہ خلیفہ صاحب نے جنابِ سیدہؑ کے ساتھ اُن کے مطالبۂ فدک کے متعلق اُتنی رعایت۔ مروت اور حفظِ مراتب کا بھی خیال نہ رکھا جتنا عام مسلمانوں نے حضرت زینب کے لحاظ سے ابو العاص کے معاملہ میں جائز اور روا رکھا تھا جیسا کہ ابھی ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔

اسی طرح جابرؓ ابنِ عبد اللہ اور ابو بشیرؓ مازنی کی صحابیت اور شرفِ صحبتِ رسالت پر تو خلیفہ صاحب کا اتنا دل دُکھا کہ اُنکے مطالبات کے متعلق اُن کے تنہا اور صرف زبانی بیان کو وحیِ آسمانی سمجھ کر کسی طرح انکار ہی نہ فرما سکے۔ مگر غریب سیدۃ خیر النساء العالمین سلام اللہ علیہا کے مطالبہ کے موقع پر اُنکی کسی شرافت۔ کسی فضیلت اور کسی مراتب و مدارج کا کوئی لحاظ اور کوئی خیال نہ کیا گیا۔ نہ اُس وقت خلیفہ صاحب کو فاطمۃ بضعۃ منی یاد رہا اور نہ ان اللہ یغضب بغضبہا و یرضا لرضاہا پر نظر رہی اور نہ فاطمۃ حور من حور اء

الانسیه وهي سیدة نساء العالمین کا خیال آیا اور نہ اذا اذاها فقد اذانی پر نگاہ گئی۔ نہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی کوئی قرابت۔ محبت۔ اخلاص اور اختصاص ثابت ہے اور نہ اسلام میں آپ کو کوئی ذاتی اقتدار واعتبار حاصل۔ اچھا یونہی سہی۔ اب آپ نے جس طرح جابر اور ابوبشیر کے معاملات میں صرف اُن لوگوں کے شرفِ صحابیت پر اعتبار کر کے اُن کے قول کی تصدیق کر لی اور اُن کو سچا سمجھ لیا۔ تو آپ کی عدالت اور حقوقِ مساوات کا مقتضیٰ یہی تھا کہ آپ اُسی طرح جنابِ سیدہؑ کے معاملہ اور مطالبہ میں۔ گو وہ آپ کے نزدیک رسول اللہ صلعم کی پارۂ جگر۔ نورِ نظر اور عزیز بھی نہیں تھیں۔ کسی خصوصیت اور شرف وفضیلت پر فائز بھی نہیں تھیں۔ مگر آپ کے مصدقہ شرفِ صحابیت سے تو ضرور مستفیض ومستفید تھیں۔ اسی تنہا بنا پر اُن کی تصدیق فرمائی ہوتی اور اُن کو سچا سمجھا ہوتا۔ تو غریب معصومہ کی تھوڑی بہت دلجوئی اور اشک شوئی ہو گئی ہوتی۔ مگر آپ نے اتنا بھی نہ کیا۔ فجز اک اللہ۔ ع خدا اجرے دہد در کشتن ما قاتلِ ما را خلیفہ صاحب کی تجویز اور رائے میں فاطمہؑ کے لیے نہ رسولؐ کی قرابت اور خصوصیت کام آسکتی تھی۔ نہ صحابیت اور شرفِ مہاجرت۔ اس سے بڑھکر اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے غیرت اور عبرت کا کیا کوئی دوسرا مقام بتلایا جا سکتا ہے۔ جہاں ایک ادنےٰ صحابیوں کے مقابلہ میں مخصوصین اور مقدسین اہلبیت طاہرین کے ذاتی اور صفاتی اعزاز وامتیاز کا۔ جن پر نصوصِ الٰہیہ اور ارشادِ نبویہ شاہد ہیں کوئی خیال اور کوئی لحاظ نہ کیا جائے تو پھر اس کو قیامت کی عصبیت۔ قیامت کی نفسانیت اور قیامت کی بیدردی اور شقاوت نہیں کہینگے تو اور کیا۔

حدیث نحن معاشر الانبیاء کی پوری تحقیق

دار یم رواچو اور روامی دارد

آبادی دیگراں زبربادی ما

معاملۂ فدک کے متعلق یہاں تک تو ہم نے واقعات کی نسبت بحث کی تھی اور اسی سلسلۂ بیان میں جو کچھ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو اس کی حق طلبی کے متعلق زحمتیں اور تکلیفیں اُٹھانی ہوئیں۔ وہ ایک ایک کر کے علٰحدہ علٰحدہ قلمبند کر دیں۔ اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں خلیفہ صاحب کی مصنوعی حدیث لانورث کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں اور اُسکے متعلق محدثین اور محققینِ علمِ حدیث کو اس کی تصدیق وتوثیق میں یکے بعد دیگرے جو آفتیں اور دقتیں پیش آئی گئیں وہ سب اُنہی حضرات کی معترفانہ عبارتوں میں ایک ایک کر کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے خلیفہ صاحب سے مطالبۂ فدک کے موقع پر جو تقریر فرمائی اُس کے ابتدائی کلمات یہ تھے۔ اترث اباك ولا ارث ابی۔ تم اپنے باپ کی تو میراث پاؤ اور ہم اپنے باپ کی میراث نہ پائیں۔ یہ فرما کر معصومہؑ نے آیۂ توریث یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کی تلاوت فرمائی۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ کے پدرِ بزرگوار نے فرمایا تھا کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ ہم گروہِ انبیاء نہ میراث پاتے ہیں۔ نہ میراث چھوڑتے ہیں اور جو کچھ ہمارا ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہے۔

اب صورتِ حال یہ ظاہر ہوتی ہے کہ جناب سیدہؑ نے اپنے دعوے کی بنا نصِ قرآنی پر قائم کی۔ اور حضرت ابوبکر نے اُنکی تردید میں صرف ایک حدیث پیش کی اور وہ بھی اپنی ہی زبانی اس نصِ قرآنی کے متعلق تو تحقیق وتلاش کی ضرورت ہی نہیں۔ قرآن مجید موجود ہے۔ جو چاہے دیکھ لے۔ ہاں اسکے اسباب نزول کے متعلق اگر کچھ دریافت طلب ہے تو ایک مقام پر نہیں۔ متعدد مقامات پر۔ صحیح بخاری میں اسکی شانِ نزول یوں لکھی ہے۔

فی کتاب التفسیر عن جابر قال عادنی النبیؐ وابوبکر فی بنی سلمه ماشیین فوجدنی النبی لا اعقل فدعا بماءٍ فتوضاء منه ثم رش علی فافقت فقلت ما تامرنی ان اصنع فی مالی یا رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم فنزلت یوصیکم اللہ فی اولادکم

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ابو بکر میری عیادت کے لیے بنی سلمہ کے محلہ میں تشریف لائے میں بیہوش تھا۔ آپ نے پانی مانگ کر وضو کیا۔ پھر میرے سر پر چھڑک دیا مجھ کو افاقہ ہو گیا تو میں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے مال کے متعلق کیا کروں۔ کیا ارشاد ہوتا ہے۔ پس آیۂ یوصیکم اللہ فی اولادکم نازل ہوا۔

اس مقام پر جو امر بہت بڑا ضروری اور قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ آیۂ توریث کے خلاف جنابِ رسالت مآب صلعم کو اپنی خاص میراث کے متعلق کوئی حکم صادر فرمانا تھا۔ جس کی طرف ابوبکر نے آپ کی وفات کے بعد دعوےٰ کیا۔ تو اُس حکم سے اُسی وقت تمام مسلمین کو عموماً اور اپنی اہلبیتِ طاہرین اور وارثین کو خصوصاً بموجب آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کیوں مطلع اور آگاہ نہ فرمادیا گیا۔ اس اصول کی بنا پر ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ آپ سب سے پہلے جناب سیدہ۔ حضرت علی مرتضےٰ اور حضرات حسنین علیہم السلام کو اس حکم سے آگاہ فرماتے۔ تاکہ اس کے سُنتے ہی یہ تمام حضرات خیالِ وراثت سے قطعی طور پر دست بردار ہو جاتے۔ مگر شواہد بتلا رہے ہیں کہ جنابِ سیدہ اور سائر اہلبیت علیہم السلام کو اس حکم کی مطلق خبر ہی نہیں تھی۔ صحیحین بخاری اور مسلم کی مصدقہ روایتوں سے جنابِ سیدہ کا دعوےٰ میراث طلب کرنا۔ محروم رہنا۔ اور اپنی محرومی پر خلیفہ صاحب سے بےحد ناراض ہونا۔ اور اپنی عمر بھر نہ بولنا اور یہانتک کہ اپنے جنازے کی شرکت تک سے اُنکی ممانعت کر دینا وغیرہ وغیرہ ثابت کر رہا ہے کہ نہ آپ نے اس حدیث کے حکم کو اپنے پدرِ عالی مقدار سے سُنا تھا اور نہ ابوبکر کی زبانی اسے سُنکر آپ اس کو سچا اور صحیح مانتی تھیں۔ کلام کی کتابوں میں یہ مقام عام طور پر علمائے اہلسنت کے لیے نہایت دشوار ثابت ہوا ہے۔ بہزار دشواری جو تاویلات کی گئی ہیں یا آج تک کی جاتی ہیں وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتی ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے شرحِ مشکوٰۃ میں اس مقام پر پہنچکر جو مشکل اُٹھائی ہے وہ آپ کی خاص تحریر سے ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

مشکل تر ازایں قضیۂ فاطمہ زہرا است زیرا کہ اگر گویم کہ وے رضی اللہ عنہا جاہل بود بایں سنت بعید است۔ واگر التزام کنم کہ شاید اتفاق نیافتاد اورا از استماع ایں حدیث از ابوبکر وشہادتِ صحابہ برآں۔ چگونہ قبول نہ کرد و در غضب آمد۔ واگر غضب پیش از استماعِ ایں حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا اینکہ بامتداد کشید و تا زندہ ماند مہاجرت کرد ابوبکر را۔

محدثِ دہلوی کی مرقومۂ بالا عبارت سے مشکلیں اور دشواریاں پورے طور سے ظاہر ہو کر یہ ثابت کر رہی ہیں کہ اُن کو اس حدیث کے ردّ و قبول میں ایسا کشمکش و پیچ لاحق ہے کہ نہ جائے ماندن باقی ہے نہ پائے رفتن۔ اسی لیے وہ شروع ہی سے اس قضیّہ کے تصفیہ کو اپنے لیے ایک مشکلترین قضیہ سمجھے ہوئے ہیں۔ صورتِ واقعہ۔ ایک تحقیق طلب اور حق جوئندہ شخص کے آگے اس حدیث کی اصلیت اور اس کے متعلق محدثین اور شارحین کی دشواریاں۔ اُن کا غایت درجہ کا انتشار و اضطرار اس کی موضوعیت کی اصل حقیقت کو کافی طور سے بتلا رہی اور ثابت کر رہی ہے۔

محدث دہلوی صاحب ایک جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی لاعلمی پر اتنا گھبرائے ہوئے ہیں۔ غریب سیدہؑ پر کیا موقوف ہے۔ تمام ازواجِ مطہرات (باستثنائے عائشہ) اور متعلقین آنحضرت صلعم کی لاعلمی اور بیخبری کی یکساں کیفیت ہے۔ خود عثمان صاحب بھی جن کو ذوالنورین کے لقب اضافی سے برابر یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق فاقد العین ثابت ہوتے ہیں۔ بخاری اور موطا میں یہ عبارت درج ہے۔

فحدثت ہذا الحدیث عروۃ ابن الزبیر فقال صدق مالک ابن اوس انا سمعت عائشۃ زوج النبی تقول ارسل ازواج النبیؐ عثمان الی ابی بکر یسالنہ ثمنہن مما افاء اللہ علی رسولہ فکنت انا اردہن فقلت لہن الا تتقین اللہ الم تعلمن ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یقول لا نورث ما

ترکناہ صدقہ یریدن بذلک نفسہ انما یاکل آل محمدؐ فی ھذا المال فانتھی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی ما اخبرتھنّ۔

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیوں نے عثمان کو ابوبکر کے پاس بھیجا اور اپنا آٹھواں حصّہ اُس میں سے منگا بھیجا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلعم کو مالِ فئے میں عنایت فرمایا تھا۔ عائشہ نے عثمان کو یہ کہکے واپس کر دیا کہ اُن سے جاکر کہدو کہ تم لوگ خدا سے نہیں ڈرتیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ صرف آلِ محمدؐ اپنی حاجت کے موافق اُس میں سے لے سکتے ہیں۔ پس ازواجِ نبیؐ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ خاموش ہو رہیں۔

اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ حدیث لانورث کو جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بی بی نہیں جانتی تھی۔ اور نہ حضرت عثمان کو اُس وقت تک اس کی کوئی خبر تھی۔ اگر اُن کو خبر ہوتی تو ازواجِ نبی صلعم عثمان کو اپنے مطالبے لیکر ابوبکر کے پاس کیوں بھیجتیں۔ اور وہ خود کیوں جاتے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ نہ اُن بیبیوں کو اس کی خبر تھی اور نہ خود حضرت عثمان کو اس کا مطلق علم تھا۔ اب رہا حضرت عائشہ کا علم جسکی تنقید و تردید کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اپنے باپ کی تردید و تکذیب فرماکر اپنی سعادتمندی کے دامن پر دھبّہ لگائیں۔

ہاں خوب یاد آیا۔ خلیفہ عثمان صاحب تو اس حدیث سے سُن سُناکر بھی از اوّل تا آخر ایسے لاعلم رہے کہ صدیق اور صدیقہ دونوں کے ارشاد کے خلاف۔ اپنے زمانۂ خلافت میں علاقۂ فدک کو اپنی طرف سے مروان کے نام ہبہ فرما دیا۔ گویا یہ اُنکا عین مال تھا۔ لطف تو یہ ہے کہ پھر کسی مسلمان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اُن کے اس عمل کی نسبت جو علمائے اہلبیتؑ نے رائے قائم کی ہے وہ نہایت موزوں۔ مناسب اور حق بجانب ہے۔ وہو ہذا۔

فانظر ایہا المنصف ان الشیخین منعا فاطمۃ عن فدک بکلّ طریق امکن لھما فلما وصلت النوبۃ الی عثمان اقطعہا مروان الم تکن فاطمۃ علیہا السلام عندھما مثل مروان الذی لعنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی اہلِ انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت شیخین نے بقدرِ امکان اپنے ہر طریقہ سے فاطمہؑ کو حصولِ فدک سے تو باز رکھا مگر جب عثمان کی باری آئی تو اُنھوں نے اُسی فدک کو مروان کی جاگیر میں لکھدیا۔ کیا ان لوگوں کے نزدیک فاطمہؑ مروان کی مثل بھی نہیں تھیں جس پر خود جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی تھی۔

بہر حال۔ عثمان کی داستان تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو بیچ میں حائل ہو گیا۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔

اب اس حدیث کی حیثیت اور بساط بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔ باتفاق جمیع محدّثین اہلسنت یہ روایت بالکل احاد میں داخل ہے اور اس کا راوی سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی دوسرا معلوم نہیں ہوتا۔ فاضلِ معتزلی علّامہ ابنِ ابی الحدید مالک کی حدیث پر تنقیدانہ نظر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ھذا حدیث غریب لانّ المشہور انّہ لم یرو حدیث انتفاء الارث الّا ابوبکر وحدہٗ۔

یہ حدیث غریب ہے۔ اس لیے کہ مشہور ہے کہ نفی میراث کی اس حدیث کو سوائے ایک ابوبکر کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔

قاضی ابن تیمیہ اور جناب سیدمرتضےٰ علم الہدےٰ کے درمیان جو اس حدیث کے متعلق مناظرہ قائم ہوا تھا اُس پر جو علّامہ موصوف الصّدر نے محاکمہ فرمایا ہے اُس کی اصلی عبارت بھی ذیل میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

صدق المرتضیٰ فیما قال اما عقیب وفاۃ النبیؐ مطالبۃ فاطمۃ بالارث فلم یرد الخبر الا ابوبکر وحدہ وقیل انّہ رواہ معہ مالک ابن اوس ابن الحدثان۔

سیدمرتضےٰ (نوّر اللہ مرقدہ) کا یہ قول صحیح ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جنابِ سیدہؑ کے مطالبۂ ارث کے موقع پر جو حدیث ابوبکر سے مروی ہے اُس کے اکیلے راوی ابوبکر ہی ہیں مگر

کہا جاتا ہے کہ مالک ابن اوس ابن الحدثان بھی اُن کے ساتھ شریک ہے۔

امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء کی فصل فیما وقع فی خلافۃ ابی بکر میں تحریر کرتے ہیں:-

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذٰلک علما فقال ابو بکر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلعم کی میراث میں اختلاف ہوا اور کسی کو اسکا صحیح علم نہیں تھا تو ابو بکر نے کہا کہ ہم نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ جو ترکہ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

اسی عبارت کو ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی لکھا ہے۔ و

اختلفوا فی میراثہ فما وجد واعند احد من ذٰلک علما فقال ابو بکر سمعت رسول اللہ یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا۔ اور کسی شخص سے اس کی صحیح خبر نہیں مل سکی تو ابو بکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت ص کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم لوگ جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی بھی کتاب الاکتفا میں تحریر کرتے ہیں:

واختلفوا فی میراثہ فما وجد واعندہ احد من ذٰلک علما فقال ابو بکر سمعت رسول اللہ ص یقول انا معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ اخرجہ البغوی وابو بکر الشافعی فی الغیلانیات وابن عساکر فی تاریخہ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کی نسبت اختلاف ہوا اور کسی کے پاس سے اس کی صحیح خبر نہ مل سکی تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو وہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ اسی حدیث کو امام بغوی نے۔ ابو بکر شافعی نے غیلانیات میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

مرقومۂ بالا اسناد و اشہاد سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ گروہ صحابہ میں کسی کو بھی اس حدیث کی کانوں کان خبر نہیں تھی۔ یہ حضرت ابو بکر تھے جنہوں نے پہلے پہل اس حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بیان کیا۔

نقیب ابو جعفر یحیےٰ ابن محمد مصری لکھتے ہیں:-

علی وفاطمۃ والعباس ما زالوا علی کلمۃ واحدۃ یکذبون الروایۃ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ویقولون انھا مختلقۃ قالوا کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعرف ھٰذا الحکم غیرنا ویکتمہ عنا ونحن الورثۃ ونحن اولی الناس ان یودی ھٰذا الحکم الیہ۔

حضرات علی وفاطمہ وعباس علیہم السلام اپنے کلمۂ متفقہ سے نہ علٰحدہ ہوئے۔ اور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی برابر تکذیب فرماتے رہے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس سے اختلاف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حکم کو ہمارے غیروں سے تو کہدیں اور ہم لوگوں سے چھپائیں۔ کیونکہ ہم لوگ اُن کے وارث تھے اور اس بنا پر اُن کا حکم سننے اور اُس کے بجا لانے کے لیے سب لوگوں سے زیادہ مستحق تھے۔

ان تمام اسناد سے یہاں تک تو معلوم ہو چکا کہ اس حدیث کا وجود اتنا اور بساط اتنی ہے کہ اس کا بیان کرنے والا سوائے اُس کے جو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو محروم رکھنا چاہتا ہے۔ اور کوئی نہیں ہے۔ اور اس میں بھی کوئی کلام نہیں کہ اُس کے پاس اپنا مطلب نکالنے اور اپنی گون گانٹھنے کے لیے سوائے اس کے کوئی دوسری ترکیب ہی نہیں تھی۔

دس برس کے بعد حضرت عمر کے ایام خلافت میں صحیح بخاری کی قلمکاری نے اس میں اور شاخ نکالی اور اس کی کمزور اور ضعیف بنیاد صحابہ کے مناشدہ کے ذریعہ سے سنبھالی۔ اُسکی کیفیت یہ ہے۔

اخرج البخاری عن مالک ابن اوس بن الحدثان النصری ان عمر ابن الخطاب قال بمحضر من الصحابۃ فیہم علی والعباس وعثمان وعبد الرحمٰن ابن عوف والزبیر

ابن العوام وسعد ابن ابی وقاص انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السّماء والارض اتعلمون ان رسول اللہ قال لا نورث ما ترکناہ صدقۃ قالوا اللّٰھمّ نعم ثم اقبل علی علی والعبّاس فقال انشدکما باللہ ھل تعلمان ان رسول اللہ ص قد قال ذٰلک قالوا اللّٰھمّ نعم۔

بخاری نے مالک ابن اوس ابن الحدثان نصری سے روایت کی ہے کہ عمر ابن الخطاب نے تمام صحابہ کے مقابلہ میں سب سے پوچھا کہ تم لوگ اپنے اُس پروردگار کی قسم کھا کر بتلاؤ جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں کہ تم لوگوں نے آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ انبیاء کے وارث نہیں ہوتے۔ سب نے کہا ہاں۔ (اُس مجمع میں علی۔ عباس۔ عثمان۔ عبد الرحمٰن ابن عوف۔ زبیر اور سعد ابن ابی وقاص موجود تھے) پھر حضرت عمر۔ علی اور عباس سے مخاطب ہوئے۔ اور اُن دونوں شخصوں سے بھی قسم دیکر پوچھا کہ تم دونوں نے ایسا سُنا ہے۔ ان دونوں شخصوں نے کہا ہاں۔ اوّل تو یہ مناشدہ خلافتِ اوّل گزر کر خلافتِ ثانی کا ہے۔ اور مشتے بعد از جنگ کا حکم رکھتا ہے۔ دوسرے یہ حضرات ابوبکر کے زمانہ میں بھی تو زندہ اور موجود تھے۔ انہوں نے اس وقوعہ کے واقع ہونے کے عین وقت پر اللّٰھمّ نعم کا نعرہ کیوں نہ مارا۔ اور اتنے دنوں تک اعلانِ حق سے کفِ لسان کیوں کرتے رہے۔ اب اس میں جو اصل راز مضمر ہے وہ یہ ہے کہ باقرارِ جمیع علمائے اہلسنّت حضرت ابوبکر کی سُنّت بہت بڑی عجلت میں واقع ہوئی تھی۔ اس لیے جن امور میں عجلت کی وجہ سے نقص باقی رہگیا تھا اُس کی ترمیم اور درستی کی خلافتِ ثانیہ میں از سرِ نو کوشش کی گئی۔ کیونکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو خلافتِ اولےٰ بالاصل کوئی خاص خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خلافتِ ثانیہ کا ایک مقدمہ اور کچھ نہیں۔

بہرحال۔ بخاری صاحب کی قلمکاری تو ملاحظہ فرمائی گئی۔ اب مسلم صاحب کی جادو نگاری نے تو بخاری صاحب کے اختصار کو طومار بنادیا۔ وہ اُن کی اصل عبارت میں پیش کیا جاتا ہے۔

عن الزھری ان مالک ابن اوس حدثہ قال ارسل الیّ عمر ابن الخطاب فجئتہ حین تعالی النھار قال فوجدتہ فی بیتہ جالسا علی سریر مفضیا الی رمالہ متکیا علی وسادۃ من ادم فقال لی یا مال انّہ قد دف اھل ابیات من قومک وقد امرت فیھم برضخ فخذہ فاقسمہ بینھم قال فقلت لو امرت بھذا غیری قال خذہ یا مال قال فجاء یرفاء فقال ھل لک یا امیر المؤمنین فی عثمان وعبد الرحمٰن ابن عوف والزبیر وسعد فقال عمر نعم فاذن لھم فادخلوا ثم جاء فقال ھل لک فی عباس وعلی قال نعم فاذن لھما فقال عباس یا امیر المؤمنین اقض بینی وبین ھذا الکاذب الاثم الغادر الخائن فقال القوم اجل یا امیر المؤمنین فاقض بینھم وارحمھم فقال مالک ابن اوس یخیل الیّ انھم قد کانوا قدّموھم لذٰلک فقال عمر اتئد وا انشدکم باللہ الذی تقوم لہ السّماء والارض اتعلمون ان رسول اللہ قال لا نورث ما ترکناہ صدقۃ قالوا نعم ثمّ اقبل علی العباس وعلی فقال انشدکما باللہ الذی باذنہ تقوم السّماء والارض اتعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم قال لا نورث ما ترکناہ صدقۃ قالا نعم فقال عمر انّ اللہ خصّ رسولہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم بخاصۃ لم یخصص بھا احد غیرہ قال ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ والرّسول ما ادری اھل قراء الایۃ التی قبلھا ام لا قال فقسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلّم بینکم اموال بنی نضیر فواللہ ما استاثر علیکم و لا اخذ دونکم حتی بقی المال وکان رسول اللہ ص یاخذہ منہ نفقۃ سنۃ ثم یجعل ما بقی اسوۃ المال ثم قال انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السّماء والارض اتعلمون ذٰلک قالوا نعم قال ثم انشد علیا وعباسا بمثل ما نشد بہ القوم اتعلمون ذٰلک قالا نعم

قال فلمّا توفی رسول اللہ ص قال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب ھٰذا میراث امرأتہ من ابیہا فقال ابوبکر قال رسول اللہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فرأیتماہ کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی ابابکر وانا ولی رسول اللہ وابا بکر فرأیتمانی کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق فولیتہا حتی جئتنی انت وھٰذا انتما جمیع وامرکما واحد فقلتما ادفعہا الینا فقلت ان شئتم دفعتہا الیکم علی ان علیکما عہد اللہ ان تعملا فیہا بالذی کان یعمل رسول اللہ فاخذ تماھا بذٰلک قال اکذٰلک قالا نعم قال ثم جئتمانی لاقضی بینکما بغیر ذٰلک حتی تقوم الساعۃ فان عجز تما عنہما فردھا الیّ۔

خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ زہری کا بیان ہے کہ مالک ابن اوس نے بیان کیا کہ مجھ کو ایک بار عمر ابن الخطاب نے بُلا بھیجا میں دن چڑھے اُنکے پاس گیا۔ اور میں نے اُن کو گھر میں اپنی جماعت کے ساتھ برا بھلا تیں کرتے ہوئے پایا۔ وہ چمڑے کے فرش پر تکیہ دیے ہوئے بیٹھے تھے عمر نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی قوم کے گھروں کی طرف جاؤ اور اُنکو بُلا لاؤ کہ میں اُن کو تھوڑا تھوڑا عطیہ دینے کے لیے حکم کردوں۔ میں نے اُنسے کہا کہ آپ کسی دوسرے کو اس کام کے لیے بھیجیں۔ اُنھوں نے کہا۔ اے مالک! لے بھی آؤ۔ میں اُٹھا اور میں نے پوچھا۔ آپ کسکو بُلاتے ہیں۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد کو؟ عمر نے کہا۔ ہاں۔ پس میں گیا۔ اور اُن لوگوں کو بُلا لایا۔ جب وہ آگئے تو پھر میں نے پوچھا کہ آپ کو علیؑ اور عباسؓ کی بھی ضرورت ہے۔ عمر نے کہا۔ ہاں: پس میں گیا اور ان دونوں صاحبوں کو لے آیا۔ عباسؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین! ہمارے اور اس جھوٹے۔ گنہگار۔ غادر اور خائن کے درمیان تصفیہ فرمادیں۔ قوم کے لوگوں نے کہا کہ یہ سخت امر ہے یا امیر المومنین! آپ ان لوگوں پر رحم کیجیے اور ان میں تصفیہ فرما دیجیے۔ مالک ابن اوس کہتے ہیں کہ میں نے اُس وقت خیال کیا کہ شاید یہ لوگ قبل اسکے بھی آپ کے پاس آچکے ہیں۔ پس عمر نے ابتدا کی۔ اور تمام لوگوں کو قسم دیکر پوچھا کہ تم لوگ اپنے اُس پروردگار کی جس کے حکم سے آسمان وزمین برقرار ہیں قسم کھاکر بیان کرو کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ گروہِ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ترکہ وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوجاتا ہے۔ سب نے کہا۔ ہاں۔ عمر ابن الخطاب نے کہا کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو ایک ایسی خصوصیت کے ساتھ مخصوص فرمایا جو آج تک کسی کو عنایت نہیں فرمائی تھی جیسا کہ فرماتا ہے کہ اہل القریٰ کی آمدنی خدا نے اپنے رسولؐ کو عنایت فرمائی اور وہ سب مال اللہ اور اُس کے رسولؐ کا ہے۔ اور تم لوگ جانتے ہو کہ اہل القریٰ نے اس آیہ کے حکم کو قبول کرلیا یا نہیں۔ یہ کہکر عمر کہنے لگے کہ پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کی آمدنی کو تم لوگوں پر تقسیم کردیا۔ اور قسم خدا کی تم لوگوں پر اس کا پورا اثر پڑا۔ اور جب تک وہ مال باقی رہا سوائے تم لوگوں کے اُس میں سے کسی اور نے نہیں پایا۔ اور جناب رسولؐ خدا اُس میں سے سال بھر کا خرچ نکالکر باقی کو بیت المال میں ملا دیتے تھے۔ اب میں تم لوگوں کو تمہارے اُس پروردگار کی قسم دیکر جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں پوچھتا ہوں کہ تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم ایسا ہی عمل فرمایا کرتے تھے؟ سب نے کہا ہاں۔ اسکے بعد علیؑ اور عباسؓ سے بھی ایسی ہی قسم دیکر پوچھا۔ اُن لوگوں نے بھی کہا ہاں۔ تب عمر نے کہا کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا اور ابوبکر نے یہ دعوے کیا کہ ہم آنحضرت صلعم کے ولی ہیں پس تم دونوں شخص اُنکے پاس آئے۔ تم نے تو (عباس) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کیا اور انہوں (علیؑ) نے اپنی بی بی کی طرف سے اُن کے باپ کی میراث کا مطالبہ فرمایا۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ پس تم دونوں شخصوں نے اُن کو جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھیرایا۔ خدا جانتا ہے وہ سچے تھے۔ بری الذمہ تھے اور حق کے تابع تھے۔ جب ابوبکر نے قضا کی اور میں رسولؐ اللہ اور ابوبکر کا ولی ہوا تو تم دونوں شخصوں نے مجھ کو بھی جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھہرایا۔ خدا جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ بری الذمہ ہوں اور حق کا تابع ہوں۔ پھر

اب تم لوگوں میں خود اختلاف پیش ہوا تو تم (عباس) اور یہ (علی) دونوں میرے پاس آئے۔ حالانکہ تم دونوں ایک شے ہو۔ اور تم دونوں کے امور بھی ایک ہی ہیں۔ پس تم اپنے حقوق ہمارے پاس سے لیجاؤ۔ مالک کہتے ہیں کہ میں نے اُس وقت عمر سے کہا کہ اگر تم کو ان کا حق انہیں واپس دیدینا منظور ہے تو ان سے عہد اور حلف لیلو کہ یہ اس رقم کے ساتھ وہی عمل کرینگے جو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کیا کرتے تھے۔ پس عمر نے اُن دونوں شخصوں سے اس امر میں دریافت کیا تو اُن دونوں شخصوں نے کہا۔ ہاں ہم ویسا ہی کریں گے۔ اور خدا کی قسم سوائے اسکے ہم دوسرا فیصلہ تمہارے درمیان نہیں کرینگے جب تک کہ دنیا قائم ہے۔ اور جب تم عاجز آجانا تو پھر ہم کو واپس دیدینا۔

بہرحال۔ اس موضوع طومار نے تو اس حدیث کو پہلے سے بھی زیادہ پیچیدہ بنا دیا۔ اوّل تو یہ امر پورے طور سے ثابت ہوگیا کہ باعتقاد حضرت عمر جناب علی مرتضےٰ اور حضرت عباس خلفائے اوّل و ثانی کو حدیثِ میراث کے متعلق جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن جانتے تھے۔ دوسرے یہ کوئی مناشدہ وغیرہ خلیفۂ اوّل کے وقت میں اُن کے سامنے نہیں واقع ہوا۔ یہ سب حضرت عمر کی ترکیب اضافی تھی جو اس جعل کو موضوع بنانے کے لیے عمل میں لائی گئی۔ مگر بایںہمہ موضوع کی موضوع ہی رہی۔ کیونکہ اگر اس مناشدہ میں اپنے صحانہ کے اللّٰھم نعم کو صحیح مان لیتے ہیں تو ابن حجر مکی۔ امام جلال الدین سیوطی۔ فاضل معتزلی۔ امام ابراہیم یمنی۔ ابوبکر شافعی اور ابن عساکر وغیر امثالہم کا یہ متفقہ قول فما وجد واعند احد من ذالک علما ہمرے سے باطل ہوا جاتا ہے۔ تو گویا یہ حدیثِ عمر جو صحیحین۔ بخاری اور مسلم میں مذکور ہے تمام محدثین اور مفسرین کی جو اسکے خبر احاد کے قائل ہوئے ہیں مخالف اور منافی ثابت ہوئی۔ یہ ناحق پرستی کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے قول کی آپ تردید کر رہے ہیں۔ وھذا الشئ عجاب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

عمر کی اس خود دواہی ترکیب نے آگے چل کر جو مصیبتیں علمائے محدثین کی جانوں پر ڈھائی ہیں اور اس کی موضوعیت کے سنبھالنے میں اُن کو تاویلوں پر تاویلیں کرتے کرتے جو نوبت گزری ہے وہ عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں آتی ہے۔ مگر ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ اس موضوع حدیث سے جو نتیجہ علمائے شیعہ نے نکالا ہے وہ یہ ہے۔

وھذا عمر یزعم علیًا والعبّاس فی قصّۃ المیراث زعماھما کاذبین ظالمین فاجرین وما رائینا علیًا والعبّاس اعتذرا ولا نقل احد من اصحاب الحدیث ذالک ولا رائینا اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم انکروا علیھما ما حکی عمر عنھما ونسبہ الیھما۔

یہ عمر صاحب ہی ہیں جو دعوے کرتے ہیں کہ معاملۂ میراث میں حضرت علیؑ اور عباس ہم کو اور ابوبکر کو جھوٹے۔ ظالم اور بدکار جانتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی نہیں دیکھا جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے اپنی اس رائے سے معذرت فرمائی ہو۔ اور نہ صورتِ واقعہ یہ کہتی ہے کہ حضرت عمر کے اس خیال اور دعوے کو اصحاب رسول میں سے کسی صاحب نے رد فرمایا ہو۔ یا اُن امور کو جھٹلایا ہو جن کو عمر صاحب نے ان کے متعلق بیان کیا اور اُنکی طرف منسوب فرمایا۔ فاضلِ معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید نے اسی روایت کو امام جوہری کی کتاب سقیفہ سے نقل کیا ہے۔ اُن کی عبارت یہ ہے۔

وانتما حینئذ والتفت الی علی وعباس تزعمان انّ ابابکر فیھا ظالم وفاجر واللّٰہ یعلم انّہ صادق بار راشد تابع للحقّ ثمّ توفی اللّٰہ ابوبکر فقلت انا اولی النّاس بابی بکر ورسول اللّٰہ فقبضتہا سنتین اوقال سنین من امارتی اعمل فیھا مثل اعمل رسول اللّٰہ وابوبکر وانتما واقبل علی والعباس علی تزعمان انّی فیھا ظالم فاجرا واللّٰہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحقّ ثمّ جئتمانی وکلمتکما واحدۃ وامرکما جمیع تجئتنی یعنی العباس تسألنی نصیبک من ابن اخیک وجاءنی ھذا یعنی علیًا یسألنی نصیب امرأتہ من ابیھا۔

عمر نے علیؑ اور عباس سے خطاب کرنے کے وقت کہا کہ تم لوگوں کا یہ دعوٰے ہے کہ ابوبکر ظالم اور فاجر تھے۔ قسم خدا کی وہ صادق تھے۔ مبرّا تھے۔ راشد تھے اور حق کے تابع تھے۔ پھر جب ابوبکر نے بتقدیرِ الٰہی قضا کی تو میں رسول اللہ صلعم اور ابوبکر کا ولی ہوا۔ اور جب میری امارت کو بھی دو برس گزر چکے اور اس مدّت میں میرا عمل بھی وہی رہا جو جناب رسول خدا صلعم کا عمل تھا تو تم دونوں شخصوں نے مجھے بھی ظالم اور فاجر ٹھیرایا۔ خدا جانتا ہے کہ میں سچّا ہوں۔ نیکوکار ہوں۔ راشد ہوں اور حق کا تابع۔ اب تم ہمارے پاس آئے ہو۔ تمہارے کام اور کلام ایک ہیں۔ تم اے عبّاس اپنے بھتیجے کا حق مجھ سے طلب کرتے ہو اور یہ یعنی علیؑ اپنی بی بی کا حصّہ اُن کے پدرِ بزرگوار کی میراث میں مانگتے ہیں۔

اتنا لکھکر علّامہ ابنِ ابی الحدید تحریر کرتے ہیں:۔

وھٰھنا اشکال اٰخر وھو قول عمر لعلی والعباس وانما حینئذ تزعمان ان ابا بکر فیھا ظالم وفاجر ثم قال لما ذکر نفسہ وانتما تزعمان انی فیھا ظالم وفاجر فاذا کانا تزعمان ذٰلک فکیف یجتمع ھٰذا الزعم مع کونھما یعلمان ان رسول اللہ قال لا نورث ان ھٰذا لمن اعجب العجائب ولولا ان ھٰذا الحدیث اعنی حدیث خصومۃ العبّاس وعلی مذکور فی الصّحاح لکان بعض ما ذکرناہ یطعن فی صحتہ وانّما الحدیث فی الصّحاح لا ریب فی ذٰلک۔

یہ اٰخر مشکل ہے اور وہ عمر کا قول ہے۔ جو اُنھوں نے حضرت علیؑ اور عبّاس کی نسبت یوں کہا تھا کہ تم دونوں ابوبکر کو ظالم اور فاجر ٹھیراتے ہو اور اپنی ذات کے لیے یہ کہا کہ تم دونوں مجھ کو بھی ظالم اور فاجر تبلاتے ہو۔ پس اگر وہ دونوں شخص ایسا دعوٰے رکھتے تھے تو اُن کے دعوے اُن کے اس قول کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتے ہیں اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں شخص اس حدیث کو جانتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ امر تمام عجیب امور سے عجیب ترین ہے۔ اور مگر عمر کے پاس حضرت علیؑ اور عبّاس کے مطالبہ والی حدیث صحاح میں نہ مذکور ہوتی تو ممکن تھا کہ اس میں طعن کیجاتی۔ مگر یہ حدیث تو بلا شک و شبہہ کتب صحاح میں داخل ہے۔

اتنا لکھکر پھر اسی مضمون کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

ھٰذا الحدیث یدل صریحا علی انھما (علی وعباس) جاءٓ یطلبان المیراث لا الولایۃ وھٰذا اعز المشکلات لان ابا بکر حسم المادّۃ اوّلا وقرّر عند العبّاس و علی وغیرھما ان النبی لا یورث وکان عمر من المساعدین علی ذٰلک فکیف یعود العباس وعلی بعد وفات ابوبکر یحاولا لانّ امرا کان قد فرغ منہ ویئس من حصولہ اللّھمّ الا انّ یکونا ظنّا ان عمر ینقض قضاءٓ ابوبکر فی ھٰذہ المسئلۃ وھٰذا بعید لانّ علیّا والعبّاس کانا فی ھٰذہ الواقعۃ یتّھمان عمر بمالاۃ ابوبکر علی ذٰلک الا ترٰاہ یقول نسبتمانی ونسبتما ابا بکر الی الظلم والخیانۃ فکیف یظنّان انّہ ینقض قضاءٓ ابوبکر ویورثھما۔

یہ حدیث صریحًا دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ دونوں (حضرات علی وعباس) اس غرض خاص سے آئے تھے کہ اپنی اپنی میراث بقاعدہ وراثت طلب فرمائیں۔ نہ بغرض ولایت صدقہ۔ اور یہ امر مشکل ترین امر ہے۔ کیونکہ مادّہ میراث کو تو ابوبکر نے آغاز ہی سے قطع کر دیا تھا۔ اور ان دونوں حضرات کے سامنے صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کوئی وارث نہیں۔ اور عمر بھی اُس وقت ابوبکر کے موئیدین میں تھے۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرات علیؑ وعبّاسؓ وفاتِ ابوبکر کے بعد اپنی قول و قرار سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور اُس امر کی خواہش کریں جو پہلے طے اور ختم ہو چکا ہے۔ اور اُس کے حاصل ہونے کی طرف سے اُن کو پوری مایوسی ہو چکی ہے۔ ہاں شاید اُن لوگوں کو یہ گمان ہوا ہو کہ حضرت عمر ابوبکر کے اس فیصلہ کو مسترد کر دینگے۔ اور یہ امر بھی بعید ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات عمر کو اس مسئلہ میں ابوبکر کی موافقت کے لیے برابر تہمت

اور الزام دیتے آتے تھے۔ جیسا کہ روایت ہذا کی عبارت میں خود عمر کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ تم دونوں شخصوں نے مجھ کو اور ابو بکر کو ظلم اور خیانت کے ساتھ نسبت دی تو ایسی حالت میں اُن کا یہ گمان کرنا کہ ابو بکر کے اس فیصلہ کو اُنکے خاص مسئلہ میں مسترد کر دینگے۔ کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔

اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حدیث نہیں ہے بلکہ اختلافات اور موضوعات کا ایک مرتب اور تیار طومار۔ منافات اور معارضات کا پورا اور کامل دفتر۔ بخاری صاحب نے جلدی میں جو جیسے ڈھکے لکھ مارا۔ اُس کو مسلم صاحب کے اضافات اور تفاصیل نے طشت از بام کر دیا۔ سچ پوچھیے تو حدیث لا نورث کو موضوع اور سراپا مہمل ہونے کی اصلیت کو حضرت عمر کے اس سنا شدہ نے روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ اور اس مناشدہ کی وجہ خاص سے اس میں ایسی ایسی پیچیدگی مشکلیں اور دشواریوں پر دشواریاں پیدا ہوتی گئیں کہ محدثین اور شارحین کو کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا۔ محدث دہلوی کی گھبراہٹ اُن کی اصل عبارت سے ہم اوپر دکھلا آئے۔ فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید کی بوکھلاہٹ ہمارے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپکے پیش نظر ہے۔ آپ اُن کی عبارت کو پڑھکر خود سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کو کیسا اضطرار ستولی اور کیسا اضطراب لاحق ہے۔ نہ اس طرف کہہ سکتے ہیں نہ اُس طرف۔ مذبذب بین ذٰلک لا الیٰ ہٰؤلاء ولا الیٰ ہٰؤلاء کے مصداق ہو رہے ہیں۔ موجودہ حالت میں اُن کی عبارت کا لفظ لفظ اور حرف حرف اُنکے انتشار و اضطرار کو بتلا رہا ہے اور ثابت کر رہا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس مسئلہ کا جواب نہیں دے سکتے۔ مگر حقیقتاً وہ اپنا جتنا شش و پنج نہ دکھلائیں۔ جتنا پیچ و تاب نہ کھائیں۔ کر ہی کیا سکتے ہیں۔ مسئلۂ زیر بحث اور اُس کے تمام واقعات اُنکے صحابۂ کبار سے منقول ہیں۔ اور اُنہی کی کتب صحاح و مسانید میں مذکور و مسطور۔ جیسا کہ ابھی ابھی اپنی تحریر میں اعتراف فرما چکے ہیں۔ اگر کھل کر حق لکھتے ہیں تو سواد اعظم پر سیاہی پھری جاتی ہے۔ اگر ناحق لکھتے ہیں تو گنجائش نہیں پاتے ع خامہ در دست بر لبہا مہ قلم سے لکھا جاتا ہے نہ منہ سے کہا جاتا ہے۔

یہ سب خلفا پرستی کے نتیجے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

پھر آخر۔ فاضل صاحب سُنی عالم ہیں۔ معتزلی محدث ہیں۔ اگر متعصب نہیں تو آخر اپنے طریقہ۔ اپنی ملت کے موید تو ضرور ہیں۔ کچھ لکھنا ضرور ہے۔ اس لیے جیسا کہ اوپر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں صرف اپنا تعجب ہی تعجب ظاہر فرما کر رہ گئے۔ اور اصل حقیقت کا کچھ تصفیہ نہ فرما سکے۔ لیجیے ہم اُن کے تعجب کا بھی جواب عرض کیے دیتے ہیں۔ اور اُن کی تسکین کیے دیتے ہیں۔ آپ کو جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام اور حضرت عباس کی نسبت باوجود ان امور کا پورا علم رکھنے کے طلب میراث فرمانے پر تعجب ہوا ہے۔ ہم آپ کو صرف دو لفظوں میں اسکی وجہ بتلائے دیتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے عمر کے ظلم و ستم اور ناحق پرستی کے اظہار و اعلان کی غرض خاص سے طلب میراث کی سعی فرمائی تھی اور بس۔

اب آپ سمجھے۔ مگر پھر بھی آپ نہیں۔ ہاں۔ کا کوئی صاف جواب نہیں دینگے۔ کیونکہ ع خموشی معنیے دارد کہ در گفتن نمی آید۔ مگر با اینہمہ۔ ہم علامہ صاحب موصوف القدر کو یاد دلاتے ہیں کہ آپ ایک مقام پر اپنی شرح میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے اس فقرے بل کانت فی ایدینا فدک کی تشریح و توضیح فرماتے ہوئے اس مسئلہ کا نوے حق حق تصفیہ فرما چکے ہیں۔ جو ذیل میں آپ کی اصلی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وھذا ایضاً مشکل لان اکثر الروایات انہ لم یرو ا ہذا الخبر الا ابو بکر وحدہ ذکر ذٰلک معظم المحدثین حتی ان الفقہاء فی اصول الفقہ اطبقوا علی ذٰلک فی احتجاجہم والخبر الذی یرویہ الصحابی الواحد وقال شیخنا ابو علی رحمۃ اللہ علیہ لا یقبل فی الروایاتہ الا روایۃ اثنین کالشہادۃ فخالفہ المتکلمون وکلہم احتجوا علیہ بقبول الصحابۃ روایۃ ابو بکر وحدہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث حتی ان بعض اصحاب ابو علی تکلف بذٰلک جوابا فقال قد روی انا ابا بکر یوم حاج فاطمۃ قال انشد کم اللہ امرء سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فی ھٰذا شیئاً فروی مالک ابن اوس ابن الحدثان انہ سمعہ من رسول اللہ وھٰذا الحدیث ینطق بانہ استشہد عمر طلحۃ والزبیر وعبد الرحمٰن وسعد افقالوا سمعناہ من رسول اللہ فاین کانت ھٰذہ الروایات ایام ابی بکر وما نقل ان احد من ھٰؤلاء یوم خصومۃ فاطمۃ و ابی بکر روی من ھٰذا شیئا۔

یہ حدیث بھی مشکل ہے۔ کیونکہ اکثر روایات سے ثابت ہوتا ہی کہ اس حدیث کا راوی سوائے ایک ابوبکر کے کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس امر کو اعلم ترینِ محدثین نے ذکر کیا ہے بلکہ فقہا نے اصولِ فقہ میں اس پر اتفاق کیا ہے کہ کسی ایک صحابی کا قول فقہی مسائل میں حجت ہوتا ہے۔ اور اُن کے اس اصول کے خلاف ہمارے شیخ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کوئی شخص ہو (صحابی یا غیر صحابی) اُس کی روایت تاوقتیکہ مثل شہادت عام کے دو راوی نہ بیان کرینگے۔ قابلِ قبولیت نہیں ہو سکتی۔ پس شیخ کے اس قول کی تمام فقہا اور متکلمین نے مخالفت کی اور اس کی تردید و تنقید میں ابوبکر کی خبر واحد۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث کی دلیل پیش کی۔ اور تمام صحابہ کا اسے قبول کر لینا اس کے وثوق پر حجت لایا گیا۔ شیخ ابو علی محدث کے بعض اصحاب نے ان لوگوں کا جواب الجواب بھی لکھا اور اُس میں یہ روایت درج کی۔ جیسا کہ مروی ہے کہ جس روز جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے اپنی میراث کا مطالبہ رجوع کیا۔ ابوبکر نے تمام حاضرین سے قسم دلا کر پوچھا کہ کسی شخص نے بھی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے۔ پس مالک ابنِ اوس ابن الحدثان اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ اور یہ حدیث اس پر ناطق ہے کہ عمر نے طلحہ۔ زبیر۔ عبد الرحمٰن اور سعد سے اس کے متعلق شہادت طلب فرمائی اور اُن لوگوں نے کہا کہ ہم نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا سنا ہے۔

پس یہ روات ایامِ ابوبکر میں کہاں تھے۔ کہ ان میں سے ایک نے بھی اُس وقت روایت نہیں کی اور پھر یہ لوگ روزِ خصومتِ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ابوبکر کہاں چلے گئے تھے کہ ان میں سے کسی ایک نے کوئی خبر اس مسئلہ کے متعلق نہ بیان کی۔

اپنے اس مختار میں جو حقیقتِ حال تھی وہ علامہ صاحب موصوف الصدر نے کھل کھل کر لکھ دی۔ اور جن اسباب اور وجوہ سے علمائے شیعہ نے اس حدیث کو موضوع۔ مجروح اور مقدوح بتلایا ہے وہ ایک ایک کر کے آپ نے بھی تحریر فرما دیے ہیں۔ تو اب مجھ کو اپنی طرف سے زیادہ تفصیل و تشریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہی۔

محققینِ زمانہ کی دوربین نگاہیں حیرت سے اس موضوع روایت کی گئی گزری حالتوں کو دیکھ لیں کہ جو حضرات اس کے مؤیدین اور مصدقین میں داخل ہیں وہی بیخ و بُن سے اس کی کیسی دھجیاں اُڑاتے ہیں۔ آپ حضرات علامہ ابنِ ابی الحدید کے ساتھ ہی ساتھ ابنِ حجرِ عسقلانی کی بھی ایک تحریر ملاحظہ فرمالیں۔ جو اُنہوں نے اس حدیث کی تاویل فرماتے وقت اپنی شرح موسومہ فتح الباری میں حوالۂ قلم فرمائی ہے۔ وہو ہذا۔

وفی ذٰلک اشکال شدید وھو ان اصل القصۃ صریح فی ان العباس وعلیا قد علما بان النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم قال لا نورث فکانا سمعاہ من النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فکیف بطلبانہ بعد ذٰلک من عمر والذی یظہر واللہ اعلم حمل الامر فی ذٰلک علی ما تقدم فی الحدیث الذی قبلہ فی حق فاطمۃ و ان کلا من فاطمۃ وعلی والعباس اعتقد ان عموم قولہ لا نورث مخصوص ببعض ما یخلفہ دون بعض ولذٰلک نسب عمر ابن الخطاب الی علی وعباس انہما کان یعتقد ان ظلم من خالفہما فی ذٰلک۔

یعنی اس مسئلہ میں شدید مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل قصہ میں بالتصریح یہ لکھا ہے کہ علیؑ اور عباس جانتے تھے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ پس ان لوگوں نے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کہتے ہوئے سنا تھا تو پھر اپنی اپنی میراث کو عمر ابن الخطاب سے کیوں طلب فرمایا۔ اور جیسا کہ اُنہوں نے

ظاہر کیا۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ اس امر میں قولِ عمر کی نسبت یہ احتمال کیا جاسکتا ہے کہ اُن کا یہ قول بھی اُسی سابق والی حدیث پر مبنی ہے۔ جو فاطمہؑ کے استحقاق کے بارے میں اوپر مذکور ہوچکی ہے۔ اور یہ تمامی حضرات علی۔ فاطمہ اور عباس علیہم السلام حدیث لانورث پر اعتقاد رکھتے تھے۔ لیکن اُن میں سے بعض بعض کی مخالفت کرتے تھے۔ اس وجہ سے عمر نے علیؑ اور عباسؓ کی نسبت یہ خیال کیا کہ وہ لوگ اُس شخص کو ظالم سمجھتے ہیں جو اس امر میں اُن لوگوں کی مخالفت کرتا ہے۔

ابنِ حجر صاحب اپنی خلفا پرستی کے اصول سے اسکی نسبت اپنی جو رائے قائم کریں وہ اُن کی بات کی صرف بناوٹ کہلائیگی۔ اور اضطراب و بوکھلاہٹ۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اور اگر حقیقتاً اُنکے پاس اس کی تعریض و تجریح کی تردید ہوتی اور وہ اپنے استدلال میں کچھ بھی قوت رکھتے تو اسناد و اشہاد پیش کرتے۔ اُنہوں نے تو فاضلِ معتزلی کی طرح پہلے ہی اس مسئلہ کو مشکلتر قرار دیکر اپنے ضعف۔ مجبوری اور ناچاری کا اقرار و اعتراف کرلیا تو اب آیندہ اُس کی تردید و تنقید کی کیا امید لگائی جاسکتی ہے۔ قیامت تو یہ کی کہ اپنی اسی رائے میں اپنے اقرار و اعتراف سے یہ بھی ثابت کرچکے کہ جنابِ امیر علیہ السلام اور حضرت عباس ابوبکر اور عمر کو اخذِ فدک کے معاملہ میں ظالم جانتے تھے اور ابوبکر سے مخالف تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کی مخالفت بھی دینی تھی۔ جیسا کہ ابنِ حجر عسقلانی اپنی خودغرضی سے قیاس فرماتے ہیں۔ یعنی تخصیص عموم حدیث ابی بکر۔ اچھا ہم تھوڑی دیر کے لیے اُنہی کے قیاس کو مان لیتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ پھر ایسی حالت میں اُن لوگوں کا ابوبکر کو فاسق۔ ظالم۔ غادر اور خائن سمجھنا کس باعث سے بتلایا جائیگا۔ کیونکہ اگر حضرت علیؑ اور عباس اس حدیث لانورث کو قاعدۂ عموم پر محمول فرماتے تھے جیسا کہ ابنِ حجر عسقلانی معنی پہناتے ہیں تو پھر ابوبکر اور عمر اُن کے نزدیک زیادہ سے زیادہ خاطی فی الاجتہاد ہوتے۔ اور خطائے اجتہادی کے سبب کوئی مجتہد خاطی۔ کاذب۔ غادر۔ آثم اور خائن نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ وہ تو اپنی خطائے اجتہادی کے لیے ایک ثواب پانے کا مستحق بتلایا جاتا ہے۔ مگر اب ایسی حالت میں حضرت عمر کے قول کے مطابق حضرت علی اور جنابِ عباس ابوبکر کو غادر۔ آثم اور خائن جانتے تھے اور خود ابنِ حجر کے اعتراف کے موافق اُن کے ظالم ہونیکا اعتراف کرتے تھے۔ اور یہ امر بھی پورے طور سے ثابت ہوگیا کہ ان حضرات کو اس امر کا پورا یقین تھا کہ ابوبکر نے خود اپنی خودغرضی سے اس حدیث کو وضع کرلیا ہے۔

ہم نے اس حدیث کے متعلق اتنے متعدد اور متواتر اسناد و اشہاد جن کے لفظ لفظ اور حرف حرف سے اسکی موضوعیت اور مصنوعیت ظاہر ہوتی ہے اہلسنت ہی کے علماء محدثین کے اقوال و ارشاد سے بالتصریح والتشریح تحریر کردیے۔

اتنی طول و طویل تفصیل قلمبند کرنے سے ہمارا جو مدعا تھا وہ صرف یہی تھا کہ بحثِ فدک کے متعلق یہی ایک حدیث حضرات اہلسنت کی سرمایۂ ناز تھی جو انواع و اقسام کی قلمکاریوں سے مرتب کی گئی ہے۔ اور اُسکی یہ حالت اور حیثیت ثابت ہوتی ہے کہ کسی قرینہ اور عنوان و ذریعہ سے اُس کی صحت و صداقت پر خود اُنہی حضرات کو اعتبار کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اور باتفاقِ خود ہا۔ اُن کے تمام علماء اور محدثین اسی لیے اُسکو مشکل تر اور دشوار تر بتلاتے آتے ہیں۔ کوئی صاحب اس میں اشکالِ شدید بتلاتے ہیں اور کوئی اعتماد و اعتبار سے بعید۔ کوئی صاحب اس کو مملو من المطاعن والمعالب ٹھیراتے ہیں اور کوئی اعجب من العجائب بتلاتے ہیں۔

صورتِ حال پر غور کرکے ایک تھوڑی سے عقل رکھنے والا شخص بھی اس حدیث کے متعلق ان علماء محدثین کے اقوال و ارشاد پڑھکر صاف صاف کہدیگا کہ یہ روایت۔ یہ حدیث کبھی صحیح نہیں کہی جاسکتی۔ مگر برا ہو زمانہ کی خودغرضی اور نفسانیت کا کہ دنیا تو دنیا۔ اُس کے تصرفات اور تعلقات سے امور دینی اور مسائل شرعی بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کا کیا علاج ہے اور کیا چارہ کہ اس موضوع طومار کی تمام کیفیت پیش نظر ہے۔ بڑے بڑے محدثین اور علمائے متبحرین کے ارشاد و اقوال بھی اُن کی نگاہوں کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کو وہ روزانہ دیکھتے اور پڑھتے ہیں مگر اُن کی طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں فرماتے اور تحقیق و تلاش

کے برعکس لکیر کے فقیر بنکر اُس وقت سے آج تک اس موضوع حدیث کے غلام اور بندۂ بے دام بنے چلے آتے ہیں۔ اور جو شخص کبھی کبھی انہیں متنبہ کرنا چاہتا ہے تو اُسے کاٹنے کھاتے ہیں جیسا کہ ابھی ابھی شیخ ابو علی محدث کے حالات سے، جو علامہ ابن ابی الحدید فاضل معتزلی کے اُستاد اور شیخ ہیں۔ اور تیسری صدی کے مشہور و معروف محدث پورے طور سے معلوم ہو چکا ہے۔

ایسی موضوع اور مصنوع حدیث پر اتنا اعتبار اور وثوق کیوں کیا جاتا ہے۔ صرف خود غرضی اور نفسانیت کی غرض سے۔ اور کچھ نہیں آپ ہی اس حدیث کو احاد میں داخل فرماتے ہیں اور اسکے رواۃ و رجال میں خلیفہ ابوبکر صاحب کو خود متفرد بھی جانتے اور مانتے ہیں مگر پھر بھی جیسا اس حدیث کا وثوق اور اعتبار کرتے ہیں ویسا کسی اور حدیث کا نہیں صرف اس غرض سے اور اس مقصود سے کہ اسی حدیث سے خلافت کی بنیاد قائم ہوتی اور جڑ مضبوط۔ اور یہی ایک خبر ہے جس پر خلافت۔ شورے۔ اجماع۔ غلبہ۔ استیلاء وغیرہ وغیرہ تمام سامانِ خلافت مبنی کیے جاتے ہیں۔ پھر ایسی ضروری اور مفید خبر سے انکار کرنا یا اس کو ناقابلِ اعتبار کہنا تو گویا اپنا سونے کا بنا بنایا گھر مٹی کر دینا ہے۔

یہ ہے خلفا پرستی کا خلوص۔ یہ ہے تعصب کی بدمستی کی پرجوشی اور اُن کا پُر زور اثر جو اپنے آگے کسی کی بھی نہیں سُنتا مرقومۂ بالا اسناد و اشہاد سے ہم اس حدیث کی پوری تنقید و تردید اس تفصیل و تشریح سے درج کر آئے ہیں کہ اب ہم کو اسکے متعلق کچھ لکھنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ مگر ابھی اس کے متعلق ایک امر تشریح طلب اور رہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بڑا زور اس پر دیا جاتا ہے کہ صحابۂ کبار نے اسے قبول کر لیا ہے اور خیر القرون کے بزرگوں نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اب اگر خدا بھی اس کے خلاف کہے۔ تاہم نہیں مانتے۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ دیکھیے ایک طرف خلیفہ صاحب کی حدیث لا نورث ہے اور ایک طرف خدا کا حکم یوصیکم اللہ۔ مگر یوصیکم اللہ کی کوئی نہیں سُنتا۔ لا نورث کو سب آنکھوں پر اُٹھائے پھرتے ہیں۔

بہر حال۔ نعوذ باللہ۔ وہ خدا سے بھی بڑھے ہوئے بندے رسول اللہ سے بھی افضل۔ حضرات صحابہ میں۔ جن کے قول اقرار اور معیار کو ایسا اعتبار اور اقتدار دیا جاتا ہے۔ اُنکے نامِ نامی یہ ہیں۔ علی۔ عباس۔ ابوہریرہ۔ ابو الدرداء۔ عثمان ابن عفان۔ عبد الرحمٰن ابن عوف۔ زبیر ابن العوام اور سعد ابن ابی وقاص۔

اوّل ان حضرات نے اس کے متعلق جیسی شہادتیں دی ہیں اُنکی پوری کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باستثنائے علیؑ و عباسؓ۔ یہی اشخاص تو دربارِ خلافت کے نورتن تھے اور خلیفہ جی کی سنگھت کے بلی بھگت۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے شرمناک دلیری یہ کی ہے کہ ان صحابیوں کے ساتھ ابوہریرہ ابو الدرداء اور حذیفہ کے نام بھی اپنی طرف سے لکھدیے ہیں۔ حالانکہ ہم نے صحیحین مسلم اور بخاری کی اصل عبارتیں۔ اور انکے علاوہ اور دیگر معتبر اور مستند علماؤ محدثین کی روایتیں بھی درج کردی ہیں۔ اُن میں نہ ابوہریرہ کا نام ہے اور نہ ابو الدرداء وغیرہ کا نشان ہے۔ یہ شاہ صاحب کی طباعیوں کا اضافہ پر اضافہ ہے اور موضوعیت پر موضوعیت۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ جب مطابق روایتِ صحیحین ابو الدرداء۔ ابوہریرہ وغیرہ نکل گئے تو رہ گئے کون کون حضرات۔ عائشہ صاحبہ۔ عثمان صاحب۔ عبد الرحمٰن ابن عوف صاحب۔ سعد ابن ابی وقاص صاحب۔ حضرت علیؑ اور عباس۔

عائشہ صاحبہ کی نسبت تو ہم کو کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ابھی ابھی شہادت حسنین علیہما السلام کے متعلق اسی بحث فدک میں سوادِ اعظم کے علمائے حدیث و فقہ کی رائیں تحریر ہو چکی ہیں کہ والدین کے لیے اولاد کی شہادت قابلِ وثوق نہیں ہوتی۔ عثمان صاحب کی نسبت۔ اوّل تو اس کا علم ہی ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ معتبر اور متواتر اسناد سے اوپر ثابت کر دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر عمر صاحب کے مناشدہ کے وقت انہوں نے شہادت دی بھی تو اپنی آپ تکذیب کی۔ جو بات خود نہیں جانتے تھے اُس کی گواہی دی۔ جھوٹ بولے۔ مگر اس مناشدہ میں ان کا اقرار بھی تو محال و دشوار نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ عبد الرحمٰن ابن عوف عثمان کے خالو تھے اور سعد عبد الرحمٰن کے چچا زاد بھائی۔ کیونکہ دونوں قبیلۂ بنی زہرہ کے آدمی تھے پھر عثمان صاحب

اُسی سلسلہ کی کڑی ہوکر ایک دوسرے سے کیونکر جدا ہوسکتی تھی۔ خود غرضی اور دنیا طلبی کے وقت خاصکر نہ یہ انکو چھوڑ سکتے تھے نہ وہ انکو۔ اسی یکجہتی اور یگانگت کے خیال سے عثمان نے سعد اور عبد الرحمن کا ساتھ دیا تو کیا بڑا کیا۔ مگر اربابِ بصیرت اصحاب انصاف وعدالت اس روئداد پر غور کرلیں اور سمجھ لیں کہ ایسی شہادتوں کا کہاں تک اعتبار اور وثوق کیا جائیگا۔ اور ان اصحاب الیمین کی نسبت سوائے اسکے کہ ع من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ اور کیا کہا جائیگا۔

اب رہے زبیر ابن العوام۔ اس مناشدہ میں ان کی شرکت اور شہادت کے متعلق ہم تو یہی کہیں گے اور ضرور کہیں گے کہ دروغگو را حافظہ نباشد۔ یہ تو معمولی سے معمولی شخص بھی جانتا ہے کہ انعقاد شوریٰ۔ بیعتِ ابوبکر۔ مطالبۂ فدک وغیرہ ایک دو دن ہی آگے پیچھے کے واقعات ہیں۔ واقعۂ بیعت ابوبکر میں جو مطالبۂ فدک سے ایک دن آگے یا غالباً اُسی دن واقع ہوا۔ یہی زبیر ابن العوام ہیں۔ جو بیعتِ ابوبکر میں خلاف کرنے کی وجہ سے نمبر اوّل کے باغی ثابت ہوتے ہیں اور صحیح غدر کرنیوالے۔ چنانچہ تاریخ کبیر طبری میں انکی کیفیت یوں تحریر ہے۔

حدّثنا ابن حمید قال حدّثنا جریر عن مغیرہ عن زیاد عن کلیب قال اتیٰ عمر ابن الخطاب منزل علی وفیہ طلحۃ والزّبیر ورجال من المہاجرین و قال واللہ لاحرقن علیکم البیت اولتخرجن الی البیعۃ فخرج علیہ الزّبیر مصلّتا بالسّیف فعثر وسقط السّیف من یدہ فوثبوا علیہ فاخذ وہ۔

یعنی عمر ابن الخطاب حضرت علیؑ کے گھر آئے۔ وہاں طلحہ۔ زبیر۔ اور بہت سے مہاجرین بیٹھے تھے۔ عمر نے کہا کہ تم لوگ اس گھر کر نکل کر بیعت (ابوبکر) کرتے جاؤ۔ نہیں تو ہم یہ گھر تم پر جلا دینگے۔ یہ سُنکر زبیر تلوار کھینچے باہر نکل آئے۔ اتفاقاً اُن کا پاؤں پھسل گیا اور تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ عمر کے ہمراہی اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اور اُن کو پکڑ لیا۔

جو صاحب آج ایسی مخالفت دکھلائیں۔ تلوار گھسیٹ کر گردن کاٹنے آئیں وہ اپنے اتنے بڑے مخالف کے ہم زبان اور ہمکلام ہو جائیں۔ تعجب ہے۔ اور سخت تعجب۔

اب زبیر کے باغیانہ منظر کو امام ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

لما جلس ابوبکر علی المنبر کان علی والزبیر وناس من بنی ہاشم فی بیت فاطمۃ فجاء عمر الیہم فقال والذی نفسی بیدہ لتخرجن الی البیعۃ اولاحرقن البیت علیکم فخرج الزّبیر مصلّتا بسیفہ فاعتنقہ رجل من الانصار وزیاد ابن لبید فدق بہ فبدر السّیف فصاح بہ ابوبکر وھو علی المنبر اضرب بہ الحجر قال ابو عمر ابن خماش فلقد رأیت الحجر فیہ تلک الضربۃ ویقال ھذہ ضربۃ سیف الزّبیر۔

جب ابوبکر منبر پر گئے تو علی۔ زبیر اور بنی ہاشم کے کچھ لوگ جنابِ فاطمہؑ کے گھر میں تھے۔ عمر اُن لوگوں کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے۔ اُس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ہم تم لوگوں کو بیعتِ ابوبکر کرنے کے لیے اس گھر سے نکال لیجائینگے ورنہ اس گھر کو تم پر جلا دینگے۔ یہ سُنکر زبیر تلوار گھسیٹ نکل آئے۔ انصار میں سے کسی شخص نے اُن کی کمر پکڑ لی۔ اور زیاد ابن ولید نے بھی اُس مرد انصاری کا ساتھ دیا۔ اس اثنا میں زبیر کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ اور ابوبکر نے منبر پر سے چلا کر کہا کہ ان کی تلوار کو پتھر پر دے مارو۔ چنانچہ وہ تلوار پتھر پر دے ماری گئی اور توڑ ڈالی گئی۔ ابو عمر ابن خماش کا بیان ہے کہ میں نے اُس پتھر کو دیکھا تھا۔ جس پر اُس ضرب کا نشان تھا۔ اور اُس کی نسبت مشہور تھا کہ یہی زبیر کی تلوار کا نشان ہے۔

زبیر کی مخالفت کا واقعہ تمام علماء محدثین اہلبیت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اُن تمام اقوال کا لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لیے ہم اُن سب کو قلم انداز کرکے صرف مرقومۂ بالا واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنی کتاب کے ناظرین کو دکھلاتے ہیں کہ آیا ایسے سخت مخالف شخص سے اتنا جلد موافقت کرلینے کا یقین کرلینا بالکل خلاف فطرت ہے۔ اور برعکس طبیعت۔ اس لیے بخاری نے جو ان کے مناشدہ کا ذکر ابوبکر کے زمانہ میں کیا ہے

وہ کبھی قابلِ اعتبار نہیں۔ ہاں جیسا کہ واقعات بتلا رہے ہیں۔ ڈھائی برس کے بعد خلافتِ عمر کے وقت جیسا کہ صحیح مسلم میں مندرج ہے۔ مجلس مناشدہ میں یہ شریک ہو گئے اور دنیا طلبی کے رنگ میں رنگے گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور پھر کچھ ایسے رنگے گئے کہ پھر مرتے دم تک ویسے کے ویسے ہی رہے۔ ان کا ایسا رنگ بدلنا بھی کچھ بعید نہیں تھا۔ کیونکہ خلیفہ ابوبکر صاحب کی بڑی صاحبزادی ہمیشہ پہلو میں موجود رہتی تھیں۔ وہ کب ان کو اپنے باپ کا مخالف بنا رہنا پسند کر سکتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ بخاری صاحب نے پہلے مناشدہ میں ان کی شہادت کے متعلق جو لکھ مارا ہے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی شخص اُسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہاں۔ مسلم صاحب نے مناشدۂ ثانی میں جو کچھ ان کی نسبت لکھا ہے وہ قرینِ قیاس کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ بیعتِ ابوبکر کے وقت انکی تمام پرجوشی اور تیاری تھوڑے ہی دنوں کے بعد باسی کڑھی کا اُبال ثابت ہوئی اور کچھ نہیں۔ یا یوں سمجھ لیا جائے کہ اُس وقت تک رمقِ حق کی معرفت یا بنی ہاشم ہونے کی حمیت آ گئی۔ مگر پھر جب خسر صاحب کی بزرگی اور بی بی صاحب کی تاکید کا خیال آ گیا اور گھر میں بٹھا کر چپ چاپ من سمجھوتا کر دیا گیا۔ تو وہ تمام پرجوشی۔ سرگرمی اور مستعدی تشریف لے گئی۔ اور جیسے تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔

اب رہے (حضرت علی اور عباس) اہلبیت کی اس مناشدہ میں شرکت تو صرف برائے بیعت تھی۔ اور زیادہ تر اس وجہ خاص سے کہ انہی کے اندراجِ اقرار سے تو اصل مقصود حاصل ہونیوالا تھا ع باطل است آنچہ مدعی گوید۔ اول مناشدہ تک تو اس سفید جھوٹ کی حقیقت چھپائی گئی۔ مگر دوسرے مناشدہ کی مجلس میں خود عمر صاحب کے قول نے اس پر سیاہی کا قلم پھیر دیا اور جن بزرگواروں کے اقرار کو مناشدۂ اول میں اس زور سے لکھا گیا تھا اُنہی لوگوں کے صریح الزامی انکار کو عمر صاحب نے علے الاعلان بیان کر دیا۔ اور تنہا جھوٹ ہی بولنے کی الزام کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت علیؑ اور عباسؓ کو مخاطب فرما کر کہا کہ

تم دونوں شخص ابوبکر کو اور مجھ کو اس معاملۂ (فدک) میں جھوٹا۔ گنہگار۔ غادر اور خائن ٹھیراتے ہو۔

اب فرمائیے کہ بخاری صاحب والی روایت کا مندرجہ اقرار کہاں تشریف لے گیا۔ یہی ہیں وہ معتبر اسناد اور مستند اشہاد جن سے ان تمام واقعات کی موضوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ وہی مشکلیں ہیں اور دشواریاں جنہوں نے سوادِ اعظم اہلسنت کے بڑے بڑے علماءِ محدثین کو سخت اضطرار و اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔ جیسا کہ ابنِ حجر عسقلانی۔ فاضل معتزلی۔ علامہ ابنِ ابی الحدید اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہم کی اصلی عبارتوں سے اوپر بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔

اب اگر۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کے کھلے معنوں میں اس مقام پر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت علیؑ نے خلفاء کو کاذب۔ آثم۔ غادر اور خائن کہا تو کیا ہوا۔ ویسے ہی حضرت عباس نے حضرت علیؑ کو بھی تو اُنہی الفاظ سے یاد فرمایا جیسا کہ صحیح مسلم کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

جواباً عرضِ خدمت کیا جاتا ہے کہ اول تو یہ آپ کی روایت ہے۔ اور آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔ نہ شیعہ۔ اور کتبِ صحاح کی تمام روایتوں پر اعتبار کرنا۔ جیسا آپ کا فرض ہو سکتا ہے ویسا شیعوں کا نہیں۔ شیعہ آپ کی صحاح کی کُل روایتوں کو سچی اور صحیح نہیں جانتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی صحاح کی روایتوں کو جزواً یا کُلاً۔ اگر وہ اُن کی مرویات سے ملتی جلتی ہیں تو صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ اس لیے اس روایت میں جناب علی مرتضےٰ اور حضرت عباس کا خلفاء کو اس حدیث کی موضوعیت کی نسبت ان کے مُنہ پر الزام دینا۔ جیسا کہ اُن کی کتابوں میں بھی درج ہے اور آپ کی صحاح میں بھی۔ تو وہ اس جزوِ روایت کو حقیقتاً صحیح سمجھ سکتے ہیں۔ مگر حضرت عباس کے الزامی الفاظ جو جناب علی مرتضےٰ کی شان میں آپکی کتابوں میں منقول ہیں وہ اُن کی کتابوں میں مذکور نہیں۔ اس لیے وہ اس جزوِ روایت کو سراپا موضوع اور محض خلفاء کی جنبہ داری میں مساوات قائم رکھنے کے خود غرضانہ خیال پر مبنی یقین کرتے ہیں اور نہ جو روابط تعلقات۔ اخلاص اور اتحاد حضرت علیؑ

اور حضرت عباس کے فیما بین قائم تھا۔ وہ ان فضولیات کو اُن حضرات کی طرف نسبت دیے جانے کی کبھی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ ان بزرگواروں کی یکجہتی اور اخلاص کا مسئلہ ایک مُسلمہ ہے جس کا اقرار خود خلیفہ عمر صاحب نے ایک بار نہیں متعدد بار کیا ہے۔ اور اسی روایت میں اسی اقرار کے متعلق اپنی زبان سے یہ الفاظ خود کہہ چکے ہیں (یا عباس) اجئتنی انت وھذا (علیؑ) وانتما جمیع وامرکما واحد۔ (عباس) تم اور یہ (علی) میرے پاس آئے ہو اور تم دونوں شخص جمع ہوئے ہو اور تم دونوں کے امور ایک ہیں۔

اب فرمائیے کہ باوجود ایسے اقرار کردہ اتفاق واتحاد کے کبھی کوئی شخص ان فضولیات اور لغویات کے وقوع کا ان حضرات کے فیما بین گمان کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بنی ہاشم کے اخلاق۔ اہلبیت کے محاسن آداب تمام دنیا میں مشہور و معروف ہیں پھر ان حضرات کو ان دور از قیاس اور بدتہذیبانہ مکالمات کا متکلم کون یقین کر سکتا ہے۔

بعض حضرات میرے اس مختار کو صرف شیعوں کی خوش عقیدگی اور خلوص پر محمول فرمائینگے۔ اُن کو یقین کر لینا چاہیے کہ تنہا شیعوں کا یہ مختار نہیں ہے بلکہ اکثر علماء محدثین اہلسنت کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ امام نووی شرح صحیح مسلم میں اس روایت کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ مازری کا یہ مختار جو بعینہٖ شیعوں کا اعتقاد ہے۔ تحریر کرتے ہیں:-

ان ھذا اللفظ الذی وقع لا یلیق ظاھرہ بالعباس وحاشا لعلی ان یکون فیہ بعض ھذہ الاوصاف الی ان قال واذا انسدت طرق تاویلھا نسبنا الکذب الی رواتھا وقد حمل ھذا المعنی بعض الناس علی ان ازال ھذا اللفظ من نسختہ تورعا عن اثبات ھذا

یعنی ان الفاظ کا وقوع حسب ظاہر اس لائق نہیں ہے کہ اس کی نسبت حضرت عباس سے دی جائے۔ اور جناب علی مرتضٰے کی نسبت تو یہ کبھی کہا ہی نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اس میں بعض ایسے اوصاف کا ذکر ہے کہ جس وقت ان حضرات کی نسبت یہ الفاظ کہے جائیں تو پھر اُن کی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور پھر اُن روایتوں کو غلط بیانیوں اور کذب سے نسبت دینا لازم آئیگا۔ بعض نے یہ احتمال کیا ہے کہ اصل نسخۂ کتاب سے وہ الفاظ جن سے اسکا ثبوت ہوتا تھا۔ جاتے رہے ہیں۔

لیجیے۔ اب مطلع صاف ہوگیا۔ یہ خیال تنہا شیعوں کا اعتقاد خاص نہیں بلکہ آپ حضرات کا بھی مختار ہے اور اعتماد۔

بہرحال۔ حدیث لانورث کی موضوعیت کے ثبوت میں ہم ذاتی اسناد و اشہاد پیش کر دیں کہ اب اس سے زیادہ کسی تنقید و تردید کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے مخالف قرآن۔ موضوع البیان۔ ضعاف اور احاد میں داخل اور شامل ہونے کے علاوہ اس کے رواۃ اور رجال۔ خصوصاً اصحاب مناشدہ کی پوری کیفیت اور حیثیت پورے طور سے دکھلادی گئی۔ ابوہریرہ۔ ابوالدرداء اور حذیفہ کی خواہ مخواہ مناشدہ میں مداخلت ثابت کر دی گئی۔ علی اور عباس کی شرکت اور اُن کی مجلس مناشدہ میں اصل مکالمت اور اُسکی حقیقت لکھدی گئی۔ زبیر ابن العوام کی بگڑنے اور مان جانے کی کیفیت بھی ظاہر ہوگئی۔ تو پھر اب اس کے رواۃ میں باستثنائے حضرت عائشہ۔ جو بوجہ صاحبزادی ہونے کے مقطوع الاشہاد ہیں۔ تین حضرات رہجاتے ہیں۔ عثمان۔ عبدالرحمٰن اور سعد۔ اور یہ تینوں حضرات بقاعدۂ تثلیث ایک ہی ہیں۔ مساوی الاوضاع والاغراض کی نظر اور عملی شکل۔ جب ان جوڑبندیوں سے اس حدیث کا ڈھانچہ کھڑا کیا جانا ثابت ہوتا ہے تو معیار صحت و صداقت تک یہ موضوع حدیث کیسے صحیح اُتریگی۔ ان تمام اسناد و دلائل سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث بالکل موضوع ہے اور اسکی موضوعیت کا سراپا جس پہلو سے دیکھیے آئینہ کی طرح چمک رہا ہے۔

صاحب رسالۂ خاتون جنت نے جہاں اس حدیث کی صحت کا دعوےٰ کیا تھا جس کی اصلی حقیقت انشاء اللہ اب اُن پر ظاہر ہوجائیگی وہیں اُس کے مختص ہونے پر بھی بڑا زور لگایا ہے۔

اوّل تو یہ بحث یونہی طولانی ہوگئی ہے۔ دوسرے تاریخ و سیر کے واقعات کلام و مناظرہ کے دفتر ہوگئے۔ مگر جیسا کہ ہم ابتدائے بحث

میں عرض کرآئے ہیں۔ ہم کیا کریں۔ ہم بالکل مجبور ہیں مخالف کی طرف سے اگر اس مسئلہ کو اُسی حد تک رکھا جاتا جہاں تک واقعاتِ سیر و تاریخ کی حد ہوتی ہے تو ہم کو اتنی تلاش۔ اتنی تحقیق اور اتنی تنقید کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ مگر جب اُس میں بیجا و بیجا تاویلیں کیجائیں۔ فضول اور نامعقول دلیلیں پیش کیجائیں۔ تو اُن موضوعات و مصنوعات کو بلا تنقید و تنقیح چھوڑ دینا عوام کے اغوا اور عدم اطلاع حقیقت کا ضرور باعث ٹھیریگا۔ اس لیے اُن کی عالم فریبی کی تردید ضروری ہو جاتی ہے۔

ناظرین کتاب کی خدمات میں اتنا تمہیدًا عرض کر کے ہم اپنے آیندہ سلسلۂ بیان میں لیکن بہت ہی اختصار کے ساتھ اپنے لائق ہمعصر کے اس دعوے کا جواب بھی حاضر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے:-

آپ اپنے مُنہ سے اپنے گھر میں بیٹھے ایسے صاف اور کھُلے حکم ربّانی کے جو معنی نہ لگائیں۔ اور زیر و زبر کے زور لگا کر اپنے ہاتھوں کو اپنا پاؤں نہ سمجھ لیں اُسکا آپ کو اختیار ہی۔ مگر یہ کیا قیامت ہے کہ آپ اپنے مہملات کو دوسروں کے لیے بھی حجت بنائیں اور اُسکے ماننے پر خواہ مخواہ اُن کو مجبور فرمائیں۔ یہ تو بالکل اُلٹا فلسفہ ہے اور اوندھی منطق۔

دیکھیے اوّل تو آپ کے سرآمدِ متکلمین۔ امام المناظرین۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں اس آیہ کے مخصص ہونے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔ ایں خبر مبیّن تعیّن خطاب است نہ مخصص آں۔ اور صاحب کتاب ابطال الباطل طور دیگر اکثر محدثین لکھتے ہیں کہ ایں خبر مخصص کتاب است نہ مبیّن تعیّن خطاب۔

لیجیے۔ ابھی تو آپ ہی کے گھر خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں یہ مخصص ہے۔ دوسرے صاحب کہتے ہیں۔ نہیں۔ اب آپ ہی ثالث بنکر دونوں میں تصفیہ فرما دیں۔ دوسروں کو تکلیف نہ دیں۔ مگر جب بتقلیدِ اسلاف آپ ان وقتی ضرورتوں کے پابند ہیں۔ یعنی جب جیسا موقع ہوا ویسا کہدیا گیا تب البتہ انکشافِ حقیقت کے لیے مجھ کو مجبوری ہو جائیگی دیکھیے۔ اس آیۂ وافی ہدایہ کے متعلق آپکے امام فخرالدین رازی صاحب تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

الرابع من تخصیصات ھذہ الآیۃ ما ھو مذھب اکثر المجتھدین ان الانبیاء علیھم السلام لا یورثون والشیعۃ خالفوا فیہ۔ روی ان فاطمۃ لما طلبت المیراث منعوھا واحتجوا علیھا بقولہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فعندھا احتجت فاطمۃ بعموم قولہ تعٰ للذکر مثل حظ الانثیین وکانھا اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصہ بخبر الواحد۔

یعنی۔ چوتھی بات اس آیت کے مخصص ہونے کے بارے میں یہ جیسا کہ اکثر مجتہدین کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وارث نہیں چھوڑتے۔ اور شیعہ اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہؑ نے جب اپنی میراث کا دعوےٰ فرمایا تو اُنکے دعوے کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کی اس حدیث سے کہ ہم انبیاء لوگ اپنا وارث نہیں چھوڑتے۔ ہمارا جو کچھ ترکہ ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ احتجاج کیا گیا۔ اور وہ میراث پانے سے باز رہی گئیں۔ ان علماء کے نزدیک حضرت فاطمہؑ زہرا کا استدلال بقاعدۂ عموم اس آیۂ قرآنی سے تھا کہ مرد کو دو عورتوں کی برابر میراث ملنی چاہیے۔ اور گویا جناب فاطمہؑ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ کسی خبرِ واحد سے عموم قرآن کی تخصیص نہیں کیجا سکتی۔

آپ حق ناحق شیعوں کے مقابلہ میں اسکی تخصیص کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ جب آپ کے علماء و محدثین کے اقوال سے خود ثابت ہو رہا ہے کہ جناب سیدہؑ اس کی تخصیص کی قائل نہیں تھیں۔ اور اُنہی کی طرح جناب علی مرتضےٰ۔ حضرت عباس اور سایرِ اہلبیت و دیگر بنی ہاشم۔ اس حدیث کو مخصص نہیں جانتے تھے تو پھر وہ کون بدبخت شیعہ ہوگا جو اس کی تخصیص کو صحیح مانیگا۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ ونعوذ باللہ من ذالک۔

ہم پہلے ہی سرسری طور سے اوپر لکھ چکے ہیں کہ ابھی اہلسنت ہی کی کتابوں میں اس حدیث کی تخصیص کا مسئلہ مختلف اور غیر طے شدہ ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ نہیں۔ تو پھر یہ دھمکی

کیسے قائم اور استوار مانی جائے۔ اور اس حالتِ متناقضہ میں اسکی تخصیص پر کوئی کیسے اعتبار کرے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم اس کے متعلق کتاب توضیح کی اصلی عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ جس سے اس کی تخصیص کی نسبت کافی روشنی پڑتی ہے۔

واختلف فی التخصیص بالکلام المستقل فعند الشافعی رحمۃ اللہ علیہ یصح متراخیا وعندنا لا۔ بل یکون نسخا۔ ای المتراخی لا یکون تخصیصا بل یکون نسخا له۔

تخصیص کے بارے میں اختلاف بالکلام المستقل ہے۔ امام شافعی اس حدیث کو ناسخ جانتے ہیں اور ہم لوگ (حنفی) نہیں۔ لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ حدیث ناسخ قرار دی جائیگی تو پھر مختص نہیں رہ سکتی۔ اور ناسخ ہی ہو کر رہیگی۔

صاحب تلویح نسخ کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں فخرج التخصیص لانه لا یکون متراخیا۔ تخصیص کبھی متراخی یعنی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اب ان اقوال سے ثابت ہوا کہ حدیث لا نورث ناسخ کتاب اللہ ہے۔ اور کتاب اللہ کا نسخ ایک خبرِ واحد سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اُسی کتاب تلویح میں اس قول کی شرح میں کہ حدیث للعائشۃ دلیل علی نسخ الکتاب بالسنۃ۔ حدیث عائشہ دلیل ہے اس امر پر کہ سنت ناسخ کتاب ہے۔ مندرج ہے۔ فیه بحث لعدم الانتزاع فی ان الکتاب لا ینسخ بخبر الواحد۔ یعنی اس بحث میں تو اب کوئی نزاع باقی نہیں کہ قرآن ایک خبرِ واحد سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔

تخصیص کی بھی حقیقت کھُل گئی۔ اور اس غلط تاویل کی جسکا نام کبھی تخصیص رکھا جاتا ہے۔ کبھی استراخ۔ اور کبھی انتساخ۔ وغیرہ وغیرہ۔ ابھی پوری حقیقت ظاہر ہو گئی اور ہر شخص اسکو سمجھ گیا کہ نہ یہ تخصیص ہے نہ تسریخ اور نہ تنسیخ۔ بلکہ وہی اپنی بات کی پچ ہے اور غلط تاویل۔ اور نامعتبر تشخیص۔ وہی اسلاف کا پُرانا طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ جب جیسا وقت دیکھا اغوائے عوام کے لیے ویسا لکھ مارا۔ اب چاہے وہ رسول کے ساتھ ہو یا خدا کے خلاف۔

احراقِ خانۂ بتولؑ وایذائے بضعۃ الرسولؐ

ہاں اے خلیلِ آتشِ نمرود دیدہ
بیں شعلۂ کہ در جگرِ ختمِ انبیاست
(مناقب السادات)

بحث فدک اور اُس کے متعلق تمام ضروری امور کو پوری تفصیل و تشریح سے بیان کر کے اب ہم اپنے سلسلۂ مضامین میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دوسرے مصائب اور شدائد تحریر کرتے ہیں۔ فدک کے متعلق حضرت سیدۃ العالمین بضعۃ سید المرسلین سلام اللہ علیہا وابیہا وابنائہا اجمعین کے ساتھ جو طریقے برتے گئے اور جو مسالک قائم رکھے گئے وہ اوپر کے واقعات سے ظاہر و آشکار ہو گئے۔ اس تمام بدسلوکی۔ ناتوجہی اور بیمروتی کا نتیجہ اس سے زیادہ نالائق ترین طریقہ میں نکالا گیا۔ سارا قصہ تو انکارِ بیعت سے آغاز ہوا۔ اگر جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام عامۃ المسلمین کی طرح بیعتِ ابوبکر پر اُسی وقت ہاتھ بڑھا دیتے تو پھر کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی حق تلفی نہ ہوتی کوئی ظلم و تعدی نہ کیجاتی۔ ایک بیعت کے انکار نے تمام مصائب و شدائد کے دروازے کھولدیے۔

بہر حال۔ واقعاتِ بیعت کے لکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہمارا موجودہ سلسلۂ بیان ہم کو اس کے بیان پر مجبور کرتا ہے۔ ہاں۔ ان واقعات میں جو حالات جناب سیدہ کی ذات قدسی صفات سے وابستہ ہیں۔ اُن کو البتہ ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام کے انکارِ بیعت فرمانیکے بعد خلیفہ صاحب اور اُن کے منتظمین کو اہلبیت اور اُن کے معاونین کے ساتھ ایک خاص کد پڑ گئی۔ سخت اصرار واقع ہوا۔ جانی عداوت اور قلبی مخاصمت پیدا ہو گئی۔ اور اب اسکی فکر۔ تلاش اور جستجو ہمہ دم اور ہمہ وقت دامنگیر ہو گئی کہ آخر کار حضرت علی کا یہ قطعی انکار کس قوت اور زور پر ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آپ کی مشورت اور متابعت میں ہیں اور اُنہی کے سہارے پر آپ کو اس انکار کی جراٴت ہوئی ہے۔

وہ کون کون حضرات ہیں۔ بمطابق روایت تاریخ ابو الفدا وہ حضرات یہ ہیں:۔ جملہ حضرات بنی ہاشم۔ زبیر ابن العوام۔ عتبہ ابن ابی لہب۔ خالد ابن سعید ابن العاص۔ مقداد بن جندب۔ سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار ابن یاسر۔ براء ابن عازب اور ابی ابن کعب۔ اور بروایت فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید۔ بریدہ اسلمی۔ ابو الہیثم ابن التیہان۔ سہل ابن حنیف۔ عثمان ابن حنیف۔ خزیمہ ابن ثابت ذو الشہادتین اور ابو ایوب انصاری بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

بہر حال۔ خلافت کی طرف سے ان پر بغاوت کا الزام لگایا گیا۔ اور ان کی گرفتاری کے لیے حضرت عمر اور خالد ابن ولید کی ماتحتی میں دوڑ بھیجی گئی۔ حضرت عمر کی آتش مزاجی نے یہ اور قیامت برپا کردی کہ آگ لکڑی وغیرہ لیکر خانۂ رسول پر آدھمکے۔ اور ملزمین کو دھمکانے لگے کہ اگر تم لوگ باہر آکر بیعت ابوبکر نہ کروگے تو یہ گھر تمہارے اوپر جلادونگا۔ جناب سیدہؑ نکل آتی ہیں۔ عمر سے پوچھتی ہیں کہ تم کس گھر کو جلاؤ گے۔ رسولؐ کے گھر کو جس میں فاطمہؑ موجود ہے۔ علی حاضر ہیں حسنینؑ بیٹھے ہیں۔ عمر قسم شرعی کھاکر کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم نے جن لوگوں کو چھپا رکھا ہے نہ نکالا تو سمجھ لو کہ یہ گھر تمہارا بلا رعایت و مروت جلا دیا جائیگا۔

ہم نے اس واقعہ کی نسبت صرف اہلسنت ہی کے معتبر ماخذوں کا خلاصہ درج کیا ہے۔ جو بالکل قطع و برید کرکے اس ظلم و جفائے کثیر کا ایک عشر عشیر اُن کی کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے۔ مگر ثبوت حقیقت کے اعتبار سے ہم اتنے اختصار کو بھی بہت غنیمت سمجھتے ہیں۔ ورنہ اس ناقابل برداشت اور ناگوار قصہ سے شاہ عبد العزیز صاحب نے اور اُن سے پہلے نصر اللہ کابلی نے اور اُن سے قبل علامہ ابن روزبہان نے قطعی انکار ہی کردیا تھا۔ اور ان واقعات کو شیعوں کی اضافات ٹھیرایا تھا۔ اور اُسی طرح اس وقت بھی اکثر حضرات اس کو خاص شیعوں کی مرویات خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے لائق ہمعصر صاحب رسالۂ خاتون جنت نے بھی اپنے رسالہ میں انکا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم اس کو ان لوگوں کا انکار تو سمجھتے نہیں۔ بلکہ شرم و عار خیال کرتے ہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس شرم و عار کا اقرار نہیں۔ بلکہ اپنی جھوٹی بیگناہی پر متعصبانہ انکار ہے۔ ان حضرات کا یہی تجاہل عارفانہ اور تغافل مغویانہ مجبور کرتا ہے کہ اُنہی کی اسناد و اشہاد سے اس واقعہ کی اصلیت اور حقیقت اُن پر ظاہر کردی جائے تاکہ وہ یقین کرلیں کہ جن واقعات کو وہ شیعوں کا خاص اضافہ اور اُن کی طبّاعی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ آپ ہی حضرات کا عین اقرار اور مختار ثابت ہوتا ہے۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے مندرجۂ بالا دعوے کے ثبوت میں اس واقعہ کی تصدیق علماء محدثین اہلسنت کے معتبر ماخذوں سے ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ سامان احراق خانۂ فاطمہؑ کی روایت کو جس کو شیعوں کے خاص موضوعات سے کہا جاتا ہے وہ اہلسنت کے مندرجۂ ذیل حضرات محدثین۔ مفسرین اور مورخین نے اپنی اپنی صحاح۔ مسانید۔ سنن اور تاریخ و سیر میں مندرج فرمایا ہے۔ (۱) محمد ابن جریر طبری (۲) واقدی (۳) عثمان ابن ابی شیبہ (۴) ابن عبد ربہ (۵) ابن حزابہ (۶) مصنف کتاب المحاسن و انفاس الجواہر (۷) عبد اللہ ابن ابی شیبہ (۸) بلاذری (۹) ابن عبد البر (۱۰) ابوبکر جوہری (۱۱) قاضی جمال الدین واصل (۱۲) مورخ ابو الفدا (۱۳) ابن قتیبہ دینوری (۱۴) امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی شافعی (۱۵) امام جلال الدین سیوطی (۱۶) ملا علی متقی۔ اور (۱۷) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیر اشالہم۔

سواد اعظم اہلسنت کے اتنے علماء و فضلائے متبحرین اور محدثین و مفسرین نے تو حضرت عمر کی ان بدسلوکیوں کی داستانوں کو اپنی اپنی کتابوں میں مندرج کردیا۔ اب شاہ صاحب یا اور کسی صاحب کے انکار سے ہوتا ہی کیا ہے۔ شاہ صاحب غریب تو اس سے انکار کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین دونوں کتابوں میں اُن کے والد ماجد۔ بڑے شاہ صاحب۔ قصۂ احراق خانۂ فاطمہؑ کو مختلف طریقوں سے قلمبند فرما چکے ہیں۔ مگر پھر اس پر بھی شاہ صاحب انکار کریں تو سوائے اس کے اور کیا سمجھا جائیگا کہ وہ اپنے پدر بزرگوار کی تکذیب و تردید فرماتے ہیں۔

یا اپنے قدیم اصول موضوعۂ اسلاف کی کورانہ تقلید کہ جب جسکو جیسا وقت ہاتھ آیا ویسا لکھ مارا۔

شاہ صاحب تو بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ ابن روزبہان کی ہم شان کو دیکھیں یا اُس کے صریح جھوٹے اور مغویانہ بیان کو۔ جیساکہ وہ دیدوں میں اُنگلی ڈالکر اس واقعہ کو غلط ٹھیراتا ہے۔ اور طبری جیسے اپنے اتنے بڑے مستند اور معتبر مؤرخ کی تکذیب کرتا ہے۔ ابن روزبہان تیسری صدی کا عالم ہے۔ تمام علوم دینیہ اور رموز شرعیہ سے واقف بتلایا جاتا ہے۔ فن حدیث کا خاصکر امام مانا جاتا ہے۔ اور وہ صرف اپنی کورانہ ناصبیت اور متعصبانہ نفسانیت کی وجہ سے ایسے متواتر اور معتبر واقعہ کی صحت سے انکار کرتا ہے اور طبری جیسے مستند فاضل کی جھوٹی تکذیب کرکے تمام علمی دنیا پر اپنی خفیف الحرکاتی کا اظہار کرتا ہے۔ اُس کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

من اسمج ما افتراہ الروافض ھذا الخبر وھو احراق عمر بیت فاطمۃ وما ذکر ان الطبری ذکرہ فی التاریخ فالطبری من الروافض مشھور التشیع حتی ان علماء بغداد ھجروہ لغلوہ فی الرفض و التعصب وھجروا کتبہ ودوایاتہ واخبارہ وکل من نقل ھذا الخبر فلا یشک انہ رافضی متعصب یرید ابداء القدح والطعن علی الاصحاب۔

یعنی افترایات روافض میں سب سے بڑا افترا عمر کا احراق بیت فاطمہ والا واقعہ ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں لکھا ہے تو طبری تو رافضیوں میں تھا۔ اور تشیع کے ساتھ مشہور تھا۔ یہاں تک کہ علمائے بغداد نے اسکو تعصب اور غلو رفض کے سبب سے ترک کر دیا تھا۔ صرف اسی کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ اُس کی کتابوں کو بھی اور اُسکی روایات و اخبار کو بھی۔ اور علاوہ اُس کے وہ تمام لوگ جنہوں نے اس خبر کو لکھا ہے وہ سب کے سب رافضی تھے۔ اور سخت متعصب تھے۔ اور اس کی نقل سے انکا یہ مدعا تھا کہ وہ اصحاب پر طعن و قدح جاری کریں۔

ابن روزبہان صاحب کی اصحاب پرستی اور تعصب و نفسانیت کے نشہ میں اُن کی بدمستی تو اُنکی خاص عبارت سے ظاہر و آشکار ہوگئی۔ طبری کی نسبت وہ جو کچھ لکھ گئے ہیں اُس کو ہم ان حضرات کا عام قاعدہ اور خاص دستور قرار دیتے ہیں۔ کہ ان میں سے اگر کسی نے کہیں کوئی بات کہدی یا لکھدی تو وہ شیعہ تھا۔ رافضی تھا۔ منافق تھا۔ کافر تھا۔ غرض دنیا بھر کا شیطان تھا۔ اجی۔ اب وہ تمہارے حسابوں کیسا ہی ہو۔ تھا تو وہ تمہارے ہی افراد سے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تمہارا ہی آدمی کہلائیگا۔

کتب رجال پر اگر ذرا بھی نظر ہے تو اپنے ہی یہاں کی کتابوں میں جن سے طبری کی عظمت اور جلالت ثابت ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائی جائے۔ اور کتاب طبقات فقہائے شافعیہ امام سبکی طبقات فقہائے شافعیہ ابن جماعہ۔ مرآۃ الجنان یافعی۔ وفیات الاعیان ابن خلکان۔ معجم الادباء یاقوت حموی۔ انساب سمعانی۔ تاریخ بغداد خطیب بغدادی۔ تہذیب الاسماء نودی۔ اور مدینۃ العلوم وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی کہ طبری کا سواد اعظم اہلسنت میں کیا اقتدار ہے اور کتنا اعتبار۔

شاید ان قدیم کتابوں کو آپ پرانی تقویم سمجھیں اور جدید توثیق چاہتے ہوں تو اپنے زمانہ کے محقق اور مؤرخ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کی تحریر ملاحظہ کرلیں جو اُنھوں نے امام طبری کی نسبت اپنی تازہ اور آخر تصنیف کتاب سیرۃ جلد اول کے دیباچہ صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں۔

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین انکے فضل و کمال۔ ثقۃ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر کہی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے بڑھکر عالم نہیں جانتا۔ سنہ ۳۱۰ ہجری میں وفات پائی۔ بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین یہ جھوٹی بدگمانی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد

اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں۔ علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مفر نہیں۔ تمام مستند مثلاً تاریخ کامل ابن اثیر۔ ابن خلدون اور ابو الفدا وغیرہ انہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

اب تو امام روزبہان کی غلط بیانی اور بدگمانی طبری کی نسبت معلوم ہو گئی۔ اور تحقیق کی حد تک پہنچ گئی۔ اب ان کی تکذیب کو ذہبی کی تصدیق و توثیق سے ملا کر سوادِ اعظم اہلسنّت کے خوش عقیدہ حضرات آپ تصفیہ فرمالیں۔

علامہ روزبہان نفسانیت۔ خود غرضی اور ناصبیت میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رکھتے۔ لکھنے کو تو لکھ گئے کہ

کل من نقل ھٰذا الخبر فلا یشک انہ رافضی متعصب

وہ تمام لوگ جنہوں نے اس خبر کو لکھا ہے سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اب علامہ صاحب کے اس کلیہ سے تو طبری تو تھے واقدی۔ عثمان ابن ابی شیبہ۔ ابن عبدربہ۔ ابن حزابہ بمصنف کتب المحاسن وانفاس الجواہر۔ عبد اللہ ابن ابی شیبہ۔ بلاذری۔ ابن عبدالبر۔ ابوبکر جوہری۔ ابن ابی الحدید۔ قاضی جمال الدین واصل مورخ ابو الفدا۔ ابن قتیبہ دینوری۔ امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی شافعی۔ امام جلال الدین سیوطی۔ ملا علی متقی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سب کے سب متعصب رافضی تھے۔ اور اس کی نقل سے اُن کا مدعا تھا کہ وہ اصحاب پر طعن و قدح جاری کریں۔

علامہ صاحب کے اس کلیہ نے سوادِ اعظم میں فسادِ عظیم پیدا کر دیا۔ اور مندرجۂ بالا اور اُنکے جیسے اگلے پچھلے سُنّی علماء اور محدثین کو رافضی اور متعصب ٹھیرا دیا۔ ع

ما از چراغِ خویش در خانہ سوختیم

یہ سب ناحق پرستی کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔ اب اس سے بھی بڑھی ہوئی خفیف الحرکاتی اور عالم فریبی اُس سُنّی عالم کی ملاحظہ فرمائی جائے۔ کہ اپنی سابق تحریر۔ طبری کی جرح کے آخر میں لکھتے ہیں۔

وما رأینا احد روی ھٰذا الا ان الروافض ینسبونہ الی الطبری ونحن ما رأیناہ فی تاریخہ۔ ہم نے کسی کو بھی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں پایا سوائے اِسکے کہ روافض اسکو طبری کی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے اُس (طبری) کی تاریخ میں اسے نہیں پایا۔

استغفر اللہ ربّی واتوب الیہ۔ ابن روزبہان جیسا عالم اور مردِ فاضل اور ایسا جاہلانہ۔ مغویانہ اور جھوٹا دعوےٰ کرے۔ طبری کی تاریخ میں اس وقت بھی جس کا جی چاہے یہ عبارت مع اسناد واقعۂ احراق دیکھ لے اور پڑھ لے۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر ابن مغیرۃ عن زیاد ابن کلیب قال اتی عمر ابن الخطاب منزل علی وفیہ طلحۃ والزبیر ورجال من المھاجرین وقال لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعۃ فخرج علیہ الزبیر مصلتاً بالسیف فعثر وسقط السیف من یدہ فوثبوا علیہ فاخذوہ۔

ابن حمید نے جریر ابن مغیرہ سے اور اُس نے زیاد ابن کلیب سے روایت کی ہے کہ زیاد کا بیان ہے کہ عمر ابن خطاب حضرت علیؑ کے گھر آئے۔ وہاں طلحہ زبیر اور مہاجرین کے لوگ موجود تھے۔ عمر صاحب نے کہا کہ تم لوگ بیعتِ ابی بکر کے لیے چلے چلو ورنہ ہم اس مکان کو تمہارے اوپر جلا دینگے۔ یہ سُنکر زبیر تلوار نکالے ہوئے باہر چلے آئے۔ اُن کا پاؤں پھسل گیا۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُن کو لے گئے۔

اب فرمایئے ابن روزبہان کا یہ سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے یا نہیں۔ اُن کا یہ لکھنا کہ میں نے تاریخ طبری میں یہ لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے کہاں تک سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور اُنکے عالم ہونیکی عظمت اور فاضل ہونے کی فضیلت کو کہاں تک اونچا کرتا ہے۔ دیکھیے اتنے انکار۔ اتنی حق پوشی کے بعد بھی۔ چونکہ واقعہ حق پر مبنی تھا۔ بالکل سچ تھا اور صحیح۔ اس لیے سلف سے لیکر آج تک نہ کسی کے چھپائے چھپا اور نہ کسی کے مٹائے مٹا۔ ابن روزبہان جیسے خدا جانے کتنے روز زور لگاتے ہی رہ گئے۔ اور سچ تو یوں ہے کہ یہی اسکی اصلیت اور اسکی حقانیت کی دلیل واضح ہے۔

اُن تمام علماء و محدثینِ اہلسنّت کی اسناد جن کے نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں اگر ایک ایک کرکے یہاں سب کو لکھنا چاہیں تو بہت طوالت ہو جائیگی اس لیے اُن میں سے چند اسناد ذیل میں تحریر ہوتی ہیں۔

مؤرخ ابوالفداء اپنی تاریخ میں اسکے متعلق لکھتے ہیں۔

لما قبض اللّٰہ نبیہ قال عمر ابن الخطاب من قال
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم مات علوت
راسہ بسیفی ھذا وانما ارتفع الی السماء فقراء
ابوبکر وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل
افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم فرجع القوم
الی قولہ فبادروا سقیفۃ بنی ساعدۃ فبایع عمر ابابکر
رضی اللّٰہ عنہ وامثال الناس علیہ یبایعونہ فی
عشر الاوسط من ربیع الاول سنۃ احد عشر خلا
جماعۃ من بنی ھاشم والزبیر وعتبہ ابن ابولھب
وخالد ابن سعید ابن العاص والمقداد وسلمان
الفارسی وابا ذر وعمار ابن یاسر والبراء ابن عازب
وابی ابن کعب وما لوا مع علی بن ابی طالب رض وقال
فی ذلک عتبۃ ابن ابی لھب سہ ما کنت احسب
ان الامر منصرف ؛ عن ھاشم ثم منہم عن ابی الحسن ؛
الیس اول الناس ایمانا وسابقۃ ؛ واعلم الناس بالقرآن والسنن ؛
واخر الناس من عھد ابالنبی ومن ؛ جبرئیل عون
لہ فی الغسل والکفن ؛ ما فیہ ما فیھم لا یمترون بہ ؛
ولیس فی القوم ما فیہ من الحسن ؛ وکذالک
تخلف عن بیعۃ ابی بکر ابوسفیان من بنی امیۃ
ثم ان ابابکر بعث عمر ابن الخطاب الی علی ومن
معہ لیخرجھم من بیت فاطمۃ الزھراء رضی اللّٰہ
عنھا وقال ان ابوا علیک فقاتلھم فاقبل عمر بشیٔ
من نار علی ان یضرم الدار فلقیتہ فاطمۃ وقالت
الی این یابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم
او یدخلوا فیما دخل فیہ الامۃ فخرج علی حتی اتی
ابابکر فبایعہ۔

جب خداوند عالم نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک قبض فرمائی تو عمر نے کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مر گئے تو ہم اپنی اس تلوار سے اُسکی گردن اُڑا دینگے۔ آنحضرت صلعم نے انتقال نہیں فرمایا۔ بلکہ وہ تو آسمان پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ اس پر ابوبکر نے اُنہیں آیہ وما محمد الا رسول پڑھکر سنایا۔ تو تمام امت نے اُنہی کے قول کو قبول کر لیا۔ پھر لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اور ابوبکر سے عمر نے بیعت کر لی۔ اور پھر اُنہی کی مثال میں تمام لوگوں نے اوسط ماہ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں بیعت کر لی۔ اُن کی بیعت سے بنی ہاشم کی ایک جماعت زبیر ابن العوام۔ عتبہ ابن ابی لہب۔ خالد ابن سعید ابن العاص۔ مقداد و سلمان فارسی۔ ابوذر۔ عمار ابن یاسر۔ براء ابن عازب۔ ابی ابن کعب۔ اور وہ لوگ جو علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ باز رہے۔ اور اس واقعہ کی نسبت عتبہ ابن ابی لہب نے یہ اشعار نظم کیے سہ یہ کیا معلوم تھا کہ امر خلافت بنی ہاشم سے اور پھر بنی ہاشم میں مخصوص ابوالحسنؑ کے قبضہ سے نکل جائیگا۔ کیا وہ بزرگوار اسلام میں سب سے پہلے ایمان لانے والے اور تمام مسلمانوں میں سب سے بہتر قرآن و حدیث کے معنی جاننے والے نہ تھے۔ اور وہ وہی آخر شخص ہیں جو عہد رسول پر قائم رہے اور جبرئیل نے غسل و کفن رسولؐ میں اُنہی کی اعانت فرمائی۔ اُن کی ذات میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جو اور لوگوں میں باعث فخر ہوتی ہیں۔ لیکن وہ اوصاف خاص جو اُن کی ذات میں ہیں کسی ایک میں بھی نہیں۔ اسی طرح ابوسفیان نے بھی قبیلۂ بنی امیہ سے بیعت ابوبکر سے انکار کیا۔ پس ابوبکر نے عمر ابن الخطاب کو علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اُن کو اور اُن کے ہمراہیوں کو حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکالدیں۔ اور یہ بھی تاکیداً کہدیا کہ اگر وہ لوگ انکار کریں تو اُن کو قتل کریں۔ پس عمر کچھ آگ لیکر وہاں گئے۔ اس قصد سے کہ اُس گھر کو جلا دیں۔ جناب سیدہؑ نے اُن کو دیکھکر فرمایا۔ اے عمر! کہاں آئے ہو۔ کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟ عمر نے کہا ہاں۔ ورنہ یہ لوگ بھی اُسی عہد و پیمان میں داخل ہو جائیں جس میں سب لوگ داخل ہو چکے ہیں۔ یعنی چلے چلیں اور بیعت ابی بکر کر لیں۔ پس جناب علی مرتضےٰ نکلے اور ابوبکر کے پاس جا کر بیعت کر لی۔

تاریخوں میں اس واقعہ کے متعلق دو معتبر اور مستند تاریخوں

طبری اور ابو الفدا کی عبارتیں ملاحظہ فرمائی گئیں۔ اب صحاح میں اس واقعہ کی کیفیت مشاہدہ فرمائی جائے۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اسکی نسبت رقمطراز ہیں۔

ابو بکر عن اسلم باسناد صحیح علی الشرط الشیخین انہ حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علیؑ والزبیر یدخلان علی فاطمۃ بنت رسول اللہؐ فیشاورونھا ویرتجعون فی امرھم فلما بلغ ذٰلک عمر ابن الخطاب خرج حتی دخل علیٰ فاطمۃ فقال یا بنت رسول اللہ ما من الخلق احد احب الینا من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک وایم اللہ ما ذاک بمانعی ان اجتمع ھؤلاء النفر عندک ان امرھم ان یحرق علیھم البیت فقال لما خرج عمر جاؤھا فقالت اتعلمون ان عمر قد جاءنی وقد حلف باللہ لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت و ایم اللہ لیمضین لما حلف علیہ فانصرفوا راشدین فروا ارائکم ولا ترجعوا الی فانصرفوا عنھا فلم ترجعوا الیھا حتی بایعوا لابو بکر۔

ابوبکر نے اسلم کی اسناد صحیحہ شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط صحت پر روایت کی ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی۔ تب علیؑ اور زبیر خانۂ فاطمہ زہرا علیہا السلام میں امر خلافت کے پھیر دینے کی لیے مشورے کرنے لگے۔ جب یہ خبر عمر ابن الخطاب کو پہنچی تو وہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے بنت رسول اللہ! کوئی شخص دنیا میں میرے نزدیک آپ کے پدر بزرگوار سے محبوب ترین نہیں تھا۔ اور اُسی طرح اُنکے بعد کوئی شخص مجھ کو آپ سے زیادہ محبوب تر نہیں ہے۔ مگر اب خدا کے لیے مجھے کونسا امر اس سے مانع ہوگا کہ اگر اُن لوگوں کی لیے جو تمہارے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ یہ حکم دیدیں کہ یہ گھر اُن پر جلادیا جائے۔ یہ کہکر عمر چلے گئے تو جناب سیدہؑ نے اُن لوگوں سے کہا کہ آیا کچھ تمہیں معلوم ہوا ہے کہ ابھی ابھی عمر آئے تھے اور قسم کھا کر کہگئے ہیں کہ وہ اس گھر کو تم لوگوں پر جلادینگے۔ اور قسم خدا کی۔ جب اُس نے قسم کھائی ہے تو میں یقین کرتی ہوں کہ وہ اُس امر کو کر گزریگا بس تم لوگ میرے گھر سے صحیح و سلامت چلے جاؤ۔ اور اپنی صلاح و رائے کو آپ سوچو۔ اور اب سے میرے گھر نہ آیا کرو۔ یہ سُنکر وہ لوگ چلے گئے اور پھر آپ کے مکان میں نہ آئے۔ یہاں تک کہ بیعت ابوبکر میں داخل ہوگئے۔

اگرچہ اس حدیث میں بہت کچھ احتیاط۔ ہوشیاری اور قلمکاری سے کام لیا گیا ہے اور حضرات خلفاء کی بمقابلہ جناب سیدہؑ ہمدردی۔ احترام۔ مرتبہ دانی اور اکرام سب کچھ دکھلایا گیا ہے۔ مگر حقیقت بیں نگاہیں ان وقتی مصنوعات اور خود غرضی کے موضوعات کو اچھی طرح پرکھ لیتی ہیں۔ اور فوراً پہچان جاتی ہیں۔

بہرحال۔ کچھ بھی ہو۔ اخلاص یا خود غرضی۔ نفسانیت ہو یا ابن الوقتی۔ کوئی امر ہو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ عارضی اور ابدی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ مگر ہم کو اس کی جانچ پڑتال سے یہاں کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا جو کچھ اس کے لکھنے سے مدعا تھا وہ اسی قدر کہ باوجود اتنے انتظام اور اتنی احتیاط کی احراق خانۂ جناب سیدہؑ پر حضرت عمر کا قصد۔ اُنکی نیت۔ اُن کی آمادگی اور مستعدی کما حقہ ثابت ہوگئی۔ اگرچہ اُس پر خوش کن الفاظ کے خوب خوب بھڑکیلے غلاف چڑھائے گئے۔ مگر یقولون بالسنتہم ولیس فی قلوبھم کے مطابق حقیقت حال اور اصلیت ظاہر ہونیوالی تھی وہ ظاہر اور ثابت ہوہی گئی۔

ہم نے ازالۃ الخفا سے یہ روایت صحیحین بخاری اور مسلم کی شرط صحت پر خاصکر اس لیے لکھدی ہے کہ کوئی صاحب اس واقعہ کو صحیحین میں مندرج نہ ہونیکا عیب نہ لگا سکیں۔

اب اور علماء و محدثین کی اسناد پیش نظر کیجاتی ہیں۔ امام ابراہیم ابن عبد اللہ یمنی اپنی کتاب الاکتفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

عن اسلم انہ قال حین بویع لابی بکر بعد رسول اللہ کان علی والزبیر ورجال اخر یدخلون علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فیشاورونھا

ویرتجعون فی امورھم فلمّا بلغ ذٰلک عمر ابن الخطاب خرج حتّٰی دخل علیٰ فاطمة فقال یا فاطمة ع واللّٰه ما من احد احب الینا من ابیک وما من احد احب الینا بعد ابیک منک وایم اللّٰه ما ذاک بمانع ان اجتمع ھٰؤلآء النفر عندک ان امر بھم ان یحرق علیھم البیت فلمّا اخرج جاؤھا قالت تعلمون انّ عمر قد جآء وقد حلف باللّٰه لئن عدتم لیحرقن علیکم البیت وایمّ اللّٰه لیمضین لما حلف علیه فانصرفوا راشدین فرءوا رأیکم ولا ترجعوا الیّ فانصرفوا عنھا فلم ترجعوا الیھا حتّٰی بایعوا لابی بکر۔ اخرجه عثمان ابن ابی شیبة فی سننه

اسلم سے مروی ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر سے بیعت ہونے لگی تو علیؑ، زبیر اور دیگر چند اشخاص جناب فاطمہ بنت رسول صلعم کے پاس آئے اور آپ سے مشورہ کرنے لگے کہ امرِ خلافت اُلٹ دیا جائے۔ جب اسکی خبر عمر کو لگی تو وہ جناب فاطمہؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے فاطمہؑ! دنیا میں مجھے کوئی بھی آپ کے والدِ بزرگوار سے زیادہ پیارا نہیں تھا۔ اور اب اُن کے بعد کوئی بھی مجھے آپ سے زیادہ پیارا نہیں ہے۔ اور قسم خدا کی یہ امرِ محبت مجھے اس امر کے لیے مانع نہوگا۔ اگر میں اُن لوگوں کے لیے جو تمہارے گھر میں جمع ہوئے ہیں یہ حکم دوں کہ یہ گھر اُن لوگوں پر جلا دیا جائے۔ یہ کہکر جب وہ چلے گئے تو جنابِ سیدہؑ اُن لوگوں کے پاس تشریف لائیں اور فرمانے لگیں کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ ابھی ابھی عمر آکر اور قسم کھاکر کہہ گئے ہیں کہ وہ اس مکان کو تم پر جلا دینگے۔ اور قسم خدا کی وہ اپنی قسم سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ پس تم لوگ صحیح وسلامت میرے گھر سے چلے جاؤ۔ اور اب میرے گھر نہ آئیو۔ وہاں سے وہ لوگ چلے گئے اور پھر تاوقتیکہ ابوبکر سے بیعت نہ کرلی۔ وہاں لوٹ کر نہ آئے۔ اس روایت کو عثمان ابن شیبہ نے بھی سُنن میں مندرج کیا ہے۔

ملا علی متقی بھی کنز العمال میں یہی مضمون لکھتے ہیں۔

عن اسلم انه حین بویع ابوبکر بعد رسول اللّٰه ص کانٔ علی وزبیر یدخلون علی فاطمة بنت رسول اللّٰه واللّٰه ما من الخلق وایم اللّٰه ما ذاک مانعی ان اجتمع ھٰؤلآء النفر عندکِ ان امر بھم ان یحرق علیھم الباب فلمّا خرج عمر جآؤھا قالت تعلمون ان عمر جاءنی وقد حلف به ان عدتم لیحرقن علیکم البیت وایم اللّٰه لیمضین لما حلف علیه و انصرفوا راشدین فرءوا رأیکم ولا ترجعوا الیّ فانصرفوا عنھا ولم یرجعوا الیھا حتّٰی بایعوا لابی بکر۔

اسلم سے منقول ہے کہ جب جنابِ رسول خدا صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر سے بیعت ہوئی تو علیؑ اور زبیر جنابِ فاطمہؑ بنتِ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اُن سے مشورت چاہی کہ امرِ خلافت کو اُلٹ دیا جائے۔ جب اس کی خبر عمر ابن الخطاب کو لگی تو وہ جناب فاطمہؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا بنتِ رسولؐ! مجھ کو دنیا میں کوئی شخص آپکے پدرِ بزرگوار سے بڑھکر محبوب نہیں تھا۔ اور اب اُن کے بعد آپ سے زیادہ کوئی مجھے محبوب نہیں ہے۔ اور میرے لیے یہ امرِ محبت اس کا مانع نہ ہوگا۔ اگر میں اُن لوگوں کے لیے جو تمہارے اس گھر میں جمع ہوئے ہیں۔ اس گھر کے جلا دیے جانیکا حکم کروں۔ جب عمر چلے گئے تو جنابِ سیدہؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ عمر آئے تھے اور قسم کھاکر کہہ گئے ہیں کہ وہ تم لوگوں پر اس گھر کو جلا دینگے۔ اور قسم خدا کی وہ اپنی قسم سے نہیں پھرینگے۔ پس تم لوگ صحیح وسلامت میرے گھر سے نکل جاؤ۔ اور اپنے امور میں رائے کرو۔ مگر میرے گھر میں نہ آنا۔ پس وہ لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ اور پھر آپ کے پاس لوٹ کر نہ آئے جبتک کہ ابوبکر سے بیعت نہ کرلی۔

ان دونوں روایتوں سے حضرت عمر کی نسبت یہ ارادہ، یہ نیت اور قسم شرعی کھاکر یہ حکم۔ بیٹھ بیٹھے بھی نہیں۔ سیدہؑ کے مُنہ پر معصومہؑ کے مقابلہ میں کہ اگر حاضرینِ خانہ بیعتِ ابوبکر کے لیے نہ نکلیں گے تو یہ گھر جلا دیا جائیگا۔ پورے طور سے ثابت ہوگیا۔ اگرچہ ان

روایات میں۔ عمر کے دل میں فاطمہؑ کی محبت عظمت اور تقدس ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی گئی ہے۔ اقرار زبانی وغیرہ سب لکھدیے گئے ہیں۔ مگر حقیقت میں حضرات ان مصنوعی او سذبانی جمع خرچ اور مصنوعی لفاظیوں کو خوب پہچان لیتے ہیں۔ اور جس خود غرضی اور نفسانیت کی وجہ سے یہ انتظام کیے گئے ہیں اور یہ احتیاط برتی گئی ہے اُس کو خوب جانتے ہیں۔ اور سلف سے اس وقت تک کوئی فرد واحد بھی اجتماع ضدین کے مسئلہ کا قائل ہوا ہو تو ہم بھی ان ظاہری لفاظیوں کے لیے مجبور ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی سے تھوڑی عقل والا شخص بھی کبھی اس کو مان سکتا ہے کہ جو شخص گھر جلانے آئے اور تلوار چلانے (ملاحظہ ہو ابوالفدا میں ابوبکر کا حکم عمر کو فقاتلھم) اور گھر والوں کی گردنیں اُڑانے۔ وہ کبھی دوست سمجھا جائیگا۔ اور گھر والوں سے محبت کرنیوالا۔ لا واللہ۔

ان اسناد کو پڑھکر بعض حضرات یہ گمان کرینگے کہ ان روایات سے صرف عمر نے گھر جلانے کی دھمکی دی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنے اس ارادہ کو عملی صورت میں لانے کے لیے بھی آئے تھے یا نہیں۔ اگرچہ ہم نے تاریخ ابوالفدا کی عبارت اوپر لکھدی ہے جس میں فاقبل عمر بشئ من نار صاف صاف لکھا ہوا ہے مگر معترضین کی جدت پسند طبیعتیں مولوی شبلی صاحب کے اس وضعی کلیہ کے مطابق کہ کتب تاریخ سے کتب حدیث۔ صحت واقعات کے لیے زیادہ معتبر۔ لائق اعتبار اور ذمہ دار ہیں۔ تاریخ ابوالفدا کے تنہا اقتباس پر اعتبار نہ آئے اور کتب حدیث سے اس کی تصدیق و توثیق منظور ہو تو ہم اُن کے اطمینان خاطر کے لیے کتب حدیث کی اسناد خاص لیکر بھی حاضر ہیں۔

ملاحظہ ہو۔ امام ابن قتیبہ ملقب بہ حافظ دینوری کی کتاب امامت والسیاست جس میں ذیل کی عبارت قلمبند ہے۔

ان ابا بکر اخبر بقوم تخلفوا من بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطاب فجاء فناداھم وھم فی دار علیؑ وابوا ان یخرجوا فدعا عمر بالحطب فقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقن ھا علیکم علی ما فیہ فقیل لہ یا ابا حفص ان فیھا فاطمۃ ع فقال ان کانت فخرجوا وبایعوا الا علیاؑ۔

ابوبکر کو جب خبر معلوم ہوئی کہ بیعت سے تخالف کرنے والی جماعت علیؑ کے پاس جمع ہے تو اُنھوں نے عمر ابن خطاب کو اُن کے پاس بھیجا۔ وہ آئے اور اُن لوگوں کو پکارا جو حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں موجود تھے۔ اُن لوگوں نے گھر میں سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ پس عمر نے جلانے کی لکڑیاں منگائیں اور چلا کر کہا قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے کہ تم لوگ باہر چلے آؤ۔ نہیں تو تمہارے اوپر ہم اس گھر کو جلا دینگے۔ پس اُن لوگوں نے کہا کہ اس میں فاطمہؑ بنت رسولؐ ہیں۔ عمر نے کہا۔ ہوا کریں۔ وہ باہر نکل آئے اور سب نے سوائے علیؑ کے بیعت کرلی۔

امام قتیبہ دینوری کی تحریر ملاحظہ فرمائی گئی۔ اب کتاب العقد ابن عبد ربہ کی اصلی عبارت مشاہدہ فرمائیں۔

الذین تخلفوا عن بیعۃ ابوبکر علی والعباس والزبیر وسعد ابن عبادۃ فاما علی والعباس فقعد افی بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجھما من بیت فاطمۃ وقال ان ابیا فقاتلھما فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیھم الدار فلقیتہ فاطمۃ فقالت یابن الخطاب جئت لتحرق دارنا قال نعم او یدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علیؑ حتی دخل علی ابوبکر۔

جن لوگوں نے بیعت ابوبکر سے مخالفت کی تھی وہ علیؑ تھے عباس۔ زبیر اور سعد ابن عبادۃ۔ علیؑ اور عباس فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ عمر کو ابوبکر نے فاطمہؑ کے گھر بھیجا اور کہا کہ اگر وہ نکلنے سے انکار کریں تو اُن دونوں کو قتل کر دینا۔ پس عمر تھوڑی سی آگ لیکر اس غرض سے آئے کہ اُن لوگوں پر خانۂ فاطمہؑ کو جلا دیں۔ جناب سیدہ نے اُن کو دیکھا تو پوچھا کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو؟ عمر نے کہا ہاں۔ ورنہ وہ لوگ اُس امر میں داخل ہو جائیں جس میں تمام امت کے لوگ داخل ہو چکے ہیں۔ پس علیؑ باہر نکل آئے اور ابوبکر کے پاس چلے گئے۔

علامہ ابن حزابہ اپنی کتاب غرر میں یوں رقمطراز ہیں۔

قال زید ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی

باب فاطمة حین امتنع علی واصحابه عن البیعة ان یبایعوا فقال عمر لفاطمة اخرجی من البیت والا احرقنه ومن فیه قال وفی البیت علی وفاطمة والحسن والحسین وجماعة من اصحاب النبی فقالت فاطمة تحرق علی ولدی قال ای والله لتخرجن ولیبایعن۔

زید ابنِ اسلم کا بیان ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے تھا جو آگ جلانے کی لکڑیاں لیکر عمر کے ساتھ دروازۂ سیدہؑ پر گئے تھے۔ جب علیؑ اور اُن کے اصحاب نے بیعت (ابوبکر) سے انکار کر کے اُن (علی) سے بیعت کرنیکا ارادہ کیا تھا۔ عمر نے فاطمہؑ سے کہا کہ تم اس گھر سے نکل جاؤ ورنہ ہم اس گھر کو اور اس میں جو کچھ ہے جلا ڈالینگے۔ کہا گیا ہے کہ اُس وقت اُس گھر میں علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ اور اصحابِ رسول کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ فاطمہؑ نے کہا کہ کیا تم میرے لڑکوں کو بھی میرے ساتھ جلا دوگے۔ عمر نے کہا ہاں۔ ورنہ تم لوگ نکلو اور بیعت کرلو۔

علّامہ بلاذری تحریر فرماتے ہیں۔

عن مدائنی عن مسلمة ابن محارب عن سلیمان التیمی عن ابن عون ان ابابکر ارسل الیٰ علیؑ یرید ہ علی البیعة فلم یبایع فجاء عمر ومعه قبس فلقیته فاطمة علی الباب فقالت یا ابن الخطاب اتراك محرقا علی بابی فقال نعم وذٰلك اقوی فیما جاء به ابوك وجاء علیؑ فبایع۔

مدائنی نے مسلمہ ابنِ محارب سے۔ محارب نے سلیمان تیمی سے سلیمان نے ابنِ عون سے روایت کی ہے۔ ابنِ عون کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے بیعت لینے کے ارادہ سے علیؑ کے پاس آدمی بھیجا۔ اُنہوں نے بیعت نہیں کی۔ پس عمر آئے اور اُن کے ساتھ آگ بھی تھی۔ فاطمہؑ نے اُن کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو فرمایا اے خطاب کے بیٹے! کیا تو یہ گھر مجھ پر جلا دینے کو آیا ہے۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اور اس کے لیے میرے پاس ایسی حجت ہے جو بہتر ہے تمہارے باپ کی حجت سے جسے وہ لیکر آئے تھے پس حضرت علی نکلے اور بیعت کرلی۔

اب تم قومۂ بالا واقعات سے حضرت عمر کا آگ اور آگ لگانے کا سامان اپنے ہمراہ لانا وغیرہ وغیرہ تمام امور ثابت ہوگئے۔ اور صرف زبانی تہدید کرنیکا شک دل سے جاتا رہا۔ واقعات کو شاہدِ عینی ثابت کر رہا ہے۔ زید ابنِ اسلم کا بیان اور اُس کا اقرارِ جُرم ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ وہ حضرت بھی ایندھن لانیوالے بزرگوں میں سے ایک مردِ بزرگ تھے ع خدا اجر دہد درکشتنِ ما قاتلِ مارا۔

یہ بھی عجیب سیدہؑ کے دعووں کی حقانیت ہے کہ باوجود اتنے استخفافِ واقعات کے آج بھی ان کے مصائب و شدائد کے دیکھنے والے اور اُس میں شریک رہنے والے شاہدِ عینی کتابوں میں موجود ہیں

ناظرینِ کتاب کو مرقومۂ بالا عبارتیں جو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے لکھی گئی ہیں اور جن میں عمر کی محبت و الفت جنابِ سیدہؑ کے ساتھ بڑے شدّ و مد سے دکھلائی گئی ہے۔ وہ عبارتیں اور الفاظ اب ان سُنّی اسناد کی عبارات و الفاظ سے ملائی جائیں۔ خصوصًا وذٰلك اقوی فیما جاء به ابوك کی کافرانہ تعریض اور منافقانہ دعوے کو سابق تقریر ما احد الینا احب من ابیك سے مقابلہ کیا جائے، تو آپ کیا کوئی بھی دنیا میں کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں کلمات کا کہنے والا ایک ہی شخص ہے اور وہ اپنے ان دونوں مختلف اور متعارض دعووں میں سے کس میں سچا سمجھا جائیگا۔ ہم سے کوئی پوچھے تو ہم کہدینگے کہ کسی میں نہیں۔ جب جیسا وقت دیکھا ویسا کہدیا۔ یہ تو ان تمام حضرات کا شروع ہی سے اصول چلا آتا ہے۔

اب ہم ان واقعات کی تفصیل کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔ اور علامہ ابن ابی الحدید فاضل معتزلی کی اُس نقل پر تمام کرتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے اُستاد نقیب ابوجعفر اسکافی معتزلی بغدادی سے اس کے متعلق اپنی مشہور و معروف کتاب شرح نہج البلاغۃ میں تحریر فرمائی ہے۔

ابن الحدید کا بیان ہے کہ میں ایک دن اپنے اُستاد نقیب ابوجعفر اسکافی کی خدمت میں یہ حدیث پڑھتے بیٹھا کہ ہبار ابنِ اسود نے زینب دخترِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہودج پر ایک نیزہ لگایا جس سے وہ اس قدر ڈریں کہ اُنکا

حمل ساقط ہوگیا۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز اُسکا خون مباح فرمادیا تھا جب میں یہ عبارت پڑھ چکا تو ابو جعفر نے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آپ اُس شخص کا خون بھی مباح فرمادیتے جس نے فاطمہ ع کو ڈرایا تھا۔ دھمکایا تھا اور جس کی وجہ سے آپ کے محسن نامی لڑکے کا حمل اسقاط ہوگیا تھا۔ ابن الحدید کہتے ہیں کہ یہ سُنکر میں نے اپنے اُستاد سے پوچھا کہ جب آپ اس واقعہ کو تسلیم فرماتے ہیں تو آیا آپ مجھے اس واقعہ کو اپنی اسناد سے روایت کرنے کے لیے اجازت دیتے ہیں؟ ابو جعفر نے کہا کہ بات یہ ہے کہ تم اسکی تصدیق مجھ سے بیان کرو اور نہ تکذیب۔ کیونکہ مجھے اس میں توقف ہے۔

کہیے اگر علامہ ابن ابی الحدید سچے ہیں اور اُن کا یہ مرقومۂ بالا مشاہدہ صحیح ہے تو انصاف پسند حضرات سمجھ لیں کہ اس ایک واقعہ سے جناب سیدہ ع کے اُن تمام مصائب اور شدائد کا کامل ثبوت ملجاتا ہے جو شیعوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں اور تمام سُنی حضرات اُن سے انکار کرتے آئے ہیں۔ یہ حضرات وقت پر کہنے کو تو بہت کچھ کہجاتے ہیں مگر جب کوئی شخص اُنکی اسناد۔ اُسکا اعلان اور بیان کرنا چاہتا ہے تو پھر انکار ہوجاتا ہے۔ تامل کیا جاتا ہے اور توقف فرمایا جاتا ہے۔ اس کا سبب وہی ناحق پرستی ہے اور صریح دفع الوقتی۔

بہرحال۔ مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہوگیا کہ احراق خانۂ فاطمہ ع کا واقعہ زبانی تہدید نہیں تھی۔ بلکہ عملی ترکیب وتدبیر۔ تعجب پر تعجب تو یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات کو وقت پر مان بھی لیتے ہیں اور پھر اس میں۔ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے اصول پر غلط اور دور از قیاسات اور ناممکنات تاویلات بھی کرتے ہیں۔ پہلے تو زبانی تہدید پر اصرار تھا جب یہ زبانی تہدید عملی تدبیر اُنہی کی اسناد سے ظاہر اور ثابت کردی گئی تو اب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ گھر جلایا تو نہیں۔ صرف قصد کیا۔ اور قصد قلب کے ارادے کا نام ہے۔ اور قلب کے محسوسات اور جذبات کا علم سوائے خدائے سبحانہ وتعالےٰ کے کسی انسان کو نہیں ہوسکتا چنانچہ نصر اللہ کابلی سے جب ان واقعات کی تردید وتکذیب میں کچھ بھی نہ چل سکی تو وہ اپنی صواقع میں انہی جملات سے بحث کرتے ہیں۔ ہم اُن کی کتاب صواقع۔ مطلب سادس مقصد رابع سے اس کے متعلق اُن کی اصل عبارت ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

۲ الثانی انہ ای عمر قصد احراق بیت فاطمة وهو باطل لانه من مفتریاتهم وشنایع خرافاتهم وقد اختلف کلمتهم فی ذلک فالاکثرون منهم علی انه احرقه والآخرون انه قصد احراقه وبطلانه فی غایة الظهور لان القصد من افعال القلوب لا یطلع علیه احد الا الله تعالیٰ واعد ادا اسباب الاحراق والامر باحضارها والتهدید لو ثبت لا یدل علیٰ امضاء الفعل۔

دوسری بات یہ ہے کہ عمر نے فاطمہ ع کا گھر جلانے کا قصد کیا۔ اور یہ باطل ہے اس لیے کہ شیعوں کے خاص مفتریات سے ہے اور اس میں اُنہیں خود اختلاف ہے۔ اُن میں بھی اکثر کہتے ہیں کہ عمر نے فاطمہ ع کا گھر جلادیا۔ اور متاخرین کہتے ہیں کہ جلا دینے کا قصد کیا۔ اس واقعہ کا غیر صحیح ہونا تو اسی سے ظاہر اور آشکار ہے۔ کیونکہ قصد افعالِ قلبی میں داخل ہے۔ اور اُس پر سوائے خدائے تبارک وتعالےٰ کے اور کسی کو علم واطلاع نہیں۔ اور جلادینے کے اسباب یا اُن کی فراہمی کا حکم کرنا۔ ڈرانا یا دھمکانا۔ اگرچہ یہ امور ثابت بھی ہوں تاہم صدورِ فعل پر دلیل نہیں ہوسکتے۔

اس کابلی عالم سے کوئی پوچھے کہ یہی کلیہ تمہارا تمام قائم ہوتا ہے۔ صرف احراقِ خانۂ فاطمہ ع کے واقعات تک محدود ہے۔ اگر یہ محدود و مخصوص نہیں۔ بلکہ عام دستور ہے۔ تو پھر عائشہ اور ابنِ زبیر کے معاملہ میں تمہارے تمام علمائے علام نے اس کلیہ اور اصول کے خلاف کیوں فیصلہ عام دیدیا ہے۔ اور عبداللہ ابنِ زبیر کو صرف اُن کی نیتِ دلی اور ارادۂ قلبی کی قیاس پر ملزم۔ مجرم اور خاطی ٹھیرا دیا ہے [illegible] ہو۔ علامہ ابنِ حزم کی یہ عبارت جو انہوں نے اپنی کتاب محلّی میں مندرج کی ہے۔

واما الرّوایة عن الزّبیر فطامة الابد مالنا دری کیف استحل مسلمان یحتج بخطیئة ووهله وزلة کانت من ابن الزّبیر واللّٰہ تعالیٰ یغفرله اذا رادمثاله فی کونه من اصاغر الصّحابة ان یحجر علیٰ مثال ام المؤمنین الّتی اثنیٰ اللّٰہ تعالیٰ علیها اعظم الثناء فی نصّ القراٰن وهو لا یکاد یجزی منها فی الفضل عند اللّٰہ تعالیٰ وهٰذا خبر رویناه من طریق عبد الرزاق عن معمّر عن الزّهری عن عوف بن الحارث ابن اخی عائشة امّ المؤمنین لامّها ان عائشة ام المؤمنین حدثت ان عبد اللّٰہ ابن الزّبیر قال فی بیع او اعطاء اعطیته واللّٰہ لتنتهین عائشة او لاحجرن علیها۔

روایت ابنِ زبیر کی نسبت مجھے کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی کہ کوئی مسلمان اُن کی (عائشہ) اُس ذلت۔ حقارت اور توہین پر۔ جو عبد اللہ ابنِ زبیر سے اُنہیں پہنچی۔ کسی حجت کو جائز رکھے۔ خدائے تعالےٰ عبد اللہ ابنِ زبیر کو۔ اُس قصد کے لیے۔ جو اُنہوں نے کیا تھا بخشدے۔ کیونکہ وہ کم سِن صحابیوں میں داخل تھے۔ اور اسی وجہ سے اُنہوں نے ام المومنین جیسی خاتون پر۔ جن کی مدح وثنا خدا تعالےٰ نے نصِ قرآن میں کی ہے۔ توہین وحجر (چھوڑ دینا) کا قصد کیا تھا۔ حالانکہ اس قصد سے اُن کے فضل ومراتب میں جو اُن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے حاصل تھا۔ کوئی کمی اور خلل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ حدیث ہم نے عبد الرزاق کے طریقہ سے لکھی ہے اور اُس نے معمّر سے اور معمّر نے زہری سے۔ اور زُہری نے عوف ابنِ حارث عائشہ کے بھائی کے بیٹے سے اور اُس نے اپنی ماں سے بیان کیا ہے کہ ام المومنین عائشہ نے یہ حدیث بیان کی کہ عبد اللہ ابنِ زبیر نے کسی بیع یا عطیہ کے معاملہ میں کہا تھا کہ عائشہ بیع کرنے یا عطا کرنے سے باز رہیں نہیں تو میں اُنہیں ایسا کرنے سے باز رکھونگا۔ اس واقعہ سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ ابنِ زبیر نے عائشہ کی خدمت میں چند گستاخانہ بے ادبیاں کرنیکا صرف قصد کیا تھا۔ جس پر تمام علمائے اہلسنت نے عبد اللہ پر اس زور شور سے جرح وقدح کی۔ خاطی بنایا۔ اور اُنکے معاصی کے لیے طالبِ مغفرت ہوئے۔ جیسا کہ ابھی ابھی علاّمہ ابنِ حزم کی تحریر سے ثابت ہوا۔

اب اس کابلی عالم سے کوئی پوچھے کہ اب ابنِ حزم وغیرہ تمہارے علماء کو قلوب کی خبر کیسے ہو گئی۔ کیا وہ خدا ہو گئے۔ اور اُن میں الوہیت آ گئی۔ ابنِ زبیر تو صرف مُنہ سے عائشہ کی نسبت یہ کہکر رہ گئے تھے کہ ایسا کرینگے۔ ویسا کرینگے۔ جنابِ سیدہؑ کے متعلق جو عمر نے کہا تھا وہ کر دکھلایا۔ آگ لگانے کو کہا۔ آگ اور آگ لگانے کے سامان فراہم کر دیے صدورِ حکم بھی ہوا اور ظہورِ فعل بھی۔

خدا جانے۔ ابنِ زبیر نے یہ کلمات توہین عائشہ کے مُنہ پر کہے تھے یا پیٹھ پیچھے۔ تنہا کہا تھا یا مجمع میں۔ حضرت عمر کی غیرت کو دیکھیے کہ علیٰ اختلاف الرّوایات خالد ابنِ ولید۔ سعد ابنِ ابی وقاص۔ زید ابنِ اسلم۔ قنفذ غلامِ عمر۔ مسلمہ۔ اسید ابنِ حصین وغیر ذٰلک من امثالہم کی پوری جماعت ساتھ ہے۔ اور ان کے سامنے وہ کلمات اہانت آمیز اور تہدید انگیز۔ غریب معصومہ کے مُنہ پر کہے جاتے ہیں جو کوئی بھلا آدمی کسی بھلے آدمی کے مُنہ پر کبھی نہیں کہہ سکتا۔ غریب سیدہؑ اتمامِ حجت کی غرض سے پوچھتی ہیں کہ اے خطاب کے بیٹے! کیا تم میرا گھر جلانے آئے ہو۔ اس بے غیرت مسلمان کے مُنہ سے صاف نکلتا ہے۔ ہاں۔ پھر وہ دریغ محبت کی ضرورت سے استفسار فرماتی ہیں کیا تم میرے ساتھ میرے بچوں کے اوپر بھی یہ گھر جلا دوگے۔ یہ بے درد صاف صاف جواب دیتا ہے۔ ہاں۔

اب زمانہ میں وہ کون بے غیرت اور بے حمیت ہوگا جو ایک مخدرۂ عظمیٰ کے مقابلہ میں کسی شخص غیر کے ایسے الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے اُس خاتونِ معظمہ کی بیحد توہین۔ نہایت سخت اہانت اور انتہا درجہ کی دل آزاری یقین نہیں کریگا۔ اور اُن علماء محدثین کی کیسی غیرت کو اور حمیت کہ دو مساوی الاحوال واقعات میں دا گرچہ مبنی

یقین واعتماد میں ابنِ زبیر کا واقعہ کبھی عمر کے قصّہ کی برابر نہیں ہوسکتا، ایک کی نسبت تو اہانت وتہدید کا یقین کریں اور اقرار اور دوسرے میں اُسکی تکذیب کریں اور انکار۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ اُنکی خودغرضی۔ نفسانیت اور ناصبیت کا قدیم دستور ہے۔ جو سلفاً عن خلفاً جاری چلا آتا ہے۔ اور یہ وہی ابن الوقتی ہے اور قابو پرستی۔ جب جیسا موقع دیکھا لکھ مارا۔

اس سے زیادہ عبرت خیز اور حیرت انگیز ایک دوسرا واقعہ ذیل میں ملاحظہ ہو۔ امام سیوطی رسالۂ القام الحجر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

افتی ابو المطرف الشعبی فی رجل انکر تحلیف امرءۃ باللّیل قال ولوکانت بنت ابی بکر الصّدّیق ما حلفت الّا بالنّھار وصوب لہ بعض المتسمین بالفقہ فقال ابو المطرف ذکر ھٰذہ لابنت ابی بکر رضی اللہ عنھا یوجب علیہ الضّرب الشّدید و الحبس الطّویل والفقیہ الّذی صوّب قولہ احق باسم الفسق فتقدم الیہ فی ذٰلک ویوخزوہ ولا یقبل فتواہ ولا شھادتہ وھی جرحۃ تامۃ و یبغض فی اللہ۔

ابو المطرف امام شعبی نے ایک شخص کے بارے میں جس نے عورتوں سے رات کو حلف لیے جانے کے بارے میں یہ کہدیا تھا کہ اگر ابوبکر صدیق کی بھی بیٹی ہو تو اُس سے بھی دن ہی کے وقت حلف لیا جائیگا۔ اور اُس کے قول کو اکثر علمائے فقہ نے مان لیا تھا۔ یہ فتوےٰ دیا کہ ایسے شخص کو ابوبکر کی بیٹی کا نام لینے کی وجہ سے ضربِ شدید لگانی چاہیے۔ اور حبسِ طویل کی سزا دینی چاہیے۔ اور وہ فقیہ جس نے اس کی رائے کو صواب خیال کیا فقیہ کے عوض اسم فسق کے لگادیے جانیکا زیادہ مستحق ہے۔ کیونکہ اُسکا فسق آگے ہوگیا۔ اور فقہ پیچھے پڑگئی۔ نہ اُسکا فتوےٰ قبول کرنا چاہیے۔ نہ اُس کی شہادت پر اعتبار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اُس نے حد درجہ کی جرح کی ہے۔ اور اُس میں اُس نے خدا کے ساتھ بغض کیا ہے۔

لیجیے ایک نہیں دو دو بے غیرتی اور بے حمیتی کے ثبوت موجود ہیں۔ امام شعبی اور ابن حزم سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ہی دل میں درد ہے یا تمہارے نبی صلعم کے دل میں بھی کچھ درد تھا۔ خدا کے لیے یہ تو بتلاؤ کہ صرف تمہیں اپنے ابوبکر صاحب ہی کی عزّت وحرمت کا خیال ہے یا اپنے رسول صلعم کے ناموس کا بھی۔ اپنے اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھکر دیکھو۔ صرف نام لینے اور تمثیلاً ارشارہ کرنے میں تو تم جامے سے باہر ہوئے جاتے ہو۔ کہنے والے کو کافر۔ فاسق۔ فاجر اور منافق سب کچھ بنا دیتے ہو۔ اب اسی سے خیال کرو کہ فاطمہؑ کے ساتھ اس سے کہیں بڑی بڑے مظالم اور شدائد کرنیوالوں کی طرف سے تمہارے رسول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دل پر جن پر تم ایمان لائے ہو۔ اپنا سردار۔ پیغمبر اور پیشوا سمجھتے ہو۔ کیا گزرا ہوگا۔ اور وہ اپنے پارۂ جگر اور نورِ نظر پر ان مظالم کرنیوالوں کو کیا کہتا ہوگا۔ شرم! شرم!! شرم!!!

بہر حال۔ احراقِ خانۂ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق ہم نے متعدد اور متواتر واقعات بالکل اُنہی حضرات کی معتبر اسناد سے مستنبط کرکے لکھدیے ہیں۔ اور ثابت کردیا ہے کہ عمر نے تا بہ امکان اپنے جناب سیّدۃ العالمین بضعۂ ختم المرسلین صلوات اللہ علیہا اور اُن کے اہل و عیال اور اُن کے گھر بار کی ذلت وحقارت۔ توہین وتہجین دل آزاری وستمگاری کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور اُس زخم خوردہ پدر مُردہ معصومہ کے ستانے۔ آزار پہنچانے اور اُس کا گھر جلانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

ان واقعات کو پڑھکر بے شرم ابن حزم کے قلم سے عمر کی نسبت لا ندری کیف استحل مسلم کے نبیہی الفاظ نہیں نکلے۔ جن کو وہ ابھی ابھی زبیر کے حالات میں بڑی آزادی سے لکھ چکے ہیں۔ امر حقیقت پر نظر رکھنے والا ہو اور انصاف کرنے والا تو ابنِ زبیر کے اس کلمہ اما واللہ لتنتھین اولا حرقن علیھا [واللہ اگر وہ (عائشہ) نہ باز آئینگی تو میں اُن کو تصرّف سے باز رکھونگا) کو عمر کے ان ظالمانہ اور جابرانہ کلمات اخرجی من البیت ولا احرقنہ ومن فیہ قال فی البیت علیؑ وفاطمۃ والحسنؑ والحسینؑ

وجماعة من اصحاب النبی فقالت فاطمة تحرق علیٰ ولدی قال ای واللہ عمر نے کہا اے فاطمہؑ! نکل جاؤ اس گھر سے۔ اگر نہ نکلو گی تو یہ گھر اور اسمیں جو کچھ ہے وہ سب ہم جلا دینگے۔ اور کہا گیا ہے کہ اُس وقت اُس گھر میں علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ ہیں۔ اور اصحاب رسول صلعم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ فاطمہؑ نے کہا کیا تم میرے بچوں کو بھی مجھ پر جلا دو گے۔ عمر نے کہا۔ ہاں۔ خدا کی قسم) سے ملائیں تو اُنکو کامل یقین ہوجائیگا کہ ابن زبیر کے کلمات کو عمرؓ کی خرافات سے کوئی واسطہ نہیں۔ ابن زبیر کی سوءِ زنی اور غلط گمانی کو عمر کی دریدہ دہانی۔ گستاخی اور آزار رسانی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس واقعہ سے ان حضرات کی بے حمیتی کا ایک دوسرا بیّن ثبوت یہ ملتا ہے جیساکہ عبارت روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر کو اس کا پورا علم ہوچکا تھا کہ باستثنائے حضراتِ اہلبیت علیہم السّلام فاطمہؑ کے گھر میں صحابی رسولؐ کی ایک معتد بہ جماعت جس میں بروایت ابو الفدا طلحہ اور زبیر۔ دو تن از یارانِ بہشتی بھی تھے۔ موجود تھی۔ تو اگر فاطمہؑ اُن کے شوہر اور اُن کے بچوں کے ساتھ عمر کو کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں تھی اور اُن کی نگاہوں میں اُنکی کوئی قدر و منزلت اور وقعت نہیں تھی تو صحابہ کلّہم عدول کے عام اصول کے مطابق صحابہ کی موجودہ جماعت تو اُن کے نزدیک واجب التعظیم اور قابلِ احترام تھی۔ اور وہ تو اُن کی تہدید اور توہین سے مستثنےٰ اور معاف رکھے جانے کے مستحق تھے۔ نہیں معلوم کہ کلّہم عدول کے اصول کو حضرت عمرؓ اس وقت کیوں بھول گئے تھے۔ یہی واقعہ اس غلط کلیہ کے موضوع اور مصنوع ہونے کی قوی دلیل ہے۔ حقیقت میں اُس وقت تک اس کلیہ اور اصول کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یہ سب موضوعات نوشتے بعد از جنگ ہیں اور یاروں کی من گھڑت کے نیرنگ۔

بہرحال۔ عمر اور اُن کے ہمراہیوں نے جو تہدید دی اور بیرحمی غریب سیدہؑ کے مقابلہ میں دکھلائی وہ ظاہر اور ثابت ہوگئی۔ اور انصاف تو صاف صاف یہی کہیگا کہ ع پیچ کافر نہ کند انچہ مسلماں کردند۔ اب اس سے زیادہ استعجاب اور عبرت و غیرت کا تو یہ مقام ہے کہ جس گھر کے اوپر عمر اور عمر والوں نے یہ قیامتیں ڈھائیں۔ یہ قیامتیں برپا کیں۔ وہی بیت الشرف ہے اور دار الحکمت۔ جس کی قدر و منزلت اور اقتدار و رفعت اپنے صدیقِ اکبر کی زبانی تمام علماء و محدثین اہلسنت ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔

عن انس ابن مالکؓ و بریدہ قال قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہذہ الآیۃ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع فقام الیہ رجل ای بیوت ہذہ یا رسول اللہ ص قال بیوت الانبیاء فقام الیہ ابوبکر فقال یا رسول اللہ ہذا البیت منہا لبیت علی و فاطمۃ قال نعم من افاضلہا۔ کذا فی در المنثور سیوطی

انس اور بریدہ سے منقول ہے کہ جب آیۂ فی بیوت اذن اللہ الخ کی تلاوت جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانوں پر فرمائی تو ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ص وہ کون گھر ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کے گھر ہیں۔ پھر ابوبکر کھڑے ہوئے اور پوچھنے لگے یا رسول اللہ کیا علیؑ اور فاطمہؑ کا یہ گھر بھی اُنہی گھروں میں داخل ہے۔ جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ بلکہ اُن سب سے فاضلترین گھروں میں ہے۔

اب اس بیت الشرف کی منزلت اور رفعت کو مخبرِ صادقؐ کی زبان اور اپنے صدیقِ اکبر کے بیان سے ملاحظہ فرماکر عمر کی حرکت اور اُن کی تہدید و غارت سے مقابلہ کیا جائے تو حقیقتِ حال کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکار ہوجائیگی۔ اور ثابت ہوجائیگا کہ اس دار الشرف اور معدن الحکمت کی شان و عظمت کو جان پہچانکر بھی اُس کی لا انتہا بے حرمتی اور بے ادبی کی گئی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان حضرات کی کسی تحریر یا تقریر کا نہ اعتبار ہے نہ اعتماد۔ مطلب اُنکا ہے تو سب کچھ یاد ہے۔ غرض نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں۔ سب نسیاً منسیا۔ مگر دنیا کے منصف مزاج اور زمانہ کے انصاف پسند حضرات ان مرقومہ بالا

حالات کا موازنہ فرما کر یقین کر لینگے کہ یہ تمام بدعتیں شقاوتیں اور بے ادبیاں اُسی خانۂ مقدس کے غارت کر دینے کی غرض سے کی تھیں۔ جو تقدیس اور تکریم میں بقولِ مخبر صادق علیہ السلام انبیاءؑ کے گھروں سے بھی زیادہ بہتر تھا۔

اور ما سوا اس کے پھر اس بیت الشرف کے رہنے والے بزرگوار اور خاصانِ پروردگار کی خدمات میں بے ادبیاں کیں اور شوخیاں اور اُن کو اپنے دست و زباں سے ایسے سخت اور شدید آزار پہنچائے کہ کبھی اُن کے غلاموں اور خادموں کی شان و اقتدار کے بھی شایان اور سزاوار نہیں تھے۔ تعجب پر تعجب ہوتا ہے اور حیرت پر حیرت کہ پھر یہی حضرات باوجود ان گستاخیوں اور شوخ چشمیوں کے اُنہی ذواتِ مقدسہ کے فضائل و مناقب اور مدارج و مراتب بھی اپنی صحاح و مسانید میں اس شدومد سے لکھتے ہیں کہ باید و شاید۔ مگر جہاں حضراتِ خلفاء کے مقابلہ اور موازنہ کا قدم آ گیا۔ پھر سب بھول گئے۔ اب نہ کہیں اُس خلوص کا پتہ ملتا ہے اور نہ اُس اعتقاد و ارادت کا نشان۔ یہی نصر اللہ کابلی صواقع میں انہی حضراتِ اہلبیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق لکھتے ہیں۔

یقولون لای اھل سنۃ) من ترك المودۃ فی اھل بیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فقد خانہ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ لا تخونوا اللّٰہ و رسولہ ومن کرہ اھل بیتہ فقد کرھہ ولقد اجاد من افاد سہ فلا تعدل باھل البیت خلقا ٭ فاھل البیت ھم اھل السیادۃ ٭ فبغضھم من الانسان خسرا ٭ حقیقی وحبھم عبادۃ ٭ ویوجبون الصلوٰۃ علیھم فی الصلوات ۔ قال الشیخ الجلیل فرید الدین احمد ابن محمد نیشاپوری من امن بمحمد ولم یومن اھلبیتہ فلیس بمؤمن۔

اہلسنت کا قول ہے کہ جس نے محبتِ اہلبیتؑ کو ترک کیا اُسنے جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔ اور جس نے اہلبیت علیہم السلام سے کراہت اختیار کی اُس نے رسول صلعم سے کراہت کی۔ اور خدائے تعالےٰ کا حکم ہے کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ جس نے (محبتِ اہلبیت) حاصل کرنے کی کوشش کی اُس نے فائدہ اُٹھایا سہ دنیا کے لوگوں کے ساتھ اہلبیتؑ کو مثال نہ دو کیونکہ یہ حضرات صاحبانِ سیادت و بزرگی ہیں۔ ان کے ساتھ بغض رکھنا انسان کے لیے حقیقی نقصان ہے۔ اور انکے ساتھ محبت رکھنا عبادت ہے۔ خدا نے ان پر درود و سلام کو نمازمیں واجب ٹھیرایا ہے۔ اور شیخ بزرگ مرتبت فرید الدین احمد ابن محمد نیشاپوری کا ارشاد ہے کہ جو کوئی محمدؐ پر ایمان لایا اور اُن کے اہلبیتؑ پر ایمان نہیں لایا تو وہ مومن نہیں ہے۔

اظہار محامد اور اعلانِ مراتب تو یہ۔ اور پھر اُنہی کے ساتھ حسنِ مسالک اور مدارات و مرافق یہ۔ سبحان اللہ و بحمدہ ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ اُنکی محبت شرطِ ایمان قرار دی جاتی ہے، اور پھر اُنہی کے گھروں میں آگ لگائی جاتی ہے نمازوں میں اُن پر درود بھیجے جاتے ہیں۔ اور دروازے پر جا کر سیکڑوں صلواتیں سُنائی جاتی ہیں۔ گردن کاٹنے کو تلوار نکالی جاتی ہے۔ کیا اچھی ایمان کی شان ہے اور کیا ایمانداری کی صورت۔ لاحول ولا قوۃ۔

بہرحال۔ ان واقعات نے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی ادعیت مصیبت اور اُس کے ساتھ حضراتِ خلفائے راشدین کی اُنکی جائز۔ برحق اور سچے مطالبات کی حق تلفی۔ اُن کی خدمت میں حد درجہ کی بے ادبی اور بیمروتی ثابت کر دی۔ مگر واہ ری حمیت اور غیرت۔ کہ باوجود ان تمام مظالم اور شدائد کے بھی ابھی تک یہ دعوٰے ہے۔ اور اُس دعوے پر ناز۔ کہ جنابِ سیدہ کو اپنے مصائب و شدائد کا نہ کوئی ملال ہوا اور نہ خیال۔ وہ تو راضی گئیں اور ان لوگوں سے خوشنود سدھاریں۔ اچھا تھوڑی دیر کے لیے یونہی سہی۔ مگر اس سے بھی تو تمہاری حد درجہ کی بد اخلاقی اور بے حمیتی ثابت ہوتی ہے۔ اور سیدہ معصومہ کی غایت درجہ کی خوش اخلاقی اور عفو جرائم۔ مگر تمہاری حیا ایسی ہے کہ تم اس عفوِ تقصیر اور حسنِ اخلاق کو اپنے جھوٹے دعووں کا عین استحقاق سمجھے ہو۔ معمولی سے معمولی عقل رکھنے والا آدمی بھی تمہاری ان ظاہری لفاظیوں کو تمہاری عالم فریبی اور حرف مغالطہ بازی سمجھیگا۔ اور کچھ بھی نہیں۔

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جناب سیدہؑ نے ان تمام بے ادبانہ مسالک اور مظالم کو معاف فرمادیا۔ اس طرح کہ ابوبکر اُنکی خدمت میں ان واقعات کے بعد تشریف لے گئے عذرخواہی کی اور آپ نے درگزر فرمائی۔ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ بعد ازیں قصہ بخانۂ زہراؑ رفت و در گرمی آفتاب بر در استاد و عذرخواہی کرد۔ و حضرت زہراؑ ازاو راضی شد۔

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی بھی تحفۂ اثنا عشریہ میں یہی تان اُٹھاتے ہیں۔ ایں امر خیلے بر ابوبکر شاق آمد۔ خود را بدر سرائے زہراؑ حاضر آورد و امیر المومنین علیؑ را شفیع ساخت تا آنکہ زہرا خوشنود شد۔

اسی طرح ریاض النظرۃ میں بھی مرقوم ہے۔

عن الاوزاعی قال بلغنی ان فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم غضبت علی ابی بکر فخرج ابی بکر حتی قام علی بابها فی یوم حار ثم قال لا ابرح مکانی حتی ترضی عنی بنت رسول الله صلعم فدخل علیها علی فاقسم علیها لترضی فرضیت۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب فاطمہؑ بنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ابوبکر پر غضبناک ہوئیں تو ابوبکر نکلے اور تمازتِ آفتاب میں خانۂ فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ میں تو یہاں سے اُس وقت تک نہ سرکونگا جب تک فاطمہؑ بنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی نہ کرلوں گا۔ پس جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے گھر میں جاکر فاطمہؑ کو ابوبکر سے رضامند ہوجانے کے لیے قسمیں دیں۔ تب وہ راضی ہوگئیں۔

خدا ان علماءُ محدثین کی حالتوں پر رحم فرمائے جو اپنی صحاح و مسانید کو موضوعات و مصنوعات کی تیار مشینیں بنائے ہوئے ہیں۔ اور جس سے شب و روز خودغرضی اور نفسانیت کے نمونے۔ عالم فریبی اور مغالطہ دہی کی مورتیں اور عام طفل تسلّی کے لیے انواع واقسام کے کھلونے ڈھلتے رہتے ہیں۔

مگر چونکہ ان تمام ملمع کاریوں کا اصول ناحق پرستی اور استخفافِ حق پر ہے اس لیے تمام موضوعات و مصنوعات کے رنگ اُڑجاتے ہیں اور قلعی کھُل جاتی ہے۔

کیوں حضرات! ابھی آپ تو معاملۂ فدک۔ قصد احراقِ خانۂ فاطمہؑ زہرا وغیرہ وغیرہ تمام واقعات کو شیعوں کے مفتریات۔ رافضیوں کے مخترعات بتلاتے تھے اور مشاجرت کے واقعات و حالات کو جو فیما بینِ اہلبیتؑ اور شیخین بتلائے جاتے ہیں ڈسمس کرکے مہمل اور غلط ٹھیراتے تھے۔ تو پھر اب حضرت ابوبکر کی یہ بڑی عذرخواہی کیسی ہے جسے آپ اس شدّ و مد اور احتیاط و کدّ سے لکھ رہے ہیں۔ کیوں جناب! یہ بے مار کی توبہ کیسی! حضرت ابوبکر نے تو کچھ کیا ہی نہ تھا۔ نہ فدک غصب کیا۔ نہ میراث چھینی نہ گواہی کو ساقط از اعتبار سمجھا۔ نہ علی کے قتل کیے جانیکا حکم دیا اور نہ فاطمہؑ کے گھر جلانے کو دوڑ بھیجی وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر بلا سبب بلا وجہ۔ بلا غرض ایسے مضطرب الحال۔ پریشان اور بیقرار ہوکر فاطمہؑ کے گھر دوڑے جانا اور اس اقرار و اصرار کے ساتھ کہ جس وقت تک اس گنہگار کا گناہ نہ معاف کیا جائیگا نقصیر [illegible] نہ ہوگی۔ خطا نہ بخشی جائیگی۔ یہ بڈھا دھوپ میں اور اس تمازتِ آفتاب میں کھڑے کھڑے مرجائیگا۔ مگر یہاں سے قدم نہ سرکائیگا چہ معنی دارد۔ کیا کوئی شخص یہ عالم دیکھکر کہہ سکیگا کہ خلیفہ صاحب کی یہ حرکات اُنکے بڑھاپے کی خرافت اور سٹھیا جانے کے باعث سے تھی۔ اور کیا اس سے اُنکی رتی بھر بھی ناکردہ گناہی ثابت ہوسکتی ہے۔ لا واللہ۔ بلکہ یہ اصرار اور انکسار تو اُنکے تمام جرائم اور مظالم کا اقبال اور اقرار ثابت کررہے ہیں اور وہ تمام اسرار کھولے دیتے ہیں جن پر آپ حضرات نے اپنی لفاظیوں کے قلمکار غلاف پہنائے تھے۔ اور حتے الامکان اُسے دنیا کی آنکھوں سے چھپائے تھے۔

ابھی ابھی تمام علماءُ محدثین نے ضبطِ فدک۔ استرداد شہادت اور نفی میراث میں کیسی کیسی دلائل لکھیں۔ تاویلوں پر تاویلیں اور توجیہوں پر توجیہیں قائم کیں۔ خود خلیفہ صاحب نے اپنے موضوعات کو کس شدّ و مد سے بیان فرمایا۔ اسی طرح احراقِ خانہ میں خلیفہ عمر صاحب کا جناب سیدۂ عالم علیہا

سے اپنی حرکت و شقاوت کے جواز اور بیعتِ ابوبکر کی صحت کے ثبوت میں۔ بقولِ علامہ بلاذری۔ یہ فرمانا نعم و ذٰلک اقویٰ فیما جاء بہ ابوک۔ ہاں۔ یہ حجت تمہارے باپ کی اُن حجتوں سے بھی زیادہ قوی ہے جن کو وہ لیکر آئے تھے۔ کہاں تشریف لے گئے خلیفہ صاحب سو اب کوئی صاحب نہیں پوچھتے کہ آپ یہ کیا خفیف الحرکاتی فرمانے ہیں اور اپنے آپ کو ناکردہ گنہگار بنا رہے ہیں۔ آپ نے تو جو کچھ کیا وہ بالکل عملِ رسولؐ کے مطابق تھا۔ ضبطِ فدک۔ نفی میراث۔ استردادِ شہادت۔ سب تو آپ نے خدا اور رسولؐ کے ارشاد کے موافق کیا ہے۔ پھر یہ عذر خواہی۔ یہ معذرت کیوں فرما رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ عمر صاحب بھی بڑے خلیفہ صاحب کو دروازے سے ہاتھ پکڑ کر اُٹھا نہ لے گئے اور نہ یہ سمجھا گئے کہ ذٰلک اقویٰ فیما جاء بہ رسول اللہ۔ آپ کیوں اتنے مضطر و بیقرار ہو رہے اور خلافتِ راشدہ کی آبرو کھو رہے ہیں۔

یہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی حقیت ہے اور اُنکے من اللہ مطالبات کی اصلیت کہ اُس کے حق ہونے نے آپ کے قلم اور آپ ہی کے ہاتھوں سے اس کو لکھوا دیا اور اُن تمام مظالم و شدائد کا اقرار بھی کرا دیا۔ واللہ یفعل ما یشاء واللہ علیٰ کل شئ قدیر۔

بہرحال۔ ابھی تک تو تمہید تھی۔ اب اس رضامندی اور خوشنودی والی روایتوں کی تنقید و تردید بھی پیش خدمت کی جاتی ہے۔ اس موضوع کی انتہا امام اوزاعی اور شعبی کی روایتوں پر ہوتی ہے۔ اور امام اوزاعی کی اصل عبارت ہم ابھی ابھی اوپر نقل کر آئے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ قد بلغنی۔ ہم کو یہ خبر ملی ہے۔ کس سے پہنچی۔ وہ کون ہے۔ کیسا ہے۔ ثقہ ہے۔ غیر ثقہ ہے۔ معتمد ہے یا غیر معتمد ہے۔ کچھ نہیں۔ اب کون عقل کا اندھا ہوگا جو ایسی بے اصل اور بے سر و پا داستانوں اور افسانوں پر اعتبار کریگا۔

اب رہی شعبی صاحب کی نقل۔ اسکی نسبت علامہ ابنِ حجر شرحِ صحیح بخاری میں غضب فاطمہؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فان ثبت حدیث الشعبی ازال الاشکال۔ اگر شعبی والی حدیث ثابت ہو جائے تو البتہ یہ مشکلیں رفع ہو جائیں۔ لیجیے شعبی کی یہ حدیث ابنِ حجر کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔ تو پھر استنباط و استدلال غلط ع خود غلط املا غلط انشا غلط۔ ابنِ حجر اس میں اِن کا حرفِ شرط لگاتے ہیں۔ علامہ صاحب بھی کون ہیں؟ فنِ حدیث کے بڑے نقاد اور اُستاد۔ اگر ان کے نزدیک۔ مانا کہ شعبی والی روایت ثابت بھی نہیں تھی تو اوزاعی کی روایت کا ذکر کرتے اور اُسکی تصدیق و توثیق فرماتے۔ یا بذاتِ خود تحقیق و تلاش فرما کر اس مضمون کی کوئی دوسری حدیث ڈھونڈ نکالتے۔ آخر محقق تھے۔ محدث تھے۔ اپنی یا افتادہ غضبِ فاطمہؑ والی مشکل کا رفع فرمانا تھا۔ خلیفہ صاحب کو اتنے بڑے تہلکہ اور مظلمہ سے بچانا تھا۔ اور اُن کا انجام بخیر دکھلانا تھا۔ مگر علامہ صاحب نے سوائے اُسی شعبی والی مقدوح و مجروح روایت کے اور کسی نقل و حکایت کا اس مقام پر ذکر ہی نہیں فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کوئی اور دوسری حدیث اُنکی نظر سے گزری ہی نہیں۔ نہیں تو اُنکے جیسے علمِ حدیث کا ناظر۔ ماہر۔ فاضل اور کامل شخص خصوصاً خلیفہ صاحب کے رفع الزام کی خاص ضرورت کے وقت کبھی چوکنے والا نہیں تھا۔ وہ لکھتے اور خوب نون مرچ لگا کر لکھتے۔ مگر۔ یہاں مجبوری تو یہ تھی۔ تمام صحاح و سنادید کے خزانے خالی تھے۔ اور اب سوائے دست مالی اور پریشان حالی کے کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

لیجیے ان دونوں خیالی ماخذوں کا ہیولا بھی ہوا ہو گیا۔ اب ایک اور لطف ملاحظہ فرمایا جائے۔ لکھنے کو تو یہ حضرات ان موضوعات کو لکھ گئے۔ مگر صحیحین مسلم اور بخاری کی عبارتوں پر کسی صاحب کی نظر نہ پڑی۔ حالانکہ شیخین کی ہر دو صحاح میں متفق اللفظ یہ عبارت مرقوم ہے۔ فوجدت فاطمۃ و ھجرت ابابکر و لم تکلمہ حتی توفیت۔ فاطمہؑ واپس آئیں اور آپ نے ابوبکر سے بیزاری اختیار کی اور اُن سے نہ بولیں یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں۔ بخاری صاحب نے

اپنی صحیح میں ایک جگہ نہیں۔ بلکہ کئی جگہ لکھا ہے۔ باب الجہاد میں یہ عبارت تحریر ہے۔ فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلعم وھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرتہ حتّٰی توفیت وعاشت بعد النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ستۃ اشھر۔ حضرت فاطمہؑ بنت رسول اللہ صلعم ابابکر سے غضبناک ہوئیں اور اُن سے بیزاری اختیار کی۔ اور پھر تا دمِ مرگ اپنی اس بیزاری سے نہ پھریں۔ اور بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ پھر بخاری صاحب غزوۂ خیبر میں بھی انہی الفاظ کی تکرار فرماتے ہیں۔

اب فرمائیے۔ کس پر اعتبار کیجیے گا۔ صحیح بخاری پر۔ جو اصح بعد کتاب باری ہے۔ یا شعبی اور اوزاعی کے موضوعات ومصنوعات پر۔ صحیحین شیخین پر اعتبار کرنے کے لیے آپ جہاں تک پابند ہیں وہ جامع الاصول کی اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔

النوع الاوّل من المتفق علیہ اختیار الامامین ابی عبد اللّٰہ البخاری وابی الحسین مسلم وھی الدرجۃ العلیا من الصحیح قسم اوّل میں وہ حدیثیں ہیں جن کو بالاتفاق ابو عبد اللہ بخاری اور ابو الحسین مسلم نے لکھا ہے۔ اور صحیح روایات سے انہی مرویات کو درجۂ اعلٰے حاصل ہے۔

امام نووی خاص مسلم کی مدح وثنا یوں کرتے ہیں:۔

قال الشیخ الامام ابو عمر بن الصلاح رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ شرط مسلم فی صحیحہ ان یکون الحدیث متصل الاسناد بنقل الثقۃ من الثقۃ من اوّلہ الی منتھاہ سالما من الشذوذ والعلّۃ وھذا حد الصحیح فکل حدیث اجتمعت فیہ ھذہ الشروط فھو صحیح بلا خلاف۔

امام ابو عمر ابن الصلاح رحمۃ اللہ تعالےٰ لکھتے ہیں کہ مسلم کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ اُس میں تمام حدیثیں متصل الاسناد ہیں اور ایک ثقہ دوسرے ثقہ سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ تمام شکوک اور علت وغیرہ سے پاک وصاف رہکر اوّل سے آخر تک یکساں اور برابر قائم ہے۔ اور یہی ایک کتاب صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں تمام مرویات اسی شرط اور قاعدہ سے جمع کی گئی ہیں اور اس کے صحیح ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

اب فرمائیے۔ حدیث کے معیارِ صحت پر صحیحین کی مرویات جو اوپر لکھی گئیں۔ پوری اور کامل اُترینگی۔ یا شعبی اور اوزاعی کے مشکوک اور مشتبہ منقولات۔ اور پھر ماورا اس کے سوادِ اعظمِ اہلسنّت کے کوئی بزرگ کسی ایسی حدیث کو جو حدیث صحیحین کے مخالف اور منافی ثابت ہوتی ہو۔ کیسے قابلِ اعتماد واعتقاد خیال کرسکتے ہیں۔ اب کوئی ان علما محدثین سے پوچھے کہ آخر آپ کے اس چاہ کندن وکاہ برآوردن سے کیا حاصل ہوا۔ کون فائدہ پہنچا۔ سوا اسکے کہ آپ اپنے ہمعصروں میں۔ اپنے ہم چشموں میں خفیف ہوئے۔ ذلیل ہوئے اور کیا نتیجہ نکلا۔

یہاں تک خیر کسی نہ کسی طرح بات بن سکتی تھی۔ پردہ رہ سکتا تھا کہ علامہ ابنِ حزم نے جس طرح ابنِ زبیر کے معاملات کو مغفرتِ خداوندی پر اُٹھا رکھا تھا اُسی طرح آپ حضرات بھی ان صاحبوں کی حرکات کو حوالۂ خدا فرما دیتے۔ مگر آپ نے تو وہ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔ کسی قاعدہ کو ذرہ بھی پیش نظر نہیں رکھا۔ بلکہ چوری اور سینہ زوری [illegible] کلیہ کو مدِّ نظر فرما کر چلیے تو واقعات سے انکار کیا [illegible] انکار ہی نہیں۔ انکار پر اصرار۔ پھر اس انکار واصرار کے بعد اپنے عجز وانکسار کے اظہار کے لیے توبہ و[illegible] کی صورتوں میں تمام خطاؤ جرائم کا اقرار کردیا۔ اب کہیے ان مختلف فیہ صورتوں میں آپ حضرات کی کس صورت حال پر اعتبار کیا جائے۔

بہرحال۔ ان تمام اسناد واشہاد سے جو اوپر تفصیل سے لکھی گئی ہیں تنہا ان مظالم اور شدائد کی تصدیق وتوثیق ہی نہیں ہوتی بلکہ بڑے بڑے پڑھے لکھے۔ عالم۔ فاضل۔ لائق۔ فائق حضرات اہلسنّت کی ترکیبیں اور تدبیریں جو مدت سے ان واقعات کو

شانے۔ چھپانے اور گھٹانے میں کی گئی تھیں۔ الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار ہوگئیں۔

باوجود ان تمام باتوں کے طے پا جانے کے بھی اپنے مختار اور اپنی رائے پر اطمینان نہیں۔ قرار نہیں تسکین نہیں تشفی نہیں۔ تمام قوم و ملت کے نظام کا یہ اصول ثابت ہو چکا ہے کہ جب اجماعی طور سے کسی امر پر اتفاق کر لیا تو پھر اُس اصول اور اتفاق پر اضطرار اور اضطراب کیسا۔ یہ کیا بات ہے کہ متفقہ امور کے صحیح ہونے پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ ہر شخص کو اُس کی تلاش ہے۔ تفتیش ہے۔ استفسار ہے۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔

مسئلۂ زیر بحث میں جنابِ سیدہ کی ابوبکر سے رضامندی کو دیکھیے۔ کہنے کو تو سب کچھ کہہ گئے۔ اور لکھنے کو سارا دفتر لکھ گئے دلیلیں بھی قائم ہوگئیں۔ تاویلیں بھی فراہم کر دی گئیں۔ متعدد اور متفرق کتابوں میں بڑے زوروں سے واقعات بھی دیے گئے۔ مگر تاہم اپنے کہنے اور لکھنے لکھانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سب سے تلاش ہے۔ ہر ایک سے استفسار۔ فاضلِ معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں امام ابوبکر جوہری کی کتاب السقیفہ سے نقل کرتے ہیں۔

حدثنی الموقل بن جعفر قال حدثنی محمد ابن میمون عن داؤد ابن مبارک قال اتینا عبد اللہ ابن موسیٰ بن عبد اللہ ابن الحسن ونحن راجعون من الحج فی جماعۃ تسالناہ عن مسائل وکنت انا احد سألہ فسألتہ عن ابی بکر وعمر فقال سئل جدی عبد اللہ الحسن عن ھذہ المسئلۃ فقال کانت امی صدیقۃ بنت نبی مرسل وماتت وھی غضبی علی انسان فنحن غضاب لغضبھا۔

موقل ابن جعفر کا بیان ہے کہ اُن سے محمد ابن میمون نے داؤد ابن مبارک کی زبانی نقل کی ہے کہ داؤد کا بیان ہے کہ ہم لوگ عبد اللہ ابنِ موسےٰ ابنِ عبد اللہ ابن حسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم لوگ حج سے واپس آ رہے تھے۔ اور اسی جماعتِ حجاج نے اُن کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کیا اور میں بھی اُنہی پوچھنے والوں میں سے ایک فردِ خاص تھا۔ پس اُن لوگوں نے ابوبکر و عمر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے اُن کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میری والدۂ معظمہ صدیقہ تھیں اور ایک نبی مرسلؐ کی صاحبزادی۔ وہ چند آدمیوں سے آزردہ خاطر ہوگئیں۔ ہم بھی اُنہی کی تاسی میں اُن لوگوں سے آزردہ خاطر ہیں۔

پانچ پشتیں گزر گئیں۔ دو یا تین صدیاں ختم ہوگئیں۔ مگر آپ کا اعتقاد۔ آپ کا مختار ویسا کا ویسا ہی بنا رہا۔ آپ کے دل میں وہی شکوک اور خطرے خطور کرتے رہے۔ اور آپ اس کے صحیح اور سچے اور برحق ہونے میں ویسے کے ویسے ہی مضطرب الحال اور بیقرار بنے رہے۔ اتنی مدتِ بعید اور عرصۂ بعید کے بعد بھی۔ ابھی تک نہ آپ حضرات کو تسکین ہے نہ اطمینان۔ یہ سب ناحق پرستی۔ تعصب اور نفسانیت کی بدمستی کا نتیجہ ہے۔ عام اس سے کہ آپ اپنی حالتوں کا اظہار و اقرار کریں یا نہ کریں ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

(عرفی ۱۲)

اگرچہ مرقومۂ بالا واقعات نے مسئلۂ زیر بحث کے تمام جزوی اور کلی حالات پر کافی روشنی ڈالدی ہے اور اس تفصیل و تشریح سے کُل باتوں کو ظاہر کر دیا ہے کہ اب کسی بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر تاہم۔ ہم اپنے وعدے کے موافق ان واقعات کے متعلق کتبِ شیعہ سے علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی اسناد متصلہ سے صرف ایک روایت ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں۔ مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب حق الیقین میں احراقِ بیتِ فاطمہؑ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:۔

عمر با بوبکر گفت چرا نمی فرستی کہ علیؑ و آں چند نفر را برائے بیعت بیاورند ہمہ بیعت کردند بغیر اینہا۔ ابوبکر گفت کرا بفرستم عمر گفت قنفذ را می فرستم کہ او مردِ غلیظ و بے شرمے است۔ و از قبیلۂ بنی عدی است۔ پس او را با جمعے از اعوان فرستاد چوں رفتند حضرت امیرؑ رخصت نداد کہ داخل شوند۔ صحاب قنفذ

برگشتند و گفتند کہ علیؑ رخصت نمی دہد کہ داخل شویم۔ عمر گفت کہ بے رخصت داخل شوید۔ چوں رفتند حضرت فاطمہؑ سوگند داد ایشاں را کہ بے رخصت داخل من نشوید۔ قنفذ آنجا بماند و اصحابش برگشتند و خبر دادند۔ عمر در غضب شد و گفت ما را با گفتۂ زناں چہ کار است و امر کرد جمعے را کہ بر دورِ او بودند کہ ہیزم برداشتند و خود ہم ہیزم برداشت و بر درِ خانۂ اہلبیت گزاشتند و حضرت امیر المؤمنینؑ و فاطمہؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ با سائرِ اہلبیت در آنجا بودند فریاد زد عمر کہ یا علیؑ از خانہ بیروں آ و با خلیفۂ رسولِ خدا بیعت کن۔ و الّا آتش در خانہ ات می افگنم۔ پس حضرت فاطمہؑ برخاست و گفت چہ می خواہی از ما اے عمر! گفت در را بکشا و گرنہ خانۂ شمارا با شما می سوزانم۔ فاطمہؑ گفت اے عمر! از خدا نمی ترسی و می خواہی کہ بخانۂ من در آئی عمر برنہ گشت و آتش طلبید۔ و بدر خانہ انداخت۔ فاطمہؑ فریاد یا اَبَتَاہُ و یا رَسُولَ اللّٰہ بلند کرد۔ عمر سرِ شمشیر را بر پہلوے آں حضرتؑ زد و تازیانہ بر ذراعِ شریفش زد۔ فاطمہؑ خطاب کرد بہ پدرِ بزرگوارش کہ یا رسول اللّٰہ! بد خلافتے کردند ابوبکر و عمر در اہلِ بیتِ تو۔ پس حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بشتاب شد و بر جست و گریبانِ آں بے انصاف را گرفت و بر زمیں زد۔ و بروایتِ ابن عباس خالد شمشیر خود را حوالہ آنحضرت کرد۔ حضرت ہماں شمشیر را از دستِ او گرفت و خواست کہ بر او بزند او حضرت را قسم داد۔ حضرت شمشیر را انداخت۔ عمر فرستاد بنزد قنفذ کہ اگر حضرت فاطمہؑ مانع بیروں آوردنِ علی بشود پروا مکن و او را بزن و دور کن۔ چوں حضرت را بدر خانہ رسانیدند و حضرت فاطمہؑ بنزدیک در آمد و مانع شد قنفذ ظالم در را بعنف کشود و بر پہلوئے فاطمہؑ زد کہ یک دندہ از دندہائے پہلوئے مبارکش بشکست۔ و فرزندے کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم او را در شکم محسن نام کردہ بود سقط شد و باز ممانعت می فرمود تا تازیانہ بر بازویش زد کہ استخوان شکست و بہ ہمیں ضربتہا شہید شد۔

علمائے شیعہ کی اس روایت کو لکھکر ہم کو صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ احراقِ بیتِ فاطمہ سلام اللّٰہ علیہا کے بیان میں جو شیعوں پر عام طور سے زیادتی اور موضوعات کا الزام لگایا جاتا ہے وہ کہاں تک صحیح اور درست ہے۔ مرقومہ شیعہ روایت پیشِ نظر ہے۔ احراقِ بیتِ فاطمہ اور خلیفہ عمر صاحب کی زیادتیاں سامنے موجود ہیں۔ اس میں شیعوں نے کونسی ایسی بات اپنی طرف سے لکھدی ہے جو سُنّی علماء نے اپنی کتابوں میں نہیں لکھی یا جس کے وقوع کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کیا ہے۔ ہم ابتدا سے اس شیعہ روایت کے جملہ جملہ اور فقرہ فقرہ کی مطابقت سُنّی مرویات سے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

مگر اس تفصیل کے آغاز کرنے سے پہلے ہم کو یہ عرض کر دینا نہایت ضروری ہے کہ ہمارے ناظرینِ کتاب اور صاحبانِ عدل و انصاف کو یہ خیال کر لینا بھی لازم ہے کہ یہی وہ واقعات ہیں جن کے مٹانے۔ چھپانے اور گھٹانے کے لیے شروع یوں سمجھیے کہ وقت وقوع سے انتہا درجہ کی کوشش کی گئی ہے۔ اسکا ذکر و اظہار ممنوع اور علم و اطلاع کے تمام ذرائع اور وسائل اقطاعِ عالم میں مقطوع کر دیے گئے اور کتابوں میں ان کا لکھنا یا جلوت و خلوت میں بھولے چوکے بھی اسکا ذکر کرنا خدا کی بہت بڑی معصیت اور اعظم ترین گناہ قرار دیا گیا اور سلاطین و فرمانروایانِ ملکی کے سامنے قتل و غارت اور تباہی و بربادی کا اصلی باعث قرار دیا گیا۔ یہ وہ امورِ مسلّمہ اور مصدّقہ ہیں جن پر تاریخوں کے کارنامے سلطنتوں کے فرمان اور علماء کے فتوے شاہد ہیں۔ جب ان واقعات کے استخفاف اور استیصال کی یہ صورت ہو تو ایسے رازِ سربستہ کا انکشاف ایک تحقیق کنندہ کے لیے کیسا سخت اور دشوار ہے۔ مگر حق کا طالب۔ اصلیت کا متلاشی۔ اصل حقیقت کو پا ہی جاتا ہے وما توفیقی الّا باللّٰہ۔

کہا جائیگا کہ اس شیعہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اخذِ بیعت کے لیے بطورِ رسالت کے حضرت علیؑ کے پاس بھیجے گئے تھے۔ اور سُنّی ماخذوں سے اس رسالت کی خبر نہیں ملتی۔

جواب میں عرض ہے کہ چونکہ ان واقعات سے مشاجرت بین الصحابہ

واہلبیت ثابت ہوتی ہے جو اصل خلافت اور اُسکے تمام نظام واحکام کے منافی اور نقیض تھی۔ اس لیے اس واقعہ کے چھپانے اور گھٹانے میں حد درجہ کی کوشش تمام کر دی گئی۔ اب جو کچھ رہ گیا وہ اس قدر متواتر تھا اور اتنی کتابوں میں قلمبند ہو چکا تھا۔ جو کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا۔ اگرچہ اس اختصار اور تلخیص پر ظاہری اور نمائشی لفاظیوں کے خوب خوب غلاف چڑھائے گئے جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے اس رسالت وغیرہ کے طویل بیان کو مناسب سمجھا گیا اور بالکل مرفوع القلم کر دیا گیا۔ مگر علامہ بلاذری نے اس کا اشارہ کر ہی دیا۔ ملاحظہ ہو اُن کی عبارت

عن المدائنی عن مسلمہ ابن محارب عن سلیمان التیمی عن ابن عون ان ابابکر ارسل الی علی یریدہ علی البیعۃ فلم یبایع۔

مدائنی نے مسلمہ سے۔ اُس نے سلیمان تیمی سے۔ اُس نے ابنِ عون سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے علیؑ کے پاس کچھ لوگ بھیجے اور اُنہوں نے بیعت نہیں کی۔ اسماعیل ابوالفدا اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ انّ ابابکر بعث عمر ابن الخطّاب الی علیؑ ومن معہ لیخرجھم من بیت فاطمۃ الزھراءؑ رضی اللہ عنہا۔ یعنی ابوبکر نے عمر کو مع اُن کے ہمراہیوں کے علیؑ کے پاس بھیجا اس لیے کہ اُن کو اُن کے ہمراہیوں کے ساتھ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مکان سے نکالدیں۔ امام ابنِ عبد ربہ کتاب العقد میں لکھتے ہیں:۔ الّذین اختلفوا عن بیعت ابی بکر علیؓ والعبّاس والزّبیر وسعد بن عبادۃ فامّا علی والعباس فقعد افی بیت فاطمۃ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطّاب لیخرجھما من بیت فاطمۃ۔

جن لوگوں نے بیعتِ ابوبکر سے انکار کیا وہ علی۔ عباس۔ زبیر اور سعد ابن عبادہ تھے۔ علی اور عباس فاطمہ کے گھر میں بیٹھے تھے کہ ابوبکر نے عمر ابنِ خطاب کو۔ بھیجا کہ اُن کو فاطمہؑ کے گھر سے نکالدیں۔ امام قتیبہ ملقّب بہ حافظ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

انّ ابابکر اخبر بقوم تخلّفوا عن بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطّاب۔

ابوبکر کو جب منکرینِ بیعت اور علیؑ کے پاس اُن کے جمع ہونے کی خبر ملی تو اُنہوں نے عمر ابنِ خطّاب کو اُن کے پاس بھیجا۔ مرقومۂ بالا اسناد سے ثابت ہو گیا کہ امام بلاذری۔ ابوالفدا۔ امام ابنِ عبد ربہ اور امام ابن قتیبہ۔ اتنے محدّثین۔ علماء اور مورّخین اہلسنّت نے اس رسالت کو قبول کر لیا۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ اصل واقعہ سے پہلے شخصِ واحد بلکہ صحیحاً چند اشخاص ملکر بطور رسالت اخذ بیعت کے لیے حضرت علیؑ مرتضٰے کی خدمتِ گرامی میں بھیجے گئے تھے۔ جیسا کہ شیعہ روایت سے ظاہر ہو چکا ہے۔ بلاذری اور دیگر مندرجۂ بالا علماء ومحدثینِ اہلسنّت بھی تو آخر اُسی سوادِ اعظم کے ایک رُکن تھے۔ وہ شیعوں کی طرح اس رسالت کو پوری تفصیل وتشریح سے لکھکر اپنے سونے کے بنائے ہوئے گھر کو خاک کر ڈالیں اور اپنے اور اپنے بال بچوں کی جانوں کو ہلاک کریں۔

اب رہا خلیفہ عمر صاحب کا آگ لکڑی وغیرہ خود اپنی ہمراہی جماعت کے ساتھ لیجانا۔ تو اہلسنت کی مرویّات میں بھی بالکل ویسا ہی ہے جیسا شیعہ روایات میں۔ اور جیسے ہم متعدّد اور متواتر سُنّی ماخذ ہائے معتبر ومستند سے اوپر علیحدہ علیحدہ بیان کر آئے ہیں۔ میرا جہاں تک خیال کام کرتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں سُنّی علماء نے شیعوں سے زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے۔ شیعوں نے اپنی روایت میں آگ اور لکڑی لیجانیوالوں کے نام نہیں لکھے ہیں۔ مگر سُنّی علماء نے اُن کی تخصیص کر کے اُن کے نام لکھدیے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حرّانہ کی سند سے جو روایت اوپر لکھی گئی ہے اُس میں راوی حدیث کا خود اقرار اس عبارت کے ساتھ درج ہے:۔ قال زید ابن اسلم کنت ممّن حمّل المحطب مع عمر الی باب فاطمۃ۔ زید ابنِ اسلم کا بیان ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے تھا جو عمر کے ساتھ لکڑیاں لیکر فاطمہ (علیہا السّلام) کے دروازے پر گئے تھے۔

بہر حال۔ ہم اور تمام شیعہ علّامۂ موصوف الصّدر کی اس تفصیل کے لیے شکر گزار ہیں۔

یہاں تک تو ہم نے اس شیعہ روایت کی مطابقت سُنّی ماخذوں سے کر دی۔ اب رہا جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ عمر صاحب کے کلمے کلام۔ تو اس کی نسبت شیعوں نے بھی اُتنا ہی لکھا ہے جتنا سنیوں نے۔ بلکہ علّامہ بلاذری نے تو فقال نعم وذٰلک اقوی فیما جاء بہ ابوک کہا ہاں اور یہ امر اُس امر سے بھی زیادہ قوی ہے جس کو تمہارے باپ لیکر آئے تھے۔ خلیفہ عمر صاحب کی اس حد درجہ تک شعلہ زبانی اور دریدہ دہانی لکھدی ہے۔ اب اس سے زیادہ انکی زیادتیوں کی تفصیل کیا ہے۔ باقی رہا خلیفہ صاحب اور زبیر صاحب میں جو اس موقع پر تو تو۔ میں میں۔ گالی گلوج اور پکڑ دھکڑ ہوئی اُس کی تشریح و تفصیل سے ہم کو کوئی غرض نہیں ہے۔

مگر شیعہ روایت کے یہ الفاظ کہ عمر سر شمشیرش بر پہلوئے آنحضرت زد و تازیانہ بر ذراع شریفش زد۔ ان الفاظ کو متبعینِ خلافت اور علما و محدّثینِ اہلسنّت کسی صورت اور حال سے لکھ سکتے ہیں۔ نہیں کبھی نہیں۔ آفت آجائے۔ قیامت برپا ہو جائے۔ اصل حقیقت ہی کھل جائے اور حق و باطل کی صاف صورت نظر آجائے۔ اگر سچ پوچھو تو یہ خوف بھی بیکار تھا۔ ہزاروں مہاجر و انصار نے ان واقعات کو آنکھوں سے موقع پر دیکھکر اور اپنے کانوں سے سُنکر کیا بنا لیا جو اُن کے سیکڑوں برس بعد والے لوگ کتابوں میں ان کو پڑھ کر کیا کر سکیں گے۔ یہ خیال بے فائدہ تھا اور یہ گمان بالکل وہم ہی وہم۔ کیونکہ جب دنیاداری کا نام ایمان داری رکھا جائے اور اخلاص و اتحاد کے معنی خود غرضی اور نفسانیت لیے جائیں تو پھر اگر یہ پورے واقعات کامل اصلیت کے ساتھ لکھ بھی دیے گئے ہوتے۔ تاہم ان کا اثر اہلسنّت کے مدعا کے لیے کبھی مضر اور نقصان دہ نہ ہوتا۔ اور دنیا میں رنگے ہوئے حضرات ان واقعات کو دیکھکر اور پڑھکر بھی خلافت اور خلیفہ صاحب کے آداب و اشفاق کو چھوڑ کر غریب فاطمہؑ کے استحقاق کی طرف کبھی توجّہ نہ ہوتے۔ اور کیونکر ہوتے۔ فاطمہؑ کے گھر میں اُن کو توجّہ دلانے اور متوجّہ بنانے کے اسباب ہی کیا تھے۔ خلافت اور امارت مغصوب۔ میراث ممنوع و موقوف۔ جاگیر و ملکیّت ضبط۔ اس وقت تک جو کچھ جستہ جستہ کتابوں میں آپ کے مصائب و شدائد لکھے ہوئے ہیں۔ اُنہی کو دیکھکر اور پڑھ کر کسی کا کب دل پسیجتا ہے اور اپنے حسابوں وہ اس کو کب کوئی چیز سمجھتے ہیں۔

مثال کے لیے دیکھیے علّامہ ابنِ ابی الحدید اخراقِ خانۂ فاطمہؑ کے واقعات کو اپنی شرحِ نہج البلاغہ میں لکھکر لکھتے ہیں:۔ صحیح ترین آنست کہ فاطمہؑ از دنیا رفت او غضبناک بود بر ابوبکر و عمر و وصیت کرد کہ بر او آنہا ہر دو نماز نہ کنند و اینہا نزدِ اصحابِ ما از جملہ گناہانِ صغیرہ است کہ آمرزیدہ شدند و اولے آں بود کہ او را گرامی می دارند و رعایتِ حرمتِ او بکنند۔

دیکھیے واقعات کے اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ یہ اعتقاد موجود ہے کہ یہ ایذا دہانی گناہِ صغیرہ تھی اور معاف بھی کر دی گئی۔ علّامہ صاحب کے پاس خدا کی سرکار سے معافی کا پروانہ بھی آگیا۔ اس متعصّب عالم سے اُس کی ناصبیت اور نفسانیت نے لکھوایا تھا کہ مظلومہ کی مظلومیت اور اس واقعۂ حقّہ کی حقانیت نے اُسکا قلم تھام لیا۔ آخر گھبرا کر اس نے استمالت اور دلجوئی کے خیال سے آخر میں لکھ ہی دیا کہ بہتر یہ تھا کہ اُنکی مرتبۂ گرامی کی قدر کرتے اور اُن کے مرتبہ و عزّت کی رعایت۔ اگر اسے دو رُخے عالم کی اس رائے میں کچھ بھی حقیقت کا زور ہوتا تو وہ ایک بار اپنی حجّت کو اس تشدد سے بلا رد و رعایت لکھکر پھر اُس میں ترمیم و تسکین کے حرف ظاہری اور نمائشی الفاظ لکھکر کبھی کمزور اور ضعیف نہ بناتا۔ یہ ضعف یہ کمزوری اور اُس کا یہ تلوّن صاف صاف بتلا رہا ہے کہ اصول میں قوّت ہی نہیں ہے۔ دلائل اور مباحث میں کہاں سے زور لایا جائے گا۔

بہر حال۔ یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا جو محض اتفاقی طور پر میرے معرض کے بیان میں حائل ہو گیا۔ صورت حال بتلا رہی ہے کہ

ان حضرات سے صحیح واقعات کے لکھنے اور بیان کرنیکی امید رکھنا بالکل بیکار۔ چہ جائیکہ وہ واقعات جو سراسر انکے مدعا کے مخالف اور نقیض ہیں۔ مگر باینہمہ۔ ہمارا یقین ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے کہ حق کوئی حالت ہو اور کوئی صورت۔ جب تک وظہر الحق واکثرھم للحق کارھون (حق ظاہر ہوگیا اور بہت لوگ اُس سے کراہت کرتے ہی رہے) کا ارشاد ربانی نصِ قرآنی کی صورت میں باقی ہے کبھی چھپ ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح۔ دروغ کو چاہے جتنا فروغ ہو جائے جب تک و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ (باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی ہے) کے احکامِ یزدانی موجود و محفوظ ہیں۔ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اور یہ بینات کا سنۃ اللہ تبدیلا میں داخل ہیں۔ صرف مذہبی دلائل اور عقائد ہی اسکی تصدیق و توثیق نہیں کرتے۔ بلکہ اخلاقی مسائل بھی بالاتفاق اسی اصول اور کلیہ کی تائید کرتے ہیں۔ دیکھیے طوعاً اور عمداً یہ تمام واقعات چھپائے اور مٹائے گئے۔ مگر پھر بھی ع شخصے از خانہ بر دل آید و کارے بکند۔

علامہ ابوجعفر اسکافی معتزلی الملقب بہ نقیب بغدادی نے باوجود عالمِ اہلسنت اور اتنے بڑے سلطنت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بھی بالآخر کہہ ہی دیا۔ جیساکہ فارسی شرح نہج البلاغۃ میں فاضلِ معتزلی ابنِ ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں:۔

نقیب (ابوجعفر) گفت ہرگاہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خون ہبار را مباح کرد از برائے ترسانیدنِ زینب و سقط شدن فرزندِ او ظاہر حال آنست کہ اگر در حیات بودے مباح می کرد خون کسے را کہ فاطمہؑ را ترسانید و فرزندِ او را ہلاک کرد۔

اب فرمائیے۔ نقیب صاحب نے تو چھپے ڈھکے وہ سب کچھ لکھدیا جو شیعہ دعوے کرتے ہیں۔ ہاں اُنھوں نے تصریح نہیں کی کہ کس نے مارا اور کیونکر مارا۔ مگر آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جنابِ سیدہؑ کا بچہ کیسے ہلاک ہوا۔ اور پھر بھی عموماً ہر شخص جانتا ہے کہ معصومہ کے جس معصوم بچہ کی طرف اشارہ ہے وہ بچہ اُس وقت کس حالت میں تھا۔ اور جس حالت میں وہ تھا وہ کیسے ہلاک ہوسکتا تھا۔ جس طرح سے زینب کا بچہ ہبار ابن اسود کی تہدید و تخویف سے اُن کے بطن میں سقط ہوگیا اُسی طرح فاطمہ بنتِ رسولؐ کا بچہ بھی۔ عمر کی ضرب و تشدید سے شکمِ مطہر میں جاں بحق ہوگیا۔ اسی وجہ سے تو نقیب صاحب نے دونوں واقعات میں مساوات قائم کی ہے۔ اب اس سُنی عالم کی تحریری اقرار کو شیعوں کے مختار سے ملائیے تو سرِ مو فرق نہیں پائیگا ہاں اس نے کسی مجرم کا نام نہیں لکھا اور واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں کی ہے۔ مگر دنیا اُس کی مجبوریوں کو خوب جانتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ ان واقعات کو پوری تفصیل و تشریح سے کیسے لکھ سکتا تھا۔ ہزاروں مصیبتیں اُس کے پیچھے لگی تھیں۔ سیکڑوں بلائیں اُس کا دامن پکڑے تھیں۔ مذہب و ملت کی تاکید و تقلید الگ تھی۔ سلطنت و حکومت کی تہدید و تشدید الگ۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اس معتزلی عالم نے اس واقعہ کو اپنے مختار و عقائد کے اظہار و اعلان کی غرض سے نہیں بیان کیا ہے بلکہ محض اتفاقی طور پر بہ سبیلِ ذکر مساوات واقعات اور اس واقعہ کے حق اور سچے ہونے کے جذبات نے بیساختہ اُس کی زبان پر جاری کرا دیا تھا۔ کیونکہ اس میں اگر ذرا بھی حقیقت اور معرفت بالقلب کا جزو ہوتا تو وہ اپنے شاگرد ابنِ ابی الحدید کو جیسا وہ تحریر کرتے ہیں اس کی نقل و ذکر سے منع نہ فرماتے اور اس کی تصدیق و توثیق میں تامل و توقف کا اظہار نہ کرتے۔ اس توقف اور تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی اظہار ہے نہ قلبی اقرار۔ ایک محض عارضی اور فوری احساس تھا۔ جو تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر غائب۔ ہم اتنا بھی ان حضرات سے بیحد غنیمت سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سچے دعوؤں کی کامل صداقت۔

اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ شیعہ روایت میں استغاثہ جناب فاطمہؑ کی حالت و کیفیت لکھی ہے۔ اب اس کی مطابقت بھی سُنی مرویات سے ضروری ہے۔ امام جوہری نے اپنی کتاب السقیفہ میں اسکے متعلق دو روایتیں

لکھی ہیں۔ پہلی روایت کی عبارت یہ ہے :-

واتاھم عمر لیحرق علیھم البیت فخرج الیہ الزبیر بالسّیف وخرجت فاطمۃ تبکی وتصیح۔

عمر اس قصد سے وہاں آئے کہ گھر کو اُن لوگوں پر جلادیں۔ زبیر تلوار کھینچے نکل آئے اور جناب سیّدہ بھی روتی ہوئی اور فریاد کرتی ہوئی نکل آئیں۔

دوسری روایت میں یوں رقمطراز ہیں :-

ورات فاطمۃ ماصنع بھما فقامت علی باب الحجرۃ وقالت یا ابابکر ما اسرع ما اغرتم علی بیت رسول اللہ واللہ لا اکلم عمر حتی القی اللہ۔

جناب فاطمہؑ نے جو کچھ کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا سب دیکھا۔ پس اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوئیں اور فرمانے لگیں اے ابوبکر! بہت جلد تم لوگ رسولؐ کے گھر پر چڑھ آئے۔ قسم خدا کی۔ میں عمر سے مرتے دم تک نہ بولونگی۔

امام سبط ابنِ جوزی نے جنابِ سیّدہؑ کے مشہور و معروف خطبۂ لمّہ کا خلاصہ کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرمایا ہے :-

ثمّ اومات الیٰ قبر النّبی وقالت قد کان بعدک انباء وھنبثۃ لو انت حاضرھا الخ پھر آخر میں لکھتے ہیں ولم تزل تندب رسول اللہ حتیٰ لحقت بہ۔ دیکھو خواص الامۃ ابن جوزی۔

اب ان مرقومۂ بالا سے استغاثۂ جناب سیّدہؑ کی بھی مطابقت ہوگئی۔ ان کے علاوہ۔ جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کا وہ مشہور و معروف اور فصیح و بلیغ خطبہ جسے ہم اس کے بعد ہی اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔ سراپا استغاثہ ہے اور تمام مظالم و مصائب کا تیار اور مکمّل دفتر۔

اسی بحث کے ضمن میں شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر نے خالد ابنِ ولید کو حضرت علیؑ کے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔ سُنّی اس کا قطعی انکار کرتے ہیں۔ کیوں۔ مشاجرت بین الصّحابہ واہل البیت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ کسی طرح ظاہر اور ثابت نہ ہونا چاہیے۔ الٰہی توبہ۔ اتنا کچھ آپ حضرات خود بیان کر گئے۔ لکھ گئے۔ تاویلیں بھی ایک کی جگہ دس دس تحریر کر دیں۔ معقول معذرت اور مجبوریاں بھی دکھلادیں۔ سب کچھ ہو گیا مگر پھر سب کا سب غائب ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد۔ یہ تو بیکار کی تکرار ہے اور بیفائدہ کا انکار۔ اُلٹا فلسفہ اور اوندھی منطق۔ ابھی تک مشاجرت ثابت ہی نہیں کہی جاتی۔ اور سب کچھ اسکی نسبت بیان ہو چکا۔ لیجیے خالد کی مداخلت اور اس مشاجرت کی پوری داستان اپنے امام جوہری کی زبان سے پھر سُن لیجیے۔

قال ابوبکر حدثنا ابو زید عمر ابن شیبۃ قال اخبرنا ابوبکر الباھلی قال حدثنا اسمٰعیل عن مجاھد عن الشعبی قال سال ابوبکر فقال این الزبیر فقیل عند علی وقد تقلّد سیفہ فقال قم یا عمر یا خالد ابن الولید انطلقا حتی تاتیانی بھما فانطلقا فدخل عمر وقام خالد علی باب البیت من خارج فقال عمر للزبیر ماھٰذا السّیف فقال نبایع علیّا فاخترطہ عمر فضرب بہ حجرا فکسرہ ثمّ اخذ بید الزبیر فاقامہ ثم دفعہ وقال یا خالد دونکہ فامسکہ ثمّ قال لعلی قم فبایع لابی بکر فتلکاء واحتبس فاخذ بیدہ وقال قم فابی ان یقوم فحملہ ودفعہ کما دفع الزبیر فاخرجہ ورات فاطمۃ ماصنع بھما۔

ابوبکر جوہری ناقل ہیں کہ مجھ سے ابو زید عمر ابنِ شیبہ نے۔ اُنسے ابوبکر باہلی نے۔ اُن سے اسمٰعیل نے۔ اُن سے مجاہد نے۔ اُن سے شعبی نے کہا کہ پوچھا خلیفہ ابوبکر نے کہ زبیر کہاں ہیں۔ کہا گیا کہ وہ علیؑ کے پاس اور شمشیر بستہ ہیں۔ ابوبکر نے کہا کھڑے ہو اے عمر اور کھڑے ہو اے خالد ابنِ ولید۔ تم دونوں آدمی جاؤ اور اُن دونوں آدمیوں کو اپنے ہمراہ میرے سامنے لے آؤ۔ پس یہ دونوں آدمی گئے۔ عمر تو مکان کے اندر چلے گئے اور خالد باہر دروازے پر کھڑے رہے۔ عمر نے زبیر سے پوچھا۔ یہ تلوار کیسی ہے ؟ زبیر نے کہا علیؑ کی بیعت لینے کے لیے۔ عمر نے وہ تلوار چھین لی۔ اور اُس کو پتھر پر مار کر توڑ ڈالا۔ پھر زبیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑا کیا اور باہر لا کر خالد کے حوالہ کر دیا۔ اور کہا اے خالد ان کو پکڑے رہو۔ پھر علیؑ سے کہا کھڑے ہو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ پھر اُن کو مارا اور قید کیا اور ہاتھ پکڑ کر

کھڑے ہو۔ علیؑ نے کھڑے ہونے سے انکار کیا۔ تب عمر پر اُنہوں نے حملہ کیا۔ اور عمر نے اُس کو ویسا ہی دفع کیا جیسا زبیر کو۔ اور پھر علیؑ کو باہر نکال لائے۔ اور فاطمہؑ نے جو کچھ ان دونوں شخصوں کے ساتھ کیا گیا تھا سب دیکھا۔

مرقومۂ بالا عبارت امام ابوبکر احمد ابن عبد العزیز جوہری کی کتاب السقیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور ہم نے علامہ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ سے نقل کی ہے۔ اسی ایک روایت سے مشاجرت بین الصحابہ واہل البیت۔ اہانت جناب سیدہؑ و حضرت علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا اور اُن پر خلیفہ صاحب کے مظالم و شدائد پورے طور سے معلوم ہو گئے۔ اس کو پڑھکر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرات اہلبیت علیہم السلام کے ساتھ انتہا درجہ کی اہانت۔ تہدید۔ تخویف اور تشدید نہیں کی۔ اُن کو مارا بھی اور قید بھی کیا۔ سب کچھ کر گئے۔ مگر تاہم مشاجرت ثابت نہیں ہوتی۔ اب اس صریح جہالت کا کیا علاج ہے۔ اپنے قلم سے آپ حضرات یہی حالات لکھ جائیں تو کچھ نہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص انہی حالات کو لکھدے تو قیامت ہو جائے۔

اب رہا یہ امر کہ جس تفصیل سے شیعہ لکھتے ہیں اُس تفصیل سے اس عبارت میں ذکر نہیں کیا گیا ہے تو یہ زبردستی کی فرمائش ہے۔ ہم اس کا سبب اوپر لکھ آئے ہیں اور پھر لکھے دیتے ہیں کہ سُنّی علماء کیسے لکھ سکتے ہیں اور بیان کر سکتے ہیں۔ مُنہ پر کفِ لسان اور قلوب پر تو استخفافِ حق کی مہریں لگی ہوئی ہیں مگر تاہم خود۔ ایک بار نہیں بار بار۔ بالاخلاص ہو یا بالاتفاق۔ اشارات میں ہو یا کنایات میں۔ ان واقعات کو لکھ چکے اور اقرار کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی مرقومۂ بالا بحث مطابقت میں دکھلا آئے ہیں۔ اب اسی مشاجرت کو دیکھیے۔ اس معاملۂ مشاجرت کو باہمی موافقت بنانے کے لیے کیسی کیسی کوششیں کی گئیں۔ صفحے کے صفحے۔ دفتر کے دفتر لکھ ڈالے گئے اور حتیّ الامکان اُس کو خوب چھپایا گیا۔ مٹایا گیا اور گھٹایا گیا۔ مگر پھر بھی۔ چونکہ حقیقت تھی اور اصلیت اس لیے اتنی کوشش اور محنت کے بعد بھی اُنہی کی کتابوں میں یہ واقعات ابھی تک زندہ اور موجود چلے آتے ہیں۔

شیعوں نے لکھا ہے کہ ابوبکر صاحب نے خالد ابن ولید کو علیؑ کے قتل کا حکم دیا۔ سُنّی علماء اس سے قطعی انکار کرتے ہیں کتابیں دیکھیے تو معلوم ہو جائے کہ اکیلے شیعہ اسے نہیں کہتے۔ بلکہ آپ حضرات بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ دیکھیے اس بحث میں ہم اوپر ابو الفدا کی عبارت نقل کر آئے ہیں۔ اُس میں حضرت ابوبکر کا حکم صاف صاف ان لفظوں میں لکھا ہوا ہے ان ابوا علیک فقاتلہم۔ اگر وہ تم سے انکار کریں تو تم اُنہیں قتل کردو۔ چلیے علیؑ پر کیا منحصر ہے۔ صورتِ واقعہ سے جو جو حضرات اُس وقت خانۂ فاطمہؑ میں موجود تھے اُن سب کے لیے یہ حکم عام ہے۔ اب فرمائیے شیعوں پر اس کی تخصیص کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ خالد کا نام لیتے ہیں اور اس روایت میں تو عمر کا نام دکھائی دیتا ہے تو یہ کوئی بحث نہیں ہے کیونکہ اصلی اجرائے حکم سے مدعا ہے۔ نہ کسی شخص خاص کے نام سے۔ اور اگر اسی پر اصرار ہے کہ اُن کا نام نہیں تو پھر ابو الفدا کو چھوڑ کر امام جوہری کی سقیفہ والی کتاب اُٹھائیے اور اُس میں اُسی عبارت اور واقعہ کو ملاحظہ فرمائیے جو ابھی ابھی ہم دو صفحے اوپر اس کے لکھ چکے ہیں۔ تو آپ کو انکی مداخلت کی پوری کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کے مزید اطمینان کے لیے ہم پھر اُسی عبارت کو دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

مسال ابوبکر فقال ابن الزبیر قیل عند علی وقد تقلّد سیفه فقال قم یا عمر قم یا خالد ابن الولید انطلقا حتّیٰ تاتیانی بھما فانطلقا فدخل عمر وقام خالد علی باب البیت من خارج۔

ابوبکر نے پوچھا زبیر کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا علیؑ کے پاس ہیں۔ اور تلوار باندھے ہیں۔ ابوبکر نے کہا اے عمر اُٹھو اور اے خالد ابن ولید اُٹھو۔ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ پس یہ دونوں آدمی اُٹھے۔ عمر تو گھر میں داخل ہو گئے۔ اور خالد باہر ہی دروازے پر کھڑے رہے۔

ابھی نا بے۔ اس عبارت سے تو ابوبکر خالد کو نام لیکر بھیجنا اور

اُن کا حسب الحکم تعمیل کے لیے عمر صاحب کی ہمراہی میں جانا وغیرہ سب کچھ تو ثابت ہوگیا۔ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ کے لیے اب کسی بات بنانے کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے۔ کہ یہ زید۔ بکر۔ عمر اور خالد والے کوئی مثالی یا خیالی خالد ہونگے۔ کیونکہ روایت میں انکا نام ابنیت کے ساتھ مندرج ہے۔

لیجیے خالد ابنِ ولید کا عمر کے ہمراہ جانا۔ اور زبیر و علیؑ کا گرفتار ہونا۔ اور گرفتاری کے بعد انہیں خالد کی حوالگی میں دیا جانا۔ ایک ایک کرکے سب تو معلوم ہوگیا۔ تو اب خالد کی مداخلت اور شرکت مظالم سے انکار کرنا محض بیکار ہے۔

ابوالفدا کی اسناد سے قتل کا حکم دیا جانا اوپر لکھا جاچکا ہے۔ اب شیعوں کی روایت کی تصدیق و توثیق میں کیا عذر پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ واقعاتِ مشاجرت کے چھپانے اور موافقت کی جھوٹی حدیثیں بنانے میں آپ حضرات نے بڑی کوششیں کیں۔ جانیں لڑادیں۔ عمریں کھپادیں۔ حتے الامکان تاریخ و سیر میں اس کو نہ آنے دیا۔ مگر اس کو کیا کیجیے گا۔ یا قسمت یا نصیب مورخ ابوالفدا اور امام ابوبکر جوہری نے لکھ ہی دیا۔ اسی طرح مسانید و سنن کی کتابوں میں بھی حتےّ المقدور اسکی بو نہ لگنے دی۔ مگر با اینہمہ حزم و احتیاط اسکا ذکر اس کا اعتراف۔ آپ کے علماء۔ فقہاء اور محدثین نے کسی نہ کسی طرح کر ہی دیا۔ چنانچہ شرح نہج البلاغۃ میں آپ کے فاضلِ معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید نے اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ شرح فارسی کی اصل عبارت سے ذیل میں قلمبند کیجاتی ہے۔

مروی است کہ شخصے آمد نزد زفر ابنِ ہذیل شاگرد ابوحنیفہ و ازاو سوال کرد از آنچہ ابوحنیفہ می گوید کہ جائز است بیرون آمدن از نماز بغیرِ سلام مانندِ سخن گفتن و فعل کثیر و حدث. زفر گفت بلے جائز است۔ چنانکہ ابوبکر در تشہد گفت آنچہ گفت آن مرد گفت کہ چہ بود آنچہ ابوبکر گفت زفر گفت بر تو نیست کہ ایں را سوال کنی۔ او مکرر پرسید۔ زفر گفت بیرون کنید ایں شخص را کہ از اصحاب ابوالخطاب خواہد بود۔ و نیز فضل ابنِ شاداں در کتاب ایضاح ایں قصہ را نحوے کہ مذکور شد از سفیان ابن عینیہ و حسن ابنِ صالح ابن حی و ابوبکر ابنِ عیاش و شریک ابنِ عبداللہ و جمع دیگر از فقہائے اہلسنت روایت کردہ اند و گفتہ است از سفیان و ابنِ حی و وکیع پرسیدند کہ چہ می گویند در اینکہ ابوبکر کرد۔ ہمہ گفتند کہ بدی بود اما تمام نکرد و جمعے دیگر از اہلِ مدینہ گفتہ اند کہ قصورے مدار د اگر از برائے صلاحِ امت است کہ متفرق نشوند مردے را بکشد چوں علیؑ مردم را از بیعتِ ابی بکر منع می نمود او ہم امر بقتلِ وے نمود و بعضے ہم از ترس شناعتِ علتِ ایں عمل روایت نکردہ اند اما اصل تمہید ابوبکر را با خالد کہ چوں سلام دہم فلاں کار را بکن و پشیمان شدن و پیش از سلام گفتن یا خالد مکن آنچہ را کہ گفتہ بودم۔ حکایت نمودہ اند و ہمیں فعل او را دلیلِ جواز حرف زدن پیش از سلام کردہ اند۔ و بعد ازاں نقل کردہ است کہ کسے از قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ بغداد شاگرد ابوحنیفہ پرسید کہ چہ بود آنچہ ابوبکر بخالد گفتہ بود۔ ابویوسف جواب نگفت و گفت خاموش باش ترا با ایں چہ کار۔

اب تو حقیقت کھُل گئی اور اصلیت ظاہر ہوگئی۔ یہ واقعات وحالات اتنے مٹائے۔ چھپائے اور گھٹائے جانے پر باقی کی باقی رہ ہی گئے۔ اور یہی ان کے سچے۔ برحق اور صحیح ہونیکی قوی دلیل ہے ؎

ہزار شکر کہ با وصفِ خود فراموشی
گہے گہے بلبت یادِ رفتگاں آمد

بہرحال۔ واقعۂ احراق کے تمام جزوی اور کُلی واقعات و حالات کو پوری تفصیل سے بیان کرکے ہم اس مضمون کو جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے اُس فصیح و بلیغ اور مشہور و معروف خطبہ پر تمام کرتے ہیں جو آپ نے اپنی حق تلفی۔ محرومی۔ دنیا اور اہلِ دنیا کی ناتوجہی اور بیمروتی کی نسبت مسجدِ خیر الانام میں تمام اہلِ اسلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا تھا۔

خطبۂ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا المشہور بہ خطبۂ لمّہ

فاضل معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید۔ امام جوہری کی کتاب السقیفہ

سے آپ کا یہ خطبہ نقل کرتے ہیں:-
خطبة فاطمة فانها من محاسن الخطب وبدايعها عليها
مسحة من نور النبوة وفيها عبقه من ارج الرسالة
وقد اورد الموالف والمخالف ونقلتها من كتاب
السقيفة عن عمر ابن شيبة تاليف ابی بكر احمد ابن
عبد العزیز الجوهری من نسخة قديمة مقروءة
على موتفها المذكور وقرئت عليه في ربيع الآخر سنة
اثنين وعشرين وثلثمائة روى عن رجاله من عدة
طرق - ان فاطمة ع لما بلغها اجماع ابی بكر على منعها
فدك لاثت خمارها واقبلت فی لمة من حفدتها و
نساء قومها تجر دراعها وفطاء ذيولها ماتخرم مشيتها
من مشية رسول الله صلعم حتى دخلت على ابی بكر
وقد حشد المهاجرين والانصار فضرب بينهم
بريطة بيضاء وقيل قبطية فانت انة اجهش لها
القوم بالبكاء ثم امهلت طويلا حتى سكنوا من
فورتهم ثم قالت ابتدی بحمد من هو اولى بالحمد
والطول والمجد۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على ما انعم وله الشكر على ما الهم والثناء
بما قدم من عموم نعم ابتداها وسبوغ الاء اسداها
واحسان منن اولاها جم عن الاحصاء عددها و
نأى عن المجازاة ابدها وتفاوت عن الادراك امدها
واستتب الشكر بفضائلها واستحمد الخلق بانزالها و
استحمد الخلائق باجزالها وامرنا الندب الى امثالها و
اشهد ان لا اله الا الله كلمة جعل الاخلاص تاويلها
وضمن القلوب موصولها وبان في الفكر معقولها الممتنع
من الابصار رويته ومن الالسن صفته ومن الاوهام
الاحاطة به ابدع الاشياء لا من شئ كان قبله وانشاها
بلا احتذاء امثلة وسمها بغير فائدة مازادته
الا اظهار القدرته وتعبد البريته واعزاز الاهل
دعوته ثم جعل الثواب لاهل طاعته ووضع العذاب
على اهل معصيته زيادة لعباده عن نقمته وحياشة
لهم الى جنته واشهد ان ابی محمدا عبده ورسوله
اختاره ان يجتباه واصطفاه قبل ان يبتعثه و
سماه قبل ان يستجبيه اذ الخلائق بالغيب مكنونة
وبستر الاهاويل مصونة وبنهاية العدم مقرونة
علما منه بمائل الامور واحاطة بحوادث الدهور
ومعرفة منه بمواقع المقدور ابتعثه اتماما لعلمه
وعزيمة على امضاء حكمه وانفاذ المقادير حقه
فراى الامم عاندة لاوثانها عكفا على نيرانها منكرة
لله مع عرفانها فانار الله بابی ظلمها وفرج عن القلوب
بهمها وجلا عن الابصار غممها ثم قبضه الله اليه قبض
رافة واختيار رغبة بمحمد عن تعب هذه الدار
موضوعا عنه اعباء الاوزار محفوفا بالملائكة الابرار
ورضوان رب الغفار وجوار الملك الجبار فصلى الله
على امينه على الوحی وخيرته من الخلق ورضيه
ورحمة الله وبركاته - ثم قالت وانتم عباد الله
نصب امره ونهيه وحملة كتاب الله ووحيه وامناء
الله على انفسكم وبلغاءه الى الامم حق لكم الله فيكم
عهد قدمه اليكم وبقيه استخلفها عليكم كتاب بينة
بصائره منكشفة سرائره وبرهان فينا متجلية
ظواهره مديما للبرية استماعه قائدا الى الرضوان
اتباعه ومؤديا الى النجاة اشياعه فيه تبيان حجج الله
المنيرة ومواعظه المذكورة ومحارمه المحذورة و
احكامه الكافية وبنياته الجالية وجملة الكافية
وشرائعه المكتوبة ورخصه الموهوبة ففرض الله الايمان
تطهيرا لكم من الشرك والصلوة تنزيها لكم من
الكبر والزكوة تزئيد الى الرزق والصيام تثبيتا
للاخلاص والحج تشئيدا للدين والعدل تنسيقا
للقلوب وطاعتنا نظاما للملة وامامتنا امانا من
الفرقة والجهاد عز الاسلام والصبر معونة للاستيجاب
والامر بالمعروف مصلحة للعامة والبر للوالدين وقاية

من السخط وصلة الارحام منساة فى العمر منماة للعدد والقصاص حقنا للدماء والوفاء بالنذر تعريضا للمغفرة وتوفيه الموازين والمكاييل تغييرا للبخسة واجتناب قذف المحصنات حجابا للمحصنات حجابا عن اللعنة والانتهاء من شرب الخمور تنزيها من الرجس ومجانبة السرقة ايجابا للعفة والتنزه عن اكل اموال الايتام والاستيثار بفيئهم اجارة من الظلم والعدل فى الاحكام ايناسا للرعية والتبرى بالشرك اخلاصا للربوبية واتقوا الله حق تقاته واطيعوا فيما امركم به فانما يخشى الله من عباده العلماء ثم قالت ايها الناس اعلموا انى فاطمة وابى محمد اقول عودا على بدء اقول ذلك سرفا ولا شططا ثم قالت لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم فان تعزوه تجدوه ابى دون نسائكم واخا ابن عمى دون رجالكم فبلغ النذارة صادعا بالرسالة ناكبا عن سنن مدرجة المشركين ضاربا ثبجهم اخذا باكظامهم داعيا الى سبيل ربه بالحكمة والموعظة الحسنة يجذ الاصنام وينكت الهام حتى انهزم الجمع وولوا الدبر حتى تفرى الليل عن صبحه واسفر الحق عن محضه ونطق زعيم الدين وخرست شقاشق الشياطين وفهتم بكلمة الاخلاص مع النفر البيض الخماص الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها نهزة الطامع وقبسة العجلان وموطاء الاقدام تشربون الطرق وتقتاتون القد اذلة خاسئين يتخطفكم الناس من حولكم فانقذكم الله بنبيه بعد اللتيا والتى وبعد ان منى بهم الرجال وذؤبان العرب كلما حشوا نارا للحرب اطفاها الله او نجم قرن الضلالة وفغرت فاغرة من المشركين قذف اخاه فى لهواتها فلا ينكفى حتى يطاء صماخها باخمصه ويخمد لهبها

بسيفه وكدودا فى ذات الله مجتهدا فى امر الله قريبا من رسول الله سيد اولياء الله مشمرا ناصحا مجدا كادحا وانتم فى رفاهية وادعون امنين تتوكفون الاخبار وتنكصون عند النزال فلما اختار الله لنبيه دار انبيائه واتم عليه ما وعده ظهرت حسيكة النفاق وسمل جلباب الاسلام فنطق كاظم ونبغ خامل وهدر فنيق الكفر يخطر فى عرصاتكم فاطلع الشيطان راسه من مغرزه هاتفا بكم فوجدكم لدعائه مستجيبين وللعزة ملاحظين واستنهضكم فوجدكم خفافا واحمشكم فالفاكم غضابا هذا والعهد قريب والكلم رحيب والجرح لما يندمل فوسمتم غير ابلكم واوردتموها شربا ليس لكم والرسول لما يقبر مبادرا زعمتم خوف الفتنة الا فى الفتنة سقطوا وان جهنم لمحيطة بالكافرين فهيهات منكم وكيف بكم وانى تؤفكون وكتاب الله جل وعز بين اظهركم قائمة فرائضه واضحة دلائله نيرة شرائعه زواجره واضحة واوامره لائحة ارغبة عنه بئس للظالمين بدلا ومن يتبع غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الاخرة من الخاسرين هذا ثم لم تريثوا ريثا وقال بعضهم هذا ولم تريثوا اختها الاريث ان تسكن نفرتها ويسلس قيادها ثم اخذتم تسرون حسوا فى ارتغاء ونصبر منكم على مثل حز المدى ثم انتم تزعمون ان لا ارث الينا افعلى عمد تركتم كتاب الله ونبذتموه وراء ظهوركم بقول الله عز وجل ثناؤه وورث سليمان داود ومما اقتص من خبر يحيى بن زكريا اذ قال رب هب لى من لدنك وليا يرثنى ويرث من آل يعقوب واجعله رب رضيا وقال تبارك وتعالى يوصيكم الله فى اولادكم للذكر مثل حظ الانثيين فزعمتم ان لا حظ لى ولا ارث لى من ابى افحكم الله باية اخرج ابى منها ام تقولون اهل ملتين لا يتوارثان ام انتما اعلم

بخصوص القرآن وعمومه من ابی افحکم الجاهلیة تبغون ومن احسن من الله حکما لقوم یوقنون. ایّها المعاشر المسلمة اتبزّا اریثة الله ان ترث اباك ولا ارث ابی لقد جئتم شیئا فریّا فدونکها مرحولة مخطومة مزمومة تلقاك یوم حشرك فنعم الحکم لله والزّعیم محمّد والموعد القیامة وعند السّاعة ما یوعدون ولکلّ نبإ مستقرّ وسوف تعلمون من یاتیه عذاب یخزیه ویحل علیه عذاب مقیم ثمّ التفتت الی قبر ابیها متمثله بقول عند امتها ثانّه ؎

قد کان ابناء وهنبثة
لو کنت شاهدها لم یکثر الخطب
انا فقدناك فقد الارض وابلها
واختل قومك لما غبت وانقلبوا

الابیات قال فما رأیت اکثر باکیة وباك منه یومئذ ثمّ عدلت الی مسجد الانصار وقالت یا معشر البقیة ویا عماد الملّة وحصنه الاسلام ماهذه الفترة فی حقی والسنة عن ظلامتی اما کان لرسول الله صلّی الله علیه واٰله وسلّم ان یحفظ فی ولده سرعان ما احدثتم وعجلان ذا اهالة تزعمون مات رسول الله فخطب جلیل استوسع وهیه واستنهر فتقه وفقد راتقه واظلمت الارض واکتابت لخیرة الله وخشعت الجبال قلت راکدت الآمال واضیع الحریم وادیل الحرمة فتلك نازلة اعلن لها کتاب الله فی افنیتکم لمساکم ومصبحکم هتافا ولقبله ما حلت بانبیاء الله ورسله وما محمّد الّا رسول قد خلت من قبله الرّسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضرّ الله شیئا وسیجزی الله الشاکرین. ایها بنی قبیلة اهضم تراث ابیه وانتم صلاء فی مسمع تلبسکم الدعوة وتشملکم الخبرة وفیکم العدّة والعدد ولکم الدّار والجنّة وانتم الاولی نخبة الله التی انتخبت وخیرته التی اختار لنا اهل البیت فبادستم العرب وباطحتم الامم وکافحتم البهم لا نبرح وتبرحون نامرکم فتاتمرون حتی دارت لکم بنا رحی الاسلام ودرّ حلب الایّام وخبت نیران الحرب وسکنت فورة الشرك وهدءت دعوة الهرج واستوسق نظام الدّین فانی جرتم بعد البیان ونکصتم بعد الاقدام عن قوم نکثوا ایمانهم بعد عهدهم وطعنوا فی الدّین فقاتلوا ائمّة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرّسول وهم بدؤکم اول مرة اتخشونهم والله احق ان تخشوه ان کنتم مؤمنین الا وقد اری والله ان قد اخلدتم الی الخفض ورکنتم الی الدّعة فمججتم الّذی ادعیتم ولفظتم الّذی سوّغتم فان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان الله لغنیّ حمید الا وقد قلت الّذی قلت علی معرفة منّی بالخذلة التی خامرتم وخور القناة وضعف الیقین ولکنّه فیضة النّفس ونفثة الغیظ وثبته الصّدر ومعذرة الحجّة فدونکموها فاحتقبوها مدبرة الظّهر ناقبة الخفّ باقیة العار موسومة بشنار الابد موصولة بنار الله الموقدة الّتی تطلع علی الافئدة انها علیهم موصدة فبعین الله ما تفعلون وسیعلم الّذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون وانا ابنة نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فاعملوا انا عاملون وانتظروا انا منتظرون.

یہ جناب فاطمہؑ کا خطبہ ہے۔ اور عمدہ ترین خطبات ہے۔ جس میں انوار نبوت شامل اور اقتدار و اعتبار رسالت داخل ہے اور اس کو موافق و مخالف سب نے کتاب سقیفہ عمر ابن شیبہ سے جس کو ابو بکر احمد ابن عبد العزیز جوہری نے جمع کیا ہے۔ نقل کیا ہے۔ واضح رہے کہ امام جوہری نے

اس کو ایک قدیم نسخہ سے نقل کیا تھا۔ اور نقل کرنے کے بعد اس کو بالتمامہ مؤلف (عمر ابن شیبہ) کو پڑھکر سُنا دیا تھا۔ اور یہ اُنہوں نے ربیع الآخر سنہ ۳۲۲ ہجری میں پڑھکر سُنایا تھا۔ اور اس کو اپنے رجال کی اسناد سے متعدد طریقوں میں بیان کیا ہے۔ کہ جب جناب فاطمہؑ کو ابوبکر کے منع میراث کی خبر ملی تو آپ نے چادر کا آنچل ڈالا اور سر سے پاؤں تک جسم مطہر کو چھپایا۔ اور اپنے عزیز۔ رفیق اور لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ مسجد کی طرف رُخ کیا۔ ردائے مبارک لٹکتی جاتی تھی اور پائے مبارک لغزش کرتے جاتے تھے۔ اُس وقت آپ کی رفتار اور رسولِ خداصلعم کی رفتار میں سرِ مو فرق نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس پہنچیں۔ وہ مہاجر و انصار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ کے اور حاضرین کے درمیان چادر کا پردہ تان دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ قبطی تھا۔ سیدہؑ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اُس مجمع میں سب رونے لگے۔ آپ خموش رہیں۔ یہاں تک کہ سب چُپ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اُس خدا کی تعریف کے ساتھ ابتدا کرتی ہوں جو ہر تعریف کے شایاں ہے۔ بخشش و بزرگی جس کی شان ہے۔ ان گوناگوں نعمتوں کے لیے وہی لائق ستائش ہے جس نے اُن کو عطا فرمایا ہے۔ اور تمام بھلائیوں کے لیے وہی سزاوارِ شکر ہے۔ جس نے ہمارے دلوں میں بھلائیوں کو ڈالا ہے۔ اُس کی تعریف ہے اُن تمام نعمتوں کے لیے جس نے اُن کو ہمیشہ نت نیا بنا رکھا ہے۔ اور نیز اُن اچھے احسانوں کے لیے قابلِ مدح و ثنا ہے جنہیں اُس نے ہم پر مبذول فرمایا ہے اور اُن کو حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اُس کے احسانوں کی گنتی گنتی میں نہیں آسکتی۔ اور کسی شے کی زیادتی اُسکی کثرت اور زیادتی کو نہیں پاسکتی۔ اُس کی انتہا امکان سے باہر ہے۔ اُس کے ادائے حقوق سے ندامت اور مجبوری ہے۔ جس کے نازل ہونے کے پتے خدا سے ساری خدائی گرداگرد آئی ہے اور علٰحدہ علٰحدہ احسانات کا برابر سہرا لگاتی چلی آئی ہے۔ خدا نے ان احسانات و انعامات کے مشتاق رہنے اور امیدوار رکھنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دیسی ہی ان احسانات کو بھی سب پر مقدم فرمایا ہے۔ اور میں تم لوگوں سے سچ کہتی ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے مگر وہی خدا جو یکتا ہے اور جو اپنا شریک نہیں رکھتا۔ جس نے کلمۂ وحدت کو اپنی معرفت بتلایا ہے اور عطائے جزا و سزائے قلوب کے لیے اپنی ذات کو ضامن ٹھیرایا ہے۔ اُس کی دلیلوں کو روشن فرمایا ہے۔ وہی خدا ہی جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ جس کے بیان اوصاف پر کوئی زبان قادر نہیں۔ خیال و گمان اُسکا احاطہ نہیں کر سکتا۔ خدا نے تمام چیزیں بنائی ہیں اور اپنی خاص ایجاد سے خلق فرمائیں نہ ایسے کہ اپنے قدیم سے اُسکو سیکھا ہو یا اُس میں کسی کی نقل و تقلید کی ہو۔ اُس نے اُن کو اپنے نفع یا فائدہ کے لیے نہیں بنایا سوائے اس کے کہ انکی ایجاد سے اظہارِ قدرت منظور تھا کہ اُنکو دیکھکر بندے فرمانبردار ہوں۔ اور بندوں کی عزت بڑھ جائے اس کے بعد خدا نے اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے ثواب بنایا اور نافرمانبرداروں کے لیے عذاب۔ اور یہ فرمانبرداروں کو عذاب سے بچانے اور بہشت میں لیجانے کی غرض سے۔ ایہا الناس! میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدرِ عالی مقدار محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اُسکے پیغمبر ہیں۔ خدا نے روزِ اوّل سے اُن کو پیغمبری کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ اور پیغمبری دینے سے پہلے اُن کو بہترینِ عالم قرار دیا تھا۔ اور ایجادِ نبوت سے پیشتر اُن کو منصبِ نبوت کے لیے نامزد فرمایا تھا اور یہ امور اُس کی مشیت و ارادے میں پہلے ہی تکمیل پاچکے تھے۔ جب تمام خدائی غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی تھی اور نہایت دشوار گزار راستوں میں اٹکی ہوئی۔ نیستی کی حدود تک پہنچی ہوئی تھی۔ خدا نے نظامِ دنیا کو خوب جانکر اور اُسکی ضرورتوں کو پہچانکر اپنا حکمِ ناطق جاری فرمانے کی غرض سے میرے پدرِ بزرگوار کو اپنا پیغمبر اور اپنا نبی بنایا اور اپنی لاانتہا حکمت اور اعلائے حق کی غرض سے اُن کو خلعتِ رسالت پہنایا۔ اُنھوں نے عبرتگاہِ دنیا میں آکر تمام لوگوں اور انبیائے قدیم کی امتوں کو بیجان بتوں کی پوجا اور پرستش سے لولگائے ہوئے اور آگ کے الاؤ کے گرد دھونی رمائے ہوئے اور خدائے یکتا

کی طرف سے مُنہ پھرائے ہوئے۔ مشاہدہ فرمایا۔ تو اُس خدا تعالیٰ نے اس بزرگوار کی وجہ سے اندھیریوں کو اُجالا بنایا۔ اور اہلِ زمانہ کے تاریک دلوں سے وہم وشک وغیرہ کے پردوں کو ہٹایا۔ اور ان کی آنکھوں سے حجاب کو دور کیا۔ پھر جب میرے پدر بزرگوار کا دل تماشہ گاہِ دنیا کی طرف سے گھبرا گیا تو اُنہی کی رضا و خوشنودی کے مطابق اُن کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور فرشتگانِ رحمت کے حلقہ میں بٹھلا لیا۔ اور اپنی رضا و خوشنودی سے سرفراز کیا۔ اور اپنے سایہ میں بسایا۔ خدا کی رحمت ہو وحی خدا کی امانتدار اور تمام زمانہ کے سردار پر۔ اے خدا کے بندو تم ہی اوامر و نواہی کے علم بلند کرنیوالے۔ اُس وحی کے قبول کرنیوالے۔ اُس کے حکم کو تمام قوموں پر پہنچانے والے ہو۔ تم ہی لوگوں نے خدا سے عہد کیا ہے جو اُس نے تم لوگوں سے لیا ہے۔ تمہارے ہی درمیان اُس کی باقیماندہ یادگار ہے جسے اُس نے عقب چھوڑا ہے۔ خدا کی وہی کتاب ہے جس کی بصیرتیں نمایاں ہیں۔ اور جس کی آیتوں کے راز عیاں ہیں۔ جو ہم لوگوں (اہلبیت) کے پاس روشن دلیل اور برہان ہیں۔ جس کے مضمون بہت صاف ہیں۔ اُس کے ظاہر حکم نہایت صاف وشفاف ہیں جس کی موعظت ہمیشہ ہمیشہ جاری ہے۔ اور جو بہشت بریں تک پہنچانیوالی ہے۔ اُسکی قبولیت اور ایجاب نجات کے راستوں تک لیجانے والی ہے۔ اُس سے خدا کی ہر روشن دلیل نمودار ہے نصیحتوں سے بھرپور ہے۔ اُس کی مناہیات سے خوف ہوتا ہے۔ اُس کا ہر حکم کافی ہو اور شافی۔ اُس کے ان احکام کی ضیا رقلوب کے زنگ کو جلا دیتی ہے۔ جس کے کلام کی برکت ہر بیمار اور صاحب آزار کو شفا دیتی ہے جس کی شرع مقررہ نصاب ہے جس کی اجازتیں خدا کی مقررہ اور مجوزہ ہیں۔ چنانچہ خدا نے ایمان کو واجب کیا غرور و سرکشی سے بچنے کے لیے زکوٰۃ کو واجب کیا تمہاری روزی کشادہ کرنے کے لیے۔ حج کو واجب کیا خدا سے ڈرنے اور راہِ دین پر لگانے کے لیے۔ پھر ہماری (اہلبیت کی) اطاعت و فرمانبرداری کو واجب کیا نظامِ امت قائم کرنے کے لیے۔ ہماری پیشوائی اور رہنمائی کو تمہارے اختلاف مٹانے اور عزت اسلام بڑھانے کے لیے واجب کیا۔ صبر کا تم کو حکم دیا کہ اجابت دعا میں تمہیں مدد پہنچائے۔ خیر و برکت کا تمہیں حکم دیا کہ تمہیں سب کی بھلائی منانے کی عادت ہو۔ والدین کی نسبت نیکی کرنے کا حکم دیا کہ خدا کے غضب سے ڈرو۔ کُنبہ پروری کا حکم دیا کہ تمہاری عمر اور تمہاری قوم وقبیلہ کی ترقی اور زیادتی کا باعث ہو۔ اور قصاص خونریزی سے جو کمی واقع ہو وہ پوری ہو جائے۔ ایفائے نذر اس لیے واجب ٹھیرائی کہ تمہاری بخشش کے قدم ایثار اور رحمت کے راستوں پر آگے بڑھیں۔ پوری تول اور ناپ کا حکم اس لیے دیا کہ کھوٹ اور طمع گاہِ دنیا کے کاروبار سے مٹ جائے۔ ناموس اور پردہ داری کا حکم اس لیے دیا کہ وہ تہمت اور بدکاری کے الزام سے محفوظ رہیں۔ چوری کی امتناع ایمانداری قائم کرنے کے لیے کی گئی۔ مال یتیم اس لیے حرام کیا گیا کہ وہ ستم رسیدہ مظلوم ظلم سے ممنوع رہیں۔ رعایا سے محبت بڑھانے کے لیے عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔ شرک سے بچنے کی تاکید خدا کو واحد جاننے کی عقیدت بڑھانیکے لیے فرمائی گئی۔ تو اے مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اُس کے احکام کے پابند رہو۔ اور جو بندے خدا کی معرفت سے واقف ہیں اُنکے لیے سوائے اسکے اور کیا ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے رہیں یا ایہا الناس! میں محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی پھر از سر نو تمہیں سمجھاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ میں کوئی فضول اور بیکار بات نہیں کرتی ہوں۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ تم ہی لوگوں میں سے تمہارے پاس ایک ایسا پیغمبر جس کو تمہاری ضلالت ناگوار اور ہدایت مطلوب تھی۔ مبعوث فرمایا گیا۔ وہ ایمانداروں پر از حد مہربان اور رحیم تھا۔ اگر تم اُس کی نسبت اور قرابت پر خیال کرو تو وہ میرا باپ تھا۔ نہ تمہارا۔ اور میں اُس کی لڑکی ثابت ہوتی ہوں۔ نہ کہ تمہاری بیٹیاں۔ اُس کا بھائی میرا ابن عم ہے۔ نہ تمہارے مرد۔ کیا خیر و برکت کے وہ بزرگوار تھے جن کی ساتھ میری اتنی قرابتیں زندہ اور قائم ہیں۔ رسولِ خدا صلعم نے خدا کی رسالت کو تم تک پہنچایا۔ اور اپنی نبوت کو تم پر ظاہر فرمایا اور مشرکوں کے ساتھ معارضہ کیا۔ اُن کے قبیلوں پر تلواریں چلائیں۔ اُن کے بتوں اور بتخانوں کو مسمار کیا۔ اُنکے سرکشوں کے سر تلواروں سے اُڑائے اور حج و براہین الٰہی اُن پر کشادہ فرمائے۔ پند و موعظت کے ذریعہ سے اُن کی تسکین قلوب فرمائی۔ اُن کی

جمعیت کو پریشان کیا۔ اُن کے شجاع ترین مردم کو مار بھگایا تا اینکہ دینِ الٰہی کی صبحِ صادق کفر کی ظلمت سے ہویدا اور آشکار ہوئی۔ اور حق کا جمال جہاں آرا روشن و منور ہوا۔ اہلِ دین مسندِ ہدایت پر بیٹھے اور رہزنانِ دین اور مددگارانِ شیاطین خموش ہوگئے۔ اہلِ نفاق ہلاک و افتادہ اور ظلماتِ کفر و شقاق شگافتہ ہوئے۔ اتفاق و اخلاص کے کلمات تمام اور دینِ اسلام کے احکام عام ہوگئے۔ اور تم لوگ (اہلِ عرب) اپنے کفر و شرک کی وجہ سے قعرِ جہنم کے کنارے پہنچے ہوئے تھے۔ اقصائے عالم میں ذلیل و خوار تھے۔ ہر شخص تم پر حکومت کرنے کے لیے حریص تھا۔ اور اپنی اطاعت کا پاؤں تمہارے مغرور سروں پر دھرے دیتا تھا۔ اور تمہاری املاک غارت کرنے کو پانی پی لینے اور آگ لگا دینے سے بھی زیادہ آسان سمجھتا تھا۔ تم لوگ وہی تو ہو جو بدبودار پانی جس میں اونٹ کی مینگنیاں اور پیشاب مخلوط ہوتا تھا۔ پیا کرتے تھے۔ اور بکریوں کی گھاس اور درخت کی پتیاں اور چھالیں کھایا کرتے تھے۔ اور نہایت ذلت و حقارت سے اپنی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ ڈرا کرتے تھے کہ بیرونی دشمن دور سے اُن پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ اور مال و اسباب کو نہ لے بھاگے۔ پس خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے تم سب کو میرے پدرِ بزرگوار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اُن تمام تہلکوں سے جن میں تم بیشتر بڑی مصیبت اور بلا اُٹھا چکے تھے نجات دی۔ اور اس کے بعد بڑے بڑے شجاعانِ عرب اور خونخوار یہود و نصاریٰ تم پر چڑھ آئے۔ اور آتشِ فتنہ و فساد چاروں طرف بھڑکانے لگے۔ مگر خدائے تعالےٰ نے ہر بار اُنکی آگ کو اپنے لطف کے پانی سے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر جب جب اُن شیاطین نے اپنے فتنہ کی کوئی شاخ نکالی یا خسرگیز نے کوئی تازہ فساد پیدا کیا تو رسولؐ نے بے وسواس اپنے بھائی علی کو اُس تہلکہ اور مہلکہ میں ڈالدیا۔ اور اُسنے بھی تاوقتیکہ اُن کے سرہائے ہمت و جرأت کو پامال نہ کرلیا لڑائی سے منہ نہ موڑا۔ تا اینکہ اُن کے سرہائے مغرور کو اپنے قدموں پر گرا ہوا نہ دیکھ لیا۔ اور اُن کی اس فتنہ و فساد کو اپنی تلوار کے پانی سے نہ بجھا لیا اپنی جان کو ایذا و تعب میں ڈالے رہے۔ اور اعلائے دین کا انتظام فرماتے رہے ہمیشہ امرِ خدا کی تعمیل پر تیار رہتے تھے۔ اور ہمیشہ رسولؐ کے نزدیک حاضر رہتے تھے۔ اور کسی معرکے میں اُن سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ اولیائے خدا کے سردار تھے۔ اور اطاعتِ خدا پر کمربستہ اور تیار تھے۔ خیر خواہِ امت تھے۔ اپنی جان کو محنت و مشقت میں ڈالتے تھے۔ اور تم لوگ اُنکی راحت رسانیوں کی وجہ سے عیش اور امن میں تھے۔ اور ایسے امن و امان کے گہواروں میں مطمئن لیٹے رہتے تھے۔ اور ہم لوگوں کے بلاؤ مصیبت میں گرفتار ہونیکا انتظار کرتے تھے۔ اور ہماری نسبت متوحش اخبار سننے کے مشتاق رہتے تھے۔ اور جب کوئی جنگ کا موقع آلگتا تھا تو صاف پہلوتہی کر جاتے تھے۔ اور لڑائی کے وقت دشمنوں کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتے تھے۔ پس جب حق تعالےٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو آخرت میں پیغمبروں کے مکانات اور درجات عنایت فرمائے اور اپنے برگزیدوں کی خوابگاہ تک پہنچا دیا تو اُس کے پیچھے۔ تمہارے سینوں میں کفر و شقاق کے چھپے ہوئے کانٹے ظاہر ہوئے۔ اور عصبیت و نفاق کے آثار آشکار ہوئے دینِ الٰہی کا ملبوس جو تم اوڑھے تھے وہ کہنہ اور چاک چاک ہوگیا۔ اور اب پھر وہ گمراہ لوگ بیچ میں تقریر کرنے کو آگئے۔ جو دہن بستہ اور خموش تھے۔ اور تم میں ایسے گمنام اور بے نام و نشان پیدا ہوگئے۔ جو تمام لوگوں سے ذلیل ترین تھے۔ ناحق والوں کے اونٹ بلبلانے اور جولانگاہِ دنیاداری میں تلملانے لگے۔ اور اپنی جست و خیز دکھلانے لگے۔ اور تمہارے معرکوں میں شیطان نے پھر اُس مقام سے جہاں وہ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا سر بلند کیا۔ اور تم کو پُکارا۔ اور اُس نے دیکھ لیا کہ تم سب اُس آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑے آتے ہو۔ اور دولتِ دنیا پر اپنی آنکھیں لگائے بیٹھے ہو۔ اور جب شیطان نے تم سے کہا کہ اُٹھ کھڑے ہو۔ پس تم فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور حقداروں کے اوپر اُس نے تم کو غضبناک بنا دیا۔ اور جب اُس نے دیکھ لیا کہ تم مستحقین پر ناحق غضبناک ہوگئے۔ اور دوسروں کے اونٹوں پر اپنی ملکیت کے داغ لگا دیے۔ یعنی امرِ خلافت کہ دوسروں کا حق تھا اپنے نام کر بیٹھے۔ اور دوسرے

لوگوں کا حق اپنے گھر اُٹھا لے گئے۔ حالانکہ ابھی تک اپنے اُس عہد سے جو تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وابستہ کیا تھا باہر نہیں آچکے تھے۔ اُن کی وفات کی مصیبتیں اور اُس کی جراحتیں ہمارے دلوں سے مندمل بھی نہ ہونے پائی تھیں۔ تم نے اُن کی لاشِ مطہرؐ کو سپردِ زمین بھی نہیں کیا۔ اور بہانہ کیا تو یہ کیا کہ تم لوگ فتنہ سے ڈرے حالانکہ تم خود اُسی فساد میں کود پڑے۔ اور کافروں کے لیے جہنم محیط ہے۔ افسوس تم سے امورِ امت کی تدبیر کا کرنا کس قدر بعید ہے۔ اور مذہبی امور تم سے کیسے درست ہو سکتے ہیں افسوس! شیطان تمہیں کس راستے پر لیے جاتا ہے حالانکہ کتابِ خدا تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور اُس کے امور ظاہر ہیں اور احکام واضح۔ اُس کے نشان ہویدا ہیں اور اُس کے تمام اوامر و مناہی ہویدا۔ تم نے ان تمام امور کو اپنے پسِ پشت رکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں قرآن سے اب کوئی رغبت نہیں ہے۔ اور سوائے اُس کے اب تم کوئی دوسرا حاکم چاہتے ہو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اُن ظالموں کے لیے جو حکم قرآن کے مخالف حکم چاہتے ہیں بہت بُرا بدلہ ہے۔ اور حق تعالےٰ نے فرمایا ہے جو کوئی سوائے اسلام کے کسی اور دین کو چاہتا ہے اُس کو خدا تعالےٰ قبول نہیں کریگا۔ وہ آخرت کے روز گھاٹا اُٹھانے والا ہوگا۔ تم صرف اتنی ہی دیر تک خموش رہے کہ تم نے اپنی خلافتِ باطلہ کو مستحکم کر لیا اور اس کے بعد تم نے فوراً ہی آتشِ فساد کو بھڑکانا اور بدعنوانیوں کا پیدا کرنا آغاز کر دیا۔ اور جو شیطان گمراہ کنندہ نے تم کو آواز دی تم نے اُسے قبول کر لیا۔ اور دینِ روشن کی روشنی کو بجھا دیا۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو مٹا دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی۔ اب مکر و حیلہ کے ساتھ یہ چاہتے ہو کہ دینِ الٰہی کے تمام آثار و اقتدار کو مٹا دو اور یہ خواہش کرتے ہو کہ آہستہ آہستہ شریعتِ اسلامی کے آثار اپنی ظاہری دینداری کے لباس میں چھپا لو۔ اور ایامِ بدعت کی تمام بدعتوں کو بارِ دیگر شائع کر دو۔ اور جو کینۂ دیرینہ کہ تم رسول صلعم اور اُن کے اہلبیتؑ کے ساتھ قدیم سے رکھتے ہو اُس کا اب تدارک کرو۔ پس ہم لوگ (اہلبیتؑ) تمہاری

ضربتوں پر صبر کرتے ہیں۔ مگر اُسی طرح جس طرح کہ کسی کو چھُری اور برچھی سے پارہ پارہ کیا جائے اور اُس کے پاس مدافعت کے لیے کوئی چارہ نہو۔ اُنھی مظالم کی ذیل میں یہ ہے کہ تم خیال کرتے ہو کہ میرے والدِ بزرگوار کی میراث میں میرا کوئی حق و حصّہ نہیں ہے۔ پھر معصومہؑ نے یہ آیت پڑھی جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے، کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ جاہلیت کے حکم جاری کرو اور خدا سے بہتر حکم کرنیوالا کون ہو سکتا ہے، اُن لوگوں کے لیے جو صاحبِ یقین ہیں۔ کیا تم لوگ میرے استحقاق و حقیت کو نہیں جانتے۔ بلکہ تم جانتے ہو اور جانکر چھپاتے ہو۔ ہمارے استحقاق تم لوگوں پر مثل آفتاب روشن کے روشن ہیں۔ اے گروہ مہاجرین! کیا تمہیں یہی لازم ہے کہ لوگ مجھ پر میرے باپ کی وراثت حاصل کرنے کی کوششوں میں غلبہ کریں اور تم مجھ کو چھوڑ کر اُن کی استمداد و اعانت کرو۔ اے ابو قحافہ کے بیٹے! خدا کی کتاب میں تو یہ لکھا ہے کہ تم اپنے باپ کی میراث پاؤ۔ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ لقد جئت شیئا فریا۔ تم نے خدا پر عجیب فریب باندھا ہے۔ کیا عمداً تم لوگ کتابِ خدا کی پیروی کو ترک کرتے ہو۔ اور اُس پر عمل کرنے کو پسِ پشت ڈالتے ہو۔ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے فرمایا ہے وورث سلیمان داؤد۔ سلیمانؑ نے داؤدؑ سے میراث پائی۔ اور یحییٰؑ ابن زکریاؑ کے واقعہ میں بیان فرماتا ہے رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ اے پروردگار! مجھے ایک ولی عنایت فرما جو مجھ سے اور آلِ یعقوبؑ سے میراث پائے۔ پھر فرماتا ہے واولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ بعض قریبی رشتے والے بہتر ہیں بعضوں سے۔ کتابِ خدا میں۔ بیگانوں سے۔ اتنا فرما کر اُس صدیقۂ کبریٰ نے آیۂ توریث یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین تلاوت فرمائی۔ پھر اپنے سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے قول کی رُو سے میرے پدرِ عالی مقدار کی میراث میں کوئی حق و حصّہ نہیں ہے۔ کیا خداوندِ عالم نے تم ہی لوگوں کو آیۂ میراث سے مخصوص کر دیا ہے اور مجھکو اور میرے باپ کو اُس سے خارج کر دیا ہے۔ یا تمہارا یہ عقیدہ ہے

کہ میں اور میرا باپ ایک مذہب و ملت کے ماننے والے نہیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے تم مجھے میرے باپ کی میراث نہیں دیتے ہو۔ پس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ حاضرین میں سے کسی کی آواز موافقت نہیں نکلتی تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم بلا معارضہ و منازعہ آج فدک کی املاک مجھ سے لیلو۔ مگر یاد رکھو کہ بروزِ قیامت تم سے ملاقات ہوگی۔ اور تم سے اس کے متعلق ضرور سوال کرینگے۔ اور خداوندِ تعالےٰ اس امر میں حکم دینے والا ہے۔ اور اس حق کے طلب کرنیوالے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہونگے۔ اور وہ وعدہ گاہ قیامت ہے اور قیامت کے روز تم لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہوگے۔ اُس دن تمہاری ندامت تمہیں کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔ اور ہر ہونیوالی چیز کا ایک مقدر رہے۔ اور اُس دن تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ وہ کون ہے جس کی طرف ذلیل و خوار کرنیوالا عذاب آنے والا ہے۔ اور وہ کون ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب داخل ہونے والا ہے۔

اس کے بعد جناب سیدہ صلوات اللہ و سلامہ علیہا نے گروہِ انصار کی طرف رُخ فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے شجاع لوگوں کی جماعت! تم اپنے آپ کو مددگارانِ دین کہتے ہو۔ یہ کیسی غفلت اور سستی ہے کہ تم لوگ میرا حق دلانے میں دکھلا رہے ہو۔ اور تمہارا یہ کیسا تغافل اور تامل ہے کہ تم اُن مظالم پر کر رہے ہو جو مجھ پر توڑے جاتے ہیں۔ کیا میرے پدرِ بزرگوار تم لوگوں سے نہیں فرما گئے ہیں کہ ہر شخص کی حرمت کا خیال و لحاظ اُس کی اولاد و اعقاب کے ساتھ رکھنا لازم ہے۔ کیا جلد تم لوگ بد عتہاے نوایجاد پر راضی ہو گئے۔ اور اپنے رسول کے دین کی حمایت سے ہاتھ اُٹھا بیٹھے۔ حالانکہ جس چیز کے حاصل کرنے کی میں خواہش کرتی ہوں اُس کے لے لینے کی طاقت تم میں موجود ہے۔ اور میری معاونت کرنے کی قوت تم میں باقی ہے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو یہ ایسی مصیبت ہے جس کا اثر آسمان۔ زمین۔ کوہ۔ دشت اور صحرا تمام چیزوں پر ظاہر ہوا۔ ستارے اُس کے باعث سے تاریک ہو گئے۔ حرمتیں ضائع ہو گئیں۔ اور اب اس سے زیادہ کوئی مصیبت نہیں ہوگی۔ لیکن یہ تمام امور اس کے باعث نہیں ہو سکتے کہ تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ۔ کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول۔ اُن سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے دین سے پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص دین سے پھر جاتا ہے اُس سے خدا کے دین کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ اور خدا شکر کرنیوالوں کو بہت جلد جزا دیتا ہے۔ اے فرزندانِ قبائل! کیا تم کو یہی لازم ہے کہ میرے باپ کی میراث لوگ مجھ سے بزور و ستم لے لیں۔ اور تم بیٹھے دیکھا کرو۔ اور سنا کرو۔ حالانکہ تمہاری جمعیت پوری ہے۔ اور اسلحجات کارزار بھی تمہارے پاس کافی طور پر موجود ہیں۔ تم کو میں اپنی نصرت کے لیے بلاتی ہوں اور تم اُسے قبول نہیں کرتے حالانکہ تم وہی لوگ تو ہو جو شجاعت و مردانگی کے لیے مشہور و معروف تھے۔ تم نے اپنی صلاحیت طبعی اور عقلمندی سے بڑے بڑے عرب کے قبیلوں کے ساتھ مقابلے اور مقاتلے کیے ہیں۔ اور معرکہائے جنگ میں بڑی بڑی محنتیں اور دقتیں اُٹھائی ہیں۔ ہم لوگ جو حکم کرتے تھے وہ تم بجا لاتے تھے اور ہمارے قدم سے اپنا ایک قدم باہر نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خدا نے اپنی برکت سے اسلام کی چکی چلا دی۔ اور زمانہ بھر میں خیر جاری ہو گئی۔ کفر کی آگ بجھ گئی۔ دین کے نظام درست ہو گئے۔ پس اب تم لوگ کیوں حیران و سرگشتہ ہو رہے ہو۔ اور ایمان کے بعد کفر کا اعلان کر رہے ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی گئی جس کا ظاہر ترجمہ یہ ہے۔ کیا تم لوگ اُن سے مقاتلہ کرنے میں جنہوں نے نقضِ عہد کیا اور دین سے پھر گئے اور یہ چاہا کہ رسول صلعم کو باہر کریں۔ پس وہی لوگ تو ہیں جو قبل میں تم سے لڑ چکے ہیں۔ کیا تم اُن لوگوں سے ڈرتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو خدا ان لوگوں سے زیادہ خوف کیے جانے کے قابل ہے۔ اگر تم لوگ کچھ بھی ایمان رکھتے ہو۔

یہاں تک پہنچکر جناب سیّدہ نے ارشاد فرمایا کہ حاضرین کی جماعت میں میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم لوگ عیش و راحت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور جو لوگ کہ اس امر خلافت و امارت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اُن کو تم نے دور کر دیا ہے۔ اور ایمان و یقین کی طرف سے جو کچھ تمہارے دل میں جاگزیں ہوا تھا اُس کو تم نے اپنے مُنہ سے باہر نکال پھینکا۔ پس اگر تم لوگ کیا ساری دنیا کے لوگ کافر ہو جائیں تاہم خدائے تعالےٰ دنیا والوں سے بے نیاز اور بے پروا رہیگا۔ مجھے اس امر کا علم تھا اور یقین کہ تم مجھ سے غدر کروگے اور مکر۔ اور میری نصرت و مددگاری نہ کروگے۔ لیکن میرے دل میں درد و الم جمع ہوگئے تھے۔ اُنہوں نے مجھے اتنی اظہار پر مجبور کر دیا۔ اور میں نے اس اظہار سے یہ چاہا کہ میں اپنی حجت کو تم پر تمام کر دوں کہ پھر قیامت کے دن تم لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ پس تم لوگ خواری۔ ذلت اور ابدی عقوبتِ الٰہی کے ساتھ میرے حقوق تو لیلو اور لیجاؤ۔ مگر دیکھوگے کہ اس کے بدلے میں خدائے سبحانہ و تعالےٰ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور بہت جلد تم لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ جن لوگوں نے مجھ پر یہ ظلم و ستم ڈھایا اُن کی بازگشت کہاں ہونے والی ہے۔ میں تو اُس بزرگوار کی صاحبزادی ہوں جو ہمیشہ تم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا کرتا تھا۔ پس جو تم لوگوں کے دل میں آئے وہ کرتے جاؤ۔ مگر ہم لوگ تو وہی کرینگے جس کو ہم لوگ حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو اور ہم لوگ بھی اُسی روز کے منتظر رہتے ہیں جس روز خدائے سبحانہ و تعالےٰ حق و باطل کا فیصلہ فرمائے!

جنابِ سیّدۂ طاہرہ۔ خیر النساء العالمین۔ بضعۃ سیّد المرسلین حوراء الانسیہ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ بتول عذرا سلام اللہ علیہا کا وہی فصیح و بلیغ اور مشہور و معروف خطبہ ہے۔ عدیم النظیر۔ بے مثال اور لاجواب۔ جس کو علاوہ علامہ ابن ابی الحدید۔ امام جوہری اور عمر ابن شیبہ کے اور دیگر علمائے اہلسنت نے اگرچہ پوری تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر اپنی مستند تالیفات میں اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ چنانچہ سبط ابن جوزی نے "تذکرۂ خواص الامۃ" میں۔ امام زمخشری نے فائق اللغات میں لفظ لُمّہ کے لغت میں اور علامہ اثیر جزری نے نہایۃ الاصول میں اس کا ذکر برابر مندرج کیا ہے۔ فمن شاء فلیرجع الیہم۔

اپنے اس معجزنما کلام اور تقریر میں جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے تمام مطالب و مقاصد اور اُن تمام مظالم و شدائد کو ایک ایک کر کے بیان کر دیا ہے جو آپ سے متعلق تھے۔ اور جن مطالب کی خواستگاری کے لئے آپ کے ساتھ یہ دل آزاری کی گئی۔

ہم اس خطبہ کی نسبت ابھی کچھ نہیں لکھینگے۔ ہمارا بیان ابھی اُنہی واقعاتِ زیرِ بحث سے وابستہ ہے جن سے پہلے تو صریح انکار۔ پھر تھوڑی سی ترمیم کے بعد اقرار۔ اور پھر اُن دلائل اقرار کردہ پر منکرانہ اصرار کیا جاتا ہے۔ اصل واقعات کو اوّل تو سرے سے بیان ہی نہیں کیا جاتا۔ اگر کہیں بیان بھی کر دیا گیا اور فوری جذبات اور اتفاقات سے لکھ بھی دیا گیا تو وہ بھی تفصیل و تشریح سے نہیں۔ بلکہ ایسے اختصارات کے ساتھ جو حقیقت میں محض اشارات و کنایات سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن سے اصل واقعات پر کسی طرح کافی روشنی نہیں پڑتی۔ اس طرح کہ کہیں کسی واقعہ کی ابتدا صرف لکھدی گئی اور اصل خبر چھپا دی گئی۔ اور کہیں صرف خبر کا اشارہ کر کے ابتدا غائب کر دی گئی۔ غرضکہ اس واقعہ نے سوادِ اعظم کی تالیفی اور تصنیفی عالم میں ایک فسادِ عظیم پھیلا رکھا ہے اور تبعینِ خلافت اور ارکینِ حکومت نے اس کے اخفا اور استیصال کی کوششوں میں وہ قلمکاریاں کی ہیں کہ باید و شاید۔ اجرکم اللہ علیٰ ما استحق۔

ہمارے سابق مندرجہ بیانات ان تمام واقعات اور حالات پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ اور ان تمام امور کو اُنہی کی اسناد و اشہاد سے صحیح و معتبر ثابت کرنے کے علاوہ اُنکا خاص اقرار اور مختار ظاہر کرتے ہیں۔ اب اس خطبۂ مقدسہ کی نسبت ہم کو نہایت اختصار کے ساتھ جو کچھ لکھنا ہے وہ یہ ہے:۔

اس کی اصلی عبارت۔ یکتا۔ فصاحت و بلاغت سے پُر اور مملو ہونے کے علاوہ۔ اسکے مطالب۔ مقاصد اور مضامین ایسے جامع اور مانع۔ اور اسکی دلائل و براہین اور مباحث ایسی واضح۔ قوی اور مستحکم ہیں جن کے تسلیم اور قبول کرنے میں کسی انسان کو ذرا بھی تامل نہیں ہو سکتا۔ اس کے مطالب و مقاصد معارف الٰہی کے اصول معارف سے لیکر دنیا کی تمام اعلےٰ اور ادنےٰ ضروریات و اغراض کی کامل ہدایت پہنچانے اور دینی و دنیاوی رفاہ و فلاح بتلانے کے لیے پورے طور سے کافی ہیں۔ یہ خطبۂ مقدسہ ذاتِ الٰہی کا معارف ہے اور اُس کی قدرت لامتناہی کا کاشف۔ موعظۂ حسنہ کا تیار دفتر ہے۔ نیرنگیٔ دنیا کا عبرت خیز منظر۔ ابنائے زمانہ کی مظالم کی حسرتناک داستان ہے۔ دنیا پرستوں کی بدسلوکیوں کی کامل فرد بیان۔

صورتِ حال بتلا رہی ہے کہ یہ وہ مکالمہ ہے اور مخاطبہ جو مجرمین کے روبرو بیان کیا گیا۔ یہ وہ مطالبہ ہے جو ملزمین سے رسول صلعم کی بھری مسجد میں تمام مسلمانوں کے سامنے کیا گیا۔ نتیجہ اس کا جو کچھ بھی ہوا ہو مگر اس کی سچی تاثیر نے یہ صورت دکھلائی کہ سُننے والوں کے دل ہل گئے۔ کلیجے پاش پاش ہو گئے۔ اور وہ تمام مجمع کا مجمع۔ جماعت کی جماعت۔ دھاڑیں مار مار کر زار و قطار رونے لگی۔ اُن کی گریہ و زاری کا اتنا شور مچا کہ آخرِ کار جنابِ سیدہؑ کو اپنی تقریر روک دینی پڑی۔ اور لوگوں کی رقت موقوف ہونے تک انتظار کرنا پڑا۔ اب اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اگر یہ تقریر حق نہیں تھی۔ اسکی مطالب و مقاصد حق پر مبنی نہیں تھے اور اس کا بیان کرنیوالا اپنے مطالبات کا مستحق نہیں تھا تو پھر اس کے بیان میں ایسی دردانگیز اور رقت خیز تاثیر کیونکر پیدا ہو گئی۔ اور اگر یہ بالکل حق ہونیکا پورا اثر نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ جس نے تمام حاضرین و سامعین کی آنکھوں سے حسرت و پشیمانی کے ایک نہیں ہزار بلکہ لگاتار آنسو رُلوا دیے۔ یہ انتہا درجہ کی ندامت اور پشیمانی نہیں تھی تو اور کیا تھی جس نے قصور کرنے والوں کو عذر کرنے کے لیے اُن کے آستانِ مبارک پر کھینچ لاکر کھڑا کر دیا۔ اور عرب کی جیسی جھلسا دینے والی دھوپ اور سخت گرمی کی دوپہر میں دروازے پر کھڑا کر کے معذرت منگوائی۔ جیسا کہ ریاض النظرۃ کی عبارت میں امام اوزاعی کی اسناد سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور پھر مزید احتیاط کے لیے دوسری سند ذیل میں پیش کر دی جاتی ہے۔ امام قتیبہ دینوری اُسی کتاب السیاسۃ والامارۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فقال ابوبکر لعمر انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد غضبناھا فانطلقا جمیعا فاستاذنا علی فاطمۃ فلم تاذن۔

ابوبکر نے عمر سے کہا کہ آؤ ہم لوگ فاطمہؑ کے پاس چلیں کیونکہ ہم لوگوں نے اُن کو آزردہ خاطر اور غضبناک کر دیا ہے پس وہ دونوں آدمی آئے اور جنابِ سیدہؑ سے اجازت مانگی اور جنابِ سیدہؑ نے اجازت نہیں دی۔

یہ صورتِ واقعہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ ملزمین کو اعتراف الزام بھی تھا اور اقرارِ جرم بھی۔ اسی لیے معافی کی خواستگاری بھی کی گئی اور دلجوئی کی فکر بھی مدِ نظر رکھی گئی۔ ہم چونکہ ان مضامین کو پوری وضاحت کے ساتھ اوپر بیان کر آئے ہیں اس لیے اُن کا دُہرانا فضول ہے اور باعثِ طول۔ اب اس خطبۂ عالیہ کے آخر میں جو کچھ ہم کو دکھلانا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حرف حرف اور لفظ لفظ سے انوارِ رسالت اور ضیائے حق نمائے نبوت کی عالمتاب شعاعیں کافی روشنی پھیلا رہی ہیں۔ تمام رموز ہدایت اور مطالب پند و موعظت پورے طور سے ظاہر ہیں اور آشکار۔ اسکے مضامین۔ اسکی دلائل اور اس کی عبارت بتلا رہی ہے کہ یہ حسن بیان افصح العرب والعجم کی گویا زبان ہے۔ اُسکے تمام اغراض و مطالب علوم لدنیہ سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور مواہب ربانیہ سے پُر اور مملو۔ اور سوائے اس گروہ مخصوصین اور مقربین بارگاہ رب العالمین کے دوسرے عام لوگوں کی زبانوں کو ایسے اعلےٰ اور معجز نما مطالب و مقاصد تو کہاں۔ اُن کے صرف بیان و تقریر کے لیے ایسے الفاظ و کلمات تو نصیب ہی نہیں ہو سکتے۔ مدتوں غور و خوض

کی زباں چوسی ہے۔ وھٰذا افضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جناب سیدہ کی وفات اور تجہیز وتدفین کے پورے حالات

بہرحال۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے تمام مصائب و شدائد کو اتنی طویل تفصیل سے بیان کر کے اب ہم آپ کے کل ڈھائی مہینوں کی باقیماندہ زندگی کے تلخ اور ناگوار ایام کو حالات اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کرتے ہیں۔

حقیقت میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادھر آنکھیں بند ہوئیں ادھر غریب ویتیم فاطمہؑ پر چاروں طرف سے مصیبتوں کے دروازے کھل گئے۔ جناب سرور کائنات صلعم پیارا مہربان۔ سرپرست اور شفیق باپ سر سے اٹھ گیا۔ زمانے والے تسکین ودلجوئی کی جگہ بیمروتی اور بیدردی سے پیش آئے۔ املاک ضبط ہوگئے۔ میراث چھن گئی۔ استدعا۔ التجا اور استغاثہ مسترد کر دیا گیا۔ مطیع حکومت نہ ہونے کی وجہ سے غدر وبغاوت کا جرم لگایا گیا۔ گرفتاری اور غارتِ مکان کے لیے دروازے پر دوڑیں بھیجی گئیں۔ گھر جلا دینے کے پورے سامان کیے گئے۔ تہدید تشدد ذلت اور اہانت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ امتناعی اور دفاعی کوششوں میں غریب معصومہ کا شانہ اور پہلو مجروح کر دیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب اندوہ ومصیبت غم و الم اور قلق وصدمات کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چھ مہینہ کا حمل اسقاط ہوگیا۔ اور پھر بستر علالت پر کچھ ایسی گریں کہ پھر جانبر نہ ہوسکیں۔ اور نہ اٹھیں۔ نہ اٹھیں۔ اور انہی صدمات وقلق کے باعث تین مہینے کے اندر گھل گھل کر دنیا سے رحلت کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ تو آپ کے ایام علالت اور وفات کی اجمالی کیفیت تھی جو اوپر لکھی گئی۔ اب اس کے تفصیلی حالات ذیل میں مرقوم ہیں۔ سید علی ہمدانی کتاب مودۃ القربےٰ میں تحریر فرماتے ہیں عن ابن عباس لما جاءت فاطمۃ الاجل لم تحم ولم تصدع ولکن اخذت بید الحسن والحسین

فذهبت بهما الى قبر رسول الله فصلت بين القبر والمنبر ركعتين ثم ضمتهما الى صدرها والزمتهما وقالت يا اولادي اجلسا عند ابيكما ساعة و امير المؤمنين يصلي في المسجد ثم رجعت ومن عندهما نحو المنزل فحملت ملاط النبي فاغتسلت ولبسلت فضل ثوبه ثم نادت يا اسماء امراة جعفر الطيار فقالت لبيك بنت رسول الله فقالت يا فاطمة لا تفاقد يني فاني في هذا البيت واضعة جنبي ساعة فاذا مضت ساعة ولم اخرج فناديني ثلثا فان اجبتك فادخلي والا فاعلمي اني الحقت برسول الله صلعم ثم قامت مقام رسول الله ص وصلت ركعتين ثم طالت ونارت وجهها بطرف رداها وقيل ماتت في سجودها فلما مضت ساعة اقبلت اسماء بفاطمة الزهراء ونادت ثلثا يا ام الحسن والحسين يا بنت رسول الله فلم تجب فدخلت البيت فاذا هي ثم شقت اسماء جيبها وقالت كيف اخبرني رسول الله بوفاتك ثم خرجت فلقيها الحسن و الحسين فقالا اين امنا فسكتت فدخلا البيت فاذا ممتدة فحركها الحسين فاذا هي ميتة فقال يا اخا اجرك الله في موت امنا ثم اخبر عليا وهو في المسجد فغشي عليه حتى رش عليه الماء فجاء على حتى دخل بيت فاطمة وعند راسها تبكي اسماء وابنا محمد ما كنا نشعر بفاطمة موت جدكما فمن نسفر بعدك فكشف امير المؤمنين عن وجهها فاذا برقعة عند راسها فنظر فيها مكتوب ـ بسم الله الرحمن الرحيم. هذه وصية فاطمة بنت رسول الله وهي تشهد ان لا اله الا الله محمدا رسول الله ص وان الجنة حق والنار حق وان الساعة اتية لا ريب فيها وان الله تعالى يبعث من في القبور يا علي انا فاطمة بنت رسول الله ص زوجني الله منك لاكون لك في الدنيا والاخرة وانت اولى بي من غيرك فغسلني

وحنطنی واکفنی وادفنی باللیل ولا تعلم احدا
استودعک واقرء علی ولدی سلاما الی یوم القیٰمۃ
فلما جاء اللیل غسلہا علی ووضعہا علی السریر
وقال للحسن ادع الی المصلی فصلی علیہا ورفع
یدیہ الی السماء فنادی ہٰذہ فاطمۃ اخرجتہا
من الظلمات الی النور فاضاءت الارض میلا فی
میل فلما ارادوان یدفنوہا نادت بقعۃ من البقیع
الی فقد رفع تربتہا فنظروا بقبر محفور فحملوا السریر
الیہا فدفنوہا فجلس علی شفیر القبر فقال یا ارض
استودعک ودیعتی ہٰذہ بنت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ والہ وسلم فنودی عنہا یا علی انا ارفق
بہا منک فارجع لہتم فانسد القبر واستوے
الارض فلم یعلم این کان یوم القیٰمۃ۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب جنابِ فاطمہ زہرا کی وفات کا وقت قریب آیا تو نہ اُس معصومہ کو بخار آیا اور نہ دردِ سر عارض ہوا۔ بلکہ حسن اور حسین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑے اور دونوں کو ہمراہ لیکر قبرِ رسولِ خدا صلعم پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر دونوں کو اپنے سینے سے لگایا اور اُن سے لپٹ کر فرمایا۔ اے میرے بچو! تم دونوں ایک ساعت اپنے باپ کے پاس بیٹھو۔ اور امیر المومنینؑ اُس وقت مسجد میں تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں سے گھر آئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی چادر اُٹھائی۔ پھر غسل کرکے آنحضرت صلعم کا بچا ہوا لباس اور بروایتِ دیگر بچا ہوا کفن پہنا۔ بعد ازاں اسماء زوجۂ جعفرِ طیار کو آواز دی۔ اسماء نے عرض کی۔ ہاں۔ اے دخترِ رسولِ خدا! جنابِ فاطمہؑ نے فرمایا۔ تم میرے پاس سے الگ نہ ہونا کہ میں اس گھر میں ایک ساعت لیٹنا چاہتی ہوں۔ جب ایک ساعت گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو تم مجھ کو تین آواز دینا۔ اگر میں جواب دوں تو تم اندر چلی آنا ورنہ سمجھ لینا کہ میں جنابِ رسولِ خدا صلعم سے ملحق ہوگئی۔ بعد ازاں رسولِ خدا صلعم کی جگہ پر کھڑی ہوگئیں اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر لیٹ گئیں۔ اور اپنا منہ چادر کے پلّے سے لپیٹ لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جنابِ سیدہؑ نے سجدے ہی میں انتقال کیا۔ جب ایک ساعت گزر گئی تو اسماء نے جنابِ فاطمہؑ کی طرف مخاطب ہوکر آواز دی۔ اے حسنؑ و حسینؑ کی ماں! اے دخترِ رسولِ خدا!! مگر کچھ جواب نہ ملا۔ تب اسماء حجرے میں داخل ہوئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ معصومہ رحلت کر چکی ہیں۔ یہ دیکھکر اسماء نے اپنا گریبان چاک کیا اور کہا کہ رسولِ خدا صلعم نے مجھ کو کیوں تمہاری وفات سے خبر دے رکھی تھی۔ پھر حجرہ سے باہر نکل آئیں۔ اتنے میں حسنؑ اور حسین علیہما السلام اُن سے ملے اور پوچھنے لگے۔ اے اسماء ہماری ماں کہاں ہیں؟ اسماء خاموش رہ گئیں اور دونوں صاحبزادے حُجرے میں داخل ہو گئے۔ ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ جنابِ فاطمہؑ لیٹی ہوئی ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُن کو ہلایا تو معلوم ہوا کہ وہ انتقال فرما چکی ہیں۔ یہ حال دیکھکر اپنے بڑے بھائی سے عرض کی۔ اے بھائی! اللہ تعالےٰ آپ کو ہماری مادرِ گرامی کے مرنے میں اجر عطا فرمائے۔ بعد ازاں دونوں بھائی گھر سے نکلے۔ اور پکارتے جاتے تھے۔ وا محمداہ! وا احمداہ!! اے نانا! آج والدہ کی موت نے آپ کی موت کو ہمارے لیے پھر تازہ کر دیا۔ پھر مسجد میں جاکر اپنے والدِ ماجد حضرت علی ابنِ ابیطالبؑ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ وحشتناک خبر سُنکر حضرت پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ ہوش میں لانے کے لیے آپ پر پانی چھڑکا گیا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو حضرت گھر میں تشریف لائے۔ اور حُجرۂ فاطمہؑ میں داخل ہوئے۔ اُس وقت اسماء اُن معصومہ کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں اور کہتی تھیں۔ اے پسرانِ محمد صلعم ہم فاطمہؑ کے سبب تمہارے جدِّ امجد محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کو یاد نہیں کرتے تھے۔ پس اے فاطمہؑ! اب تمہارے بعد کس کے چہرۂ منور کی زیارت کرینگے۔ اسکے بعد حضرت علی مرتضےٰ نے جنابِ فاطمہؑ کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ دیکھا کہ ایک رقعہ ان کے سر کے قریب رکھا ہے۔ آپ نے اُس کو اُٹھاکر پڑھا تو اُس میں یہ مضمون لکھا ہوا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فاطمہؑ دخترِ رسولِ خدا صلعم کی

وصیت ہے اور وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ محمدؐ خدا کا رسول ہے اور شہادت دیتی ہے کہ بہشت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ اور قیامت ضرور آنیوالی ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تمام مُردوں کو قبروں سے زندہ کرکے اُٹھائیگا۔ اے علیؑ! میں فاطمہؑ دخترِ رسولِ خدا صلعم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے میرا نکاح کیا تاکہ دنیا و آخرت میں میں تمہاری بیوی ہوں اور تم غیر کی نسبت میرے لیے زیادہ اولےٰ ہو۔ پس تم ہی مجھے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن کرنا اور دفن کرنا۔ رات کے وقت مجھ کو دفن کرنا اور کسی کو خبر نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ اور اپنی اولاد کو جو قیامت تک ہوگی سلام کرتی ہوں۔ جب رات ہوئی تو جنابِ امیر علیہ السلام نے آپ کو غسل دیا۔ اور تختہ پر رکھا۔ پھر امام حسن علیہ السلام سے فرمایا۔ جانماز میرے لیے منگاؤ۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔ پس زمین میل میل تک روشن ہوگئی جب ان حضرات نے اُن معصومہ کو دفن کرنا چاہا تو بقیع کے ایک مقام سے آواز آئی۔ میری طرف لاؤ۔ پھر اُس جگہ کی خاک اوپر کی طرف اُٹھی۔ اور ایک قبر کھدی کھدائی نظر آئی آخر کار تابوت کو اُس طرف لے گئے۔ اور اُس معصومہ کو اُسی قبر میں مدفون کر دیا۔ پھر جنابِ امیر المؤمنین قبر کے کنارے بیٹھے۔ اور زمین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اے زمین میں اپنی امانت کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دخترِ رسولِ خدا صلعم ہے۔ تب اُس زمین سے آواز آئی۔ اے علیؑ! میں تمہاری نسبت اس پر زیادہ تر مہربان ہوں۔ پس تم جاؤ اور غم مت کرو۔ پھر حضرت نے قبر کو بند کر دیا۔ اور وہاں کی زمین برابر کر دی پس کسی کو آپکی قبر معلوم نہوئی اور نہ قیامت تک معلوم ہوگی۔

مندرجۂ بالا واقعات وفات ایک سُنّی عالم کی کتاب سے ماخوذ کیے گئے ہیں۔ شیعوں کی کتابوں میں بھی قریب قریب یہی حالات قلمبند پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ جلاء العیون ملّاء مجلسی علیہ الرحمہ میں بھی قریب قریب یہی واقعات مرقوم ہیں۔ امام شبلنجی مصری اپنی کتاب نور الابصار میں لکھتے ہیں:۔

لم نضحکت فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد وفات ابیہا قطّ وعن علیّ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انّ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سارت الی قبر ابیہا بعد موتہ ووقفت علیہ وبکت ثم اخذت قبضۃ من تراب القبر فجعلتہا علی عینیہا ووجہہا ثمّ انشأت یقول ؎ ماذا علی من شمّ تربۃ احمدؐ ؛ ان لا یشم مدی الزّمان غوالیا۔ اُس شخص کو کیا لازم ہے جو احمدؐ کی خاکِ قبر کو سونگھے۔ اُس کو یہی لازم ہے کہ پھر تمام عمر کسی خوشبو کو نہ سونگھے۔ صبت علیّ مصائب لو انہا ؛ صبت علی الایّام صرن لیالیا۔ میرے اوپر تو ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ اگر وہ مصیبتیں دنوں پر پڑتیں تو وہ راتیں ہو جاتے۔ لبثت فاطمۃ علیہا السّلام بعد وفات النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ستّۃ اشہر فلمّا ماتت وفرغ علی علیہ السّلام من جہازہا ودفنہا رجع الی البیت فاستوحش فیہ وجزع علیہا جزعا شدید ثمّ انشأ یقول ؎ اری علل الدّنیا علیّ کثیرۃ ؛ وصاحبہا حتی الممات علیل ؛ لکلّ اجتماع من خلیلین فرقۃ ؛ وکلّ الذی دون الفراق قلیل۔ یعنی حضرت فاطمہ علیہا السّلام بعد وفاتِ رسولؐ چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب انتقال فرما گئیں اور حضرت علیؑ اُن کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو آپ گھر لوٹ آئے۔ اور آپ کو سخت وحشت ہوئی۔ اور اُن کی مفارقت میں سخت اضطراب ہوا۔ اُس وقت آپ نے یہ اشعار موزوں فرما کر پڑھے ؎ دنیا کے رنج میں اپنے اوپر بکثرت دیکھتا ہوں۔ اور جس کو یہ رنج ہیں وہ گویا تا دمِ مرگ علیل ہے۔ تمام دو دوستوں کے مجمع کے لیے جُدائی ضروری ہے۔ اور تمام رنج جُدائی کے غم سے کم ہوتے ہیں۔ عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:۔

قال الکرمانی غسّلہا علیؓ وصلّی علیہا ودفنہا لیلا بوصیّتہا۔ امام کرمانی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اُنکو غسل دیا۔ اُن پر نماز پڑھی اور دفن فرما دیا۔ رات کے وقت اُن کی وصیت کے مطابق۔

صحیحین مسلم اور بخاری میں مرقوم ہے :۔
عاشت بعد النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم ستۃ اشہر فلما توفیت دفنہا زوجہا علی رضی اللہ عنہ لیلاً ولم یوذن لہا ابوبکر وصلی علیہا۔

بعد جناب رسولِ خدا صلعم کے چھ مہینے تک زندہ رہیں اور جب قضا کر گئیں تو ان کے شوہر حضرت علیؑ نے رات کے وقت دفن کیا۔ اور ابوبکر کو اجازت نہیں دی اور اُن پر نماز پڑھی۔
شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں لکھتے ہیں جس کا اُردو ترجمہ ہم کتاب عمدۃ المطالب مؤلفہ خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب رئیس وسجادہ نشین پریانواں ضلع پرتابگڑھ کے صفحہ ۲۱۵ سے ذیل میں نقل کرتے ہیں :۔
جنابِ فاطمۃ الزہرا بعد جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب انتقال فرماگئیں تو آپ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں سوائے جناب علی مرتضےٰ۔ اسماء بنتِ عمیس اور چند کسانِ اہلبیت کے کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔ اور جو لوگ کہتے ہیں حضرت ابوبکر کو اطلاع نہیں ہوئی محض غلط ہے۔ کیونکہ اسماء بنت عمیس اس اطلاع کی کافی ذریعہ تھیں۔ اور معتبر روایت میں آیا ہے کہ جب اسماء بنتِ عمیس نے آپ کی اجازت کے موافق تابوت تیار کر کے آپ کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کیا تو آپ نے بہت پسند فرمایا اور اسماء سے کہا کہ میرے انتقال کے بعد تم اور جناب علیؑ مرتضےٰ مجھے غسل دینا اور کوئی شخص اندر نہ آنے پائے چنانچہ بعد وفات جناب فاطمہؑ حضرت عائشہ نے اندر جانا چاہا تو اسماء نے منع کیا۔ اُنہوں نے جاکر اپنے والد سے شکایت کی اور کہا کہ اسماء مجھے اندر نہیں جانے دیتیں اور جنازۂ فاطمہؑ کے واسطے ایک شے مثل ہودج عروس کے اپنی عقل سے تیار کی ہے۔ حضرت ابوبکر خود آئے اور کہا کہ اے اسماء عائشہ کو کیوں اندر نہیں جانے دیتی اور تونے کون چیز مثل ہودج عروس کے بنائی ہے۔ اسماء نے جواب دیا کہ میں حسب وصیت جناب سیدہؑ کے کسی کو اندر جانے نہیں دیتی اور جو چیز میں نے بنائی ہے وہ اُنہوں نے اپنی زیست میں تیار کرا کے اپنے جنازے کے لیے پسند کرلی ہے۔ یہ سُنکر ابوبکر اپنے گھر واپس چلے آئے۔ (عمدۃ المطالب صفحہ ۲۱۵ مطبوعہ کانپور قومی پریس)

صاحب رسالۂ خاتونِ جنت نے بھی اس نقل کو کتاب تفریح الاذکیا کی اسناد سے لکھا ہے اور مرقومۂ بالا صحیحین کے مرویات کو بھی قلمبند کیا ہے۔ ہم کو لائق ہمعصر کی حمیت پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ وہ باوجود ان مرویاتِ معتبرہ کے مندرج کر دینے کے بھی اپنی کتاب میں ان حضرات میں موافقت ثابت کرنے کی لاانتہا کوشش کرتے ہیں۔
بہرحال۔ مرقومۂ بالا اسناد و استشہاد نے ثابت کر دیا کہ جناب سیدہؑ اپنی مخالف جماعت کے لوگوں سے کس قدر ملول آزردہ اور ناراض گئیں۔ اور کیوں نہو۔ آپ کی حیات کے زمانہ میں آپ کے ساتھ ان حضرات نے جو رویے اختیار کیے اور جن بدسلوکیوں سے پیش آئے۔ وہ ایک ایک کرکے اوپر بیان ہوچکے ہیں۔ تو پھر کس مظلوم انسان کا ایسا مُردہ دل ہوگا جو اتنے مظالم کو مرتے دم تک محسوس نہ کرتا رہیگا ؎

بعدِ مُردن زجفائے تو اگر یاد کنم
از کفن دست بروں آرم و فریاد کنم

سینوں میں جیتا دل رکھنے والے حضرات اپنے اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھکر انصاف کریں اور بتلائیں کہ جنابِ معصومہ کا یہ اعتنائی حکم اُن کے مظالم کے مقابل میں کیسے نامناسب اور ناموزوں کہا جا سکتا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جن کی ہاتھوں سے غریب مظلومہ نے اتنے صدمے اُٹھائے ہوں اور جنہوں نے اُس پر اُسکے شوہر پر۔ اُس کے گھربار پر اتنے ظلم وستم ڈھائے ہوں اُسکا دل۔ اُسکا کلیجہ۔ اُسکی غیرت اور اُس کی حمیت کیسے اور کیونکر متقاضی ہوگی کہ وہ اُنہی لوگوں کی مشارکت اور مشایعت کا اپنی میت کو زیربارِ احسان بنائے ؎

صورت بوئے گل اس باغ سے جانا مونس
کہ جنازہ بھی ترا بار نہ ہو یاروں کو
(مونس مرحوم لکھنوی)

ولم تتکلم حتی ماتت (بخاری) اس آزردگی اور ناراضی کی

بتدا تھی۔ ولم یوذن ابوبکر (بخاری) اسکی خبر۔ اس ترکیب کا حاصل یہ ہے کہ تیم معصومہ کی آزردگی۔ ناراضی اور بیزاری ان حضرات کے ساتھ مرتے دم تک ایسی ہی بنی رہی اور یہ خاصکر اس باعث سے تھی کہ ان لوگوں کے تمام مظالم و شدائد ہر خاص و عام پر کالشمس فی نصف النہار ظاہر و آشکارہ ہو جائیں اور ان کے مظالم کے دفتر جریدۂ عالم میں ابدالآباد تک قائم اور یادگار رہ جائیں۔

جناب سیدہؑ کے ان تمام حالات و واقعات پر جو مضمون شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتاب رؤیائے صادقہ میں تحریر کیا ہے اور اُس میں جو اپنا مختار قائم کیا ہے ہمکو بظاہر اُس کے ساتھ بقاعدۂ میراث و استحقاق تو نہیں۔ مگر اصولِ اخلاق کی رو سے ضرور اتفاق ہے۔ اور یہ وہی مضمون ہے جس کو ہم بحثِ فدک کی ابتدا میں بقدرِ ضرورت لکھ بھی چکے ہیں۔ ہم بارِ دیگر اس کو مناسبت مقام کی وجہ سے ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں:۔

وفاتِ رسول صلعم سے جو شخص سب سے زیادہ متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے باپ۔ دین و دنیا دونوں کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر پر سے اُٹھ جانا۔ اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا۔ نمک بر جراحت۔ ترکۂ پدری باغ فدک کا دعوےٰ کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچے ہوتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر اُن کے صبر و ضبط اُن ہی کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں اُن لوگوں سے جنھوں نے انکو رنج دیے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ اُن لوگوں کو اپنے جنازے پر آنیکی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت مدفون ہوئیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مانا کہ اُن کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہو۔ تاہم اُنکے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دل غمزدہ کو خوش کرنے کے لیے علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے برائے نام خلافت دیدی ہوتی اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیئے دیتا تھا۔ مگر باغِ فدک کے دیدینے میں کون ایسی قباحت تھی فبایۃ مافی الباب۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ کے خلاف بھی ہو تو ہو۔ گناہ ہوتا تو فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتی۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُن کا وہ آداب اور لحاظ جو ہونا چاہتا تھا اُس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا اُس ناقابلِ برداشت واقعۂ کربلا کی طرف جسکی نظیر تاریخ میں ملنی دشوار ہے۔ وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس واقعہ کا خیال کر کے وہ یہود کا قول فھم تضاؤن انبیآء اللّٰہ ان بھم مؤمنین۔ یاد آجاتا ہے۔ کیا بات کا بتنگڑ بن گیا۔ کچھ کہتے نہیں بن پڑتی۔ عیسائی بڑے شد و مد کے ساتھ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر پردہ کی قید لگا کر اور مردوں کو متعدد نکاحوں کی اجازت دیکر عورتوں کے حقوق کو بالکل پامال کر دیا۔ اور مسلمانوں کی بیبیاں بہو بیٹیاں لونڈیوں سے بدتر ہوئیں۔ ایسی ہوئیں یا نہ ہوئیں۔ برابر ہیں۔ کہ اُن عورتوں ہی کی وجہ سے مسلمان سنی اور شیعہ دو فریق ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی مخالف۔

سوال۔ اچھا آپ سُنی ہیں یا شیعہ؟

جواب۔ نرا مسلمان۔ نہ سُنی نہ شیعہ۔ سُنی شیعہ بننے کا اب وقت نہیں رہا۔ آج کو وہ لوگ ہوتے جو اصل میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے تو میں دکھا دیتا کہ میں سُنی ہوں یا شیعہ۔

سوال۔ وہ تو اب کیا زندہ ہو سکتے ہیں۔ مگر فرض کیجیے کہ آپ اُس زمانہ میں ہوتے تو آپ کیا ہوتے؟

جواب۔ جو شخص واقعات کو مذہب میں نہ آنے دے وہ مفروضات کو مذہب میں کیوں داخل کرنے لگا۔

سوال۔ یہ تو ٹالنے کی سی باتیں ہیں۔

جواب۔ میں ٹالتا تو نہیں۔ تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں

ایسے فضول بکھیڑوں کو مذہب کے متعلق نہیں سمجھتا۔

سوال۔ تو یوں کہیے۔ آپ کی رائے شیعہ۔ سُنّی۔ کسی سے بھی نہیں ملتی۔

جواب۔ پوری پوری تو شیعہ۔ سُنّی کسی سے بھی نہیں ملتی۔

سوال۔ مہربانی فرما کر اسکی ذرا صراحت کیجیے۔

جواب۔ دنیا کے اعتبار سے تو میں شیعہ ہوں۔ یعنی اگر میرے ہوتے وہ واقعات پیش آئے ہوتے تو میں غالباً اہلسنت کا ساتھ دیتا۔ نہیں معلوم اُس وقت میری یہ رائے ہوتی یا نہ ہوتی۔ مگر جہاں تک اِن جھگڑوں کے حالات معلوم ہوئے ہیں۔ اگر بس یہی ہیں تو بس میں مر جاتا تو بھی حضرت فاطمہؑ کی آنکھ پر میل نہ آنے دیتا۔ اور جو کچھ وہ فرمائیں۔ جا یا بیجا۔ سرِ مو اُس میں فرق نہ کرتا۔ اسلامی سلطنت جاتی یا رہتی۔ اور جاتی ہی کیوں۔

سوال۔ بھلا آپ کی شیعیت تو معلوم ہوئی۔ اب فرمایئے آپ سُنّی کیونکر ہیں؟

جواب۔ ہاں سُنّی اس طرح ہوں کہ جو لوگ خلافت پر قابو پا گئے جہاں تک اسلامی تعلق ہے۔ اُن کو بھی اسلام کا سچا خیرخواہ اور نہ صرف خیرخواہ بلکہ محسن سمجھتا ہوں۔ اور کسی طرح کی نیّتِ بد اُنکی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اور نہیں کر سکتا۔

سوال۔ تو آپ کٹّے سُنّی ہیں۔ پھر آپ اپنے تئیں کس بات میں (سُنّیوں سے) مستثنےٰ کرنا چاہتے ہیں۔

جواب۔ اس بات میں کہ سُنّی ان جھگڑوں کو جزوِ دین قرار دیتے ہیں اور مجبور ہو کر اُنکو واقعات سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں کسی طرح کی رنجش اور کشیدگی اور رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ انکار۔ انکارِ بداہت ہے۔ میں کہتا ہوں۔ تھی اور ضرور تھی اور ہونا چاہئی تھی اور آخر کار وہ ظاہر ہوئی پر ہوئی۔ اور بُری طرح پر ہوئی۔ لیکن اُسکو دین سے سروکار نہیں۔ (ملخص بقدرِ ضرورت)

حافظ صاحب کی مرقومہ بالا رائے پر ریویو میں نے

اپنے آغاز بیان میں لکھدیا ہے کہ حافظ صاحب کی اس رائے سے بظاہر مجھے

جنابِ سیّدہ کی مکارمِ اخلاق اور محاسنِ معاشرت

بوصفِ تو ز زمیں تا بہ آسماں رفتم
نگاہ کردم و دیدم ہنوز تحت ثریٰ است

جنابِ سیّدۃ نساء العالمین بتول العذراء صدیقۂ کبریٰ۔

بھی مجھے اتفاق ہو۔ ہر شخص آپ کے اس مختار کو ظاہر طور پر دیکھکر۔ اگر وہ حقوق سیّدہؑ کا موید ہے تو سوائے اتفاق کرنیکے اور کیا کہیگا۔ مجھ کو اس مختار کی نقل کی جو ضرورت ہوئی وہ انکی تحریر سے اپنے اُن دعووں کا ثابت کرنا مقصود تھا جن سے عام طور پر حافظ صاحب کے ہم مذہب حضرات انکار کرتے ہیں۔ جیسے استحقاق فاطمہؑ کا جواز۔ شرکت جنازہ کی ممانعت۔ ترکِ تکلم عفوِ تقصیر اور وجوہ مشاجرت بین الفاطمہ والصحابہ وغیرہ وغیرہ۔ یہی امور میرے زیر بحث تھے۔ اور انہی کو حافظ صاحب نے مہربانی فرما کر بڑے زوروں سے صحیح مانا ہے اور ثابت کیا ہے۔ میں نے خاصکر اُن کی تحریر میں ان واقعات کے اقرار و مختار پر خط کھینچ دیے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مجھ کو اُن کے انہی اجزائے مختار و اقرار تک اتفاق ہے نہ اُن کے تمام مشتے کہ بعد از جنگ کے طومار کو۔ اوّل تو مجھ کو اُن کے زوائد اور عقائد کی کوئی جوابدہی نہیں۔ ثانیاً حافظ صاحب بھی اپنے قدیم مسلک پر قائم ہیں۔ لکھنے تو لکھ گئے مگر پھر خلفا پرستی کے اصول کے مطابق بیجا تائید اور نامناسب تاویلیں بھی کرنے لگے۔ جب آپ خود اُن کے فیصلہ اور مختار کو بیجا اور غیر مناسب۔ مروّت و اخلاق سے دور۔ حقوق ذوی القربےٰ کے خلاف جانتے ہیں تو پھر ایسے بدخلق بے مروّت اور ناحق فیصلہ کرنے والوں کو خیرخواہ یا محسنِ اسلام سمجھنا تو اسلام کے تمام محاسن کا خون کرنا ہے۔ آپ کی یہ کھُلی کھُلی تعریض کہ میں دنیا کے حساب سے شیعہ ہوں۔ نہ شیعہ ہی پسند کرینگے نہ سُنّی۔ آپکا یہ کہنا شیعہ سُنّی دونوں کو صاف دھوکا دینا ہے۔ ورنہ آپ ہی ایسا جو ہیں۔ ان معاملات میں تو دنیا کی سب چیزیں جاگیر۔ باغ جنس یہاں تک کے حقوق وراثت بھی پیشوایانِ شیعہ سے ضبط کر لیے گئے۔ اب آپ دنیا کی کس طمع اور امید پر دنیا کے حساب سے شیعہ بننا چاہتے ہیں۔ اس تمنّا اور آرزو کے پورا کرنے کے لیے آپ کو تو آنکھ بند کر کے اس طرف چلا جانا اور اُن لوگوں سے آسرا لگانا چاہیے۔ جن کے پاس (دیکھو صفحہ ۱۶۴)

فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کوئی معمولی عورت تو تھیں ہی نہیں۔ جن کے آداب واخلاق معمولی اور عامیانہ پیمانہ پر خیال کر لیے جائیں۔ اور لکھدیے جائیں۔ اس کے برعکس اور اسکے خلاف آپ کی ذاتِ مقدسہ فضائل ومناقب مخصوصہ کے روحانی جوہروں سے پُر اور مملو تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ آخر آپ صاحب خلقِ عظیم کی صاحبزادی جنابِ رسولِ کریم کی دخترِ نیک اختر تھیں۔ جو آغاز ہی سے دامانِ نبوت کی پرورش یافتہ اور آغوشِ نبوّت کی ناز پروردہ۔ فیضانِ قدرت سے آراستہ۔ دامانِ رحمت سے پیراستہ۔ تہذیبِ الٰہی کے زیورات سے مرصّع۔ تعلیمات رسالت پناہی کے جواہرات سے معمور۔ انوار ظاہری و باطنی سے بھرپور۔ برگزیدگانِ درگاہِ خداوندی کے نورانی طبقہ میں داخل اور پسندیدگانِ ایزدی کے روحانی زمرہ میں شامل تھیں۔ جس عُلیا مکرّمہ کو سیّدۃ نساء العالمین کا گرانمایہ اور منصوصہ خطاب۔ اور جس مخدرۂ عظمےٰ کو بضعۃ سیّد المرسلین کا بیش بہا اور مخصوصہ القاب ملا۔ اب اُسکے محاسنِ اخلاق۔ مکارمِ آداب اور محامد اوصاف کا معمولات کے دستور پر اندازہ کرنا اور اظہار تو تحصیل حاصل ہے اور بیکار۔ کیونکہ منتظمانِ قدرت نے آغاز ہی سے ان ذواتِ عالیہ اور حضراتِ مقدسہ کو ان تمام محاسن۔ مناقب اور مآثر کا نمونہ بنا کر دنیا اور اہلِ دنیا کی تعلیم وتلقین کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اور معمول پسند طبیعتوں کو خدا کی قدرتِ کاملہ کا یوں مشاہدہ کرا دیا تھا کہ انسان کی معمولی اور ظاہری ترکیبِ خاکی میں اعلےٰ درجہ کی نورانی اور روحانی تنویر وترتیب موجود ہے۔ اور جوہر انسانی کمالات کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد جب قربتِ الٰہی کے منتہائی درجہ پہ فائز اور مشرّف ہو جاتے ہیں تو اُن کے تمام خاکی عنصر نورانی اور روحانی جوہروں سے پُر نور اور معمور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان میں انسانیت اور روحانیت کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

جب یہ تمام اوصاف جناب سیدۃؑ کی ذاتِ بابرکات میں آغاز ہی سے تسلیم کیے جاتے ہیں تو پھر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ان اوصاف وآداب کی بطور معمول کوئی تفصیل وتشریح ایسی ضروری نہیں ہے مگر مناسبتِ مقام اور اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی مجبوریوں سے ہم انکے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ چند واقعات ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

جناب فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی مرتضےٰ علیہما السلام کے محاسنِ معاشرت اور آدابِ مسالک کے متعلق کسی قدر ہم اوپر لکھ بھی چکے ہیں۔ جسکو ہمارے ناظرینِ کتاب نے ملاحظہ بھی فرمایا ہو گا۔ جنابِ علی مُرتضےٰ نے اپنی زبانِ مبارک سے جناب سیّدۃؑ کے محامد واوصاف بیان فرمائے ہیں یا حضرت فاطمۃؑ الزہراؑ نے جنابِ امیر المؤمنین علیہ السلام کے مکارمِ اخلاق واشفاق کی نسبت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہمارے مدّعائے بیان کے

(بقیہ صفحہ ۱۶۳) دنیا ہے اور دنیا کی دولت۔ وہاں سب کچھ ہے۔ اموال بیت المال خمس۔ زکوٰۃ۔ صدقات۔ یہاں کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ رہے یا نہ رہے برابر۔ اب رہا آپ کا عقیدہ۔ وہ آپکی کمزوری سے خود اس قدر ضعیف ہے کہ آپ جب چاہیں ادھر سے اُدھر کر دیں۔ ابھی ابھی حدیث لا نورث کو پس انداز کر دیے جانے کے قابل قرار دے چکے ہیں اس لیے تھوڑی دیر تک آپ اپنے اصلی مذہب سے بھی دست بردار ہو گئے۔ بشاجرت کے واقعات پر آپ کو تنہا اقرار ہی نہیں بلکہ اصرار ہے اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان امور کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں تو اگر یہ ایسا ہی تھا تو حضرات شیخین نے ان واقعات کے بعد سیدہ علیہا السّلام کی خدمت میں اتنی محنت ومشقت اُٹھا کر معذرت کیوں فرمائی۔ اگر مذہب الٰہی کا دنیا میں یہی مدّعا ہے کہ حقدار دنکے حقوق پامال کیے جائیں۔ مال و اموال ضبط کیے جائیں۔ آذوقہ چھین لیا جائے۔ گرفتاری کے لیے دوڑیں بھیجی جائیں۔ مستغیث قاضی شرع سے دادرسی چاہے تو جواب ہے کہ اسکو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔ شریعت سے سروکار نہیں تو پھر ایسے مذہب اور ایسے اسلام کو سات سلام ع مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم۔ افسوس ہے مرحوم حافظ صاحب اپنی تمام عمر اسی مذبذب حالت میں مبتلا رہے۔ ستم وقت قیامت کی کہ امہات الامۃ جیسی ناپاک کتاب لکھی۔ شیعہ تو شیعہ خود سُنّی دنیا میں اُس کی وجہ سے وہ شورش اور سوزش پھیلی کہ آخر حافظ صاحب کو اُس کی تمام جلدیں جلانی پڑیں۔ یہ تھا ناحق پرستی کا نتیجہ۔ فاعتبروا ۱۲ المؤلف احقر اولاد حیدر

ثبوت میں بطور اجمال کافی ہے۔ مگر ناظرینِ باتمکین کے مزید اطمینان کے لیے حسبِ وعدہ ہم ان امور کو کسی قدر صراحت اور وضاحت سے بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

عصمت سرائے نبوت سے جنابِ سیدہؑ کاشانۂ امامت میں جب جلوہ فرما ہوئیں تو وہ سنہ ۲ ہجری تھا۔ پھر اس وقت سے لیکر سنہ ۱۱ ہجری تک جو آپ کا سالِ انتقال تھا قریب قریب سات برس چھ مہینہ تک آپ کی معاشرت کا تمام وکمال زمانہ کہا جائیگا۔ آپ کی اس قلیل مدتِ معاشرت میں باوجود صدہا مصائب۔ آلام اور شدائد کے جس استغنا۔ اطمینان خندہ پیشانی اور خوش عنوانی سے جنابِ سیدہؑ نے اپنی معاشرت۔ باہمانہ مسالک۔ فیما بین حفظ مراتب۔ ادائے حقوق۔ فرائض خانہ داری۔ پرورشِ اطفال۔ وغیر امثالہم کی خدمات انجام دیں۔ اور دنیاوی امتحان وآزمائش کے تمام دشوار تر اور مشکل سے مشکل منازل ومراحل طے کیے۔ وہ اپنی ندرت کے اعتبار سے تو دنیا کے کارنامے میں بےمثال ہیں۔ لیکن اہلِ دنیا کی تعلیم وتلقین کی ضرورتوں کے خیال سے ایسی تیار اور کامل مثالیں ہیں کہ پھر کسی دوسری تادیب وتنبیہ یا تعلیم وترتیب کی کوئی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ یہ دونوں حضرات تمام دینی اور دنیاوی حسنات کے مجمع تھے۔ خیر وبرکات کے معدن۔ کمالاتِ ذات وصفات کے مخزن۔ ان کی تعلیم وتادیب کا سرچشمہ مواہب الٰہی تھا۔ اور معارف ومآخر حضرت رسالت پناہی۔

دنیا جانتی ہے۔ زمانہ واقف ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے اُسی دامنِ شفقت اور آغوشِ مرحمت میں پرورش پائی ہے جس میں ان سے پہلے حضرت علی مرتضےٰ کامل سات آٹھ برس تک بڑے ناز ونعم سے پل چکے تھے۔ یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے اُس زمانہ میں ادبستانِ رسالت سے کمالاتِ ظاہری وباطنی کے جوہر حاصل فرمائے ہیں جس وقت دنیا بھر میں کوئی دوسرا شخص انکا ہم مکتب اور ہم درس ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ دربارِ رسالت کی اتنی قدیم حاضرباشی اور سرکارِ نبوت کی ایسی مستقل اطاعتگزاری اور ہمہ وقت کی فرمانبرداری نے آپ کے تمام اوصاف۔ آداب اور اخلاق کو عین الکمال اور علم الیقین کے انتہائی درجوں تک پہنچا دیا۔ جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا سن کوئی سات آٹھ برس کے قریب پہنچا ہوگا کہ جنابِ فاطمہ زہرا علیہا السلام رونق افروز دار النبوۃ ہوئیں تو اب ان کی تعلیم وتادیب بھی اُسی مدرسِ الٰہی اور معلمِ علوم لامتناہی کے سپرد ہوئی جو چالیس برس پیشتر سے علوم لدنیہ اور مواہب الٰہیہ پر فائز ہوچکا تھا۔ اور باوجود اُمّی ہونے کے ناسخِ ادیانِ قدیم اور ناشرِ تبیانِ قرآنِ کریم تسلیم کرلیا گیا تھا۔

اس بنا پر ہر شخص اب بآسانی سمجھ لیگا کہ ان دونوں حضرات مقدسین کی تمام اخلاقی اور روحانی تعلیم ایک ہی معلم سے ہوئی۔ اور ان دونوں بزرگواروں نے اُسی مدرسِ ربانی کے فیضانِ صحبت سے تمامی محامد ومحاسن کے کمالات حاصل فرمائے۔ جب معلم ایک۔ تعلیم ایک۔ مدرس ایک۔ تدریس ایک۔ پھر معلم ومتعلم بھی تو ایک ہی ہیں۔ انکے توحد بالذات پر نص انفسنا اور نساءنا اور حدیث انا وعلی من نور واحد اور فاطمۃ بضعۃ منی موجود ہیں۔ جب آپس میں اتحاد فی الوجود کی یہ صورتیں موجود ہیں۔ اور معلم اور متعلم اور انکی تعلیم وتدریس بھی ہر طریقہ اور عنوان سے ایک ہے تو یہ امر پورے طور سے یقین کرلیا جائیگا کہ جو جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب معاشرت۔ محاسنِ اخلاق اور باہمانہ مسالک ومراسم تھے وہی جنابِ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے اور وہی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے۔ اور کیونکر نہوں۔ ایک مکان۔ ایک سامان۔ ایک آغوش۔ ایک دامن کے دونوں پرورش یافتہ تھے۔ مکان بھی کون۔ دار النبوۃ۔ معدن الحکمۃ۔ مہبط روح القدس اور منزل وحی۔ دامن بھی کون۔ رحمۃ للعالمین۔ سید المرسلین۔ صاحب انک لعلیٰ خلق عظیم کا دامن۔ اللّٰھم صل علی محمد وآل محمد۔

معصومہ کی وفات کے بعد کسی نے جنابِ امیر علیہ السلام سے پوچھا کہ

آپ کے ساتھ جناب معصومہؑ کے حسنِ معاشرت کیسے تھے؟ آپ بیساختہ آبدیدہ ہوگئے۔ ایک آہِ سرد دلِ پُر درد سے بھری اور ارشاد فرمایا۔ وہ جنت کا ایک خوشبودار پھول تھیں جس کے مرجھا جانے پر بھی اُسکی خوشبو سے اب تک میرا دماغ معطر ہے۔ اسی طرح ایک بار کسی موقع پر جناب سیدہؑ کے ذکر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک فاطمہؑ زندہ رہیں مجھے اُن سے کوئی شکایت نہ ہوئی۔

فی الحقیقت کوئی شکایت۔ کوئی شکوہ ہوتا تو کیسے۔ دونوں اخلاق رسولؐ کی تعلیم سے بہرہ یاب تھے۔ آدابِ رسالت اور تہذیبِ نبوت کے فیضان سے سیراب۔ سیدہؑ کا دستور تھا کہ پہلے اپنے شوہر اور بچوں کو کھانا کھلا لیتی تھیں اور اُنکے بعد آپ تناول فرماتی تھیں۔

جناب امام حسن علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار دن بھر کے بعد ہم لوگوں کو شب کے وقت کھانا میسر آیا۔ ہماری مادرِ گرامی قدر نے پہلے ہم لوگوں کو کھلایا۔ سب کے بعد اپنی حصتہ کی روٹی لیکر کھانے بیٹھیں۔ لقمہ توڑ کر تناول فرمانا چاہتی تھیں کہ دروازے سے ایک سائل کی آواز آئی۔ یا بنتِ رسول اللہ میں ایک مردِ مستحق ہوں۔ محتاج اور دو وقتوں کا بھوکا۔ خدا کے نام پر مجھ کو سیر فرما دیا جائے۔ امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُس مستحق کی آواز نے جنابِ سیدہؑ کے قلبِ مبارک پر ایسی تاثیر کی کہ آپ بیچین ہوگئیں۔ دستِ مبارک سے روٹی کا ٹکڑا رکھدیا۔ اور وہ مسلّم روٹی مجھے دیکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور اُس مردِ محتاج کو دے آؤ۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ اس کھانے کا مستحق ہے۔ میں نے عرض کی کہ اُسکی ترجیحِ استحقاق کا کیا سبب ہے۔ ارشاد ہوا کہ بیٹا! اس لیے کہ تمہاری ماں نے تو صرف ایک ہی وقت سے کھانا نہیں کھایا ہے اور اس پر تو دو وقتوں کا فاقہ گزر گیا ہے۔ امام حسن علیہ السلام کا بیان ہے کہ یہ ارشاد سنکر میں خاموش ہوگیا۔ فوراً اُٹھا اور حکم کی تعمیل کر دی۔

اس واقعے سے انتہا درجہ کی کریم النفسی اور ایثار ظاہر ہونیکے علاوہ آپ کے لاجواب اور عدیم النظیر اصول خانہ داری اور آدابِ معاشرت کامل طور سے ثابت ہوتے ہیں ممکن تھا کہ معمولی طبیعتوں کے اصول پر دن بھر کے فاقہ میں سیدہؑ پہلے ہی کچھ تناول فرما لیتیں اسکے بعد بال بچوں یا گھر والوں کو دیتیں اور شدتِ گرسنگی کے باعث اگر آپ کے روزانہ معمول میں تغیر یا اختلاف ایک دن کے لیے واقع بھی ہوجاتا تو کچھ ایسا قابلِ اعتراض بھی نہیں تھا۔ مگر ماشاء اللہ۔ جن بزرگواروں کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے ان اوصافِ مخصوصہ سے ممتاز فرمایا ہے وہ چاہے کسی حالت اور مصیبت میں کیوں نہوں اپنا اصول کو کبھی ترک نہیں فرماتے۔ اور یہی امور اُن کے اور عوام الناس کے درمیان فرق مابہ الامتیاز ثابت کرتے ہیں۔

ایک بار جناب امیر المؤمنین علیہ السلام گھر میں تشریف لائے۔ حضرت سیدۃ نساء العالمینؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ یہ سُنکر جنابِ سیدہؑ نے صرف سر جُھکا لیا اور مُنہ سے کچھ نہ کہا۔ مزاج داں شوہر بھی سمجھ گیا کہ آج گھر میں خیریت ہے۔ فوراً اُلٹے گھر سے باہر چلے آئے۔ اور قوت لایموت بہم پہنچانے کے سامان کرنے لگے۔ جب پھر گھر میں گئے تو دیکھا کہ سیّدہ کو نہ فاقہ کا خیال ہے۔ نہ عسرت و گرسنگی کا ملال بجز اس عبادت میں مصروف رکوع و سجود ہیں۔ وہ ہیں اور ذکرِ معبود۔ اُسی کی حمد و ثنا ہے اور اُسی سے دعا و التجا۔

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے گھر میں آکر حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہو تو دیں۔ فاطمہؑ نے عرض کی کہ آج تین دن سے گھر میں ایک دانے کا نام تک نہیں ہے۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے تعجب ہے کہ گھر کا یہ حال ہے اور آپ نے مجھ سے آج تک اس کا ذکر بھی نہ فرمایا۔ معصومہؑ نے سر جُھکا کر جواب دیا کہ میرے پدرِ بزرگوار نے مجھ سے میرے رخصت فرمانے کے وقت تاکید کر دی ہے کہ میں آپ سے کبھی کوئی چیز مانگ کر شرمندہ نہ کیا کروں۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے احتیاط کی اور ضرورتِ خانہ داری کی آپ کو تکلیف نہ دی۔

ایک بار جنابِ سیدہؑ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ غالباً بخار کی شکایت ہوئی۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

وہ رات کی رات سیدہ نے سخت بےچینی میں کاٹی۔ میں نے بھی اُن کی سخت بےچینی کی وجہ سے پلک سے پلک نہ لگائی۔ قریب صبح ہم دونوں کی یونہی سی آنکھ لگ گئی تھی کہ مسجد سے اذان کی آواز سنکر میں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو دیکھا کہ سیدہؑ تو مجھ سے پہلے ہی اُٹھ کر وضو کر رہی ہیں۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ اس وقت وضو کی جگہ تیمم سے نماز پڑھتیں تو نہایت مناسب تھا۔ میں صرف اپنے دل میں سوچ کر ہی رہ گیا اور فاطمہؑ سے کچھ نہ کہا۔ سیدھا مسجد میں چلا آیا۔ اور نماز پڑھنے لگا۔ جب نماز پڑھکر گھر میں گیا تو دیکھا کہ روزانہ معمول کے مطابق سیدہؑ چکی پیس رہی ہیں۔ مگر آثارِ مرض چہرے بشرے پر ویسے ہی نمایاں اور آشکار ہیں۔ اب یہ حالت اور مشقت دیکھکر مجھے تاب نہ آئی۔ اور میں نے نہایت نرمی سے کہا کہ سیدہؑ! تم کو اپنے آپ پر رحم نہیں آتا۔ رات بھر تو تمہیں بخار رہا۔ تمام شب بےچین رہیں۔ صبح کو اُٹھیں تو ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا اور پھر اُس پر یہ کہ چکی پیسنے کی محنت اُٹھا رہی ہو۔ اور مرض کو اپنے ہاتھوں سے آپ بڑھا رہی ہو۔ سیدہؑ نے سر جھکا کر جواب دیا کہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگیوں میں مر بھی جاؤں تو یقین کر لو کہ میں انتہا سے زیادہ خوش ہونگی۔ اور مجھے مسرتِ ابدی حاصل ہوگی۔ میں نے وضو کیا خدا کی عبادت کے لیے اور چکی پیسی تمہاری اطاعت کے لیے۔ تم ہی بتاؤ کہ فاطمہؑ کے لیے ان دونوں فریضوں سے بڑھکر اور کون فریضہ ہو سکتا ہے۔

یہ وہی واقعات ہیں جو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے بےنظیر اور عدیم المثال حسن معاشرت، اطاعتِ شوہر اور آدابِ خانہ داری کو ثابت کر رہے ہیں۔ سیدہ طاہرہؑ کون ہیں۔ یہ بھی غور کرنا چاہیے۔ کس کی صاحبزادی ہیں اور کس کی بی بی۔ یہ وہی خاتونِ مقدسہ ہیں جو خیر النساء العالمین، افضل النساء العالمین اور سیدۃ النساء العالمین کے گرانمایہ القاب سے یاد کی جاتی ہیں۔ جن کے پدرِ عالی مقدار رسولِ مختار ہیں۔ شوہرِ عالی گوہر مومنین کے سید و سردار

شان اور نمود و نام تو یہ ہیں اور کام یہ کہ گھر میں جھاڑو دیتی ہیں تو یہ۔ چکی پیستی ہیں تو یہ۔ روٹی پکاتی ہیں تو یہ۔ لڑکوں کو نہلاتی دُھلاتی۔ کھلاتی پلاتی اور دودھ پلاتی بہلاتی ہیں تو یہ۔ گھر کا کام کرتے کرتے تھک جاتی ہیں مگر مجال نہیں کہ گھر کا کوئی کام اُٹھ تو رہے۔ چکی پیستے پیستے دونوں ہاتھ مجروح ہو گئے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ پھپھولے پڑ گئے ہیں۔ مگر ممکن نہیں کہ کسی دن چکی پیسنا موقوف تو ہو جائے۔ کام کرتی ہیں۔ بچے روتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے اُنہیں جھلاتی بھی ہیں اور ایک ہاتھ سے کام بھی کیے جاتی ہیں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر میں باہر کے جتنے کام ہوتے تھے وہ ہمارے پدرِ بزرگوار جناب حیدرِ کرارؑ خود انجام دیتے تھے۔ جیسے پانی اور ایندھن اور بازار کی چیزیں لانا۔ گھر کی تمام اندرونی خدمتیں اور کام کاج۔ کھانا پکانا۔ چکی پیسنا۔ گھر میں جھاڑو دینا وغیرہ وغیرہ سب ہماری مادرِ گرامی قدر خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ اور انہی کاموں کے درمیان ہماری ضرورتیں بھی مثلاً دودھ پلانا۔ نہلانا۔ کپڑے بدلوانا وغیرہ وغیرہ وقت سہرے سے پوری کرتی جاتی تھیں۔

آپ اپنی خانہ داری کے کاموں کی انجام دہی میں کبھی کسی اپنی قریب یا ہمسایوں کو اپنی معاونت یا ہاتھ بٹانے کی کوئی تکلیف نہیں دیتی تھیں۔ کام کی کثرت سے نہیں گھبراتی تھیں۔ اور نہ کبھی کام کرنے میں وقت ناوقت یا کثرتِ مشغولیت کی کوئی شکایت فرماتی تھیں۔ کام کی کثرت کے موقعوں پر جیسا کہ اکثر دستور ہوتا ہے اپنے قریب اور ہمسایے کی عورتوں کو گھر باری عورتیں بُلا لیتی ہیں اور وقت پر یہ انکا اور وہ ان کا کام کاج کر دیا کرتی ہیں۔ مگر سیدہؑ نے کبھی اس کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی۔ غیر تو غیر۔ حمزہ و عباس عقیل و جعفر تک کی عورتوں کو اپنی دستگیری کی زحمت نہیں دی۔ تاریخ و سیر کی متعدد اور مختلف کتابیں اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں۔ مگر مجھ کو کسی ایک کتاب میں بھی کوئی

ایسا واقعہ نظر نہیں پڑا جس میں سے یہ ظاہر ہوا ہو کہ جناب سیدہؑ نے کسی خاتونِ ہاشمیہ کو بلا کر چکّی پسوائی ہو۔ جھاڑو دلوائی ہو۔ یا روٹی پکوائی ہو۔

یہ امور صرف آپ کی طبیعت کے کمال استغنا اور صبر علی المشقت ہی ظاہر نہیں کرتے۔ بلکہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جناب سیدہ طاہرہؑ خانہ داری کے فرائض۔ شوہر کی آرام رسانی کی خدمات اور بچّوں کی پرورش و پرداخت کے کاموں کو اس اہمیت کے ساتھ سمجھی ہوئی تھیں کہ بمصداق لا نشرك فی عبادة ربك احدا کسی دوسرے کو ان میں شریک کرنا پسند نہیں فرماتی تھیں۔

آپ کی اس مشغولیت اور کاروبارِ خانہ داری میں ہمہ تن مصروفیت کی نسبت یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اوّل تو گھر میں سوا آپکے اور کوئی تھا نہیں جو آپ کا ہاتھ بٹاتا۔ دوسرے آپکی غیرت بھی دوسرے کو اپنے کاموں کی انجام دہی کی تکلیف دینے کی متقاضی نہیں تھی۔ مگر نہیں۔ ہم تو اس کے برعکس حضرت فضّہ کے آجانے کے بعد بھی کاروبارِ خانہ داری میں آپکی مشغولیت اور مصروفیت کی وہی کیفیت پاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سلمانِ فارسی کی زبانی ذیل کا واقعہ میرے بیان پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

جناب سلمانؓ کسی ضرورت سے خانۂ فاطمہؑ میں آئے۔ دیکھا کہ سیدہؑ تھوڑے سے جَو لیے چکّی میں پیس رہی ہیں۔ پیسنے کی محنت سے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں۔ چکّی کی کھونٹی خون آلود ہو رہی ہے۔ قریب ایک گوشے میں حضرت امام حسین علیہ السلام بھوک کی شدّت سے رو رہے ہیں سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ دیکھکر میں بیقرار ہو گیا۔ اور میں نے سیدہؑ کی خدمت میں عرض کی کہ فضّہ کے ہوتے آپ اتنی مشقت اپنی جان پر کیوں اُٹھاتی ہیں۔ اور یہ خدمت فضّہ سے کیوں نہیں لیتیں۔ جناب سیدہؑ نے فرمایا۔ اے سلمان! فضّہ کو دیتے وقت میرے پدرِ بزرگوار نے مجھ پر تاکید فرما دی ہے کہ ایک دن گھر کے کام کاج میں کیا کروں اور ایک دن فضّہ۔ اس حساب سے آج میری باری کا دن ہے۔ فضّہ کا نہیں۔ اس لیے میں فضّہ کو ناحق تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ سلمانؓ کا بیان ہے کہ یہ سُنکر میں بے اختیار رونے لگا۔ اور میں نے پھر خدمتِ مبارک میں عرض کی کہ میں بھی تو آپکا آزاد کردہ غلام ہوں۔ مجھے حکم دیجیے کہ میں حسین کو بہلالوں یا چکّی پیس دوں۔ ارشاد ہوا کہ حسینؑ بغیر میرے نہیں بہلیگا۔ میں اُسے بہلائے لیتی ہوں۔ تم اتنے جَو پیس لو۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی۔ اتنے میں مسجد سے اقامت نماز کی آواز آئی۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد ساری کیفیت جنابِ علی مرتضٰے علیہ السلام سے کہدی۔ آپ مسجد سے گھر آئے اور گھر سے فوراً ہی ہنستے ہوئے پھر مسجد میں لوٹ آئے۔ میں نے ہنسنے کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ جب میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سیدہؑ تو تھک کر سو گئی ہیں۔ اور حسینؑ اُن کے سینے پر آرام کر رہے ہیں۔ اور چکّی بغیر اسکے کہ کسی کا ہاتھ دکھلائی دے آپ ہی آپ چل رہی ہے۔ یہ تذکرہ اُسی وقت مسجد میں جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سُن لیا۔ اور حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ! تمہیں کیا معلوم نہیں ہے کہ خدا کے چند فرشتے ایسے ہیں کہ زمین پر پھرتے رہتے ہیں اور تا روزِ قیامت محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی خدمت کرتے رہیں گے۔ جلاء العیون صفحہ ۱۰۲۔ اسی واقعہ کو حضرت ابوذرؓ کی زبانی بھی نقل کیا ہے۔

بُرا ہو اُن بداندیشوں کا جو ایسے سراپا اخلاقِ الٰہی کی نورانی پیکروں میں محض تعصّب۔ نفسانیت اور خود غرضی اور اس تعصّب کے اشتعالِ طبع کی وجہ سے کہ ان حضرات اور عوام النّاس کے طرزِ معاشرت اور طور و اطوار میں کسی نہ کسی طرح مساوات قائم ہو۔ باہمی اختلاف۔ نفاق۔ رنجش اور کشش ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اُس کی متعلق چند بے سروپا واقعات افسانہ وار بیان کرتے ہیں جن کو نہ کوئی شخص جنابِ امیر علیہ السّلام کے اخلاق وادب سے یقین کر سکتا ہے اور نہ جنابِ فاطمہؑ زہرا کی عرتبہ دانی اور رتبہ شناسی سے امید رکھ سکتا ہے۔

عام طور سے دو واقعات ان حضرات مقدّسین کی باہمانہ کبیدگی

اور کشیدگی کے ثبوت میں بتلائے جاتے ہیں۔ ایک ابوتراب کی وجہ تسمیہ میں۔ دوسرے دختر ابوجہل کی خواستگاری کے موضوع افسانے میں۔ دونوں واقعات کی حقیقت ذیل میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

علل الشرائع میں منقول ہے:-

هذا الخبر عندی بمعتمد ولا هو لی بمعتقد فی هذه العلة لان علیا وفاطمة ماکان لیقع بینهما کلام یحتاج رسول الله الی الاصلاح بینهما بکلام لانه علیه الصلوة سید الوصیین وهی سیدة نساء العالمین یقتدیان بنبی الله فی حسن الخلق ولکنی اعتمد فی ذلک علی ما حدثنی به احمد ابن الحسن القطان قال حدثنا ابو العباس احمد ابن محمد ابن یحیی ابن زکریا قال حدثنا ابو الحسن العبدی عن سلیمان ابن مهران عن عبایة بن ربعی قال قلت لعبد الله ابن عباس لم کنی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علیا ابا تراب قال لانه صاحب الارض وحجة الله علی اهلها بعده وبه بقاءها وسکونها۔

میرے نزدیک یہ خبر صحیح نہیں ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اور حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا میں کبھی کوئی کلام ایسا واقع ہوا ہو جس میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصلاح کی ضرورت پڑی ہو کیونکہ حضرت علی مرتضےٰ سید الوصیین اور جناب سیدہ سیدۃ نساء العالمین تھیں۔ اور یہ دونوں بزرگوار اخلاق جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقتدی اور متاسی تھے۔ اسکے متعلق میرا اختیار اور اعتقاد اس روایت پر ہے کہ بیان کیا احمد ابن حسن قطان نے کہ کہا اُس سے ابو العباس احمد ابن محمد ابن یحیےٰ ابن زکریا نے۔ کہا اُس سے ابو الحسن عبدی نے۔ کہا اُس سے سلیمان ابن مہران نے۔ کہا اُس سے عبایہ ابن ربعی نے کہ پوچھا ابن ربعی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضےٰ کی کنیت ابا تراب کیوں مقرر فرمائی۔ اُنہوں نے ارشاد فرمایا اس وجہ سے کہ آپ بعد آنحضرت صلعم تمام زمین کے مالک تھے اور آپ کے سبب سے زمین باقی تھی اور ساکن۔

سبحان اللہ۔ کہاں تو اس خطاب دہی سے رسول کا یہ مدعا ہو کہ حضرت علی مرتضےٰ کی علو مرتبت اور قدر و عظمت ظاہر ہو۔ کہاں زمانہ کے ملمع کار اُس پر اپنی خود غرضی اور تعصب سے اُسکے نزول اسباب میں وہ باتیں پیدا کریں جن میں آپکی شان کی منقصت۔ آپکے اخلاق و معاشرت کی بدنما صورت دکھائی دے۔ وان هذا البهتان عظیم۔

اب دوسری روایت قصد مناکحت دختر ابوجہل کی کیفیت بھی علامہ ابن ابی الحدید کی مرقومۂ ذیل کی تنقید و تردید سے ملاحظہ ہو۔ فاضل معتزلی شرح نہج البلاغۃ میں لکھتے ہیں:-

ان معویة وضع قوما من الصحابة وقوما من التابعین علی روایة اخبار قبیحة فی علی یقتضی الطعن فیه والبراءة و جعل لهم علی ذلک جعلا یرغب فی مثلها فاختلقوا ما ارضاه منهم ابو هریرة وعمر ابن عاص والمغیرة ابن شعبة و من التابعین عروة ابن الزبیر..... وابو هریرة روی عنه الحدیث الذی معناه ان علیا خطب ابنة ابی جهل فی حیوة رسول الله ص فاسخطه فخطب علی المنبر فقال لاهل الله لا یجتمع ابنته ولی الله وابنته عدو الله ان فاطمة بضعة منی یوذینی ما یوذیها فان کان علی یرید ابنة ابی جهل فلیفارق ابنتی ولیفعل ما یرید او کلاما هذا امعناه والحدیث مشهور من روایة الکرابیسی قلت هذا الحدیث ایضا مخرج فی صحیحی البخاری والمسلم عن المسور بن مخرمة عن الزهری وذکره المرتضی فی کتابه المسمی بتنزیه الانبیاء والائمة وذکر انه روایة حسین الکرابیسی وانه مشهور بالانحراف عن اهل البیت وعداوتهم والمناصبة لهم فلا تقبل روایته۔

معویہ نے اپنے زمانۂ امارت میں صحابہ اور تابعین میں سے ایک جماعت کو جناب علی مرتضےٰ کی شان میں اخبار و آیات قبیحہ تیار کرنیکے لیے آمادہ کیا جن سے آپکی کسر شان ہو اور لوگ آپ سے بیزاری اختیار کریں۔ اس حیل کے ترکیب دینے کے لیے جو لوگ راغب ہوئے

اور جنہوں نے اس کے پیدا کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی وہ گروہ صحابہ میں ابوہریرہ تھے۔ عمر عاص اور مغیرہ ابن شعبہ تھے۔ اور تابعین میں عروہ ابن زبیر (اور حضرات کے موضوعات جنکو ہماری موجودہ بحث سے تعلق نہیں ہے۔ فاضل معتزلی خاص اس جعلی اور مصنوعی روایت کی نسبت لکھتے ہیں کہ) ابوہریرہ نے اس مضمون میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جب زمانۂ حیات رسول خدا صلعم میں حضرت علیؑ نے دختر ابی جہل کے ساتھ عقد کرنے کا قصد کیا تو آپ کو نہایت گراں گذرا اور آپنے منبر پر جاکر خطبہ کہا اور ارشاد کیا کہ خدا نے نہیں جائز کیا کہ ولی اللہ کی بیٹی عدو اللہ کی بیٹی کے ساتھ رکھی جائے۔ فاطمہؑ میری بضاعت ہے۔ جس نے اُسے ایذا دی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ اگر علیؑ بنت ابی جہل کی مناکحت کا قصد کرتے ہیں پس اُن کو چاہیے کہ میری بیٹی سے مفارقت اختیار کریں۔ اور پھر جو جی میں آئے وہ کریں۔ ابوہریرہ کے کلام کے یہی معنی ہیں اور یہ حدیث روایات کرابیسی سے مشہور ہے۔ اور میں (ابن ابی الحدید) کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیحین بخاری اور مسلم میں بھی مسور ابن مخرمہ سے باسناد زہری مرقوم ہے اور سید مرتضٰی نے اپنی کتاب موسومہ تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ روایت حسین کرابیسی سے منقول ہے اور وہ انحراف اہلبیت علیہم السلام اُن کی عداوت اور ناصبیت کے لیے مشہور ہے۔ اس لیے وہ اسکے قول و نقل کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔

اب جناب سید مرتضٰی عطر اللہ ضریحہ کے استدلال کی اصلی عبارت بھی ملاحظہ فرمائی جائے۔

قلنا هذا الخبر باطل موضوع غير معروف ولا ثابت عند اهل النقل وانما ذكر ذلك الكرابيسي طاعنا به على امير المؤمنين معارضا بذكره لبعض ما يذكر شيعته من الاخبار في اعدائه وهيهات ان يشبه الحق بالباطل ولم يكن الا رواية الكرابيسي له واعتماده عليه وهو من اهل العداوة لاهل البيت والمناصبة لهم والازراء على فضائلهم وماثرهم على ما هو مشهور لكفى على ان هذا الخبر قد تضمن ما يشهد ببطلانه ويقضي على كذبه من حيث ادعى فيه ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم ذم هذا الفعل وخطب بانكاره على المنابر ومعلوم ان امير المؤمنين لو كان فعل ذلك على ما حكي لما كان فاعلا للمحظور في الشريعة ولان نكاح الاربعة وحلال على لسان نبينا والمباح لا ينكره الرسول ولا يصرح بذمه وبانه متاذ منه وقد رفعه الله تعالى عن هذه المنزلة واعلاه عن كل منقصة ومذمة ولو كان نافرا من الجمع بين بنته وبين غيرها بالطباع التي تنفر من الحسن والقبيح لما جاز ان ينكره بلسانه ثم جاز ان يبالغ في الانكار ويعلن به على المنابر وفوق رؤس الاشهاد ولو بلغ من ايلامه لقلبه كل مبلغ فما اختص هو من الحلم والكظم ووصفه الله تعالى بانه من جميل الاخلاق وكريم الاداب ينافي ذلك ويحيله ويمتنع من اضافته اليه وتصديقه عليه واكثر ما يفعل مثله عليه السلام في الامر اذا ثقل على قلبه ان يعاتب عليه سرا ويتكلم في العدول عنه خفيا على وجه جميل۔

یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور سراسر موضوع اور غیر معروف ہے صاحبانِ نقل کے نزدیک۔ اور کرابیسی نے اسکو اُن روایتوں کے جواب میں جو شیعوں نے دشمنانِ علی علیہ السلام کی نسبت لکھی تھیں سطاعن جنابِ امیر المومنین علیہ السلام میں مندرج کیا ہے۔ افسوس! حق کو باطل سے تشبیہ دی ہے۔ اور کرابیسی سے ایسی روایت کیونکر نہو اور ایسی باتوں پر وہ کیونکر اعتماد نہ کرے کیونکہ وہ تو دشمنانِ اہلبیت میں خاصکر داخل ہے۔ اور اپنی ناصبیت میں مشہور۔ فضائل و مآثر اہلبیت علیہم السلام کے مٹانے اور گھٹانے میں معروف تھا۔ اور تمام باتیں۔ جو کچھ اُس کی نسبت مخصوص ہیں وہ اُسکے جھوٹ بولنے اور افترا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور شاہد کامل اُسکے اس دعوئے باطل پر کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فعل کی مذمت کی۔ اور اسکو بُرا ٹھیرایا۔ اور اسکی ممانعت

کے لیے منبر پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ امر مسلم ہے کہ اگر امیر المومنین علیہ السلام نے بفرض محال یہ فعل کیا جو اُن کی طرف منقول کیا جاتا ہے تو آپ اس کے لیے شریعت سے مجوز تھے کیونکہ نکاح اربعہ کی حلّت مخبرِ صادق علیہ السلام کی زبان سے معلوم کر چکے تھے۔ اور پھر اُس وقت تک اس کے امتناع یا اس میں کسی نقص کی کوئی تصریح فرمائی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ آپ اس سے متاذی ہوئے تو پہلے سمجھ لینا چاہیے کہ خداوند تعالےٰ نے آپ کی شان منزلت کو اس سے زیادہ رفیع فرمایا ہے اور آپ کی ذاتِ قدسی صفات کو تمام عیوب و منقصت سے پاک و منزہ فرمایا ہے۔ اگر حضرت کو اس امر سے کہ اُن کی صاحبزادی اور غیر کی لڑکی ایک جگہ نہ رکھی جائیں بقاعدۂ معمول وہی نفرت تھی جو عام طبیعتوں کو حسن و قبح کے مقابلہ و موازنہ میں ہوا کرتی ہے تو پھر آپ اُس امر کی کبھی اجازت نہ دیتے جسکی ممانعت کا اظہار آپ اپنی زبان سے فرماتے تھے۔ پس جب آپ اسکی اجازت دے چکے تھے تب اسکی ممانعت میں یہ مبالغہ اور منبر پر علےٰ رؤس الاشہاد اس کے اعلان و اشتہار کی کیا ضرورت تھی۔ اگر آپ کے قلبِ نورانی پر اسکا اثر پہنچا تھا تو آپکے اُن تمام قلبی مآثر میں جن کے لیے آپ کی ذات بابرکات مخصوص فرمائی گئی تھی حلم اور ضبطِ غصہ بھی داخل تھے۔ اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے آپکی ذاتِ مجمع الحسنات کو اخلاقِ کریمہ اور آدابِ جمیلہ سے مزین و آراستہ فرمایا تھا۔ یہ اوصاف اس کے منافی تھے کہ اس سے حیلہ کیا جائے یا اسکی امتناع کیجائے۔ اور اسکی تصدیق میں آپ کے اکثر ایسے اخلاق و آداب کے افعال نقل کیے جاتے ہیں کہ آپ ان امور کے وقوع کے موقعوں پر جو آپ کی خاطر قدسی مآثر پر گراں گزرتے تھے۔ اُن پر خلوت میں اظہارِ عتاب فرماتے تھے۔ اور اُسکی ممانعت کے احکام بھی مخفی طور پر صادر فرمائے جاتے تھے۔ اور یہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ کے تقاضے تھے۔

ناظرینِ کتاب پر ان دونوں روایاتِ موضوعہ کی حقیقت کما حقہ ثابت ہو گئی۔ غرضکہ کراچی ہوں۔ شیعی ہوں۔ مسلم ہوں یا چو صاحب ہوں۔ اُن کی نظرِ مہربانی عام طور سے ہمارے ہی عیوب جوئی کی نگراں ہوگی۔ ایسے سراپا غلط اور دور از قیاس موضوعات۔ چونکہ صحیحین نے لکھا ہے اس لیے وحی متلو سمجھنا ہوگا۔ اچھا۔ آپ کی صحیحین میں ہے۔ آپ اسے صحیح مانیں خدا مبارک کرے۔ مگر یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ آپ کے امام الحدیث فاضلِ معتزلی علامہ ابنِ ابی الحدید اور اُن کے اُستاد نقیب ابوجعفر اسکافی دونوں حضرات اس کو اور اس جیسی اور روایتوں کو موضوعات میں داخل کر چکے ہیں۔ مگر با اینہمہ آپ ایسی مہمل اور موضوع منقولات کو استدلال کے طور پر شیعوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جس پر اُن کے تمام علماء ابتداہی سے لاحول پڑھتے ہیں۔

حضرات ناظرین! ان موضوعات کے دو جملۂ معترضہ محض اتفاقی طور پر میرے سلسلۂ بیان میں حائل ہو گئے تھے۔ جن کی تنقید و تردید بھی میرے لیے ازحد ضروری تھی۔ اس لیے مجھ کو اپنے سلسلۂ بیان سے کسی قدر ہٹ جانا پڑا۔ اب مندرجہ بالا واقعات موضوعہ پر تنقیدانہ استدلال کرنے کے بعد ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے واقعہ پر اپنے مضمون زیرِ بحث کو تمام و کمال ختم کرتے ہیں جس سے جناب علی مرتضےٰ اور حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہما کے باہمی اخلاص و اتحاد۔ محبت و الفت اور حسنِ معاشرت کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ افلاس۔ ناداری۔ غربت اور عسرت خانۂ اہلبیت میں ہمیشہ مہمان رہا کرتی تھی۔ جنابِ شیرِ خدا کی مالی قوت ہمیشہ کمزور رہی۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کو کہیں اجرت پر کام نہ ملا۔ اس مجبوری سے اُس دن کا آذوقہ بھی دستیاب نہوا۔ اور گھر بھر پر چوبیس پہر کا فاقہ گزر گیا۔ شام کے وقت مدینہ میں کوئی تاجر آیا اور بہت سا تجارت کا اسباب اپنے ساتھ لایا۔ اسباب اُتروانے کے لیے اُسے ایک مزدور کی ضرورت ہوئی۔ جنابِ علی مرتضےٰ نے اجرت پر اس کا سب مال اُتار دینا قبول کر لیا۔ اور اُس کا سب مال و اسباب اُتار دیا۔ تاجر نے ایک درہم مزدوری میں دیا۔ آپ نے اُسکو بڑی خوشی سے لے لیا۔ رات زیادہ گئی تھی۔ شہر کی قریب قریب تمام دوکانیں بند ہو چکی

مگر تاہم کہیں سے آپ نے تھوڑے سے جو خرید لیے اور اُن کو باندھ کر گھر لائے۔ جناب سیدہؑ آپ کے انتظار میں بیدار تھیں۔ اور بھوک کے بچے شام سے روتے روتے سو گئے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت علیؑ آئے اور آپ نے دق الباب کیا۔ گوش بر آواز بی بی نے اُٹھکر دروازہ کھولدیا۔ اور نہایت مسرت کے ساتھ شوہر کے دوشِ مبارک سے غلّہ کی گٹھری اُتارلی۔ کھولی تو اُس میں جَو بندھے دیکھے۔ جَو کے دانے اُس وقت کی موجودہ حالت ضرورت میں موتیوں کے دانہ سے زیادہ بیش قیمت معلوم ہوئے اُن کے پاتے ہی شوہر اور بچّوں کے فاقے اور محنت کا خیال کر کے اپنی بھوک پیاس بالکل بھول گئیں۔ فوراً اُٹھیں۔ چکّی میں جَو اُسی وقت پیسے۔ آگ جلائی اور روٹی پکائی۔ پھر بچّوں کو جگایا اور اُن کو کھلایا پلایا۔ جب جناب علی مرتضٰےؑ اور حسنین علیہم السّلام سیر ہو کر کھا چکے تو آپ اپنے حصّہ کی روٹی لیکر تناول فرمانے لگیں۔ جنابِ علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثناء اُن کی یہ حسنِ خدمت اور محبّت دیکھکر فرمانے لگے۔ اے سیدہؑ! مجھے اس وقت تمہارے والدِ بزرگوار کا یہ ارشاد کہ یا علیؑ! فاطمہؑ تمام دنیا کی بہترین عورت ہے بیساختہ اور برجستہ یاد آگیا۔ اور میں اپنی اس خوش قسمتی پر خدائے سبحانہ وتعالےٰ کا شکر بجالاتا ہوں اور تمہاری ہر ادا اور ہر انداز سے ارشادِ رسالت کی پوری تصدیق پاتا ہوں۔

عبادت اور خوفِ الٰہی

جنابِ سیدہؑ کی عبادت۔ ریاضت۔ تقوےٰ۔ طہارت، خشوع اور خضوع کو اُسی پیمانے اور انداز پر سمجھنا چاہیے جس طریقہ اور انداز پر ہم ان اوصاف ومحامد کو اُنکے پدر عالی مقدار جنابِ رسول مختار صلے اللہ علیہ وآلہ من رب الکبار کی ذات قدسی صفات میں پاتے ہیں۔ حقیقت تو یوں ہے کہ عبادت انہی کے گھر میں اُتاری گئی تھی۔ اور اُس کے آداب اور اُسکی ادا کاری کے طریقے اور عمل ساری دنیا نے انہی حضرات سے سیکھے تھے۔ اُس کے مدّعا جس طرح یہ ذواتِ مقدسہ سمجھی تھیں۔ ممکن نہیں تھا کہ دنیا میں کوئی دوسرا ویسا سمجھ سکے۔ دنیا جانتی ہے۔ زمانہ واقف ہے کہ ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون کی حقیقی تصدیق اور اصلی تعمیل جس شوق۔ سرگرمی اور مستعدی سے ان حضرات نے کامل فرمائی ویسی کسی دوسرے نے نہیں۔ اور کیوں نہو۔ اس لیے کہ انہی حضرات کو اپنے امثال و آثار سے عام لوگوں پر ہدایت و رشادت کے اثر پہنچانے اور اُن کو معبودِ حقیقی کی طاعت و فرمانبرداری پر قائم و استوار رکھنا تھا ان حضرات کے جملہ افعال و اعمال عبادت تھے۔ چاہے وہ جس کام میں ہوں اور اُن پر کیسی ہی مشغولیت اور مصروفیت طاری نہو مگر وہ ایک دم اور ایک لحظہ بھی یادِ الٰہی کی محویت سے خالی نہیں رہتے تھے۔

جنابِ سلمانِ فارسی سے منقول ہے کہ ایک بار میں خانۂ جنابِ سیدہؑ میں گیا۔ دیکھا کہ حسنین علیہما السّلام ایک گوسفند کی کھال پر سو رہے ہیں۔ سیدہؑ کے ایک ہاتھ میں پنکھا ہے اور ایک میں تسبیح۔ ایک سے پنکھے کو گردش دے رہی ہیں اور دوسرے سے تسبیح کو۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ دستِ مبارک سے تو پنکھا جھل رہی ہیں اور زبانِ مبارک سے تلاوتِ قرآن فرماتی جاتی ہیں۔ صاحب علل الشرائع تحریر کرتے ہیں کہ ایک بار جناب علی مرتضٰےؑ گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ جناب سیدہؑ روٹی پکاتی جاتی ہیں اور نہایت خوش الحانی سے سورہائے قرآنی پڑھتی جاتی ہیں۔

حسن بصری سے جنابِ امیر المومنین علیہ السّلام کا یہ قول تمام کتب میں مرقوم ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ جناب سیّدہؑ سلام اللہ علیہا خدا کی عبادت کیا کرتی تھیں لیکن تاہم گھر کا کوئی کام کاج اس وقت کا اُس وقت یا آج کا کل نہونے پاتا تھا۔ اور اُن کی کثرتِ عبادت کی وجہ سے مجھ کو خانہ داری کے امور میں کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ پھر اُسی کتاب میں حضرت امام حسن علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ اپنی مادرِ گرامی قدر کو محراب عبادت میں صبح سے شام تک خدا کے آگے گریہ وزاری ک

نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اُسکی حمد وثنا فرماتے اور درگاہ مستجیب الدعوات میں بعجز وتواضع دعائیں مانگتے، التجائیں کرتے دیکھا کرتا تھا مگر ان تمام طول وطویل دعاؤں میں سے ایک دعا اور ایک التجا بھی اپنے لیے نہیں ہوتی تھی۔ سب دوسری مؤمنین ومؤمنات کے لیے۔

گھر کے کام دھندوں کے بعد سوائے محرابِ عبادت میں کھڑے رہنے یا قرآن پڑھنے کے کسی دوسرے کام میں نہیں دیکھا جاتا تھا۔ خدا کی عبادت بجالانے کے وقت خوفِ الٰہی کے سبب جنابِ سیدہؑ کا نورانی چہرہ زعفرانی ہوجاتا تھا تمام جسمِ مطہر میں تھرتھری پڑجاتی تھی۔ خشوع وخضوع کی باعث دیدۂ حق بیں سحابِ دریابار ہوجایا کرتے تھے۔ اور اشکِ مسلسل کے تار لگاتار مصلّے پر گرا کرتے تھے۔ اور سجادہ آنسوؤں سے تر ہوجایا کرتا تھا۔ چکّی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹّے پڑگئے تھے تو سجدے کرتے کرتے پیشانی نورانی پر مہرِ عبادت لگی ہوئی تھی۔

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ کو قربتِ مکان کی وجہ سے برابر گھر بیٹھے بیٹھے سُنا کرتی تھیں۔ تفصیلِ بیان میں اگر کہیں عقوبت وعذابِ الٰہی کا ذکر سُن لیا تو آپ کے قلبِ نورانی پر خوف کا ایسا عالم طاری ہوتا تھا کہ غش پر غش آنے لگتے تھے۔ دشمنوں کی جان پر بنجاتی تھی۔ خود بھی تلاوتِ قرآن فرماتے وقت اگر وعید عذابِ عقاب پر نگاہ جا پڑی تو تمام جسمِ مطہر کانپ گیا۔ اور مآلِ آخرت کا خیال فرماکر روتے روتے بیہوش ہوگئیں۔

اسلام کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں درج ہے کہ ایک دفعہ عذابِ دوزخ کی نسبت چند آیتیں نازل ہوئیں۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا روئے کہ آپ کی بیقراری اور شدّتِ گریہ وزاری دیکھکر تمام حاضرین اور جماعتِ مسلمین پکار پکار کر رونے لگی۔ جب آنحضرت صلعم کا رونا کسی طرح نہ رُکا اور اس شدّتِ گریہ وبُکا کا اصلی سبب بھی دریافت نہ ہوسکا تو سب نے ملکر جنابِ سیدہؑ کو بلالانے کی تجویز ٹھیرائی کیونکہ یہ معمول تھا کہ جب جنابِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہے کیسے ہی ملول ومحزون کیوں نہوں مگر اپنی پارۂ جگر جنابِ سیدہؑ کو دیکھتے ہی شادان ومسرور ہوجاتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق مزاجدان صحابہ دروازۂ جنابِ سیدہؑ پر حاضر ہوئے جنابِ سلمان رضؓ اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ سیدہؑ تو چکّی پیس رہی ہیں اور اُسی حالت میں ایک آیتِ قرآنی کی برابر تلاوت فرماتی جاتی ہیں۔ سلمانؓ بیٹھ گئے اور ساری روداد عرض کردی۔ اپنے پدرِ بزرگوار کی یہ حالت سُنکر آپ بیقرار ہوگئیں فوراً اُٹھیں اور ایک گوشے سے ایک کمّل اُٹھاکر اوڑھ لیا۔ جس میں پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کی ذاتی شان وعظمت اور اُس بوسیدہ اور کہنہ کمّل کی صورت کو دیکھکر رونے لگا۔ غرضکہ اسی حالت سے جنابِ سیدۃ نساء العالمین، حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ جنابِ سیدہ کی صورت کو دیکھتے ہی خاموش ہوگئے۔ اُٹھے اور اپنی پارۂ جگر کو چھاتی سے لگالیا۔ اور آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ جنابِ سیدہؑ نے سارا واقعہ خدمتِ رسالت میں عرض کردیا۔ اور کہا کہ میں اس وقت چکّی پیستی جاتی تھی۔ اور اس آیۂ قرآنی کی تلاوت کرتی جاتی تھی۔ قسم خدا کی میں حضور کو یقین دلاتی ہوں کہ آج پانچ برس سے میرے اور علیؑ کے پاس بکری کی ایک کھال کے سوا کوئی دوسری چیز بچھانے کو نہیں ہے۔ یہ سُنکر جنابِ رسولِ خدا صلعم نے ارشاد فرمایا۔ اے میری لختِ جگر یقین کرلو کہ تمہارے صبر وشکر کا بدلہ خدا کے خزانۂ آخرت میں امانت ہے۔ اس کے بعد جنابِ سیدہؑ نے آپ سے شدّتِ گریہ کا سبب پوچھا تو آپ نے وہ آیتیں پڑھ کر سُنائیں جو عقوبتِ دوزخ کی تفصیل میں نازل ہوئی تھیں۔ آپ کا سُننا تھا کہ سیدہؑ بیقرار ہوکر زمین پر گر پڑیں اور بار بار اُن کو تلاوت فرماتی جاتی تھیں۔ اور بیحد وانتہا روتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ اُسی وقت خدائے کریم ورحیم نے آیۂ رحمت نازل فرمائی۔ تب جاکر باپ اور بیٹی (سلام اللہ علیہما) کو قرار وسکون آیا۔

الفتِ فاطمہؑ رسولؐ کے دل میں

یہ امر مسلم ہے اور فطرتی کہ ہر باپ کو اپنی اولاد سے محبتِ دلی ہوتی ہے اور الفتِ قلبی۔ یہ روحانی جذبات ترکیب انسانی میں قدرتِ ربانی کی طرف سے خاص طور پر ودیعت فرمائے گئے ہیں۔ پھر فاطمہؑ سی پارۂ جگر۔ بتولِ عذرا سی نورِ نظر کی محبت و الفت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں کیونکر نہو۔ تسکین۔ تشفی اور دل بہلا لینے کے لیے تو سب تھی۔ قبیلے کا قبیلہ۔ خاندان کا خاندان بھرا پڑا تھا۔ مگر جو جدانی مسرت اور روحانی بشاشتِ فاطمہؑ کو دیکھکر جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس فرماتے تھے۔ وہ کسی دنیاوی شے کے مشاہدے سے نہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو مزاج دان حاضرینِ خدمت نے جیسا کہ ابھی ابھی ہم ایک واقعہ سے اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ آپکے حزن و ملال کی حالتوں کو فوراً رفع کر دینے کی غرض سے سب سے بہتر اور بڑا اثر یہ تدبیر نکال رکھی تھی کہ ایسے موقعوں پر جنابِ سیدہؑ کو خدمتِ رسولؐ میں بُلا لیتے تھے۔ اور وہ تمام رنج و ملال آپ کے دل سے دور ہو جاتے تھے۔

جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا اپنی پارۂ جگر جنابِ سیدہؑ کا اکرام و اعزاز فرماتے تھے۔ ویسا شاید کسی والدین نے آج تک اپنی اولاد کا اکرام نہ کیا ہوگا۔ اور شاید اس زمانے کے تیز طبع اور معمول پسند حضرات اسکو اقتدار والدین کے خلاف سمجھتے ہوں۔ مگر تعریض سے پہلے انہیں دعا فرمانا چاہیے کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ اُن کی موجودہ عدم واقفیت کی حالتوں پر رحم فرما کر اُن کو جنابِ سیدہ اور حضرت ختمی مرتبت سلام اللہ علیہما کے مراتبِ منصوصہ اور مناقبِ مخصوصہ کی پوری معرفت حاصل کرنے کی بہت جلد توفیق عنایت فرمائے۔

اگر وہ حضرات اِن دونوں بزرگواروں کے مدارج و مراتب کو پوری معرفت کے ساتھ سمجھے ہوتے تو کبھی ایسا وہم و گمان اپنے پاس بھی نہ آنے دیتے۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوصات میں تھا۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہراء جب آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُن کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے۔ اور اُن کو اپنے پاس بٹھا لیتے۔ نہایت مسرت اور بشاشت سے اُن کے سر اور آنکھوں پر بوسہ دیتے۔ جب کسی غزوہ یا سفر سے مدینہ میں واپس آتے تو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھکر سب سے پہلے جنابِ سیدہؑ کے دروازے پر آتے اور السّلام علیکم یا اھل البیت فرماکر اندر تشریف لیجاتے اور جنابِ سیدہ اور حضرت حسنین علیہما السّلام کے دیدار فرحت آثار سے شادان و مسرور ہوکر اور ازواجِ مطہرات کے گھروں میں رونق افروز ہوتے۔ نزولِ آیۂ مودّت کے بعد تو نمازِ فجر پڑھکے آپ کا روزانہ معمول ہو گیا تھا کہ مسجد سے اُٹھکر دروازۂ جنابِ سیدہؑ پر تشریف لاتے اور السّلام علیکم یا اھل البیت فرماکر داخلِ عصمت سرا ہوتے۔ اور جنابِ فاطمہؑ سے اُن کی اور اُنکے بال بچّوں کی خیریت دریافت فرماکر وہاں سے مراجعت فرما ہوتے۔ روضۃ الاحباب صفحہ ۶۰۹۔

یہ وہ متفق علیہ واقعات و حالات ہیں جو اسلام کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں درج ہیں اس لیے ان کی تفصیلی اسناد و اشہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مسندِ امام حنبل میں مرقوم ہے:۔

عن ثوبان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا سافر اٰخر عھدہ ایتان فاطمۃ اوّل من یدخل لہ صلعم اذا اقدم فاطمۃ۔

ثوبان سے منقول ہے کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں باہر تشریف لیجاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؑ سے ملتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے۔ سب سے پیچھے ملکر جانے میں آنحضرت صلعم کا مدّعا یہ تھا کہ طرفین میں جہاں تک مفارقت کا زمانہ کم ہو سکے۔ اور واپسی کے موقع پر فرطِ اشتیاق ہرگز اس کا مقتضی نہوتا تھا کہ اپنی پارۂ جگر کے دیدار سے پہلے کسی دوسرے کا مشاہدہ فرمایا جائے۔

صحیحِ ترمذی میں مرقوم ہے :-

عن عائشۃ قالت ما رأیت احدا اشبہ سمتا ودلا و ھدیا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی قیامھا وقعودھا من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کانت اذا دخلت علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قام الیھا وقبلھا واجلسھا فی مجلسہ

حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلعم کی نسبت چال میں اور انداز میں اور سیرت میں اور کھڑے ہونے میں اور بیٹھنے میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہ ہو۔ اور جس وقت فاطمہ زہرا نبی صلعم کے پاس آتی تھیں تو آپ اُنکی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اُن کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اُن کو اپنے بیٹھنے کے مقام پر بٹھاتے تھے۔

شاہ عبدالحق صاحب محدثِ دہلوی جذب القلوب میں قمطراز ہیں :- حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت عائشہ کے مکانوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ حضرت رسالت مآب صلعم اکثر اُسی کھڑکی سے برآمد ہوا کرتے تھے۔ اور ہر مرتبہ جناب علی مرتضےٰ۔ جنابِ سیدہ اور جنابِ حسنین علیہم السلام کی خیر و عافیت دریافت فرماتے تھے۔ ایک بار اسی کھڑکی کی راہ سے حضرت عائشہ آتی تھیں۔ آتے وقت اُن کے اور جنابِ سیدہؑ کے درمیان کچھ نزاعِ لفظی واقع ہو گئی۔ جنابِ سیدہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ نے اُس کھڑکی کو بند کرا دیا۔

(جذب القلوب۔ عمدۃ المطالب)

اس کھڑکی پر کیا موقوف ہے۔ مسجدِ نبوی میں جن جن صاحبوں کے دروازے تھے وہ سب ایک ایک کرکے بند کروا دیئے گئے۔ سوائے جنابِ فاطمہ زہرا و علی مرتضےٰ علیہما السلام کے دروازے کے۔ اس واقعہ کو بھی جذب القلوبِ محدثِ دہلوی کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمایا جائے :-

آوردہ اند کہ اصحابِ پیغمبر در مسجد نشستہ بودند ناگاہ منادی ندا آورد ایھا الناس سدّوا ابوابکم درمردم پیدا آمد۔ لیکن ہیچ کس برنہ الیستاد۔ بارِ دیگر ندا آمد سدّوا ابوابکم قبل ان ینزل العذاب۔ مردم ہمہ برآمدند و بلازمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مبادرت کردند۔ علیؑ مرتضےٰ نیز آمد و برسر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بایستاد۔ آنحضرت صلعم فرمود توچہ ایستادۂ برو و بخانۂ خود بنشیں و درِ خانۂ خود را بحالِ خود بگذار۔ و درمیانِ مردم ازایں معنے گفتگوئے افتاد و بعنی در دلہا راہ یافت۔ آنحضرت صلعم در غضب شدہ بمنبر رفت و حمد و ثنائے مولا کرد و گفت حق سبحانہ وتعالےٰ وحی فرستاد موسےٰؑ علیہ السلام را کہ مسجدے بنا کن موصوف بصفتِ طہارت و ساکن نشود در وے جز تو و ہارونؑ و پسرانِ ہارونؑ شبّر و شبّیر۔ و ہمچنیں وحی کرد بمن کہ مسجدے سازم طاہر کہ ساکن نشود در وے جز من و علیؑ و پسرانِ او حسنؑ و حسینؑ۔ بمدینہ آمدم و مسجدے گرفتم۔ و مرا در آمدن مدینہ و مسجد اصل اختیارے نبود۔ من نمی کنم مگر آنچہ می کنانند و نمی دانم مگر آنچہ می دانانند۔ پس برناقہ خود سوار شدم و بیرون آمدم و قبائلِ انصار پیش آمدند تا بر ایشان فرود آیم و منزل گیرم۔ و من بگفتۂ ایشان فرود نیامدم و گفتم برناقہ بر من راہ تنگ مکنید۔ او مامور است۔ ہرجا کہ بنشیند منزلِ من ہمان است۔ واللہ من درہا را نہ بستہ ام و نہ کشادہ ام و علیؑ را من نہ در آوردہ ام۔ اور اخدا در آوردہ۔ من چہ کنم۔

الفتِ رسولؐ فاطمہؑ کے دل میں

ابھی ابھی ہم مرقومۂ بالا بیان میں فاطمہؑ کی محبت و الفت جتنی اور جیسی جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر فیض مآثر میں مرکوز و مکنون تھی۔ کافی ثبوت و اسناد کے ساتھ لکھ آئے ہیں۔ اب ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں اُسی طرح جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنابِ سیدہؑ کی مفرط محبت اور بیحد الفت کے چند واقعات و حالات قلمبند کرتے ہیں۔

ہم اس مضمون کی ابتدا میں عرض کر آئے ہیں کہ فطرت انسانی اور طبیعتِ بشری کے قدرتی اصول کے مطابق ان تمام حالات و واقعات کا بیان فضول ہے اور بیکار۔ مگر چہ مجبوری آپڑتی ہے

وہ یہ ہے کہ چند تعصب کے مقلد - خود غرضی کے پیرو - ان بزرگواروں کے باہمانہ فطرتی اور قدرتی اخلاص و اتحاد - تعلقات وجذبات کو بھی ٹھنڈی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے - اور خواہ مخواہ دوسرے لوگوں کو بھی اس خلوص و وداد میں داخل کرکے بیکار کا موازنہ کرتے ہیں - اور ان جذبات و تعلقات میں اُن کو بھی ان کا مساوی اور ہم پہلو ٹھیراتے ہیں - اور محض عام فریبی کی نیت سے خواص کی تخصیص خاص میں عوام کی تعمیم عام پیدا کرتے ہیں -

ان مجبوریوں کی ضرورت سے اُن کی ان عالم فریب جوڑ بندیوں کی تنقید و تردید لازم ہوگئی - اور اسی الزام کے ضمن میں ان واقعات کی تفصیل و تشریح بھی ضروری ہوگئی -

ہم حیاتِ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے متعلق آپکے بچپن سے لیکر قیامِ مدینہ تک کے زمانہ میں جنابِ سیدہ ؑ کے اظہار محبت و الفت کے چند واقعات اُن کے مناسب اور خاص مقامات پر لکھ آئے ہیں اور حقیقت میں وہی حالات ہمارے مدعائے بیان کی تصدیق و توثیق کے لیے کافی ہیں - مگر ناظرین باتمکین کے مزید اطمینان و تسکین کے لیے ہم چند اور واقعات ذیل میں قلمبند کیے دیتے ہیں :-

صحیح ترمذی کی اسناد سے جو روایت ابھی ابھی اوپر نقل کیگئی ہے اُس کے آخری حصہ میں حضرت عائشہ کی زبانی مرقوم ہے -

وکان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم اذا دخل علیہا قامت من مجلسہا فقبلتہ واجلستہ فی مجلسہا - جب نبی صلعم فاطمہ ؑ کے پاس جاتے تھے تو وہ بھی آپ کی تعظیم کے لیے اپنے مقام سے کھڑی ہوجاتی تھیں - آپکی پیشانی اقدس کو بوسہ دیتی تھیں اور اپنے بیٹھنے کے مقام پر آپ کو بٹھاتی تھیں -

تفسیرِ کشاف جلد اوّل میں مرقوم ہے :-

عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم انہ جاع فی زمن قحط فاھدت لہ فاطمۃ رضی اللّٰہ عنہا رغیفین وبضعۃ لحم اثرتہ بھا فرجع بھا الیہا وقال ھلمی یابنیہ نکشف عن الطبق فاذا ھو مملوء خبزا ولحما فبھتت وعلمت انہا نزلت فقال لہا صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم انّی لکِ ھٰذا فقالت ھو من عند اللّٰہ ان اللّٰہ یرزق من یشآء بغیر حساب فقال علیہ الصّلوٰۃ والسّلام الحمد للّٰہ الّذی جعلکِ شبیھۃ لسیدۃ نسآء بنی اسرآئیل ثمّ جمع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم وعلی ابن ابیطالب والحسن والحسین اھل بیتہ فاکلوا علیہ حتّی شبعوا وبقی الطّعام کما ھو فاوسعت فاطمۃ علیٰ جیرانہا -

جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے مروی ہے کہ آپنے ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں کھانا نوش نہیں فرمایا تھا . پس جناب فاطمہ ؑ نے آپ کے لیے دو روٹیاں اور تھوڑا سا گوشت ہدیہ بھیجا کہ باوصف اپنی بھوک کے یہ کھانا آپ کے لیے اختیار کیا تھا - پس آنحضرت صلعم اس کو لیکے فاطمہ ؑ کے پاس خود تشریف لائے اور فرمایا کہ اے بیٹی ! تم اس کھانے کو خود میرے پاس لاؤ - حضرت فاطمہ ؑ نے اُس برتن پر سے کپڑے کو اُٹھایا - ناگاہ دیکھا کہ وہ روٹیوں سے اور گوشت سے بھرا ہوا تھا - پس آپ حیران ہوگئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے - پس جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت فاطمہ ؑ سے فرمایا کہ یہ تجھ کو کہاں سے ملا - اُنہوں نے کہا - یہ اللہ کی طرف سے ہے - ہر آئنہ اللہ رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بیحساب - پس فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ جمیع حمد ثابت ہے واسطے اللہ کے کہ اُسنے تجھ کو مشابہ قرار دیا اُن سے جو بنی اسرائیل کی سب عورتوں کی سردار تھیں (یعنی حضرت مریم ؑ) بعد اُس کے جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علی ابنِ ابیطالب اور حسن اور حسین علیہم السّلام اپنے اہلبیت کو جمع کیا اور اُن سب لوگوں نے جمع ہو کر اُس نعمتِ الٰہی کو کھایا - یہاں تک کہ سیر ہوگئے - اور وہ کھانا جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا - پس حضرت فاطمہ ؑ نے اپنے محلّے والوں کو بھیجا -

مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ نے کتاب جلاء العیون میں اِس واقعہ کو جابر ابنِ عبد اللہ انصاری کی اسناد سے زیادہ تفصیل و تشریح

کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے

ایک بار جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دن کے فاقے سے تھے۔ بھوک کی غیر متحمل شدت سے بیتاب ہوکر آپ ایک ایک ازواج کے گھر تشریف لے گئے۔ مگر کسی کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہ ملا۔ مایوس ہوکر جناب سیدہؑ کی عصمت سرا میں تشریف لائے۔ اور دریافت فرمایا کہ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ میں سخت بھوکا ہوں۔ یہ ارشاد سُنکر غریب سیدہؑ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ عرض کرنے لگیں کہ آج متواتر تین روز سے گھر میں فاقوں پر فاقے ہو رہے ہیں۔ کھانا کیا چیز ہے۔ میں اپنی جان تک آپ پر قربان کرنے کے لیے موجود اور تیار ہوں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مایوس ہوکر مسجد میں چلے آئے۔ اتنے میں ایک کنیز دو روٹیاں اور قدرے گوشت آپ کی خدمت میں نذر لائی۔ سیدہؑ نے لے لیا اور اُس کو ایک کاسہ سے چھپا دیا۔ اور اپنے فاقہ زدہ بچوں سے چھپانے کے لیے احتیاطاً اُسپر ایک کپڑا بھی ڈالدیا۔ آپ کا مدعا یہ تھا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے آکر نوش فرمالیں۔ پھر بچے تو بچوں کو دیا جائے ورنہ آج بھی فاقہ سے رہجائیں۔ یہ خیال فرما کر آپ نے جناب امام حسین علیہ السلام سے فرمایا کہ مسجد میں جاکر اپنے جدِّ بزرگوار کو جلدی سے بُلا لاؤ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی مادر گرامی قدر کے حکم کی فوراً تعمیل فرمائی۔ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً تشریف لائے۔ جنابِ سیدہؑ نے عرض کی کہ آپکے تشریف لیجانے کے بعد خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے سامانِ رزق مہیا فرما دیا۔ میں نے اُسے بچوں کی نظروں سے چھپا کر وہ سارا کھانا آپ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ ابھی حاضر کرتی ہوں۔ تناول فرمایا جائے۔ آپنے ارشاد فرمایا لے آؤ۔ جناب سیدہؑ اُس طعام کو لانے گئیں۔ اُس کاسے کو کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو وہ کاسے کا کاسہ روٹیوں اور گوشت سے پُر اور مملو پایا۔ حالانکہ اُس میں دو روٹی اور قدرے گوشت سے زائد کچھ نہیں رکھا گیا تھا۔ الغرض جناب سیدہؑ وہ کاسے کا کاسہ آپکی خدمت میں اُٹھا لائیں اور خدمتِ نبوی میں ساری روئداد عرض کردی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے فاطمہ! خدا جسے چاہتا ہے بیحساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ فرما کر آپنے حضرات علی مرتضےٰ اور حسنین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور پانچوں بزرگواروں نے ملکر اُس عطیۂ الٰہی کو تناول فرمایا۔ اللّٰھم صل علیٰ محمّد وّ اٰل محمّد۔

حافظ جمال الدین محدّث لکھتے ہیں۔ ایک بار جنابِ سیدہؑ مسجد میں تشریف لائیں۔ اور اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمتِ بابرکت میں روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پیشکش کیا۔ جنابِ سرورِ موجودات نے اپنی پارۂ جگر کے ہاتھ سے روٹی کا وہ ٹکڑا لے تو لیا مگر ایک حسرت آلود نگاہ سے فاطمہؑ کا مُنہ دیکھکر پوچھا کہ بیٹی! یہ کہاں سے مل گیا؟ سیدہؑ نے آبدیدہ ہوکر جواب دیا کہ تھوڑے جو مل گئے تھے اُنہیں پیسا اور دو وقتوں کے فاقہ کے بعد بچوں کے لیے روٹی پکائی۔ اُنہیں کھلانے کو چلی تھی کہ آپ کا خیال آگیا۔ بے اختیار ہوکر اُس روٹی سے یہ چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر حضور کی خدمت میں لے آئی۔ آپ یقین جانیں کہ دو متواتر فاقوں کے بعد میرے بچوں کو اتنی سی روٹی نصیب ہوئی ہے۔ یہ سُنکر جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ روٹی کا وہ ننھا سا ٹکڑا آپ تناول فرمانے لگے اور کہنے لگے۔ ای فاطمہؑ! سچ مانو کہ متواتر چار وقتوں کے بعد روٹی کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے گلے سے نیچے اُترا ہے۔ اللّٰھم ارحم وبارک علیٰ محمّد واٰل محمّد کما بارکت و ترحمت علیٰ ابراھیم واٰل ابراھیم انّک حمید مجید۔

استجابتِ دعا
یا
درگاہِ ربّ العزّت میں فاطمہؑ کا اقتدار و عظمت

بارگاہِ رسالت میں جنابِ سیدہؑ کا جیسا اور جتنا اعزاز و امتیاز تھا وہ مرقومۂ بالا بیانات سے ظاہر ہو چکا ہے۔ اب ذیل کے مندرجہ واقعات میں آپ کی قدر و منزلت اور اقتدار و عظمت

جو آپ کی ذاتِ مقدسہ کو درگاہِ رب العزت میں حاصل تھی مشاہدہ فرمایا جائے۔

ملا حسین واعظ کاشفی کتاب روضۃ الشہدا میں اور ملا عبدالرحمن جامی کتاب شواہد النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:-

ایک دن جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ چند زنانِ قریش نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے محمد صلعم! اگرچہ بروئے ملت اب ہم تم سے بیگانہ ہوگئے۔ لیکن چونکہ قرابت ونسب میں یگانہ ہیں اور آج ہمارے یہاں ایک تقریبِ عروسی درپیش ہے لہذا ہماری تمنا ہے کہ آپ فاطمہؑ کو بھی اُس میں شریک ہونے کی اجازت دیجیے۔ خواجۂ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر تامل فرما کر جواب دیا کہ بہتر ہے۔ تم جاؤ۔ میں فاطمہؑ کو تمہارے ہاں بھیجدونگا۔ جب وہ چلی گئیں آنحضرت صلعم جنابِ سیدہؑ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جانِ پدر! مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ خلقِ خدا کے ساتھ بخُلق وکرم پیش آؤں۔ دشمنوں کے ظلم وستم کو برداشت کروں۔ اُن کے زہرِ نفاق کو شکرِ شکر کے ساتھ مقابل کروں۔ آج بعض زنانِ قریش نے میرے پاس آکر اس امر کی استدعا کی ہے کہ اُنکے ہاں کی تقریبِ شادی میں تم بھی شریک ہو۔ چنانچہ میں نے اُن کی درخواست منظور کرلی ہے۔ اب تم اس بارے میں کیا کہتی ہو؟ جنابِ سیدہؑ نے عرض کی کہ اے پدرِ عالی مقدار مجھے حکمِ خدا وارشادِ رسول خدا میں کیا عذر ہوسکتا ہے۔ لیکن متحیر ہوں کہ کونسا لباس پہنکر اُن کی مجلس میں جاؤں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب جامہائے مکلف وبیش بہا پہنے ہونگی اور مجھے اس لباسِ کہنہ میں دیکھکر خواہ مخواہ طعن وطنز کرینگی زنِ عتبہ دخترِ شیبہ اور خواہرِ ابوجہل وہاں موجود ہیں۔ وہ ضرور استہزائے نامعقول کرینگی۔ یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)! دختران عرب کا لاف وگزاف حضورِ اقدس پر پوشیدہ نہیں ہے۔ حمالۃ الحطب کہ آپکی راہ میں کانٹے بچھاتی ہے اور ہندہ زنِ ابوسفیان کہ جس کو سوائے آپ کی غیبت کے کوئی کام نہیں۔ نہایت ساز وسامان سے اُس محفل میں موجود ہونگی۔ اور مجھے دیکھکر اُن کی زبان کچھ کہے بغیر نہ رہیگی۔ اور اُن کو چشمِ بصیرت نہیں کہ مرتبۂ رسول صلعم کو دیکھ سکیں۔ ہنوز یہ بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت جبرئیلؑ نے تشریف لاکر حضورِ نبوی میں حق تعالٰے کا سلام عرض کیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ! خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ تم فاطمہؑ کو وہاں ضرور بھیجو۔ فاطمہؑ کے جانے سے بعض رموزِ عجیبہ وہاں ظاہر ہونیوالے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے ارشادِ خداوندی سے جنابِ سیدہؑ کو خبر دی۔ حضرت خاتونِ جنت نے حکمِ رب العزت کو بسروچشم تسلیم کیا۔ اور اُسی وقت چادرِ عصمت اوڑھی اور اُس پر مقنعہ ڈالا۔ اور بے خادمہ وحاجبہ یکہ وتنہا گھر سے باہر نکلیں سے

چہ غم خورشیدِ تاباں را اگر تنہا رود در رہ
چہ غم سروِ خراماں را اگر تنہا بروں آید

اُس طرف زنانِ قریش آپس میں ذکر کرتی تھیں کہ دیکھو جب دخترِ مصطفٰے با خرقۂ کہنہ یہاں آئینگی اور ہمارے لباسہائے گرانبہا دیکھینگی تو اشکِ اندوہ آنکھوں میں بھر لائینگی۔ ناگہاں صدائے غیب اُن کے کانوں میں آئی کہ جنابِ فاطمہؑ تشریف لاتی ہیں۔ بس جس وقت کہ جنابِ خاتونِ جنت نے اُس مجلس خانۂ عروسی میں قدم رکھا۔ تمام دیواریں گھر کی اُن کے نورِ جمال سے روشن ومنور ہوگئیں۔ زنانِ قریش نے دیکھا کہ دخترِ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خراماں خراماں تشریف لاتی ہیں اور ایسا لباس پُرتکلف وبے بہا زیبِ تن اور تاجِ مرصع بر سر ہے کہ چشمِ روزگار نے بھی اُس کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔ کنیزانِ پاکیزہ سرشت کہ درحقیقت حورانِ بہشت تھیں۔ ہمراہ ہیں۔ جن میں سے بعض خواصیں چادرِ مطہر کو ہاتھوں پر سنبھالے ہیں کہ زمین پر نہ لوٹے۔ اور بعض خواصیں مروحہ جنباں ہیں۔ پس یہ کیفیت نمونۂ قدرت دیکھکر زنانِ حاضرینِ مجلس پر محویت کا عالم طاری ہوگیا۔ اور حیران ہوکر ایک دوسرے سے پوچھنے لگی کہ یہ کس سلطانِ محترم کی دخترِ گرامی قدر ہے۔ اور یہ خاتون با عظمت وجلالت کون ہے جسکا پرتوِ جمال شعاعِ آفتاب کو شرمندہ کرتا ہے اور جسکے جامہ عدیم المثال

کا جواب شاہان ہفت کشور کے خزانوں میں بھی نہ ہوگا۔ لیکن سب کو معلوم ہوا کہ یہ خاتونِ گرامی منزلت فاطمہؑ بنتِ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ غم وحسد سے کانپ اُٹھیں اور وفورِ ندامت سے اپنی گردنیں جھکالیں اور اکثر عورتوں نے گمان کیا کہ معاذ اللہ جنابِ رسالت مآب صلعم نے سحر کیا ہے۔ بالآخر چند خواتینِ ممتاز نے سامنے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے دخترِ مصطفےٰ جن شربتوں اور کھانوں کی تم کو رغبت ہو وہ حاضر کریں۔ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میرے والدِ بزرگوار کا ارشاد ہے اجوع یومین واشبع یوماً دو دن بھوکے رہا کریں اور دو دن سیر۔ پس ہماری صفت گرسنگی ہے۔ اور اگر میری رضا جوئی مقصود ہے تو اس سے زیادہ کوئی امر میری مسرت وخوشنودی کا نہیں ہو سکتا کہ ظلمت کدۂ کفر وضلالت سے نکل کر فضائے نورانی ایمان وہدایت میں آؤ اور خدا اور رسولؐ کے نزدیک عزت پاؤ۔ یہ کلام معجز نظام سُنکر اُس مجمع میں سے اکثر خوش نصیب عورتیں بصدقِ دل ایمان لائیں اور کہا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(عمدۃ المطالب ص ۱۹۷)

صاحبِ رسالۂ سیرۃ فاطمہ رقمطراز ہیں[1]:-

ایک دن کا ذکر ہے۔ عید کا مُبارک تہوار تھا۔ آپ نمازِ فجر سے فارغ ہو چکی تھیں۔ چکی پیس رہی تھیں کسبِ حلال اور صدقِ مقال آپکو پنکھا جھل رہے تھے۔ ریاضت ومشقت آپ کی بلائیں لے رہی تھیں۔ نفس کُشی آپکے قدم کو بوسہ دیتی تھی۔ آپکے دونوں لعل پیارے اور نانا کے دُلارے حسنؑ وحسینؑ باہر کھیل رہے تھے۔ ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ آج عید کا دن ہے تو بے تحاشا دوڑے آئے اور آکر اماں جان سے لپٹ گئے۔ اور کہنے لگے کہ اماں کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آج عید ہے۔ آج وہ دن ہے کہ امیر فقیر سب کے سب عیش ومسرت منائینگے۔ آج کا دن ہمارے نانا کی اُمت کی خوشی کا دن ہے۔ آج عید گاہ میں ہمارے نانا کے نام کا خطبہ پڑھا جائیگا اور قریش کے بچے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گے۔ خوشبوئیں لگائینگے۔ اور اپنے تکلفات پر اترائینگے۔

یہ لوگ اونٹوں پر سوار ہونگے۔ اونٹوں کو بھی سجائیں گے اور انکو زیور پہنائیں گے۔ کیا ہم اسی حالت میں رہیں گے۔ لاؤ۔ ہمیں بھی اچھے اچھے کپڑے دو۔ تاکہ ہم عیدگاہ کو جائیں جنابِ سیدہ بچوں کی یہ باتیں سنتی تھیں اور دل میں بیقرار ہوتی تھیں کہ اب لڑکوں کو کپڑے کہاں سے پہناؤنگی۔ اور کس طرح ان کا دل بہلاؤں گی۔ گو دل میں پریشان ومتفکر تھیں پر زبان سے برابر تسلّی دیتی تھیں۔ اور کہتی تھیں کہ اچھا ذرا بیٹھو تاکہ میں آٹا پیس لوں۔ پھر تمہیں نئی پوشاک پہناتی ہوں۔ لیکن بچوں کو یہ توقف بھی ناگوار تھا۔ وہ برابر ضد کرتے تھے۔ مجبوراً چکی بند کرنی پڑی۔ بچوں سے کہا کہ اچھا جاؤ اور خوب نہاؤ۔ دیکھو اب درزی آتا ہے اور تمہارے کپڑے لاتا ہے۔ بچے یہ سُنکر خوش ہو گئے اور غسل میں مصروف۔ بچے تو نہانے میں مصروف ہو گئے اور جنابِ فاطمہؑ نے مصلے بچھایا اور گریہ وزاری شروع کر دی۔ آپ روتی تھیں اور درگاہِ رب العزت میں دعا کرتی تھیں کہ بار الٰہا! میری عزت وشرم تیرے ہاتھ ہے۔ اب تیرے سوا اور کون ہے جو نبی کے نواسوں کو تسکین دے اور میرے قول وقرار کو پورا کرے۔ تیری ذات شہنشاہ ہے۔ تیرے دریائے فیض وکرم سے بیشمار تشنہ لبوں کی سیرابی ہوتی ہے۔ آج حسنینؑ مجھ سے نئے کپڑے مانگتے ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ پیوند لگے بھی میسّر نہیں۔ ان معصوموں پر فضل کی نگاہ کر اور غیب کے خزانہ سے ان کو مطلوبہ پارچات پہنچا دے کہ آخر یہ تیرے محبوب کے نواسے ہیں۔ تیری نظرِ کرم کے صدقے۔ ان کا دل خوش ہو جائیگا۔ تو غنی ہے مسبب الاسباب ہے۔ تو دینا چاہے تو اسباب کی کیا کمی ہے۔ یہ معصوم نبیؐ کے نواسے ہیں۔ علیؑ کی آنکھوں کے تارے اور میرے سہارے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا دل ٹوٹ جائے۔ اگر یہ اس سقیم الحالی میں عید گاہ گئے تو انکی سبکی ہو گی۔ قریش کے بچے ان پر انگلیاں اُٹھائینگے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ میں نے اپنے ذاتی عیش وراحت کے لیے کبھی یہ سوال نہیں کیا۔ نہ اب کرتی ہوں۔ صرف حسنینؑ کے لیے دروازہ کھٹکھٹاتی ہوں۔

[1] انکی عبارت کی طرز بیان کے لیے ہم جوابدہ نہیں ہیں ۱۲ اولاد حیدر

میرا سوال پورا کر۔ کہتے ہیں کہ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اور بلند آواز سے کہا۔ یہ کپڑے لیجاؤ۔ بچے جلدی جلدی دوڑے۔ جاکر دیکھا کہ ایک اعرابی جو صورت شکل میں درزی معلوم ہوتا تھا۔ ایک خوان لیے کھڑا ہے جو ڈھکا ہوا ہے۔ یہ خوان لیکر جلدی سے واپس آئے۔ وہ سلام کرکے رخصت ہوا۔ سیدۃ النساء سجدہ میں پڑی ہوئی تھیں کہ جناب حسین علیہ السلام کہنے لگے کہ اماں! اُٹھو۔ درزی ہمارے کپڑے لے آیا۔ ہمیں جلدی سے پہنادو۔ جناب خاتون خدا کا شکر کرتی ہوئی اُٹھیں اور بچوں کو کپڑے پہنا کر عیدگاہ کی جانب رخصت کر دیا۔ سبحان اللہ۔
(سیرۃ فاطمہ ص ۱۴۷)

اس واقعہ کو باختلاف چند الفاظ علمائے اہلبیت رحمہم اللہ تعالےٰ نے بھی نقل فرمایا ہے۔

سیرۃ فاطمہؑ کے ہمعصر مؤلف پھر دوسرا واقعہ یوں قلمبند فرماتے ہیں:۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جماعتِ بنی سلیم میں سے ایک شخص ایک دفعہ سرورِ کائنات صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آواز دی۔ یا محمدؐ! یا محمدؐ! آپ نے جواب دیا۔ اُس نے کہا کہ کیا وہ جادوگر تو ہی ہے جس کی بابت یہ مشہور ہے کہ اُسکا سایہ نہیں پڑتا۔ مجھے اپنے بتوں کی قسم۔ اگر یہ خیال نہوتا کہ میری قوم خوش نہ ہوگی تو اس تلوار سے گردن اُڑادیتا۔ حضرت عمرؓ یہ سنکر آگے بڑھے۔ چاہتے تھے کہ اُسکی گستاخی کا جواب دیں۔ لیکن رسولِ کریم صلعم نے منع فرمایا اور اُس سے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اُس کا پیغام پہنچانیوالا ہوں۔ اے بھائی! عذابِ آخرت سے ڈر اور دوزخ کی آگ کا خوف کر۔ پرستش صرف اُس ایک خدا کی کرجس کا کوئی شریک نہیں۔ اس گفتگو کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ اعرابی ایمان لے آیا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ رسالت مآبؐ نے اُس وقت صحابہ سے کہا کہ اس کو کچھ آیتیں قرآن کی سکھادو۔ جب وہ سیکھ چکا تو آپؐ نے فرمایا تیرے پاس کس قدر مال ہے؟ اُس نے کہا کہ قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے تجھ کو پیغمبر بناکر بھیجا کہ ہم چار ہزار آدمی قبیلۂ بنی سلیم میں ہیں۔ لیکن مجھ سے زیادہ فقیر کوئی نہیں آپ نے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا تم سے کون ہے کہ اسکو ایک اونٹ خرید دے۔ میں ضامن ہوتا ہوں کہ خدا اُس کا بہتر بدلا دیگا۔ سعد ابن عبادؓ اُٹھے اور کہا اے خدا کے سچے رسولؐ! میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اسکو دیتا ہوں۔ اس کے بعد سرورِ کائنات نے فرمایا کہ اب تم میں کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے اور خدا کو راضی کرے۔ حضرت علیؑ نے اُٹھکر کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ تعمیل میں کرونگا۔ اپنا عمامہ اُتارا اور اعرابی کے سر پر رکھدیا۔ اب آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو اسکو خوراک وغیرہ کا سامان کردے۔ پس سلمانؓ اُٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر نکلے۔ چند گھروں پر گئے۔ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حالتِ یاس میں نگاہ حضرت سیدۂ نساء کے حجرے پر پڑی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدۃ النساء نے دریافت فرمایا۔ کون ہے؟ عرض کیا کہ میں سلمان فارسی ہوں۔ پوچھا کیوں آئے ہو؟ سلمانؓ نے تمام واقعہ بیان کیا کہ اس اعرابی کے واسطے کھانے پینے کا سامان جمع کرنے نکلا ہوں۔ کئی گھروں پر ہو آیا۔ کوئی چیز موجود نہیں۔ طاہرہ۔ ذاکیہ۔ رضیہ مرضیہ۔ سیدۃ النساء۔ فاطمۃ الزہراؑ یہ سُنکر روئیں اور فرمایا۔ سلمانؓ قسم ہے اُس خدا کی جس نے میرے باپ کو پیغمبر کیا۔ آج تیسرا روز ہے کہ ہم سب فاقہ سے ہیں۔ یہ دونوں بچے حسنؑ اور حسینؑ پریشان پھر رہے تھے۔ ابھی ابھی بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل دروازے پر آگیا۔ رد نہیں کرسکتی۔ اے سلمانؓ! یہ ایک چادر موجود ہے۔ اس کو لے اور شمعون یہودی کے پاس جا۔ اور کہہ کہ فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی کی چادر رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دے۔ سلمانؓ اعرابی کو لیکر شمعون کے پاس آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ یہودی کچھ دیر تک چادر دیکھتا رہا پھر دفعتاً اُس پر ایک خاص حالت طاری ہوئی اور کہنے لگا۔ اے سلمانؓ! یہ ہیں وہ لوگ جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰؑ نے توریت میں دی ہے۔ میں فاطمہؑ کے باپ پر ایمان لایا۔ اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔ اس کے بعد اناج سلمانؓ کو دیدیا اور چادر بھی

واپس کردی۔ وہ لیکر سیدہؑ کے پاس آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اُسے پیسا اور روٹی پکائی اور سلمانؓ کو دی سلمانؓ نے کہا کہ اس میں سے تھوڑی روٹی بچوّں کے لیے لے لیجیے۔ فرمایا۔ سلمانؓ! خدا کی راہ پر دے چُکے۔ اب بچوّں کے لیے لینا مناسب نہیں۔ سلمانؓ وہ روٹی لیکر سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام کیفیت بیان کی۔ رسولِ کریم صلعم نے وہ روٹی اعرابی کو دی۔ اور سیدۃ النساء کے پاس تشریف لائے۔ چہرہ اُداس دیکھا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کھانا کھائے ہوئے تیسرا روز ہے۔ حضرت نے سیدۃ النساء کو اپنے پاس بٹھلایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی۔ الٰہی فاطمہؑ تیری لونڈی ہے۔ اس سے راضی رہیو۔ سیرۃ فاطمہ ص ۱۲۱۔

بعض کتابوں میں باسناد امام احمد ابن حنبل اور امام بیہقی اتنا اضافہ اور درج ہے کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؑ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ بارک فیك ابنتی حیث شئت۔ اے میری بیٹی! خدا تجھ کو برکت عطا فرمائے جہاں تو رہے۔ عمدۃ المطالب۔

افلاس میں کمال استغنا

ادبستانِ قدرت سے اخلاق الٰہیہ کی کامل تعلیم پانیوالے دار العلوم حکمت سے تہذیب وآداب ربانیہ کی تکمیل و تربیت کا پورا لطف اُٹھانیوالے وہی حضرات مقدسین ہیں جن کو خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے دفترِ عالم میں روزِ ازل ہی سے چُن کر علیحدہ کرلیا ہے اور اپنے مقربین و متوسلین کے طبقات مخصوصین میں لے لیا ہے۔ یہ وہی معدودے چند بزرگوار ہیں جنکے اخلاق و عادات آراستہ۔ آداب و تہذیب شائستہ اور تمام محامد و اوصاف بے نظیر و یکتا ہوتے ہیں۔ یہ وہی نفوسِ عالیہ ہوتے ہیں جن کے ظاہری پیکر خاکی روحانیت کے نورانی جوہروں سے حقیقت میں نگاہوں میں پُر اور مملو دکھلائی دیتے ہیں۔ یہ وہی ذواتِ قدسی صفات ہیں جو قدرت کی طرف سے آداب و اخلاقِ الٰہیہ کے نمونے بنا کر دنیا اور دنیا والوں کی ہدایت کی غرض سے دنیا میں بھیجے جاتے ہیں اور مشیت کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ انہی حضرات سے جملہ ذاتی اور صفاتی محاسن و مکارم اور محامد و اوصاف کی تعلیم حاصل کیجائے۔ اور تمام دینی اور دنیاوی ضروریات میں انہی کی تقلید اختیار کیجائے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے تمام صوری اور معنوی۔ روحانی اور اخلاقی محامد و اوصاف اپنے والدِ بزرگوار سے تن تنہا وراثت میں پائے تھے۔ جیسا کہ صحیح ترمذی کی روایت سے جو حضرات عائشہ کی زبانی ابھی ابھی اوپر نقل ہو چُکی ہے پورے طور سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس لیے خلقِ عظیم۔ کمال استغنا۔ صبر و قناعت کی لازوال نعمتیں بھی پورے طور سے آپ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور پھر یوں کہ اس میں آپکا کوئی دوسرا شریک و سہیم نہیں ہے۔

ظاہر بیں نگاہوں میں استغنا یا صبر و قناعت کا کمال کچھ دشوار اور محال نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ہاں۔ افلاس میں استغنا کا کمال۔ عسرت میں صبر و قناعت کا خیال اور ناداری میں دل کی قوت داری اور استقلال البتہ کارے دارد۔ عام طبیعتداروں سے قطعی دشوار اور معمولی مزاج والوں سے یقینی محال ہے۔ جناب سیدہؑ نے اپنی کمال عسرت۔ ناداری اور حد درجہ کے افلاس کی حالتوں میں اپنی مستغنی المزاجی کے کمال۔ سیر چشمی اور فیاضی کے ایسے عدیم المثال جوہر دکھلائے ہیں کہ محققین اور مبصرینِ زمانہ کو آخر یہی کہنا پڑا کہ یہ آپ ہی کا کام تھا۔

یہ تو بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ عسرت و ناداری اور غربت و افلاس کی دولت آپ اپنے گھر سے گویا جہیز میں ساتھ لائی تھیں۔ خوش قسمتی سے اپنے شوہرِ عالی گوہر کے گھر میں آکر بھی سب سے پہلے آپ کو گویا یہی دولتیں رونمائی میں ملیں۔ دیدہ بینش جبسے وا فرمائے گئے انہی دولتوں سے گھر کا گھر بھرا پایا گیا۔ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو گھر کی مالی کمزوریاں دیکھکر نہ کوئی ملال ہوا اور نہ قلق۔ بلکہ ایک گونہ مسرت محسوس ہوئی اور مفاخرت۔ اور وہ اس لیے کہ آپکی مستغنی المزاجی نے

کمال متانت اور استقامت سے سمجھ لیا تھا کہ میرے شوہر عالی گوہر سے جب میرے پدر بزرگوار صلوات اللہ علیہ وآلہ من رب الجبار زیادہ محتاج ہیں۔ زیادہ مفلوک الحال اور زیادہ نادار تو پھر میرے لیے شکوے۔ گلے اور شکایت کے عوض اپنے استغنا۔ صبر و قناعت اور استقامت کے اظہار اور ان اوصاف پر قائم و برقرار رہکر عند اللہ المضاعف ماجور و مثاب ہونیکا پورا موقع حاصل ہو گیا ہے۔

مخصوصین اور مقربین بارگاہِ رب العالمین کے تمام مصائب و نوائبِ دنیاوی کی خاص حالتوں میں یہی حالات۔ خیالات اور جذبات ہوتے ہیں جو معمولی اور عام طریقۂ انسانی سے قطعی دشوار اور یقینی محال سمجھے جاتے ہیں۔

جنابِ فاطمہ۔ سیدۃ نساء العالمین کے گرانمایہ خطاب و القاب سے ممتاز و سرفراز تھیں۔ اور یہی آپ کے وہ خاص اوصاف تھے جن کی خصوصیت کے شرف و اعزاز نے آپ کو تمام طبقۂ نسوانی کی سردار بنایا تھا۔ اور انہی جذبات نے آپ کو اپنی حد درجہ کے افلاس و غربت کی حالتوں میں بھی کامل اطمینان اور پوری تسکین دے رکھی تھی۔ جو سکینۂ الٰہی کے وقار و اعتبار تک پہنچی ہوئی تھی۔ اسی لیے آپ تے ملوام الحیات۔ باوجودیکہ انتہا درجہ کی غربت و افلاس میں گرفتار رہیں۔ مگر ہمیشہ نہایت خاموشی۔ استقلال اور خندہ پیشانی سے تہی دستی اور ناداری کی تمام مشکلوں کو تحمل فرما گئیں۔ اور کبھی ان خانگی اور ذاتی ضرورتوں کی تنگی اور عدم دستیابی کی شکایت کیسی۔ کسی سے اظہار تک نہ فرمایا۔ بلکہ ان سخت مجبوریوں اور ناداری کی حالتوں میں بھی اپنی فیاضی۔ عام الطاف و ایثار کی وہ اعلےٰ مثالیں دکھلائیں کہ آپ کے ان عطاؤ ایثار سے فیض پانے والے اور آپکی حالتوں کو سطحی طور پر جاننے والے کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جناب فاطمۃ الزہراء اور حضرت بتول عذراء غریب ہیں اور محتاج۔ اور آپکا گھر بالکل خالی ہے اور مفلوک الحال۔

اب ہم اپنے مندرجہ بالا عنوانِ بیان کی تصدیق و توثیق میں معتصلۂ ذیل چند واقعات بطور مشتے از خروارے قلمبند کرتے ہیں۔

ہمعصر مؤلف رسالۂ سیرۃ زہرا ص ۱۲۴-۲۶ میں لکھتے ہیں ایثار کا مادہ خلاقِ عالم نے بچپن ہی سے آپ میں بھر دیا تھا۔ دس سال کی عمر تھی کہ فاطمۂ شامیہ[1] آپ کی ذکاوت و فراستِ خداداد کا شہرہ سنکر آپ سے ملنے آئیں۔ وہ زبور۔ توریت اور انجیل کی عالمہ تھیں۔ شام سے بہت سی تحائف۔ زیورات۔ جواہرات۔ میوے۔ کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں بافراط اپنے ساتھ لائیں۔ بنتِ رسولؐ نے نہایت گرمجوشی اور تپاک سے انکا خیر مقدم کیا۔ اور جب وہ تحائفِ شامیہ نے آپ کی نذر کیے تو حضرت زہراؑ نے ان سے اجازت لیکر وہ سارے اسلام کی خدمت کے لیے دیدیئے۔

---

[1] فاطمۂ شامیہ۔ ملکِ شام کے ایک امیر کبیر کی لڑکی تھیں۔ وہ نہایت دیندار اور عبادتگزار تھیں۔ کتبِ مقدسۂ متقدمین و صحفِ سماوی کی عالمہ تھیں۔ اور علوم نجوم سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیینؐ کی ولادت کا وقت قریب آگیا ہے تو وہ مکۂ معظمہ میں آئیں۔ ایک دن عبد اللہ سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ علاماتِ نور ان کی پیشانی پر دیکھکر ان سے نکاح کی درخواست کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ بلا اجازت اپنے والدین کی میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب عبد اللہ کی شادی آمنہ سے ہو گئی اور نورِ نبوت صلب عبد اللہ سے شکم آمنہ میں منتقل ہو گیا تو پھر عبد اللہ اپنے والد کی اجازت لیکر فاطمۂ شامیہ کے مکان پر گئے اور نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اب وہ نور جس کے اشتیاق میں میں نے اس قدر دور کا سفر اختیار کیا تھا آپ کے پاس نہیں رہا۔ جس کی تقدیر میں وہ سعادت تھی لے گئی۔ اور مجھے کسی دنیاوی خوشی کے لیے نکاح کی ضرورت نہیں ہے

قتلِ ما خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دلِ بے رحم تو مقصود نبود

مقصود کی جگہ شاید تقصیر ہو ۱۲ مؤلف عفی عنہ

اور کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے اُن مسلمانوں کی نذر کر دیے جو اُس وقت خدمتِ اسلام میں سر بکف رہتے تھے۔ فاطمۂ شامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپ کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ پھر جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جنابِ زہرا کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

پھر وہی مؤلف تحریر فرماتے ہیں۔

مروی ہے کہ ایک روز جنابِ سیّدہ حضرت فاطمۂ زہراؑ نماز پڑھ چکی تھیں اور مصلّے بچھائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں افلاس کا صدمہ تھا اور بچوں کی بھوک کا خیال تھا۔ کبھی سوچتی تھیں کہ خدا نے ہمیں دنیا میں ناحق پیدا کیا۔ نہ اچھا کپڑا نصیب ہے۔ نہ پیٹ بھر کے روٹی ملتی ہے۔ سر کی چادر میں پچیس ۲۵ پیوند لگے ہیں۔ اگر خدا ہمیں پیدا ہی نہ کرتا تو اُس کی خدائی میں کیا کمی آجاتی۔ حضرت فاطمہؑ انہی خیالوں میں اُداس بیٹھی ہوئی تھیں کہ ناگاہ جنابِ رسول مقبول صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کنیز سے اجازت لیکر گھر میں داخل ہو گئے اور اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھکر پوچھنے لگے۔ بیٹی کیا ہے۔ اُداس کیسے بیٹھی ہو۔ جنابِ فاطمہؑ اپنے والد کو دیکھکر چونک پڑیں۔ حالت کو سنبھالا۔ کھڑے ہو کر ادب سے سلام کیا اور عرض کرنے لگیں کہ حضرت یونہی اپنے افلاس و غربت کا خیال آگیا تھا۔ آپ حضرت خاتونِ جنّت کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔ فاطمہؑ! ذرا اپنے مصلّے کا ایک گوشہ تو اُلٹ۔ حضرت سیدہؑ نے تعمیلِ ارشاد کی اور مصلّے کا ایک گوشہ اُلٹ دیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ اُس کے نیچے ایک نہر چاندی کی اور ایک سونے کی جاری ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ لو جس قدر چاہو سونا لیلو۔ چاندی لیلو۔ اب تمہارے اختیار میں ہے۔ اچھے سے اچھا کھاؤ۔ اچھے سے اچھا پہنو۔ محل بنواؤ۔ قلعہ چنواؤ۔ نوکر چاکر رکھو۔ غرضکہ جو چاہو کرو۔ مگر یہ خوب سمجھ لو کہ یہ آرام دنیا میں صرف چند روز ہے اور پھر عقبےٰ میں تمہیں ملانے کو خاک بھی نہیں ہے۔ یا تو دنیا میں لیلو یا عقبےٰ کے لیے رکھ چھوڑو۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا کہ ابا جان! میں اپنے خیالات سے تائب ہوتی ہوں۔ اب کبھی انشاء اللہ ایسا وسوسہ دل میں نہ لاؤنگی۔ مجھے دنیا کی دولت کی ضرورت نہیں۔ یہ کہکر اپنے مصلّے کا گوشہ سیدھا کر دیا۔ سیرۃ الفاطمۃ الزہراؑ ص ۱۲۵-۲۶۔

جلاء العیون میں ملّا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب بشارۃ المصطفےٰ کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں:۔

ایک دن جناب رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نمازِ عصر سے فارغ ہو کر مسجد میں تشریف فرما تھے اور اصحاب بھی خدمتِ بابرکت میں حاضر تھے۔ ناگاہ مہاجرینِ عرب سے ایک مرد پیر پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ افلاس و ناداری کی بُری حالتوں میں گرفتار۔ مجبور و ناچار حاضرِ خدمت ہوا۔ شدّتِ افلاس اور پیری کے ضعف و نقاہت کی وجہ سے وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔ آیا اور آپ کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ آپ اُس سے متوجہ ہوئے اور اُسکا حال پوچھا۔ اُس پیر مرد نے عرض کی یا حضرت میں بھوکا ہوں مجھ کو کھانا دیجیے۔ میں ننگا ہوں۔ کپڑا دیجیے۔ محتاج ہوں۔ غنی اور بے نیاز فرما دیجیے۔ حضرت نے فرمایا تمہاری کسی غرض کے پورا کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن خیر کا پتہ دینے والا بھی خیر کرنیوالے کے برابر ہے۔ اُس شخص کے پاس تم جاؤ جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ رضائے خدا اپنی جان پر اختیار کر لیتا ہے۔ تم فاطمہؑ کے گھر جاؤ۔ وہ ایسی نیک بی بی ہے جو ان تمام اوصاف سے موصوف ہے۔ وہ تمہاری تمام حاجتوں کو پورا کر دیگی۔ فاطمہؑ کا حجرہ جناب رسولِ خدا کے حجرے سے متصل تھا۔ اور جب حضرت کو یہ منظور ہوتا تھا کہ ازواج سے علیحدہ رہیں تو اسی حجرے میں قیام فرماتے تھے۔ پس حضرت نے بلال کو بلا کر حکم دیا کہ اس پیر مرد کو فاطمہ کے گھر لیجاؤ۔ جب وہ مرد در وانۂ جنابِ سیدہ پر حاضر ہوا تو باوازِ بلند ندا کی السّلام علیکم یا اھل بیت النبوّۃ و مختلف الملائکۃ و مھبط جبرئیل الرّوح الامین بالتنزیل من عند

ربّ العالمین۔ سلام ہو تم پر اے اہلبیتِ نبوت محلِ آمد و رفتِ ملائکہ اور مقامِ نزولِ جبرئیلؑ با قرآن مجید من ربّ المجید۔ جنابِ سیدہؑ نے جوابِ سلام دیکر لبّیک کہی اور پوچھا۔ تم کون ہو؟ اُس نے کہا کہ میں ایک مردِ محتاج اور پیرِ ضعیف و فقیر ہوں۔ اور آپ کے پدرِ بزرگوار کے پاس مکان دور و دراز سے ہجرت کرکے آیا ہوں۔ اے دخترِ پیغمبرؐ! میں ننگا ہوں۔ بھوکا ہوں اور بالکل محتاج۔ آپ اپنے مال سے میری دستگیری فرماکر میری حاجتوں کو پورا فرمایئے۔ خدا آپ پر رحم فرمائے۔ یہ ایسا موقع تھا اور وقت کہ جنابِ رسولِ خداؐ۔ جنابِ امیرؑ۔ خود جنابِ سیدہؑ مادرِ حضرات حسنین علیہم السّلام نے تین تین دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ جنابِ سیدہؑ نے ہر طرف خیال کیا اور نظر دوڑائی۔ مگر گھر میں کوئی چیز سائل کے دینے کو نظر نہ آئی۔ سوائے ایک پوستِ گوسفند کے جس پر جنابِ حسنین علیہما السّلام آرام کرتے تھے۔ آپ نے وہ بھیڑ کی کھال اُس پیر مرد کو دی اور فرمایا کہ اسے لے شاید حضرت واہب العطایا اس سے بہتر تجھے عنایت فرمائے۔ اعرابی نے عرض کی اے دخترِ پیغمبرؐ! مجھے بھوک کی شکایت ہے اور آپ مجھے پوستِ گوسفند دیتی ہیں۔ میں اسے لیکر کیا کرونگا؟ سائل کا یہ کہنا سُنکر آپ نے ہاتھ بڑھاکر فوراً اپنے گلے سے وہ گلوبند کھول لیا جو فاطمہ دخترِ حضرت حمزہؑ نے آپ کو ہدیہ میں دیا تھا اور اُس مردِ سائل کو عطا فرمایا اور ارشاد کیا کہ اس گلوبند کو لے۔ فروخت کر اور اپنی تمام حاجتیں پوری کرلے۔

وہ مردِ سائل وہ گلوبند لیے خدمتِ رسول صلعم میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ فاطمہؑ نے مجھے یہ گلوبند دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے بیچکر اپنی ضرورتیں پوری کرلے۔ شاید کہ حق تعالیٰ تجھے اس سے بہتر عنایت فرمائے۔ حضرت یہ سُنکر آبدیدہ ہوگئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تیرے لیے اب اس سے بہتر کون چیز ہوگی جسے فاطمہؑ دخترِ محمدؐ بہترین دختران فرزندانِ آدمؑ نے تجھے دیا ہے۔

یہ سُنکر حضرت عمار یاسر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس گلوبند کو خرید لوں۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے فرمایا ہاں خرید لو۔ اگر تمام جن و انس اس گلوبند کی بیع و شرے میں شریک ہوں تو بتحقیق اینکہ خدائے سبحانہ و تعالےٰ اُن کو آتشِ جہنم سے عذاب نہ کریگا۔ یہ سُنکر عمارؓ نے اُس اعرابی سے پوچھا کہ اپنا یہ گلوبند کتنے پر میرے ہاتھ بیچتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اس قدر روٹی اور گوشت پر کہ میں سیر ہو جاؤں۔ اور ایک چادرِ یمنی پر کہ جس سے میں اپنا بدن چھپاؤں اور اُس پر اپنے پروردگار کی نماز پڑھوں اور ایک دینارِ طلا کہ راہ میں جسے خرچ کرتا ہوا اپنے بال بچوں میں پہنچ جاؤں۔ حضرت عمارؓ نے اتفاقاً اُسی دن خیبر کی غنیمت کا اپنا خاص حصّہ بیچا تھا۔ اُس مردِ اعرابی کا مطالبہ سُنکر کہنے لگے کہ میں اس گلوبند کو خریدتا ہوں اور تجھے اسکے ہدیے میں بیس٢٠ دینارِ طلا۔ دو سو درہم ہجری۔ ایک چادرِ یمنی اور ایک اونٹ جو تجھے تیرے اہل و عیال تک پہنچا دے دیتا ہوں۔ اور ان اشیاء کے علاوہ اتنی گیہوں کی روٹی اور گوشت کھلاتا ہوں کہ تو آسودہ ہو جائے۔

حضرت عمار یاسر یہ کہکر اُس مردِ اعرابی کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ سب اُسکے حوالے کر دیا۔ اور اُس سے وہ گلوبندِ مبارک لے لیا۔ وہ مردِ اعرابی وہاں سے رخصت ہوکر با جملہ ساز و سامان جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے اس حال سے اُس کو مشاہدہ فرماکر اُس سے پوچھا کیوں بھائی! کپڑے پہنے۔ کھانا کھایا۔ مال اور اونٹ پایا؟ اعرابی نے خوش ہوکر عرض کی کہ آپ کے اور آپکی صاحبزادی کے صدقہ سے میری تمام حاجتیں پوری ہوئیں۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ کو دعائیں دے جس کے ایثار و الطاف نے تیری حاجت براری کی۔ اُس مردِ اعرابی نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تو حادث نہیں ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ تو ہی روزی دینے والا ہے۔ خداوندا! فاطمہؑ کو اسی جود و عطا کے بدلے میں وہ عطا فرما جو کسی نے آنکھ سے نہ دیکھا ہو

پس آنحضرت صلعم نے اُس اعرابی کی دعا پر آمین فرمائی۔ اور اصحاب سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ خدائے واہب العطایا نے فاطمہؑ کو آخرت میں ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو اعرابی نے اپنی دعا میں اُنکے لیے مانگی تھیں اور دنیا میں یہ نعمتیں فاطمہؑ کے لیے عطا فرمائی ہیں کہ میں اُس کا باپ ہوں۔ جسکی مثال کوئی دنیا میں نہیں ہے۔ علی مرتضےٰ اُس کا شوہر ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتا تو فاطمہؑ کا کوئی ہمسر اور کفو نہ ملتا۔ حسنین سے بہترینِ عالم اُس کے فرزند ہیں جو جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں۔

حضرت عمارؓ ابنِ یاسر نے پھر اُس گلوبندِ مطہر کو مشک و عنبر سے معطر کیا اور ایک دوسری یمنی چادر میں لپیٹا۔ اور اپنے غلام سہل کو بُلا کر دیا اور کہا کہ اسے جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لیجا۔ اور میں نے تجھ کو بھی آنحضرت کی نذر کر دیا۔ وہ غلام خدمتِ رسولِ انام میں حاضر ہوا اور عمارؓ یاسر کی گزارش عرض کر دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تحفہ فاطمہ زہراؑ کو دے آؤ۔ اور تجھ کو بھی میں نے اُنہی کو دیدیا۔ الغرض وہ غلام جنابِ سیدہؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری رُوداد خدمتِ اقدس میں عرض کی۔ جنابِ سیدہؑ نے مفصل کیفیت سُنکر وہ گلوبند لے لیا اور غلام سے کہا کہ میں نے تجھکو خدائے تعالےٰ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ آپ کا یہ ارشاد سنکر وہ غلام متبسّم ہوا۔ آپ نے اُس سے اُسکے تبسّم کی وجہ دریافت فرمائی تو اُس نے دست بستہ عرض کی کہ میں اس گلوبند کی برکت پر تعجّب کرتا ہوں کہ بھوکے کو کھانا کھلایا۔ برہنہ کو کپڑے پہنائے۔ فقیر کو غنی بنایا۔ غلام کو آزاد کیا اور پھر اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا۔

عام مراعات و موافقات میں دینی احتیاط

اخلاق ہوں یا اشفاق۔ آداب ہوں یا لحاظ۔ رعایات ہوں یا موالات۔ یہ تمام اوصاف و محاسن احکامِ خداوندی کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر یہ محامد و مکارم فرمانِ الٰہی کے مطابق ہیں تو ضرور محاسن ہیں۔ ورنہ صحیح مفاسد اور صریح مظالم۔ جنابِ سیدۃ نساء العالمین سلام اللہ علیہا کے تمام محامد و اوصاف عام اس سے کہ اُن کا اظہار طبقۂ انسانی میں کسی کے ساتھ بھی کیا گیا ہو۔ وہ بالکل احکامِ یزدانی اور فرمانِ ربّانی کے مطابق ہوتے تھے۔ اور اُنکی حقیقت اور اصلیت میں ظاہرداری اور ناجائز پاسداری کی سرمو شرکت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور ان تمام مراسم و مسالک میں احکامِ خداوندی اور شریعتِ الٰہی کی نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ پوری متابعت برتی جاتی تھی۔ ذیل کے دونوں واقعات ہمارے سلسلۂ بیان کے مندرجۂ بالا عنوان پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہمسایہ میں ایک یہودی کا مکان تھا۔ اُسکی ایک لڑکی تھی۔ جو جنابِ سیدہؑ سے بہت ہل گئی تھی۔ روزانہ پہروں آکر آپ کی خدمت میں بیٹھی رہا کرتی تھی۔ اور آپکے کلامِ صداقت التیام کو گھنٹوں سُنا کرتی تھی۔ ایک دن آپ کی خدمتِ بابرکت میں آئی تو کوئی ڈھکی ہوئی چیز لائی اور جنابِ سیدہؑ کے سامنے رکھدی۔ آپ نے اُسے کھولا تو ایک چھوٹے سے ظرف میں تھوڑا سا تازہ بنا ہوا حلوا دیکھا۔ سوچیں کہ یہ غیر مسلم کا مال ہے اور اُس کی پکائی ہوئی چیز۔ اسکا لینا۔ اسکا کھانا دونوں ممنوع ہے۔ مگر یہ لڑکی محبّت سے لائی ہے۔ ہماری احتیاط اور شرعی مجبوری سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر اسے فوراً واپس دیتی ہوں تو اس کی بڑی دلشکنی ہوتی ہے۔ اور خلق و مروّت کے مخالف ثابت ہوتا ہے۔ یہ سوچکر آپ نے اُس سے فرمایا کہ اچھا تم لائیں۔ میں نے لے لیا۔ اب تم اِسے اُٹھا کر گھر میں فلاں مقام پر رکھ آؤ۔ لڑکی نے اُٹھکر فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ یہود کی لڑکی آپ کی خدمت سے اُٹھکر اپنے گھر چلی گئی تو آپ نے حضرت فضّہ سے سارا واقعہ دُہرایا تو فضّہ نے عرض کی کہ بہتر ہے۔ یہ حلوا اہلِ صُفّہ (فقرائے مسلمین) کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجدیا جائے۔ آپ نے فوراً جواب میں ارشاد فرمایا کہ فضّہ! کیا کہتی ہو۔ مرض!

کی راہ میں اُس شے کو دیدوں جسے میں خود اپنے لیے لینا اور رکھنا قبول نہیں کرتی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تو اس حلوے کو اُٹھالے اور سوقِ بنی قینقاع (مدینہ میں یہودیوں کا ایک مشہور اور قدیم بازار تھا) میں لیجا کر کسی راہب یہودی کو دے آ۔ کہ وہی اسکا سب سے اچھا اور بہتر مستحق ہے۔ حضرت فضہؑ نے فوراً اُٹھا کر تعمیل ارشاد کردی۔ پھر ایک مرتبہ وہی لڑکی چند درہم و دینار اپنے ساتھ گھر سے لیتی آئی۔ اور آپ کی خدمت میں پیشکش کیے۔ اب آپ کو اُس کی یہ حرکت پہلے سے بھی زیادہ بیجا اور نازیبا معلوم ہوئی۔ آپ نے اُس سے تادیباً ارشاد کیا کہ یہ تمہارا مال ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ اتنی سی عمر میں تمہارے پاس یہ درہم و دینار کہاں سے آئے۔ ضرور ہوا کہ یہ مال پرایا مال ہو۔ جسے میں اپنے ہاتھ سے بھی نہیں چھو سکتی۔ غالباً تم اپنے ماں باپ سے چھپا کر اور اُنکی آنکھ بچا کر یہ مال میرے پاس لائی ہو۔ جو سرقہ ہے۔ اس لیے میں کیا کوئی خدا سے ڈرنیوالا مسلمان اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ اسکو فوراً میرے سامنے سے اُٹھا لیجاؤ۔ اور خبردار کبھی بھولکر بھی پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر تم بیحد محتاج ہو اور لاانتہا مفلس و نادار تو کوئی بڑی بات نہیں۔ نیت اصل شئے ہے۔ جب وہ درست ہے تو انسان کے تمام دینی اور دنیاوی محاسن درست ہیں۔ باختلاف الفاظ سیر الفاطمہؑ ص ۱۶۳۔

جود وسخا اور دوسروں کی حاجت کی اپنی ضرورت پر تقدیم

جنابِ سیدہؑ کے ایثار و بخشش کا دروازہ بابِ اجابت کی طرح محتاجین مستحقین اور عام مساکین کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جنابِ فاطمۃ الزہرا۔ بتول العذرا۔ ہاشم فیاض کی پوتی تھیں۔ رسول کریم کی صاحبزادی اور علی مرتضےٰ جیسے سخی ترین مردم بزرگ کی زوجۂ محترمہ۔ پھر آپ کے جود وعطا لطف وسخا۔ داد ودہش اور عام ایثار و بخشش کی کوئی تفصیل تحصیلِ حاصل ہوگی۔ جو واقعات گزشتہ عنوانات میں اکثر مقامات پر قلمبند کیے گئے ہیں وہی مدعائے بیان کی تصدیق کے لیے یہاں بھی کافی سمجھے جائیں گے۔ مگر مناسبتِ مقام اور سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی ضرورت سے مجبور ہو کر اُن پر ذیل کے واقعات کا اضافہ کیا جاتا ہے

جلاء العیون میں ملا مجلسی علیہ الرحمہ کتاب کشف الغمہ اور امالی شیخ طوسی اور تفسیر فرات ابن ابراہیم کی اسناد سے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بار جناب علی مرتضےٰ گھر میں تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ سے کھانا طلب فرمایا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں جس نے میرے باپ کو مبعوث بہ رسالت فرمایا ہے کہ میرے پاس اس وقت کوئی شے ایسی موجود نہیں ہے کہ تمہیں کھانیکو دوں۔ دو دن گزرے ہیں کہ گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا بجز اُس کھانے کے جو میں بچوں کے کھانے سے بچا کر تمہارے لیے اُٹھا رکھتی تھی اور بعض اوقات میں تمہارے کھانے کو اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے پر مقدم جانتی تھی۔ یہ سُنکر جناب امیرؑ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ! تم نے دو دن تک مجھ سے کہا کیوں نہیں کہ گھر میں کھانے کو نہیں ہے۔ جنابِ سیدہؑ نے فرمایا۔ اے ابو الحسن! مجھے اپنے خدا سے بڑی شرم آئی کہ تمہیں اُس امر کے لیے تکلیف دوں جس کو میں خود جانتی ہوں کہ تم اُس پر اس وقت قادر نہیں۔ یہ سُنکر جناب امیرؑ گھر سے باہر نکل آئے۔ کسی سے ایک دینار قرض لیا۔ بازار میں تشریف لا کر اہل و عیال کے لیے کچھ خریدنا چاہتے تھے کہ حضرت مقداد سے ملاقات ہوگئی۔ گرمی کے دن تھے اور اُس وقت دوپہر کی دھوپ میں مقداد کا سر کھلا ہوا تھا۔ اور تمازتِ آفتاب سے جلا جاتا تھا۔ و پاؤں بھنے جاتے تھے اور گرمی کی شدت سے اُنکی بُری حالت ہو رہی تھی۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے مقداد کو اس حالت میں دیکھکر آن سے کیفیت پوچھی تو مقداد نے عرض کی کہ اے ابو الحسن! تشریف لیجایئے اور میرا حال کچھ نہ پوچھیے۔ جناب امیرؑ نے

جواب دیا کہ مجھ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ میں تمہیں اس حال میں دیکھوں اور حال نہ پوچھوں۔ مقداد نے حیا سے سر جھکا کر کہا کہ میں اہل وعیال کی شدتِ گرسنگی اور فقر وفاقہ دیکھکر گھر سے باہر نکل پڑا ہوں۔ اور اُن کو فاقوں سے روتا ہوا گھر میں چھوڑ آیا ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام یہ روئداد سُنکر اس قدر روئے کہ محاسنِ مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئے۔ فرمایا۔ اے مقداد! خدا کی قسم میں بھی اسی حال میں اور اسی کام کے لیے گھر سے نکلا ہوں۔ بڑی فکروں کے بعد یہ ایک دینار قرض لیا ہے۔ مگر خدا گواہ ہے کہ میں تمہاری ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ضرور ترجیح دیتا ہوں۔ یہ دینار لیلو اور اپنی ضرورت پوری کرو۔ مقداد ہر چند انکار کرتے رہے مگر آپ نے نہ مانا اور وہاں سے گھر میں تشریف لائے۔ دیکھا جنابِ سیدہؑ بھوکے بچوں کو بہلا رہی ہیں۔ اور آغوش میں لیے ٹہلا رہی ہیں۔ مگر خود جنابِ ممدوحہ کا فاقوں سے یہ حال ہو رہا ہے کہ پائے مبارک میں لغزش ہے۔ جنابِ امیر علیہ السلام زمین پر بیٹھ گئے اور ساری کیفیت بیان کردی۔ جنابِ سیدہؑ کا یہ حال سُننا تھا کہ حزن وملال کی جگہ آپ کے روئے مبارک پر خوشی اور مسرت کے آثار ظاہر وآشکار ہوگئے۔ آپ بیساختہ ہنس کر فرمانے لگیں کہ اے ابوالحسنؑ! اس سے بڑھکر ہماری تمہاری فرح ومسرت اور شرف ومفاخرت کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ آج ہم لوگوں نے اپنے نفس کی ضرورتوں کے مقابلے میں ایسے شخص کی ضرورتوں کو ترجیح دی ہے جو زاہد ترینِ اہلِ اسلام ہے۔ اور عابد ترینِ اہلِ ایمان صحابی رسول ہے اور خدا کا عبد مقبول۔ اتنی گفتگو کے بعد جنابِ امیر علیہ السلام گھر سے مسجد میں چلے آئے اور نمازِ ظہر وعصر ومغرب جنابِ رسالت مآبؐ کے ہمراہ پڑھی۔ نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ مرتضٰے کے قریب صفِ اوّل میں آئے۔ اب نماز پڑھکر بھوک کی شدت سے فرشِ مسجد پر لیٹ گئے تھے۔ جنابِ ختمی مرتبت نے پاؤں کے اشارے سے کہا کہ اے ابوالحسنؑ! اُٹھو۔ آپ فوراً اُٹھے اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلے۔ جب دروازۂ مسجد پر پہنچے تو جنابِ رسولِ خداؐ کو سلام کرکے گھر جانا چاہا۔ جنابِ سرورِ کائنات نے فرمایا۔ اے علیؑ آج تمہارے یہاں کھانے کو ہے کہ میں چلکر کھاؤں۔ جنابِ امیرؑ نے فرطِ حیا سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ جنابِ رسالت مآبؐ بذریعۂ وحی جملہ کیفیت سے مطلع ہوچکے تھے۔ الغرض جنابِ علیؑ مرتضٰے کو خموش پاکر آپ نے پوچھا کہ یا علیؑ! جواب کیوں نہیں دیتے؟ چُپ کیوں ہو؟ انکار کرو تو میں پھر جاؤں۔ اقرار کرو تو چلا چلوں۔ جنابِ امیرؑ نے عرض کی۔ شرم مانع جواب ہے اور باعثِ سکوت۔ آپ نے فرمایا کہ جب قصد ہوچکا ہے تو آؤ چلے چلیں۔ یہ فرماکر جنابِ امیرؑ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور خانۂ جنابِ سیدہؑ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ ابھی تک جنابِ سیدہؑ نماز میں مصروف ہیں۔ دونوں صاحب سیدہؑ کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار فرماتے رہے۔ اپنے والدِ بزرگوار کی آواز پہچان کر آپ نے نماز سے فراغت کی۔ سلام پھیر کر دیکھا تو آپ کے پیچھے غذائے لطیف وتازہ وگرماگرم سے ایک بھرا ہوا کاسہ رکھا ہے۔ آپ نے اُسکی طرف کچھ توجہ نہ فرمائی اور مصلّے سے فوراً اُٹھکر اپنے پدرِ عالی مقدار کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور سلام عرض کیا۔ جنابِ رسولِ خداؐ نے جوابِ سلام دیکر اپنا دستِ شفقت سیدہ کے فرقِ مبارک پر پھیرا۔ اور احوال پوچھا۔ جنابِ سیدہؑ نے عرض کی۔ بہرحال خدا کا شکر ہے۔ نعم المولٰے ونعم النصیر۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہ! کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ جنابِ امیرؑ اپنے دل میں حیران اور سخت پریشان تھے کہ سیدہؑ آپ کے اس سوال کا کیا جواب دینگی۔ مگر آپ کے خیال کے خلاف آپ کے قیاس کے برعکس۔ جنابِ سیدہؑ نہایت مستعدی اور اطمینان سے فوراً اُٹھیں اور ایک کاسہ پُراز غذائے لذیذ ولطیف لاکر آپ کے سامنے رکھدیا۔ جنابِ امیرؑ نے سخت تعجب کی نگاہوں سے سیدہؑ کی طرف دیکھا۔ جنابِ سیدہؑ نے تبسم ہوکر کہا۔ اے ابوالحسنؑ! سبحان اللہ! آپ کیوں

مجھے اس وقت استعجاب و اضطراب کی سخت نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ میں نے تو آپ کی خدمت میں اس وقت سوائے خبر کے کوئی بدی نہیں کی ہے۔ جنابِ امیر علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہؑ! آج تم نے قسم کھا کر مجھ سے کہا تھا کہ دو دن سے گھر میں کچھ کھانے کو موجود نہیں ہے۔ پھر اس وقت یہ ایسا نفیس اور لطیف کھانا ہم لوگوں کے لیے کہاں سے لائی ہو؟ یہ سُنکر جنابِ سیدہؑ نے فرقِ مبارک اپنا آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا۔ پروردگارِ آسمان و زمین دانا و بینا ہے کہ میں نے سچی قسم کھائی تھی۔ جنابِ امیرؑ نے پوچھا کہ پھر تم ہی کہو کہ ایسا خوشگوار اور خوشبودار کھانا کہاں سے آگیا۔ میں نے تو ایسا کھانا نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ کبھی کھایا تھا۔

دونوں حضرات کی یہ تمام و کمال گفتگو سُنکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُس خدائے برتر و اعلےٰ کا ہزار شکر و سپاس ہے کہ جس نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے یا علیؑ تم کو بمنزلۂ حضرت زکریاؑ اور فاطمہؑ کو بمنزلۂ مریمؑ بنتِ عمران دیکھ لیا۔ اے علیؑ! یہ عوض تمہارے اُس ایک دینار کا ہے جو تم نے مقداد کو دیا۔ اور یہ جزا تمہارے دینار کی ہے خدا کی طرف سے اور خدا جس کو چاہتا ہے بحساب روزی عطا فرماتا ہے۔

چادر

سیّد ابنِ طاؤس نے بسندِ معتبر ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ نجاشی بادشاہ حبشہ نے ایک چادرِ زرتار جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجی تھی حضرت نے وہ چادر قبول فرما کر ارشاد کیا تھا کہ یہ چادر میں اُس شخص کو دونگا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اور رسولؐ اُسکو دوست رکھتے ہیں۔ یہ ارشاد سُنکر تمام لوگوں نے شوقِ دستیابی میں اپنی اپنی گردنیں اوپر اُٹھائیں۔ اس اثناء میں جنابِ سرورِ کائنات نے پوچھا علیؑ کہاں ہیں؟ آپ اُس وقت اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ عمارِ یاسرؓ جنابِ علی مرتضےٰؑ کے پاس دوڑے آئے اور سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ جنابِ امیرؑ گھر سے باہر آنے لگے تو سیدہؑ نے دریافت فرمایا کہاں جاتے ہو؟ جنابِ امیرؑ نے سارا ماجرا بیان کیا جنابِ سیدہؑ نے ارشاد کیا۔ اتنی بیش قیمت چادر ہم لیکر اور رکھکر کیا کرینگے۔ بہتر ہے کہ جس خدا نے ہمیں ایسی بیش قیمت شے عطا فرمائی ہے وہ ہم اُسی خدا کی راہ میں اُسکے محتاج اور اپنے سے زیادہ حاجتمند لوگوں پر ایثار کر دیں۔ سیدہؑ کا یہ ارشاد ہدایت و رشادت بنیاد سُنکر جنابِ امیر علیہ السّلام گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔ جنابِ رسالتمآب نے وہ چادر آپ کو دیکر ارشاد فرمایا کہ تمام لوگوں میں اس چادر کے مستحق تم ہی ہو۔ جنابِ علیؑ مرتضےٰ اُس چادر کو لیکر مسجد سے براہِ راست سوق اللّیل (مدینہ کا مشہور بازار) میں تشریف لائے اور تار تار اُس چادر کے جُدا کر کے تمام سونا اُسکا مہاجر و انصار پر تقسیم فرما دیا۔ اور اُس میں کا ایک تار بھی اپنے ہمراہ گھر میں نہ لائے۔ اور جنابِ سیدہؑ سے ساری روئداد کہہ سُنائی۔ اُس روز بھی آپ کے گھر فاقہ تھا۔ دوسرے دن جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے چونکہ گھر میں آپ کی ضیافت کے لیے کچھ موجود نہیں تھا اس لیے آپ شرم و حیا کے مارے عرق عرق ہو گئے۔ جنابِ رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ! کل تمہیں خدائے واہب العطایا نے تین ہزار مثقال طلا عنایت فرمایا ہے۔ اس لیے میں اور میرے ہمراہی مہاجر و انصار کی یہ جماعت تمہارے پاس آئی ہے کہ تم اُس عطیۂ الٰہی سے ہم لوگوں کی ضیافت کرو۔ جنابِ امیر علیہ السّلام خاموش ہو کر حضرت فاطمہ زہرؑا کے پاس چلے آئے۔ دیکھا کہ ایک بڑے کاسے میں بہت سی تازی روٹیاں اور گوشت رکھا ہوا ہے۔ جنابِ سیدہؑ نے کہا کہ لیجاؤ اور باہر تمام مہمانوں کو کھلا دو۔ وہ اس قدر وزنی تھا کہ حضرت علیؑ مرتضےٰ اُسے تنہا نہ اُٹھا سکے جنابِ سیدہؑ کی استمداد سے آپ اُسے بیرونی دروازے تک لائے۔ اور جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رکھدیا۔ آپ قبل اسکے کہ اُس میں سے کچھ تناول فرمائیں یا کسی کو دیں فوراً اپنی مقام سے اُٹھے اور جنابِ سیدہؑ کے پاس گھر میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ اے پارۂ جگر! یہ غذا تم نے کہاں سے پائی ہے۔ آپ نے عرض کی کہ میں اسکی نسبت سوائے اسکے اور کیا عرض کروں کہ خدا نے بھیجدی۔ اور خدائے سبحانہ و تعالےٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ سُنکر آپ نے شکرِ خدا

کا سجدہ کیا۔ اور فرمایا کہ آج میں نے خدا کے فضل و کرم سے اپنی دختر کے پاس وہ سب خدا کی نعمتیں موجود دیکھ لیں جو زکریاؑ نے مریمؑ بنت عمران کے پاس گزشتہ زمانے میں ملاحظہ فرمائی تھیں۔ یہ فرما کر آپ باہر چلے آئے اور مہاجر و انصار کے ساتھ اُس نعمتِ الٰہی کو تناول فرمایا۔

علامہ زمخشری تفسیرِ کشاف میں تحریر کرتے ہیں:۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الحسن والحسین علیہما السلام مرضا فعادھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ومعہ ابوبکر و عمر فاروق فقالوا یا ابا الحسن لو نذرت علیٰ ذٰلک فنذر علی و فاطمۃ و فضۃ سلام اللہ علیہم اجمعین جاریۃ لھما ان ابرأھما بھما یصوموا ثلٰثۃ ایام فشفیا وما معھم شیٔ فاستقرض علی علیہ السلام من شمعون الیھودی الخیبری ثلٰثۃ اصوع من الشعیر فطحنت فاطمۃ علیہا السلام صاعًا فخبزت خمسۃ اقراص علی عدد ھم ووضعتھا بین ایدیھم لیفطروا فوقف علیھم سائل فقال السلام علیکم یا اھل البیت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی مسکین من مساکین المسلمین اطعمونی اطعمکم اللہ من مواعید الجنۃ فاثروہ و باتوا لم یذوقوا الا الماء فاصبحوا صیاما فلما امسوا ووضعوا الطعام بین ایدیھم فوقف علیھم یتیم فاثروہ ووقف علیھم اسیر فی الثلٰثۃ ففعلوا مثل ذٰلک فلما اصبحوا اصیاما اخذ علی علیہ السلام بید الحسن والحسین علیہما السلام۔ اقبلوا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فلما ابصرھم وھم یرتعشون کالفراخ من شدۃ الجوع قال ما اشد ما یسوءنی ما ادری بکم فقام الصق ظھرھا ببطنھا وغارت عیناھا فساءہ ذٰلک فنزل جبرئیل علیہ السلام فقال خذھا یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ھناک اللہ تعالیٰ فی اھل بیتک فاقرء الآیۃ ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرات حسنین علیہما السلام بیمار ہوئے۔ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ابوبکر اور عمر کو ساتھ لیکر اُنکی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ صحابہ نے عرض کی کہ اے ابوالحسنؑ! اگر آپ اپنے نورِ چشموں کی صحت کے لیے نذر مانتے تو بہتر تھا۔ پس جنابِ امیرؑ۔ حضرت فاطمہ اور حضرت فضہ۔ آپ کی خادمہ۔ سلام اللہ علیہم اجمعین نے ملکر صاحبزادوں کی تندرستی پر تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ پس جب دونوں صاحبزادے صحت پاگئے تو سب نے ملکر روزے رکھے۔ اُن لوگوں کے پاس اُس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔ جنابِ امیر علیہ السلام نے شمعون یہودی خیبری سے تین صاع گیہوں قرض لیے۔ ایک صاع گندم لیکر جنابِ سیدہؑ نے پیسے۔ اور اُس کی پانچ روٹیاں گھر کے آدمیوں کے شمار کے مطابق پکائیں۔ جونہی سب نے افطار کرنے کی نیت سے روٹیاں اپنے اپنے ہاتھوں میں اُٹھائیں ویسے ہی ایک سائل نے دروازے پر آواز دی السّلام علیکم یا اہلِ بیت محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ میں مسلمان مساکین میں سے ایک مردِ مسکین ہوں۔ مجھے کچھ کھانا کھلاؤ۔ خدا تمہیں جنّت کی نعمتوں سے سیر کرے۔ سب نے اپنے اپنے کھانے اُٹھا دیے۔ اور اُسکو لا کر دیدیے۔ اور صرف پانی سے افطار کرکے سو رہے۔ اور پھر دوسرے دن روزے سے رہے۔ جب رات ہوئی اور پھر افطار کے لیے کھانا سامنے آیا تو ایک سائل نے آواز دی کہ میں یتیم ہوں۔ پھر سب نے اپنا اپنا کھانا اُسے دے کر اور پانی سے افطار کرکے سو رہے۔ پھر اسی طرح تیسرے روز کا افطار ایک قیدی کو بخشدیا گیا۔ صبح کو پھر روزہ تھا۔ جنابِ امیر علیہ السلام صبح کے وقت حضرات حسنین علیہما السلام کا ہاتھ پکڑ کر جنابِ رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھوک کی شدّت سے پیٹھ سے پیٹ لگا ہوا تھا۔ اور دونوں صاحبزادے مرغ کے چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت نے اُنکو دیکھکر فرمایا کہ یا علیؑ! اُنکی کیا حالت ہو رہی ہے جس سے مجھے رنج پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ جنابِ امیر علیہ السلام کے گھر میں تشریف لے گئے۔ جنابِ سیدہ کو محرابِ عبادت میں کھڑے دیکھا اس حالت میں کہ اُنکا پیٹ پیٹھ سے لگا تھا۔ اور اُنکی آنکھوں میں

ضعف سے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت کو یہ دیکھکر از حد ملال ہوا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہنے لگے یا محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)! خدا تعالٰے آپ کو آپ کے اہلبیت علیہم السلام کی نسبت تہنیت دیتا ہے اور یہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ کھلاتے ہیں کھانا اُسکی محبت میں فقیروں یتیموں اور اسیروں کو۔

جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے معمولات میں داخل تھا کہ ہمسایہ گھروں میں صبح و شام جاکر گھروں میں کھانا پکتے ہوئے آنکھوں دیکھ آتی تھیں یا کبھی کبھی گھر کے کام دھندوں میں معروفیت کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکتی تھیں تو صحن عصمت سرا سے پکار کر پوچھ لیا کرتی تھیں اور جب کسی موقع پر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ہمسایہ میں فلاں عورت کے گھر کھانا نہیں پکا ہے تو اُس دن اپنے یہاں جو کچھ پکاتی تھیں پہلے اُس کے گھر دے آتی تھیں تب اپنے بال بچوں کو کھلاتی تھیں۔ اور جس روز ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ اُس دن اپنے یہاں بھی کچھ پکانے کو موجود نہ ہوتا تھا تو اُس دن تو البتہ مجبور ہو جاتی تھیں۔ مگر پھر جس دن اور جس وقت کھانا کو میسر آجاتا تھا پہلے اُس ہمسایہ کے گھر دے آتی تھیں تب اپنے بال بچوں کو کھلاتی اور آپ کھاتی تھیں۔

شرم و حیا اور عصمت و عفت

اصل تو یوں ہے کہ طبقۂ نسوانی میں قدرت ربانی نے شرم و حیا عصمت و عفت کا پاک و پاکیزہ خلعت جناب سیدہ کی مبارک قامت کے لیے خاص طور پر خلق فرمایا تھا اور آپ کی پیکر نورانی کو اُن اوصاف و محامد کے روحانی زیوروں سے آراستہ و پیراستہ فرماکر ناموس الٰہی اور حرمت حضرت رسالت پناہی کہلانے کا شرف عطا کیا تھا۔ اور اخلاق الٰہی اور ان تمام اوصاف و محامد کا کامل نمونہ بنایا تھا۔ اس ترکیب نورانی سے مشیت ایزدی کا صرف یہی مدعا تھا کہ دنیا اور دنیا کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ناموس الٰہی کی یہ شان ہوتی ہے اور حرمت حضرت رسالت پناہی کی یہ صورت طبقۂ انسانی کے لیے عموماً اور گروہ نسوانی کے لیے خصوصاً۔ یہ ہمہ تن شرم و حیا کی پوری صورت۔ عفت و عصمت کی قابل تعظیم تصویر۔ ارشاد و ہدایت کے لیے کافی ہے۔ یہ وہی معظمہ ہیں جو بمصداق آیۂ تطہیر ناموس الٰہی میں شامل ہونیکے شرف پر فائز ہو چکی ہیں۔ یہ وہی محترمۂ مقدسہ ہیں جو بفحوائے آیۂ مباہلہ تشریف نسارنا کے تخصیصی شرف میں داخل ہو چکی ہیں۔ پھر ایسی مخدومۂ ممدوحۂ عالم و عالمیان کی عصمت و عفت کا کیا کہنا۔ جس کے ان تمام اوصاف و محامد کی خود خدائے سبحانہ و تعالٰے ایک بار نہیں کئی بار ایک مقام پر نہیں کئی مقام پر تصدیق فرما چکا ہے۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

مندرجۂ بالا عنوان اور سلسلۂ بیان کی تصدیق و توثیق کے لیے ذیل میں چند واقعات بطور نمونہ قلمبند کیے جاتے ہیں۔

صاحب سیرۃ فاطمہؑ تحریر کرتے ہیں:-

آپ فرمایا کرتی تھیں کہ کوئی عورت بلا اشد ضرورت دوسری عورت کو بھی ننگی نہ دیکھے۔ نہ دو عورتیں ننگے بدن ایک چادر میں لیٹیں۔ اور اگر کوئی عورت دوسری عورت کو ننگے بدن دیکھلے تو اُس کے اعضا اور بدن کی بناوٹ کی اپنے شوہر کے پاس تعریف نہ کرے۔ یہ اسی حیا کا تقاضہ تھا کہ آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اُٹھایا جائے۔ اور رات کے وقت بھی جنازے پر پردہ بنا لیا جائے۔

ایک دفعہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ عورتوں میں بہترین صفت کونسی ہے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب گھر میں آئے تو عند التذکرہ جناب سیدہؑ سے اسکا ذکر فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ سب سے اچھی صفت عورت کی اور ساری خوبیاں اُسکی یہی ہیں کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اُسے دیکھنے پائے۔ جناب علیؑ مرتضےٰ جب پھر گھر سے خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے تو آپ نے جناب سیدہؑ کا جواب آپکے حضور میں عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ! میرے سوال کا یہی صحیح جواب ہے اور فاطمہؑ

تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہے۔

ایک بار عبداللہ ابن مکتوم نابینا صحابی کسی ضرورت سے پیغمبر صاحب کو تلاش کرتے تھے۔ جناب رسولِ کریم سیدہؑ کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ یہ خبر سُنکر عبداللہ سیدہ کے گھر میں چلے آئے۔ جناب فاطمہ زہرا اُن کو دیکھکر دوڑ کر کوٹھری میں چلی گئیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہوکر واپس گئے تو سیدہؑ باہر تشریف لے آئیں۔ جناب رسولِ مقبول صلعم نے ارشاد فرمایا۔ بیٹی! ابنِ مکتوم تو نابینا ہیں۔ تم نے کیوں تکلیف کی۔ آپ فرمانے لگیں۔ ابّا جان! وہ اندھے تھے۔ لیکن میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی۔

آپ کی شرم و حیا کا ایک اور واقعہ مشکوٰۃ شریف سے نقل کیا جاتا ہے:۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نابالغ غلام کے ساتھ جو آپ نے اپنی نورِ چشم حضرت فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔ سیدہؑ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ اُس وقت ایسا چھوٹا کپڑا اوڑھے تھیں کہ اگر اُس سے سر ڈھکتیں تو وہ کپڑا ان کے پیروں تک نہ پہنچتا۔ اور اگر اُس سے پیر ڈھانکتیں تو سر ننگا ہوجاتا تھا۔ آپ نہایت اضطراب کی حالت میں اس کپڑے سے سارے بدن کے چھپانے کی کوشش کرتی تھیں۔ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ! کچھ ڈر و نہیں۔ جس سے تو شرما رہی ہے وہ صرف تیرا باپ ہے اور تیرا نابالغ غلام۔

آپ کے خلق عظیم کی ایک بے نظیر مثال

شمعون یہودی۔ جو حضرت فاطمہؑ کی ردا کی برکت سے مسلمان ہوگیا تھا اور اس وجہ سے اُسکو تمام یہودیوں نے چھوڑ دیا تھا۔ اُس سے اور اُس کے تمام گھر سے سارے تعلقات ترک کرتے تھے نہ وہ کسی کے گھر جانے پاتا تھا اور نہ کوئی اُسکے گھر آتا تھا۔ اُسکا بیوپار اور تمام تجارتی کاروبار بند کر دی تھی۔ غرضکہ کوئی صدمہ۔ کوئی تکلیف اور ایذا ایسی نہیں چھوڑی جو یہودیوں نے ایک اسلام لانے کے جرم میں اُسکی غریب جان کو نہ ڈھائی ہو۔ ابھی تک اُسکی جان بچی چلی آتی تھی اور یہی اُسکو ہزار غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ قضائے الٰہی سے اُسکی بیوی نے رات کے وقت قضا کی۔ اتفاق وقت سے وہ رات بھی تاریک تھی اور زیادہ آگئی تھی۔ ہوا بھی بڑی تیزی سے چل رہی تھی۔ سردی بھی خوب چمکی ہوئی تھی۔ شمعون غریب محلہ میں گھر گھر ہو آیا مگر کوئی اس مصیبت میں اُسکی مدد کے لیے گھر سے باہر نہ نکلا۔ جناب سیدہؑ کو اُس کے اس جانگزا واقعہ اور اس جانکاہ مصیبت کی خبر ملی تو آپ فوراً اُسی تاریکی۔ سردی۔ ہوا کی شدت اور رات کے سناٹے کے عالم میں اپنے بیت الشرف سے نکل کر شمعون کے گھر میں تشریف لے گئیں۔ اُسکی بی بی کی میت اُس دم تک اُسی طرح نارسائی اور بے سرو سامانی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے میت کو اُٹھایا۔ غسل دیا اور اپنے ہی دستِ مطہر سے اُسکو کفن پہنایا اور میت کو تجہیز و تکفین کے تمام سامانوں کے ساتھ تیار اور مرتب فرما دیا۔

جناب سیدہؑ کے فضائل و مناقب

فریقین کی کتب معتبرہ میں حضرت فاطمہؑ زہرا جناب بتولِ عذرا سیدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ حضرت ختم المرسلین سلام اللہ علےٰ ابیہا وبعلہا وابنائہا الاجمعین کے فضائل و مناقب اس کثرت سے ہیں کہ اُنکی تفصیل دشوار ہے۔ اس لیے ہم صرف اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی ضرورت سے آپکے چند فضائل و مناقب ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔ اپنے موجودہ عنوانِ بیان میں ہم پہلے خدائے سبحانہ وتعالےٰ کی آیاتِ منصوصہ سے آغاز کرتے ہیں۔ بعد اسکے آپکے فضائل و مناقب میں احادیثِ مخصوصہ کو بیان کرینگے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں مرقوم ہے:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورۂ احزاب جزو ۵)

عن عائشۃ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن

ابن علی علیہ السلام فادخلہ ثم جآء الحسین علیہ السلام
فادخلہ ثم جآءت فاطمۃ علیہا السلام فادخلہا ثم جآء
علی علیہ السلام فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذھب
عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ہ (اخرجہ
احمد والمسلم والترمذی وابن شیبۃ وابن جریر وابن
ابی حاتم والحاکم والسیوطی۔

امام مسلم۔ امام احمد بن حنبل۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن جریر۔
ابن ابی حاتم۔ حاکم اور سیوطی نے حضرت عائشہ سے روایت
کی ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم صبح کے وقت ایک سیاہ بالوں والی گلیم اوڑھے باہر تشریف
لائے۔ پس جناب امام حسن علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت
ختمی مرتبت صلعم نے اُن کو اپنی گلیم میں داخل کر لیا۔ پھر امام
حسینؑ آئے اُن کو بھی آپ نے داخل فرمالیا۔ پھر جناب سیدہ
سلام اللہ علیہا تشریف لائیں۔ آپنے اُن کو بھی داخل
کرلیا۔ پھر جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام آئے آپنے اُنکو بھی
لے لیا۔ پھر آپنے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ نہیں چاہتا اللہ
مگر یہ کہ دور کرے اے گھر والو۔ تم سے نجاست کو اور پاک
کرے تم کو جو حق پاک کرنے کا ہے۔

اسی روایت کو پھر اُنہی علماء نے جنکے اسمائے گرامی اوپر
لکھے ہوئے ہیں حضرت ام المومنین امّ سلمہ رضہ کی اسناد سے
بجنسہ لکھکر اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ جب یہ بزرگوار عبا میں
داخل ہوگئے تو حضرت اُمّ سلمہ رضہ نے بھی آپکی عبا میں داخل
ہونیکی اجازت چاہی اور فرمایا انا معہم یا رسول اللہ
قال انک علی الخیر۔ و بنابر بعض روایت انت علیٰ
مکانک۔ کیا میں بھی انکے ساتھ ہوں یا رسول اللہ۔ ارشاد
ہوا۔ تم خیر پر ہو۔ اور بعض روایت کے اعتبار پر فرمایا کہ تم
اپنے مقام پر ہو۔

(۲) قالوا ندع ابنآءنا وابنآءکم وانفسنا وانفسکم و
نسآءنا ونسآءکم (سورۂ نساء جزو ۵)

عن سعد ابن ابی وقاص قال لما نزلت ھذہ الآیۃ دعا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیا وفاطمۃ وحسنا
وحسینا فقال اللّٰھم ھٰؤلآء اھل بیتی (اخرجہ احمد
والمسلم والترمذی والنسائی۔

امام مسلم۔ احمد ابن حنبل۔ ترمذی اور نسائی نے سعد ابن ابی وقاص
سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو جناب رسول خدا
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی۔ فاطمہ حسن اور حسین علیہم السلام
کو بلا کر کہا۔ اے میرے پروردگار! یہی میرے اہلبیت ہیں۔

(۳) قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی
القربیٰ (پارہ ۲۵)

امام احمد۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ بغوی۔ باسناد مقاتل وکلبی اور
حاکم دیلمی اور طبری اپنی اپنی سنن ومسانید میں تحریر کرتے ہیں۔
عن ابن عباس قال لما نزلت ھذہ الآیۃ قالوا یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ھؤلآء الذین
امرنا اللہ تعالیٰ بمودتھم قال علی ابن ابیطالبؑ فاطمۃ
وابناھما علیہم السلام۔

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی
تو لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جن لوگوں کی محبت
کے لیے خدا نے ہم لوگوں کو حکم فرمایا ہے وہ کون ہیں؟ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ۔ فاطمہؑ اور
اُن کے دونوں بیٹے ہیں۔ علیہم السلام۔

(۴) ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما و
اسیرا ہ

اس آیہ کی شانِ نزول وغیرہ کی پوری کیفیت مفصل طور پر
'جود وسخا' کے بیان میں اوپر تحریر ہو چکی ہے۔

(۵) مرج البحرین یلتقیان ویخرج منھما اللؤلؤ و
المرجان (پارہ ۲۷۔ سورۂ رحمٰن)

عن انس ابن مالک فی قولہ تعالیٰ مرج البحرین یلتقیان
قال ھو علی علیہ السلام وفاطمۃ علیہا السلام ویخرج
منھما اللؤلؤ والمرجان قال الحسن والحسین علیہما السلام
(رواہ صاحب الدر)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں انس ابن مالک سے منقول ہی کہ
ملتے ہیں دو دریا آپس میں۔ وہ دو دریا جناب امیر اور حضرت

فاطمہ علیہا السّلام ہیں۔ اور اُن سے موتی اور مونگے نکلے۔ موتی اور مونگے جنابِ حسنین علیہما السّلام ہیں۔ ارحج المطالب ص ۸۵۔

(۵) هو الّذی خلق من المآء بشرا فجعله نسبا وصهرا۔

عن محمد ابن سیرین رحمة الله علیه فی قوله تعالیٰ هو الّذی خلق الخ قال انها نزلت فی النبی صلّی الله علیه وآلہٖ وسلّم وعلی ابن ابی طالب علیه السّلام فکان له نسبا وصهرا کفایة الطّالب لعلّامة عبدالله ابن یوسف الکنجی الشّافعی۔

محمد ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس آیہ کریمہ کی شانِ نزول میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت علی مرتضےٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نسب کی وجہ سے حضرت علیؑ آنحضرت کے ابنِ عم ہیں اور جناب سیّدہؑ کے شوہر ہونے کے سبب سے آپ سے ان کے لیے سُسرال کا رشتہ ہے۔

(کفایۃ الطالب علامہ عبداللہ یوسف الکنجی الشافعی)

(۶) فی بیوت اذن الله ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدوّ والاصال۔

عن بریدة وانس قال قال رسول الله صلّی الله علیه وآله وسلّم فی بیوت اذن الله الخ فقال رجل ای بیوت هٰذه یا رسول الله م قال بیوت الانبیآء فقال ابوبکر هٰذا البیت منها واشار الی بیت علی وفاطمة علیهما السّلام قال نعم من افاضلها۔ اخرجه ابن مردویه و امام جلال الدّین السّیوطی۔

علامہ ابن مردویہ اور امام جلال الدین سیوطی نے انس اور بریدہ کی اسناد سے لکھا ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مذکورہ بالا آیت پڑھی تو ایک شخص عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ کن گھروں سے مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے گھروں سے۔ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ گھر بھی اُنہی گھروں میں داخل ہے؟ حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ہاں۔ بلکہ اُنکے بہترین میں سے ہے۔

جناب سیّدہ علیہا السّلام کے فضائل ومناقب میں احادیث

اب ہم حسبِ وعدہ اپنے سلسلۂ بیان میں خدا کے کلام کے بعد جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اقوال وارشادات قلمبند کرتے ہیں۔ جو جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے فضائل ومناقب پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔

فریقین کے علماء اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کرتے ہیں۔

قال النّبی صلّی الله علیه وآله وسلّم انّما سمیت النّبی صلّی الله علیه وآله وسلّم ابنتی فاطمة لانّ الله فطمها ومحبیها عن النّار۔ اخرجه الدّیلمی۔

امام دیلمی لکھتے ہیں۔ فرمایا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ میں نے اپنی لڑکی فاطمہؑ کا نام فاطمہؑ اس وجہ سے رکھا ہے کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ نے اُس کو اور اُس کے دوستداروں کو آتشِ دوزخ سے نجات دی ہے۔

صحیح ترمذی میں مرقوم ہے:۔

عن عائشة رض قالت کانت (فاطمة) اذا دخلت علی النّبی صلّی الله علیه وآله وسلّم قام الیها فقبّلها واجلسها فی مجلسه۔

عائشہ سے منقول ہے کہ جس وقت جنابِ سیّدہؑ حضرت ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت

میں آتی تھیں۔ آپ انہیں دیکھکر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اُن کی پیشانی کا بوسہ لیتے تھے اور اُنکو اپنے مقام پر بٹھلا لیتے تھے۔

ذخائر العقبیٰ اور شرف النبوۃ میں مرقوم ہے:۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قلت یا رسول اللہ ص مالک اذا اقبلت فاطمۃ جعلت لسانک فی فیہا فکانک ترید ان یلعقہا عسلا فقال رسول اللہ ص لما اسری بی الی السماء ادخلنی جبرئیل الجنۃ فناولنی تفاحۃ فاکلتھا فصارت نطفۃ فی ظہری فلما نزلت من السماء واقعت خدیجۃ ففاطمۃ من تلک النطفۃ۔

عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ آپ کو کیا ہو جاتا ہے کہ جب فاطمہؑ آتی ہیں تو آپ اپنی زبان کو اُن کے مُنہ میں دیدیتے ہیں اور اُسکو شہد کی طرح چوستے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھ کو شب معراج آسمان پر لے گئے تو جبرئیلؑ نے مجھے بہشت میں داخل کیا۔ اور مجھے ایک سیب دیا۔ میں نے اُسے کھایا اور وہ میرے صلب میں نطفہ ہوگیا۔ جس وقت میں آسمان سے اُترا اور جناب خدیجہ سے قربت کی۔ فاطمہؑ اُسی نطفہ سے پیدا ہوئیں۔

نزہۃ المجالس میں تحریر ہے:۔

قال النسفی وغیرہ لما دخل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الجنۃ لیلۃ المعراج ورای قصر خدیجۃ اخذ جبرئیل تفاحۃ من شجر القصر وقال یا محمد کل ہذہ التفاحۃ فان اللہ تعالیٰ یخلق منہا بنتا تحمل بہا خدیجۃ ففعل فلما حملت خدیجۃ بفاطمۃ وجدت رائحۃ الجنۃ تسعۃ اشہر فلما وضعتہا انتقلت الرائحۃ الیہا۔

نسفی وغیرہ نے کہا ہے کہ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت میں شب معراج تشریف لے گئے اور آپ نے حضرت خدیجہؑ کے قصر کو دیکھا تو حضرت جبرئیلؑ نے ایک دانہ سیب اُس قصر کے ایک درخت سے توڑا اور کہا کہ یا محمدؐ! اس کو لیجیے اور تناول فرمائیے۔ خدا تعالےٰ اس سے ایک دختر نیک اختر آپ کو عنایت فرمائیگا۔ جس کا حمل حضرت خدیجہ کو رہیگا۔ پس آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب فاطمہؑ کا حمل رہ گیا تو نو ۹ مہینے تک حضرت خدیجہ سے اُس سیب بہشتی کی بُو آتی رہی۔ جب فاطمہؑ پیدا ہو گئیں تو وہ بو اُنکی طرف منتقل ہو گئی۔

صحیحین بخاری اور مسلم میں منقول ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء العالمین او سیدۃ ہذہ الامۃ۔

فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اے فاطمہؑ! آیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہو۔ یا تم اس امت کی عورتوں کی سردار ہو۔

صحیح بخاری میں مرقوم ہے:۔

عن ابی سعید الخدری ان النبی صلعم قال فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ الا مریم۔

ابی سعید خدری سے منقول ہے کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ فاطمہؑ زنان بہشتی کی۔ سوائے مریمؑ کے سردار ہیں۔

صحیح بخاری۔ مسلم اور تفسیر کبیر فخر رازی میں تحریر ہے:۔

روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال حسبک من النساء العالمین اربع مریم و آسیۃ امراۃ فرعون و خدیجۃ و فاطمۃ علیہن السلام وان ہذا الحدیث دل علی ان ہؤلاء الاربع افضل من سائر النساء۔

مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام دنیا کی عورتوں میں سے تجھ کو چار عورتیں

کافی ہیں۔ مریم۔ آسیہ زن فرعون۔ خدیجہ اور فاطمہ علیہن السلام۔ اور تحقیق کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ یہ چار عورتیں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

مسند بزاز اور کیمیائے سعادت امام غزالی میں مرقوم ہے۔

عن علی علیہ السلام قال کنت عند رسول اللہ صلعم قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ای شیء خیر للمرأۃ فسکتوا فلما رجعت قلت لفاطمۃ ای شیء خیر النساء قالت ان لا یراھن الرجال فذکرت ذلک النبی صلعم فقال فاطمۃ بضعۃ منی۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں ایک دن حضرت رسول خدا کے پاس تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کونسی چیز عورت کے لیے بہتر ہے۔ سب لوگ چپ ہو گئے، پس جس وقت کہ میں گھر میں آیا تو میں نے فاطمہؑ سے کہا کہ کونسی چیز عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہتر ہے کہ ان کو مرد نہ دیکھ سکیں۔ پس میں نے جناب رسول خدا سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپنے فرمایا کہ فاطمہ میرا ایک جزوِ بدن ہے۔

صحیح بخاری میں مرقوم ہے:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی۔

فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ فاطمہؑ میرا ایک جزوِ بدن ہے پس جس شخص نے کہ اسکو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

مسند امام حنبل اور مستدرک امام حاکم میں مرقوم ہے۔

عن المسور بن مخرمہ مرفوعا فاطمۃ بضعۃ منی یغضبنی من یغضبھا وان الانساب ینقطع یوم القیامۃ غیر نسبی وصھری۔

مسور ابن مخرمہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ فاطمہؑ میرا جزوِ بدن ہے۔ جو شخص کہ اس کو غضبناک کرتا ہے وہ مجھے غضبناک کرتا ہے۔ اور بتحقیق سب انساب بروز قیامت منقطع ہو جائیں گے سوا میرے نسب اور دامادی کے۔

معجم طبرانی۔ نزل الابرار بدخشی اور نور الابصار شبلنجی میں مسطور ہے:۔

عن علی علیہ السلام ان رسول اللہ صلعم قال لفاطمۃ یا فاطمۃ ان اللہ یغضب لغضبک ویرضی لرضاک۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ یا فاطمہ بتحقیق اللہ تیری غضب کے سبب سے غضب میں آتا ہے اور تیری رضامندی کے سبب سے راضی ہوتا ہے۔

امام مناوی اور علامہ دیلمی نے حدیث بالا کو ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

قال رسول اللہ صلعم ان اللہ لیغضب لغضب فاطمۃ ویرضی لرضاھا۔

فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خدا تعالے فاطمہؑ کے غضب سے غضب میں آتا ہے اور اسکی رضامندی سے راضی ہوتا ہے۔

مسانید امام بزاز وابو یعلے۔ معجم طبرانی اور مستدرک امام حاکم میں مذکور ہے:۔

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ان فاطمۃ احصنت نفسھا فحرمھا اللہ وذریتھا من النار۔

ابن مسعود سے منقول ہے کہ بتحقیق جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؑ نے گناہوں سے اپنے نفس کو بچایا پس اللہ نے اس پر اور اس کی اولاد پر آتش دوزخ کو حرام کر دیا۔

صواعق محرقہ میں مسند ابو یعلے اور معجم طبرانی کی اسناد سے تحریر ہے۔

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال

كلّ بنی ادم ینتمون الی عصبة الا ولد فاطمة فانا ولیهم وانا عصبتهم۔

مروی ہے کہ بتحقیق جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب اولاد قرابت آبائی کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہؑ کے کہ میں اُن کا ولی ہوں اور قرابت آبائی میں بھی وہ میری طرف منسوب ہیں۔

کشف الغمہ امام عبد الوہاب شعرانی میں مرقوم ہے۔

روی ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اوّل من یقرع باب الجنّة واوّل من ید خلها بعده فاطمة۔

مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے دروازۂ بہشت کو کھولیں گے اور سب سو پہلے اُس میں داخل ہونگے۔ اور آنحضرت صلعم کے بعد حضرت فاطمہؑ داخل جنت ہونگی۔

امام شبلنجی مصری نور الابصار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

روی عن مجاھد قال خرج النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وھو اخذ بید فاطمة فقال من عرف ھذہ فقد عرفھا ومن لم یعرفھا فھی فاطمة بنت محمّد وھی بضعة منّی وھی قلبی وھی روحی التی بین جنبی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ تعـ

مجاہد سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔ پس فرمایا کہ جو شخص اسکو پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہی ہے اور جو شخص کہ اسکو نہیں پہچانتا ہے وہ پہچان لے کہ یہ فاطمہ محمدؐ کی بیٹی ہے۔ اور یہ میرا جزو بدن ہے۔ اور یہ میری روح ہے کہ جو میری پسلیوں میں رہتی ہے۔ جس نے کہ اس کو اذیت دی پس اُس نے بتحقیق مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھ کو اذیت دی پس اُس نے بتحقیق اللہ کو اذیت دی۔

معجم طبرانی۔ صواعق محرقہ۔ غیلانیات ابوبکر شافعی اور

اسعاف الراغبین میں متعدد صحابہ کے متعدد طریقوں سو منقول ہے:۔

روی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قال ان ابنتی فاطمة حوراء آدمیة لم تحض ولم تطمث ولذلك سمّیت الزھراء ای الطاھرة فانھا لم ترا ھادما لا فی حیض ولا فی ولادة و کانت تطھر فی ساعة الولادة وتصلی فلا یفوتھا وقت۔

مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری لڑکی فاطمہؑ حور ہے آدمی کی خلقت میں۔ نہ اُس کو حیض آتا ہے اور نہ وہ ناپاک ہوتی ہے اور اسی سبب سے اس کا نام زہرا رکھا گیا ہے۔ یعنی طاہرہ۔ اس لیے نہ وہ حیض کا خون دیکھتی تھیں اور نہ ولادت کا۔ اور وہ لڑکا پیدا ہونے کے وقت پاک رہتی تھیں۔ اور نماز پڑھتی تھیں۔ پس کسی وقت کی نماز اُن سے فوت نہیں ہوتی تھی۔

صواعق محرقہ میں امام حاکم کی اسناد سے مرقوم ہے:۔

عن اسامة ابن زید مرفوعا احب اھلی فاطمةؑ

اسامہ بن زید سے مروی ہے فرمایا جناب رسالتمآب نے مجھے میری اولاد میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہؑ ہے

سید علی ہمدانی کتاب مودة القربیٰ میں تحریر کرتے ہیں:۔

عن زاذان عن سلمان قال قال رسول اللہ ص یا سلمان من احبّ فاطمة ابنتی فھو فی الجنّة معی ومن ابغضھا فھو فی النار یا سلمان رض حب فاطمة ینفع فی مایة من المواطن ایسر من تلك المواطن الموت والقبر والمیزان والمحاسبة فمن رضیت عنه ابنتی فاطمة رضیت عنه ومن رضیت عنه رضی اللہ عنه ومن غضبت علیه ابنتی فاطمة غضب اللہ علیه۔

زاذان سے باسناد سلمان رضؓ منقول ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص میری لڑکی فاطمہؑ سے محبت کرتا ہے وہ بہشت میں داخل

ہوگا اور جو اُس سے بغض و عداوت کریگا وہ آتشِ جہنم میں جلیگا۔ اے سلمانؓ! فاطمہؑ کی محبت سو مقامات سختی و شدت میں انسان کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور مقامات مرگ۔ قبر۔ میزان۔ حساب و کتاب وغیرہ اُسی میں شامل ہیں۔ جس سے فاطمہؑ راضی و خوشنود ہوئیں اُس سے میں راضی و خوشنود ہوا اور جس سے میں راضی و خوشنود ہوا خدا اُس سے راضی و خوشنود ہوا۔ اور جس سے فاطمہؑ غضبناک ہوئیں اُس سے خدائے سبحانہ و تعالےٰ غضبناک ہوا۔

امام طبرانی لکھتے ہیں:۔

عن ابی ھریرۃ قال النبی صلعم لعلی الفاطمۃ احب الی منك وانت اعز علی منھا۔

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ سے کہ فاطمہؑ تم سے زیادہ مجھ کو محبوب ہے اور تم اُس سے زیادہ مجھکو عزیز ہو۔

کنوز الحقائق میں مرقوم ہے:۔

اخرج الحاکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یا فاطمۃ اصبری علی مرارۃ الدنیا۔

حاکم سے منقول ہے کہ بتحقیق جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ! دنیا کی تلخی پر صبر اختیار کرو۔

طبرانی میں ہے:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا فاطمۃ انت اول الناس لحوقا بی۔

فرمایا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے فاطمہؑ! تم سب آدمیوں سے پہلے میرے پاس پہنچو گی۔

صواعقِ محرقہ میں مذکور ہے:۔

وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اذا کان یوم القیامۃ نادی منادٍ من بطنان العرش یا اھل الجمع نکسوا رؤسکم وغضوا ابصارکم حتی تمر فاطمۃ بنت محمد علی الصراط فتمر مع سبعین الف جاریۃ من الحور العین کمر البرق۔

مروی ہے کہ فرمایا جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب روزِ قیامت ہوگا تو ایک منادی باطنِ عرش سے ندا کرے گا کہ اے اہلِ مجمع اپنے سروں کو جھکالو یہاں تک کہ فاطمہؑ بنتِ محمدؐ صراط سے گزر جائیں۔ پس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا مع ستر ہزار لونڈیوں کے جو سب حوریں ہونگی صراط کے اوپر سے اس طرح گزر جائیں گی جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی کشف الغمۃ میں تحریر کرتے ہیں:۔

وروی ان یوم اھل الجمع (یوم القیامۃ) یغض ابصارھم حتی تمر ابنتہ علی الصراط وعلی کتفھا ثوب الحسین ملطخا بالدم حتی تقف بین یدی اللہ عزوجل فیقضی اللہ تعالیٰ بینھما ما یشاء۔

مروی ہے کہ اہلِ محشر کو حکم ہوگا کہ اپنی آنکھوں کو بند کرلیں یہاں تک کہ فاطمہؑ بنت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صراط سے گزر جائیں۔ پس آپ تشریف لائیں گی۔ اور آپ کے دوش مبارک پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون آلودہ کپڑے دھرے ہونگے۔ یہاں تک کہ آپ خدائے عزوجل کے سامنے کھڑی ہونگی پس اللہ تعالےٰ اُن کے اور اُن کے دشمنوں کے درمیان حکم کرے گا جیسا وہ چاہیگا۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا آنحضرت صلعم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں

فریقین۔ شیعہ اور سُنی حضرات کے مابین یہ مسئلہ قدیم الایام سے

زیر بحث ہے۔ شیعہ حضرات سوائے جنابِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے اور کسی صاحبزادی کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صلبی بیٹی تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کا مختار یہ ہے کہ حضرات زینب۔ رقیہؓ اور امّ کلثوم آپ کی ربیبہ تھیں۔ یا تو وہ حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے تھیں یا حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں۔ اور چونکہ عرفِ عرب میں ربیبہ لڑکیاں بھی اپنی صلبی اولاد کی طرح سمجھی جاتی ہیں اس لیے یہ خواتینِ معظمہ بھی مجازاً اور اصطلاحاً بناتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کہلائیں۔

حضرات اہلسنّت کے اعتقادات میں یہ چاروں خواتین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صلبی صاحبزادیاں ہیں۔ اور سب کی سب حضرت خدیجہ کے بطن سے۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ سب سے بڑی زینب۔ پھر رقیہؓ پھر امّ کلثوم۔ پھر حضرت فاطمہؑ زہرا۔

زینب کا عقد ابوالعاص سے ہوا۔ رقیہؓ اور کلثوم کا نکاح عتبہ اور عتیبہ۔ پسران ابولہب سے کیا گیا۔ عتبہ کے مرنے اور عتیبہ کے طلاق دینے کے بعد۔ پھر ان دونوں لڑکیوں کا عقد یکے بعد دیگرے حضرت عثمان سے ہوا۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام جنابِ علیؑ مرتضٰے کے ساتھ بیاہی گئیں۔

مسئلۂ زیر بحث کو ہم نقلی اور عقلی دونوں طریقوں سے تحقیق کر کے لکھتے ہیں۔ مگر چونکہ اس بحث کو معقولات سے زیادہ منقولات کے ساتھ تعلّق ہے اس لیے فریقین کی کتب معتبرہ سے جہاں تک اس کے متعلّق اقوال و احوال ملے ہیں وہ پہلے بیان کیے جاتے ہیں۔

اس مسئلہ پر تحقیق کرنے والے کو سب سے پہلے جس شے کی تلاش ضروری ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا ہے۔ فریقین کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعدادِ اولاد میں حضرات شیعہ کا جو متفق علیہ مختار ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی مجموع اولادِ ذکور و اناث۔ چار تھیں۔ تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی۔ اس تفصیل سے کہ سب سے بڑے قاسم (طیب) پھر عبداللہ (طاہر) جنابِ خدیجہ کے بطن سے۔ اور یہ دونوں حضرات جنابِ فاطمہؑ سے بڑے تھے۔ اور ان دونوں صاحبزادوں نے ایامِ رضاعت میں جناب فاطمہؑ سے پہلے انتقال فرمایا۔ ان حضرات کے بعد جنابِ خدیجہ کے بطن سے حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے یا چوتھی اولاد حضرت ابراہیم تھے۔ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اور کم و بیش چھ۶ مہینے زندہ رہکر راہیِ عالمِ بقا ہوئے۔ ان چاروں اولادوں میں سوائے جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کے آپکی کوئی صلبی اولاد آپکے بعد دنیا میں باقی نہیں رہی۔

سوادِ اعظمِ اہلسنّت میں آپ کی اولاد کے تعینِ اولاد کے متعلّق جہاں تک دیکھا جاتا ہے ایک عظیم فساد اور شدید اختلاف واقع ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر شاہ عبدالحق صاحب محدّثِ دہلوی کی اُس تحریر کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں جو انہوں نے مدارج النبوۃ۔ جلد دوم صفحہ ۵۳۳ میں تحریر فرمائی ہے۔

بدانکہ جملہ انچہ اتفاق کردہ شدہ است بر ایشان شش اند۔ دو پسر۔ قاسم و ابراہیم۔ و چہار دختر۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم و فاطمہؑ۔ در غیر ایشان اختلاف است۔ و بعض طیّب و طاہر را نیز شمردہ اند۔ پس جملہ ہشت باشد۔ چہار ذکور و چہار اُناث۔ و بعضے گویند کہ غیر ابراہیم و قاسم عبداللہ است کہ بمکۂ معظمہ صغیر از دنیا رفت۔ و طیّب و طاہر لقب اوست۔ بجہت تولّدِ او در عہدِ اسلام۔ و اکثر اہلِ علم انساب بر این اند۔ و دارقطنی گفت این قول اثبت است۔ پس مجموع ہفت باشد سہ ذکور و چہار اُناث انچہ مشہور است دریں مقام و بر زبانہا می گردد۔ این کلام است۔ و در مواہب لدنیہ از دارقطنی حکایت کردہ کہ طیّب و طاہر غیر عبداللہ اند۔ پس ذکور پنج تن و مجموع نُہ۔ و از بعضے مردم نقل کردہ شدہ است کہ طیّب و مطیّب از یک شکم

مولود اند وطاہر ومطہر از یک شکم۔ دیگر ذکر کردہ است ایں قول را صاحب صفوہ۔ پس ہمہ یازدہ باشند۔ وبعضے نقل کردہ اند کہ زائیدہ شد برائے آنحضرت پیش از بعثت۔ پسرے کہ نام کرد اورا عبد مناف۔ پس مجموع دوازدہ تن باشند۔ کہ ہم زائیدہ شدہ اند در اسلام غیر عبد مناف وگفتہ است ابن اسحاق کہ زائیدہ شدہ اند غیر ابراہیم پیش از اسلام و وفات یافتند درحالتِ رضاع وگزشت از قول غیر او کہ عبد اللہ بعد نبوت مولود شدہ از ایں جہت نامیدہ شد طیّب وطاہر۔ پس حاصل شد از جمع اقوال ہشت ذکور کہ از آنجملہ متفق علیہ قاسم وابراہیم وشش مختلف فیہ۔ عبد مناف۔ عبد اللہ۔ طیّب۔ مطیّب۔ طاہر ومطہّر۔ واضح آنست کہ سہ ذکور۔ قاسم۔ ابراہیم۔ عبد اللہ۔ وچہار اناث وہمہ اولادِ خدیجہ بنتِ خویلد غیر ابراہیم۔ وذکر ھذا الکلہ فی المواھب ولا یخلوا عن غرابتہ۔

اس تعداد اولاد کے اتنے طومار کے بعد بھی اس سلسلہ کا تار ٹوٹا نہیں۔ اسی کے متعلق ان علمار کی قیاسی اور وہمی تحقیقات ایک اور مضحکہ خیز اور سخت عبرت انگیز مثال مشاہدہ فرمائی جائے۔

اصابہ جلد ہشتم ص ۳۲ میں مرقوم ہے:۔

برکۃ بنت النبی۔ ذکرھا بعض من جمع رجال العمدۃ للحافظ عبد الغنی فاورد فی الکتاب شیئا من الترجمۃ النبویۃ ثم قال فولدت لہ خدیجۃ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم۔

حضرت کی ایک بیٹی کا نام برکت ہے۔ جس کو جامعین رجال عمدہ حافظ عبد الغنی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کچھ حال حضرت کا بھی اُس میں ذکر کیا ہے۔ جس میں کہا ہے کہ حضرت خدیجہ سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکۃ۔ پھر زینب۔ پھر رقیہ۔ پھر فاطمہؑ۔ پھر ام کلثوم۔ مگر فوراً ہی جب اس قیاس کی غلطی ثابت ہوگئی تو اُسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

نقلت فی القسم الثانی ثم ظھر لی انہ غلط نشاء عن تحریف وذلک ان برکۃ مولاۃ النبی کانت تربی اولادہ من خدیجۃ فلما ولد القاسم خدمتہ برکہ فکانہ کان فی الذی نقل منہ ھذا المصنف کذلک فتحرفت علیہ الکلمۃ حتی ظنھا شقیقۃ برکۃ واللہ اعلم۔

ہم قسم دوم میں برکۃ کو دخترِ نبی لکھ آئے ہیں۔ مگر بعد اُس کے ظاہر ہوا کہ یہ غلطی ہے۔ جو تحریف سے پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ برکۃ لونڈی تھی حضرت کی جو حضرت خدیجہ کی اولاد کی خدمت کیا کرتی تھی۔ جب قاسم پیدا ہوئے تو یہ اُن کی بھی خدمت کرتی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ اصل کتاب میں اسی طرح تھا۔ جب اُس سے نقل کیا تو اُس میں یہ تحریف ہوگئی۔ جس سے اُس نے سمجھا کہ برکۃ خواہر قاسم ہے۔

اس اختلاف بیانات پر جب ایک تحقیق طلب انسان فکر وتلاش کی دقیق نظر ڈالیگا تو بخوبی سمجھ لیگا کہ جب ایک اولاد کی صحیح تعداد قائم کرنے میں اتنے مختلف اقوال واسناد اور متفرق مختار واشہاد پیش کیے جاتے ہیں اور اصل واقعہ سے ان حضرات کو اس قدر لاعلمی اور بیخبری ہے کہ گھر کی خادمہ اور اولاد میں امتیاز نہیں کر سکتے تو پھر انکے کسی مختار کا کیا وزن ہوسکتا ہے اور کیا اعتبار۔

بہرحال۔ باایں ہمہ اختلافات۔ ان حضرات نے جناب رسول خدا صلعم کی جتنی اولادیں قائم کی ہیں۔ وہ باسناد۔ روضۃ الاحباب ص ۶۰۱۔ ترتیب وار یہ ہیں۔ قاسم۔ عبد اللہ۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہؑ۔ ان حضرات موسومہ بالا میں باستثنائے جناب ابراہیم سب کے سب بقول اُن کے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔

مرقومہ بالا عبارتِ روضۃ الاحباب کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاسم اور عبد اللہ (طیب وطاہر) کے بارے میں دونوں فریق کو اتفاق ہے۔ اور فریقین کا مختار ہے کہ یہ دونوں صاحبزادے آنحضرت صلعم کے صلبی فرزند

جنابِ خدیجہ کے بطن سے تھے۔ فیمابین جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف صاحبزادیوں میں۔ اہلسنّت حضرات۔ ان چاروں لڑکیوں کو آپ کی صلبی اولاد قرار دیتے ہیں۔ اور شیعہ۔ جنابِ سیّدہ کے سوا اور کسی صاحبزادی کو آپ کی صلبی اولاد نہیں مانتے۔ از قبیلِ ربائب جانتے ہیں۔

حضرات اہلسنّت کے یہاں جہاں تک دیکھا جاتا ہے صاحبِ روضۃ الاحباب کے مندرجۂ بالا اتفاق اور ترتیب کے بعد پھر بھی اختلاف رہ ہی گیا جیسا کہ اصابہ جلد ۸ ص ۳۲ میں مرقوم ہے:۔

فولدت لہ خدیجۃ۔ القاسم ثم برکۃ ثم زینب ثم رقیۃ ثم فاطمۃ ثم ام کلثوم۔

جناب خدیجہ کے بطن سے آپ کی اولادوں میں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ پھر برکت۔ پھر زینب۔ پھر رقیہ۔ پھر فاطمہ۔ پھر ام کلثوم۔

یہ روایت روضۃ الاحباب کی ترتیب کے بالکل مخالف کیا تمام اہلسنّت کے منافی ہے۔ اس میں تو اصل تعداد فرزندان ہی میں۔ جو فریقین شیعہ اور سُنّی میں متفق علیہ ہے۔ اختلاف ہے۔ اور اس میں حضرت عبداللہ کا نام ہی نہیں۔ جو باتفاقِ فریقین حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے صلبی صاحبزادے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اسلامی محقق کے نزدیک حضرت عبداللہ نامی آنحضرت صلعم کے کوئی صاحبزادے ہی نہیں تھے۔ و ہٰذا الشئی عجاب۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت ہی خود غلط ہے اور اسکی تکذیب خود مؤلف نے اُسی کتاب میں کر دی ہے۔ تو عرض کیا جاتا ہے کہ مؤلف ممدوح نے صرف مسمّاۃ برکت کی نسبت اپنی غلط فہمی کی ترمیم اور تصحیح کر دی ہے۔ نہ تمام صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے متعلق۔ اُن کی تعداد یا ترتیب میں کوئی عذر نہیں فرمایا ہے۔

بہر حال۔ اگر اس روایت سے اطمینان نہیں ہوتا تو اس ترکیب کے مخالف اور دوسری اسناد ملاحظہ فرمائی جائیں۔

امام عبدالبر مکّی استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

رقیۃ بنت رسول اللہ امھا خدیجۃ بنت خویلد وقد تقدم ذکرھا زعم الزبیر و عمہ مصعب انھا کانت اصغر بنات رسول اللہ صلعم وایاہ صحح الجرجانی النساء ص ۷۶۷۔

رقیہ بنت رسول اللہ صلعم۔ اِنکی ماں خدیجہ بنتِ خویلد تھیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زبیر اور اُنکے چچا مصعب کا قول ہے کہ وہ جنابِ رسول خدا صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ علاّمہ جرجانی نے اسکی صحت کی ہے۔

جو امر نہایت غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ اصابہ کی روایت میں جنابِ فاطمہؑ اور اُمّ کلثوم فیمابین چھوٹی اور بڑی ہونے کا اختلاف تھا۔ وہ ابھی دور نہ ہونے پایا تھا کہ صاحبِ استیعاب نے اس ترتیب میں دوسرا اختلاف پیدا کر دیا۔ وہ جناب فاطمہؑ اور اُمّ کلثوم کے درمیان نہیں بلکہ جنابِ فاطمہؑ اور رقیہ کے مابین۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ اُنہوں نے اپنی اس تحقیق کو ایک سرسری اور معمولی طور پر لکھکر چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ اسکو اپنا پورا پورا معیارِ تحقیق اور مختارِ تصدیق قرار دیا۔ اور اپنی کتاب میں اسکو معتبرات اور متواترات سے لکھا ہے چنانچہ بذیلِ تذکرہ جنابِ خدیجہ علیہا السّلام پھر تحریر فرماتے ہیں

قال ابن کلبی زینب ثم القاسم ثم ام کلثوم ثم فاطمۃ ثم رقیۃ ثم عبد اللہ وکان یقال لہ الطیّب والطّاہر وقال ھٰذا ھو الصحیح وغیرہ تخلیط۔

ابنِ کلبی کہتے ہیں کہ زینب پھر قاسم پھر اُمّ کلثوم پھر رقیہ پھر عبداللہ اور انہی کو طیّب و طاہر کہتے ہیں۔ اور (ابن کلبی) کہتے ہیں کہ یہی (ترتیب) صحیح ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ سب خلط ملط ہے۔ استیعاب ص ۷۳۹۔

اب تو یقین ہو گیا کہ صاحبِ روضۃ الاحباب نے اپنی دانست میں نہایت تحقیق کے ساتھ بناتِ رسول اللہ صلعم یا آپ کی تمام اولاد کی جو ترتیب قائم کی تھی وہ سب کی سب خلط ملط ثابت ہوئی اور ساقط از اعتبار۔ تو ایسی حالت میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ باوجود اتنے اختلافات کے ان حضرات نے

آنحضرت صلعم کی جو تعداد بتلائی ہے یا جو ترتیب وار فہرست تیار کی ہے وہ صحیح ہے۔

بہرحال۔ آنحضرت صلعم کی اولاد اور اُنکی تعداد۔ اُن کی ترتیب وغیرہ۔ جو کچھ حضرات اہلسنت کی کتابوں میں پائی جاتی ہے وہ نہایت اختصار کے ساتھ حسبِ وعدہ محض تمہیداً اوپر عرض کی گئی۔ اب ہم اس کے بعد اپنے اس مدعائے بیان کو کہ جنابِ سیدہ کے سوا اور تین صاحبزادیاں آپ کی صلبی اولاد نہیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ تحریر میں ثابت کرتے ہیں۔

شاہ عبدالحق صاحب دہلوی مدارج النبوۃ میں بذیل تذکرۂ رقیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

ذکر کردہ است دُولابی کہ تزوجِ عثمان برقیہ در جاہلیت بودہ وذکر کردہ غیر وے کہ بعد از اسلام بود۔ ص ۱۴۵۔

امام دولابی کا یہ قول کہ تزوجِ عثمان برقیہ در جاہلیت بودہ تمام اجماع واتفاق اہلسنت کے منافی ہے اور مخالف۔ کیونکہ سوادِ اعظم اہلسنت کے تمام علماء۔ محدثین اور مورخین کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ رقیہ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے قبل از ظہورِ اسلام کر دیا گیا تھا۔ اہلسنت حضرات پر منحصر نہیں۔ شیعہ حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ رقیہ۔ عام اس سے کہ آپ کی صلبی صاحبزادی ہوں یا نہوں۔ عتبہ ابنِ ابولہب کے ساتھ قبل از بعثت بیاہ دی گئی تھیں۔

یہ ظاہر ہے کہ امام دُولابی علمائے اہلسنت کے طبقہ میں کوئی معمولی درجہ اور حیثیت کے عالم نہیں گزرے ہیں بلکہ بہت بڑے پایہ کے محقق۔ محدث اور معتبر اور مستند عالم شمار ہوتے ہیں۔ جب ایسے عالم کی شانِ تحقیق کا یہ عالم ہے کہ وہ صرف حضرت عثمان کو دامادیٔ رسالتمآب کا خلعت پہنانے کی جلدی اور تمنا میں آگے پیچھے کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ اور اُن کو رسالت کا قدیم اور سب سے پہلا داماد ثابت کرنے کی خواہشوں میں غریب رقیہ کو کھینچ تان کر قبل از ظہورِ اسلام حضرت عثمان کے ساتھ بیاہے دیتا ہے تو اُس کے لیے کیا دشوار ہے اور مشکل کہ وہ رقیہ کو آنحضرت صلعم کی صُلبی اولاد قرار دے۔ بلکہ میرا تو یقین ہے کہ ایسا ماننا اُسکا پہلا فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر اس عقیدے کے حضرت عثمان کی فضیلتِ دامادی کا اصل مضمون ہی خبط و محض بے ربط ہو جاتا ہے۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب لکھنے کو تو لکھ گئے۔ مگر ان کے اس مختار نے سوادِ اعظمِ اہلسنت کے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں جتنی دشواریاں اور جتنی مشکلیں پیدا کر دیا اُتنی ہی شیعوں کے اثباتِ مدعا اور تصدیقِ بیان میں سہولت اور آسانیاں قائم کر دیں ع عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد۔

یہ مسئلہ مسلمۂ فریقین ہے اور مختارِ جانبین کہ رقیہ قبل از اسلام عتبہ ابنِ ابی لہب کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ تو دُولابی صاحب کی تحقیق کے مطابق کیا کوئی عقل کا اندھا۔ اخلاق و تہذیب کا دشمن۔ ان کے اس غلط قول کی تاویل میں اس کے کہنے کی کبھی جراُت کر سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شاید وہ زوجۂ عثمان بھی ہوں۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔

بہرحال۔ دُولابی صاحب نے اپنے تمام علماء محدثین کے مختار متفقہ سے انکار تو کیا۔ مگر اُن کے انکار سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قبل از اسلام بالغہ ہو چکی تھیں۔ اور جب قبل از اسلام اُن کا بلوغ ثابت ہے تو وہ پھر کسی طرح سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صلبی صاحبزادی نہیں ثابت کی جا سکتیں۔

اب ہم اپنے اس دعوے کو کہ سوادِ اعظمِ اہلسنت میں رقیہ کے قبل از اسلام بالغ ہو جانے پر سب کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ امام دولابی کی تنہا رائے نہیں ہے ذیل کی اسناد واشہادت سے ثابت کرتے ہیں۔

اصابہ جلد ۸ ص ۸۳ میں مرقوم ہے :۔

وزوجھا عتبۃ ابن ابی لھب قبل النبوۃ فلما بعث قال ابولھب راسی من راسک حرام۔

رقیہ کو قبل از نبوت عتبہ ابنِ ابی لہب نے بیاہا۔ جب آپ نے بعثت فرمائی تو ابولہب نے کہا کہ اب میرے تمہارے قرابت اور عزیزداری حرام ہے۔

استیعاب جلد دوم ص ۷۹۳ میں مذکور ہے۔

ام کلثوم بنت رسول اللہ امہا خدیجۃ بنت خویلد ولدتہا قبل فاطمۃ وقیل رقیۃ فیما ذکرہ مصعب و خالفہ اکثر اہل العلم بالانساب والاخبار فی ذلک وتابعہ قوم والاختلاف فی الصغریٰ من بنات رسول اللہ کثیر والاختلاف فی اکبرہن شذوذ والصحیح ان اکبرہن زینب وقد تقدم فی ابوابہن ما یغنی عن احادیثہا وباللہ التوفیق ولم یختلفوا ان عثمان انما تزوج ام کلثوم بعد رقیۃ وفی ذلک دلیل علیٰ ما قالہ الذین خالفوا مصعبا فی ذلک لان المتعارف تزوج الکبریٰ قبل الصغریٰ واللہ اعلم۔

ام کلثوم بنت رسول اللہ صلعم کی ماں خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ ان کی پیدائش قبل حضرت فاطمہؑ اور رقیہ کے ہوئی جیسا کہ مصعب نے ذکر کیا ہے۔ مگر اہالیانِ علم الانساب والاخبار اور اُن کے تابعین گروہ نے مصعب کے اس قول سے اختلاف کیا ہے اور جو کچھ اختلاف ہے وہ آنحضرت صلعم کی چھوٹی صاحبزادیوں کی نسبت ہے۔ اور وہ اختلاف کثیر ہے۔ اور بڑی صاحبزادی میں اختلاف نہایت شاذ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ سب صاحبزادیوں میں زینب بڑی تھیں۔ جیسا کہ اُن کے حالات کے ابواب میں احادیث کی رو سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ باللہ التوفیق۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ عثمان نے ام کلثوم کو رقیہ کے بعد بیاہا۔ اور یہ امر اُن لوگوں کے اقوال پر دلیل ہے۔ جنہوں نے مصعب کے قول سے مخالفت کی ہے۔ کیونکہ متعارف یہی ہے کہ بڑی لڑکی کی شادی چھوٹی لڑکی سے عموماً پہلے کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اس عبارت سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ رقیہ بڑی تھیں ام کلثوم سے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں صاحبزادیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بالغہ وراشدہ بھی ہو چکی تھیں اور ایک بار نہیں دو بار بیاہ بھی دی گئی تھیں۔ اوّل بار یہ دونوں لڑکیاں عتبہ اور عتیبہ پسرانِ ابولہب سے بیاہی گئیں اور پھر دونوں کے طلاق پانیکے بعد یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں آئیں۔ ان حالات کو پڑھکر کیا کوئی شخص عقل وفہم رکھکر اس خارج از عقل اور بیرون قیاس دعوے کو ایک منٹ کے لیے بھی مان سکتا ہے کہ کل دس برس کی مدّت میں جناب خدیجہ کے بطن سے آنحضرت صلعم کی تین صاحبزادیاں پیدا بھی ہوئیں۔ جوان بھی ہوئیں اور ایک بار نہیں دو دو بار بیاہ بھی دی گئیں۔ وھٰھنا ثقیل الاشکال وشدید المحال۔

چونکہ ان خواتین کے قبل از ظہورِ اسلام بالغ ثابت ہونے سے ہمارے دعوے کی تصدیق وتوثیق ہو جاتی ہے ام کلثوم اور رقیہ کا حال اوپر لکھا گیا۔ اب زینب کا حال بھی مختصراً لکھ دینا ضروری ہے۔ اصابہ جلد دوم ص ۹۱ میں تحریر ہے۔

ھی اکبر بناتہ واوّل من تزوج منہن ولدت قبل النبوۃ بمدۃ قیل انہا عشر سنین۔

زینب سب سے بڑی صاحبزادی آنحضرت صلعم کی تھیں۔ اور سب بہنوں میں پہلے انہی کی شادی ہوئی۔ یہ قبل نبوت پیدا ہوئی تھیں۔ کہا گیا ہے کہ نبوت سے دس برس قبل پیدا ہوئی تھیں۔

علمائے اہلسنت نے ان صاحبزادیوں کے قبل از نبوت پیدا ہونے اور بالغہ ہو جانے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کے تفاوتِ سن کی بھی تصریح یوں فرما دی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تیس ۳۰ برس کے تھے تو زینب پیدا ہوئیں۔ اور تینتیس ۳۳ برس کے ہوئے تو رقیہ کی ولادت ہوئی۔ اور رقیہ کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

تو اب تصریح پر غور فرما کر انصاف سے ارشاد کیا جائے کہ باتفاق فریقین چالیس برس کی عمر میں آپ کی بعثت واقع ہوئی۔ تو کل دس برس کی مدت میں یہ تینوں صاحبزادیاں

زینب ۔ ام کلثوم اور رقیہ کیسے پیدا ہوگئیں۔ اور اُس پر طرّہ تو یہ ہے کہ قبل بعثت سب کی سب بالغہ و راشدہ بھی ہوگئیں۔ اور پھر ایسی کہ ایک بار نہیں دو دو بار بیاہی بھی گئیں۔

اب دوسری طرح سے اس تعجب انگیز اور حیرت خیز امر پر نظر ڈالی جائے۔ فریقین کے تمام علماء و محدثین و مورخین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے عقد فرمایا تو اُس وقت آپ کا سن مبارک ۲۵ برس کا تھا۔ اور مبعوث برسالت ہونے کے وقت آپ چالیس برس کے ہوچکے تھے۔ تو پندرہ برس کی کل مُدت میں قاسم۔ طیب۔ عبداللہ۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم اور جناب فاطمہؑ پیدا ہوئیں۔ اور ان میں تین صاحبزادیاں زینب۔ رقیہ اور ام کلثوم بالغہ بھی ہوگئیں اور دو بار بیاہ بھی دی گئیں۔ کبھی کسی کی عقل سلیم اس محال عظیم کو تسلیم کرسکتی ہے؟

پندرہ برس کی مدت میں اتنی اولادوں کا پیدا ہونا اگر بفرضِ محال ممکن مان بھی لیا جائے تو جناب خدیجۃ الکبرٰے جیسی خاتونِ معظمہ سے جن کا سنِ شریف باتفاق فریقین عقد کے وقت چالیس برس کا ہوچکا تھا جس کے بعد فطرتاً اور معمولاً ولادت کم ہوجاتی ہے۔ دس برس کے اندر اتنی کثیر الاولادی خلافِ عقل اور خارج از قیاس ہے۔ اور پھر بفرضِ محال اگر اتنے صاحبزادے اور صاحبزادیوں کا پیدا ہونا اتنی مدت میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو اتنی مدت کے اندر تینوں لڑکیوں کا بالغ ہونا قطعی محال ہوگا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کا قبل از بعثت پیدا ہونا۔ بالغہ ہوجانا اور بیاہ دیا جانا۔ اور پھر ان میں سے دو خواتین کا شوہر اول سے طلاق پاکر دوبارہ بیاہے جانے پر اجماع ہوچکا ہے۔ اور اجماع بھی کیسا۔ فریقین کا۔

بہرحال۔ ان دشواریوں کے حل کرنے میں بغیر اسکے کوئی چارہ ممکن نہیں ہے کہ شیعوں کا یہ دعوٰے تسلیم کرلیا جائے کہ یہ تینوں صاحبزادیاں زینب۔ ام کلثوم اور رقیہ۔ یا تو حضرت خدیجۃ الکبرٰے کے شوہر اوّل کی لڑکیاں تھیں یا اُن کی بہن ہالہ کی۔ کیونکہ ان تینوں لڑکیوں کا بالغہ ہوجانا اور قبل از بعثت ابو العاص۔ عتبہ اور عتیبہ سے بیاہا جانا فریقین کا متفق علیہ مسئلہ ثابت ہوچکا ہے۔

اور جب ایسا ہے اور ضرور ایسا ہی ہے تو بلاشبہہ یہ تینوں صاحبزادیاں حضرت خدیجہ کے ساتھ عام اس سے کہ آپ کے شوہر اول سے ہوں یا آپ کی بہن ہالہ کی۔ کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربوبیت میں جو مجازاً ابویت سمجھی جاتی تھی آئیں اور تا ایامِ بلوغ و رشد دامانِ شفقت و پرورش میں بحالت براحت و آرام تمام رہکر بیاہ دی گئیں۔

اب یہ تمام اشکال۔ اختلافات اور غلط روایات جو انکے بنات النبی ثابت کرنے کی کوششوں میں جس خود غرضی اور نفسانیت سے بڑھائے گئے اور تمام اقصاء و اقطاعِ عالم میں پھیلائے گئے۔ وہ صرف اسی غرض سے کہ ان کو بناتِ رسول میں داخل کرکے عثمان صاحب کو دامادیٔ رسول کے شرف و منزلت میں جناب علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثنا کا مقابل و مماثل ٹھیرایا جائے۔ بلکہ اس مفاخرت اور شرافت میں اُن سے بھی قدیم ثابت کیا جائے۔ بس اور کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ یہ ایسی سعی لاحاصل اور زعم باطل ہے کہ باوجود اتنی جانکاہ کوششوں کے اُس وقت سے لیکر آج تک دنیا اور تمام دنیا والے رقیہ کو رقیہ اور ام کلثوم کو ام کلثوم ہی جانتے ہیں اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو سیدۃ نساء العالمین۔ بضعۃ ختم المرسلین۔ فاطمۃ الزہراء۔ بتول عذراء۔ حوراء الانسیہ۔ اشرف النساء اور افضل النساء مانتے ہیں۔ وھذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اب ہم ایک دوسرے طریقہ سے انہی حضرات کے اقوال و تصانیف سے ان تینوں صاحبزادیوں کا آپ کی صلبی اولاد ہونا ثابت

کرتے ہیں۔ ابھی ابھی ہم رقیہ کا اصغر بنات ہونا اور جنابِ سیدہ سے بھی سن میں چھوٹی ہونا امام عبدالبر کی کتاب استیعاب سے ایک جگہ نہیں تین تین جگہ اوپر لکھ آئے ہیں۔ اگر ناظرینِ کتاب کو یاد نہ رہا ہو اور ورق گردانی کی زحمت گوارا نہ ہو تو ہم ذیل میں پھر اُن اسناد و اشہاد کو لکھکر اُن کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔

صاحب استیعاب لکھتے ہیں:۔

رقیۃ بنت رسول اللہ صلعم امّہا خدیجۃ بنت خویلد وقد تقدّم ذکرہا زعم الزبیر وعمّہ مصعب انّہا کانت اصغر بنات رسول اللہ صلعم واباہ صحّح الجرجانی النسابہ ص ۷۶۷۔

رقیہ بنت رسول اللہ صلعم۔ ان کی ماں خدیجہ بنت خویلد تھیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زبیر اور ان کے چچا مصعب کا قول ہے کہ وہ رسول صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ علامہ جرجانی نسابی نے اس روایت کی صحت کی ہے۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس روایت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ رقیہ جنابِ سیدہؑ سے بھی سن میں چھوٹی تھیں۔ کیونکہ عبارت میں صرف اصغرِ بنات کا نام ہے۔ کسی کے نام کی تخصیص و تصریح نہیں۔ تو بہتر ہے۔ ہم اُسی کتاب استیعاب سے اس امر کو بھی ثابت کیے دیتے ہیں کہ رقیہ جناب سیدہ سے بھی عمر میں چھوٹی تھیں۔ چنانچہ اُسی استیعاب میں بذیلِ تذکرۂ جنابِ خدیجہ مرقوم ہے:۔

قال الزّبیر ولد رسول اللہ صلعم القاسم وھو اکبر ولدہ ثمّ زینب ثمّ عبد اللہ وکان یقال لہ الطیّب ویقال لہ الطّاھر ولد بعد النبوّۃ ثمّ ام کلثوم ثمّ فاطمۃ ثمّ رقیّۃ ص ۷۳۹۔

زبیر کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم کی اولاد میں قاسم آپ کی اولاد اکبر تھے۔ پھر زینب۔ پھر عبد اللہ۔ اور انہی کو طیب بھی کہتے تھے اور طاہر بھی۔ یہ بعد نبوت پیدا ہوئے تھے ان کے بعد ام کلثوم۔ پھر فاطمہؑ۔ پھر رقیہ۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

قال ابن کلبی زینب ثمّ القاسم ثمّ ام کلثوم ثمّ فاطمۃ ثمّ رقیۃ ثمّ عبد اللہ وکان یقال لہ الطیّب والطّاھر وقال ھذا ھو الصحیح وغیرہ تخلیط ص ۷۳۹۔

ابن کلبی کہتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سب سے پہلے زینبؓ۔ پھر قاسم۔ پھر ام کلثوم۔ پھر فاطمہؑ۔ پھر رقیہ۔ پھر عبد اللہ۔ اور انہی کو طیب و طاہر بھی کہتے ہیں۔ اور یہی قول صحیح ہے اور اس کے خلاف جو قول ہے وہ سب خلط ملط ہے۔

یہ تینوں مرقومۂ بالا روایتیں جو سوادِ اعظم کے معتبر اور مستند ماخذوں سے لیگئی ہیں پورے طور سے ثابت کر چکیں کہ رقیہ حضرت فاطمہؑ سے عمر میں ضرور چھوٹی تھیں۔ صاحبِ استیعاب کا یہ قول تنہا نہیں ہے۔ بلکہ علم الانساب کے بہت بڑے ماہر اور محقق علامۂ جرجانی کا بھی یہی معیارِ تصدیق ہے۔ اور کلبی صاحب کا بھی مختارِ تصدیق۔ اور پھر اس تاکیدِ شدید کے ساتھ کہ سوائے اسکے دوسرا قول صحیح ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ سب افراط و تفریط اور اکثار و تخلیط میں داخل ہے۔

الحاصل۔ اب ان حضرات کے معتقدات میں یہ امر داخل ہو گیا کہ جنابِ سیدہ بے شبہہ و کلام رقیہ سے سن میں بڑی تھیں۔ اور رقیہ ان سے عمر میں چھوٹی۔ تو اب نگاہِ غور سے دیکھکر از روئے انصاف ارشاد فرمایا جائے کہ کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا شخص بھی کبھی اسکو مان سکتا ہے۔ خصوصاً ایسے مقدس بزرگوار کی ذاتِ مجمع الصفات اور معدن البرکات سے جسے خیر البشر اور افضل البشر (ارواحنا لہ الفداء) مانا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی چھوٹی صاحبزادی کی فکر ازدواج میں اتنی عجلت اختیار کرے کہ اشاعتِ اسلام کے آغازِ ایام میں اُس کو جلدی سے ایک کافرِ مطلق کے ساتھ بیاہ دے۔ اور اُس سے بڑی لڑکی کو گھر میں کواری بٹھلائے رکھے۔ اور پھر سات آٹھ برس کی معتدبہ مُدت کے بعد جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ میں تشریف لیجائے تو اُسکا عقدِ نکاح حضرت علیؑ مرتضےٰ کے ساتھ فرما دے۔

ہم اپنی طرف سے اس دوراز قیاس وعقل مسئلہ پر کوئی رائے زنی کرنی نہیں چاہتے۔ بلکہ انہی عبدالبر مکی صاحب سے ام کلثوم اور رقیہ کے بڑی اور چھوٹی ہونے کے اختلاف میں چھوٹی لڑکی کا عقد بڑی لڑکی سے پہلے کیے جانے کو جس طرح غلط۔ غیر متعارف اور دوراز قیاس ٹھیرایا ہے اُسی کو۔ اگرچہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ مگر پھر ناظرین کی یاد دہانی اور اصل حقیقت سمجھنے کی آسانی کے لیے ذیل میں دوبارہ لکھے دیتے ہیں۔

استیعاب جلد دوم صفحہ ۷۹۳ میں مرقوم ہے:-

ولم یختلفوا ان عثمان انما تزوج ام کلثوم بعد رقیۃ وفی ذالك دلیل علی ما قاله الذین خالفوا مصعبا فی ذالك لان المتعارف تزوج الکبری قبل الصغری۔

اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ عثمان نے ام کلثوم کو رقیہ کے بعد بیاہا۔ اور یہ اُن لوگوں کے قول پر دلیل ہے جو مصعب کے مخالف ہیں۔ کیونکہ متعارف یہی ہے کہ بڑی لڑکی کی شادی چھوٹی لڑکی سے پہلے کر دی جاتی ہے۔

اب ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ جو کلیہ ام کلثوم اور رقیہ کے درمیان قائم کیا جاتا ہے۔ اور بڑی لڑکی سے پہلے چھوٹی لڑکی کا بیاہا جانا خلاف عرف بتلایا جاتا ہے۔ وہی مسئلہ اور وہی سبب غیر متعارف یہاں رقیہ اور جناب فاطمہ کے مابین بھی کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اور اسی اصول کی بنا پر رقیہ کا قبل جناب سیدہ کے بیاہ دیا جانا کیوں غلط نہیں مانا جائیگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب موضوعات کے طومار ہیں۔ اور مصنوعات کی بھرمار۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ رقیہ جناب سیدہ سے سن میں بڑی تھیں۔ اور بہت بڑی تھیں۔ وہ ہرگز آپ کی صلبی اولاد نہیں تھیں۔ بلکہ از قبیل ربائب حضرت خدیجہ کے ہمراہ آئی تھیں۔ خواہ اُن کے شوہر اول سے ہوں یا اُنکی بہن ہالہ کی صاحبزادیوں میں ہوں۔ کاشانۂ نبوت میں آئیں۔ اور حسب دستور عرفاً اور مجازاً حضرت رسول خدا صلعم کی ربیبہ صاحبزادیاں کہلائیں اور یہیں سے زیر نگرانی و سرپرستی حضرت ختمی مرتبت صلعم پہلے رقیہ عتبہ ابن ابی لہب کے ساتھ۔ پھر اُس سے طلاق پانے کے بعد عثمان کے ساتھ بیاہ دی گئیں۔ یہ جو کچھ طومار ہے وہ صرف عموماً حضرت عثمان کو داماد رسولؐ بنانے اور خصوصاً حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام سے اُن کو باعتبار شرف صہریت قدیم اور مقابل ٹھیرانے کی اصلی غرض سے۔ اور کچھ نہیں۔

قبل اسکے کہ ہم ان صاحبزادیوں کے آپکی صلبی اولاد نہونے کے اور دوسرے ثبوت پیش کریں۔ ہم حضرات اہلسنت کی ایک اور بیمثل اور سراپا لغو موضوع روایت کو جو صرف عثمان کی فضیلت افزائی کے لیے خاصکر گھڑی گئی ہے۔ ذیل میں اُنہی کے ماخذوں سے نقل کرتے ہیں۔

تاریخ طبری۔ خمیس دیاربکری اور روضۃ الاحباب وغیرہ کی بالاتفاق ثابت ہے کہ ہجرت حبشہ کا واقعہ ۵ھ سال نبوت میں واقع ہوا۔ صاحب استیعاب صفحہ ۷۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں:-

فقال مصعب وغیرہ من اہل النسب کانت رقیۃ تحت عتبۃ ابن ابی لہب وکانت اختہا ام کلثوم تحت عتیبۃ ابن ابی لہب فلما نزلت تبت ید ا ابی لہب قال لہما ابوہما ابولہب وامہما حمالۃ الحطب فارقا ابنتی محمد وقال ابولہب راسی من راسیکما حرام ان لم تفارقا ابنتی محمد ففارقاہما قال ابن شہاب فتزوج عثمان رقیۃ بمکۃ وہاجرت معہ الی حبشۃ۔

مصعب اور دیگر صاحبان علم انساب کا قول ہے کہ رقیہ عتبہ ابن ابی لہب کی بی بی تھیں اور ام کلثوم عتیبہ ابن ابی لہب کی۔ جب سورۂ تبت یدا ابی لہب نازل ہوا تو اُن دونوں کے باپ ابولہب اور اُن دونوں کی ماں حمالۃ الحطب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم دونوں محمدؐ کی دونوں بیٹیوں کو

طلاق دیدو۔ اور ابولہب نے کہاکہ اب میرا سر اور اُنکے سر اکٹھا رہنا حرام ہے۔ یعنی ہمارے اُن کے قرابت و پیوند حرام ہوگئے۔ اور اگر تم دونوں محمدؐ کی بیٹیوں سے جدائی نہ کروگے تو ہم تم دونوں سے جدا ہوجائیں گے۔ اس کے بعد رقیہ کا نکاح عثمان سے ہوگیا۔ اور وہ اُن کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرماگئیں۔

اب اسی مضمون ہجرتِ عثمان و رقیہؓ کو اصابہ کی اصلی عبارت میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

اصابہ ص ۲۹۸ میں مرقوم ہے:۔

اخرج ابن مندہ بسندہ عن ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن اسماء بنت ابی بکر قالت کنت احمل الطعام الی ابی وھو مع رسول اللہ صلعم بالغار فاستاذنہ عثمان فی الھجرۃ الی الحبشۃ فحملت الطعام فقال لی ما فعل عثمان و رقیۃ قلت قد سارا والتفت الیٰ ابی بکر فقال والذی نفسی بیدہٖ انہ اوّل من ھاجر بعد ابراھیم ولوط ع۔

یعنی ابن مندہ نے اپنی اسناد کے ساتھ ہشام سے اور ہشام نے عروہ سے اور عروہ نے اپنے باپ سے اور اُسکے باپ نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ اسماء نے بیان کیاکہ ہم اپنے باپ کے پاس کھانا لیجاتے تھے اور وہ آنحضرتؐ کے ساتھ غار میں تھے۔ تو عثمان نے اذن طلب کیاکہ حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں۔ حضرتؐ نے اجازت دیدی۔ ہم جو کھانا لیکر گئے تو حضرت نے ہم سے پوچھاکہ عثمان اور رقیہؓ کیا ہوئے؟ ہم نے کہاکہ وہ تو حبشہ کی طرف چلے گئے۔ تو آپ نے ابوبکر سے کہاکہ قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم و لوط علیہما السلام کے بعد ہجرت کی ہے۔

طُرّے پر طرّہ تو یہ ہے کہ امام بخاری صاحب عثمان صاحب کی ہجرت کو اس سے بھی اور آگے گھسیٹ لیجاتے ہیں اور انکی ہجرت کو آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد فوراً بتلاتے ہیں ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسماں نیز پرداختی

اب ان اختلافاتِ متفرقہ اور بیاناتِ مختلفہ کو دیکھکر ہر شخص بآسانی ان واقعات کے بے اصل اور سراپا لغو ہونیکی اصلیت اور حقیقت کو سمجھ لیگاکہ کہاں تو ۵ھ ہجری میں حضرت عثمان اور رقیہؓ کی ہجرت بتلائی جاتی تھی۔ اور اب کہاں کھینچ تان کر اُس روز ثابت کیجاتی ہے کہ جس روز آنحضرت صلعم بغرض ہجرتِ مدینہ غار میں پنہاں ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ بحرانی حالت تو بخاری صاحب کی روایت پر طاری ہے۔ جو اُن دونوں سے زیادہ اسکو قدیم بتلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابنِ حجر مکی نے انکی اس روایت پر اعتراض کردیا ہے۔ مگر فضیلتِ عثمان کا قدم درمیان تھا۔ مجبور ہوکر اس روایت کو لکھ بھی دیا ہے۔ اور امام صاحب کی دستارِ امامت سنبھالنے کی ضرورت سے پھر ایک ایسی فضول اور بے معنی تاویل بھی کردی ہے جو تاویل کنندہ کی خفیف الحرکاتی اور تلوّن مزاجی معمولی بچوں سے بھی زیادہ ثابت کرتی ہے۔ ابنِ حجر صاحب اس کی تاویل میں لکھتے ہیں:۔

لان کان المراد بالغار غیر الذی کانا فیہ لما ھاجر الی المدینۃ۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ غار مراد نہو جس میں بوقتِ ہجرت آپ نے قیام فرمایا تھا۔

اب اس مردِ خدا سے خدا کا واسطہ دیکر کوئی پوچھے کہ اگر وہ غارِ ہجرت نہیں تو اور کونسا غار تھا جس میں جنابِ رسولِ خدا صلعم کے ساتھ حضرت ابوبکر یارِ غار بنکر چھپے تھے۔ اور جہاں اُن کی صاحبزادی مسماۃ اسماء کھانا پہنچا جاتی تھیں۔ کیا اس غار کے سوا آپ اپنی حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ اور سیر کی کسی معمولی سے معمولی کتاب میں بھی کوئی دوسرا غار اپنی اس سراپا غلط اور بے اصل تاویل کی تائید میں دکھلا سکتے ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اس وقت سے لیکر قیامت تک کوئی شہادت۔ کوئی سند۔ اس کے ثبوت میں پیش نہیں کرسکتے۔

پھر ایسی حالت میں جب ان حضرات کی غلط بیانیاں اس حد تک پہنچ گئی ہیں کہ اُن کو کسی امر کی حقیقت اور اصلیت سے کوئی واسطہ نہیں اور انکے تمام اقوال ومختار کی اصول محض انکی خود غرضی پر مبنی ہیں تو ایک تحقیق کنندہ کے آگے انکی کسی تحقیق۔ انکے کسی مختار اور ان کی کسی رائے کا کیا وزن اور اعتبار ہو سکتا ہے۔

بہر حال۔ یہ تو ان حضرات کی عام خلفا پرستی اور خصوصاً اس مقام پر حضرت عثمان کے اشتہار فضیلت کی خود غرضانہ اور مغویانہ ترکیب و تدبیر کا ایک مختصر سا حال تھا۔ جو میرے سلسلۂ بیان میں واقع ہو گیا۔ ہم نے اسکو مثالاً اس مقام پر صرف اس غرض سے لکھدیا ہے کہ جب ان حضرات کی اظہار فضیلت میں اس درجہ تک خود غرضی اور نفسانیت پہنچی ہوئی ثابت ہوتی ہے تو پھر وہی حضرات حضرت عثمان کی نسبت کی وجہ خاص سے ان تینوں لڑکیوں کو آنحضرت صلعم کی صلبی صاحبزادیاں بنادیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

بہرحال۔ اتنا تمہیداً عرض کر کے ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ اور ذیل کے بیانات میں ان تینوں خواتین کے صُلبِ رسولؐ سے نہونے کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہم اس سے پیشتر چند مقامات پر شیعوں کا یہ متفق علیہ مختار لکھ آئے ہیں کہ یہ لڑکیاں آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں تھیں۔ بلکہ جناب خدیجہ کے شوہر اوّل کی یا اُن کی بہن کی لڑکیاں تھیں۔ جو اُن کے ہمراہ کاشانۂ نبوت میں رہکر حضرتؐ کی ربیبہ مشہور ہوئیں۔ اب اس مدعا کے بیان کی تائید و ثبوت میں معارف امام ابن قتیبہ کی اصلی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو۔

کتاب معارف ص ۴۳ میں مرقوم ہے:۔

وکانت خدیجۃ عند عتیق ابن عائذ المخزومی فولدت لہ جاریۃ وتزوجھا بعدہ ابوھالہ بناش ابن زرارۃ الاسیدی التیمی من حبیب ابن جردۃ ومات بمکۃ فی الجاھلیۃ وکانت ولدت لہ ھند ابن ابی ھالۃ فتزوجھا رسول اللہ ص ولم ینکح علیھا امرأۃ حتی ماتت وربی ابنھا ھند افکان ربیبہ وکان یقول انا اکرم الناس ابا واما واخا واختا ابی رسول اللہ صلعم وامی خدیجۃ واخی القاسم واختی فاطمۃ (علیہم السلام)

حضرت خدیجہ کا عقد پہلے عتیق ابن عائذ مخزومی سے ہوا۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر ابو ہالہ ابن زرارہ اسیدی تمیمی سے جو قبیلۂ بنی حبیب ابن جردہ سے تھے۔ اور جس نے مکہ میں بحالت جاہلیت وفات پائی۔ نکاح ہوا۔ اس سے ہند ابن ابی ہالہ پیدا ہوا۔ بعدہ جناب رسول خدا صلعم سے عقد ہوا اور ہند ابن ابی ہالہ آپ کے ربیب تھے۔ جس پر وہ کہتے ہیں کہ میں سب لوگوں سے از روئے باپ۔ ماں۔ بھائی اور بہن کے افضل ہوں اس لیے کہ میرے باپ تو جناب رسول مقبول صلعم ہیں اور ماں حضرت خدیجہ۔ بھائی میرے حضرت قاسم ہیں اور بہن جناب فاطمہ (علیہم السّلام)

قریب قریب یہی روایت روضۃ الاحباب ص ۵۷۵ میں بھی تحریر ہے۔

اس روایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکے کا شوہر اوّل و دوم سے حضرت خدیجہ کے پیدا ہونا۔ اور دوسری ہند ربیب حضرتؐ کا حضرتؐ کو باپ کہنا تیسری یہ کہ ہند نے بہنوں میں صرف جناب فاطمہؐ کا نام لیا۔ نہ زینب کا۔ نہ رقیہؐ کا اور نہ امّ کلثوم کا۔ جس سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ اولادِ حضرت خدیجہ سے بھی نہیں تھیں چہ جائیکہ اولادِ رسول صلعم سے ہوں۔

اصابہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا عقد پہلے ابی ہالہ سے ہوا۔ پھر عتیق سے۔ بہر حال ہمکو اس اختلاف سے چنداں سروکار نہیں۔ بہر طور اُنہی کی مرویات سے اتنا ضرور ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلعم سے قبل حضرت خدیجہ کے دو شوہر اور بھی تھے۔ اور اُن سے اولادیں بھی ہوئیں۔ تو اب اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ یہ سب لڑکیاں خود حضرت

نہ تھیں۔ بلکہ اُنہی شوہرانِ اوّل سے یا اُنکی بہن ہالہ سے۔ باقی رہا اب یہ عذرِ لنگ کہ شوہر اوّل سے تو صرف ایک لڑکی کا ذکر روایت میں مذکور ہے۔ پھر یہ تین لڑکیاں شوہرانِ اوّل سے کیسے تسلیم کیجائیں گی۔ تو جواباً عرض ہے۔ یہی تو آپ حضرات کی اصلی غرض ہے۔ آپ ہی حضرات کی روایات ہیں اور آپ ہی حضرات کے رواۃ۔ اختیار ہے ایک لکھیے یا چار۔ غرض اپنی غرض پوری کرنے کے لیے جتنی تعداد چاہیے گھٹا لیجیے یا بڑھا لیجیے۔ آپ کی ترتیب اور ترکیب پر منحصر ہے۔ یہ تو حضرت خدیجہ کے شوہرانِ اوّل سے جو اولادیں تھیں اُن کی کیفیت عرض کی گئی۔ اور دکھلائی گئی۔ خاص جناب ختمی مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے جو اولاد صلبی قرار دی گئی ہے اور اُسکی تعداد قائم کرنے میں اختلافات کا جو طومار ان حضرات نے باندھا ہے۔ اور پہلے آپ کی صلبی اولاد کی۔ لڑکے لڑکیاں ملاکر۔ تعداد چھ۶ بتلائی ہے۔ پھر چھ۶ سے آٹھ بنائی۔ پھر اُس کے بعد گھٹا کر آٹھ سے سات ٹھیرائی۔ پھر اسکو بھی غلط کیا اور سات سے نو۹ تعداد قائم کی۔ پھر اس پر بھی اطمینانِ خاطر نہوا تو نو۹ کی تعداد گیارہ۱۱ تک بڑھائی۔ مگر اس پر بھی بس نہ فرمائی۔ صاحبزادوں میں ایک صاحبزادے عبد مناف کا نام بڑھاکر گیارہ۱۱ کی تعداد بارہ۱۲ تک پہنچائی۔ جیسا کہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۵۳۳ سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

اب طرفہ پر طرّہ یہ ہے۔ زمانۂ موجودہ کے سرمایۂ ناز محقق و مورّخ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی نے۔ آپ کے صاحبزادوں میں قاسم و عبداللہ۔ طیّب وطاہر۔ عبد مناف کے علاوہ آپکے ایک صاحبزادے کا نام عبد العزّے بھی بتلایا ہے۔ اپنی اس تحقیق کو روایات صحیح سے ماخوذ بتلایا ہے اور بتوں کے نام پر انکا نام رکھے جانے کے اعتراض پر تنقیدانہ بحث بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :-

یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اُس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ابھی تک منصبِ ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۲۹۔

اب اگر امام بخاری صاحب کی تحقیق قابلِ اعتبار ہے تو حضرت کی صلبی اولاد کی تعداد بارہ۱۲ سے تیرہ۱۳ ہو گئی۔ سبحان اللہ اعظم شانہ۔ جب ان حضرات کی اپنی مرویات میں افراط و تفریط اور انکسار و تکسیر کی یہ حالت ہے تو پھر اصل واقعات کی تحقیق کی امید معلوم ہے اور قطعی معدوم۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں۔ بفرضِ محال اگر ہم اسی روایت پر یقین کرکے حضرت خدیجہ کے شوہر اوّل سے صرف ایک ہی لڑکی کا پیدا ہونا تسلیم بھی کرلیں۔ تاہم اس غریب کا سوائے ذکر ہی ذکر کے نہ کہیں نام ملتا ہے اور نہ کہیں نشان۔ کوئی صاحب ازراہِ مہربانی یہ نہیں بتلاتے کہ اُس بیچاری پر کیا گزری۔ کہاں گئی اور کیا ہوئی۔

اب اگر یہ تینوں لڑکیاں حضرت خدیجہ کے شوہرانِ اوّل سے نہیں بھی تھیں تو انکی ہمشیر ہالہ کی لڑکیاں مانے جانے میں عقل سے کیونکر خلاف ہو سکتا ہے۔ ہالہ خواہر جناب خدیجہ اور خاص جناب خدیجہ کی محبت۔ شفقت۔ قدر افزائی حسبِ قدر آپ کو ہمیشہ ملحوظ و منظور تھی اور خصوصاً ہالہ کے احوال پر بعد وفات حضرت خدیجہ بھی جیسے مراحم و الطاف فرمائے جاتے تھے وہ ہم مولوی شبلی صاحب کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ کی پہلی شادی ابو ہالہ ابن زرارہ تمیمی سے ہوئی ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ہند تھا۔ ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق از عائذ مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی کہ اُسکا نام بھی ہند تھا۔ اسی بنا پر حضرت خدیجہ امّ ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ ہند نے اوّل اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلعم کا مفصل

علیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ تھے، حضرت علیؑ کے ساتھ جنگِ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رسول اللہ صلعم کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھیں۔ وہ اسلام لائیں اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو انتہا محبت تھی۔ وہ جب عقدِ نکاح میں آئیں اُن کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور آنحضرت صلعم پچیس سالہ تھے۔ نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہیں۔ اُن کی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ کی ہمنشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اسپر آپ کو رنجیدہ کیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اُنکی محبت دی ہے۔

ایک دفعہ اُن کے انتقال کے بعد اُنکی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئیں۔ اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ انکی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی۔ آپ کے کان میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ جھجھک اُٹھے اور فرمایا۔ ہالہ ہونگی۔ حضرت عائشہ بھی موجود تھیں۔ اُن کو نہایت رشک ہوا۔ بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہیں۔ جو مر چکی۔ اور خدا نے اُن سے اچھی بیویاں آپکو دی ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے۔ لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اُنہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تب وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی نہیں تھا تو اُنہوں نے میری مدد کی۔ سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۳۲۱-۳۲۴۔

شمس العلماء صاحب کی مندرجۂ بالا عبارت سے آنحضرت صلعم کی خاطر فیوض مآثر میں جناب خدیجہ اور اُن کے بعد اُن کی بہن ہالہ کی جتنی قدر و منزلت اور محبت و الفت تھی۔ وہ پورے طور سے ثابت ہوگئی۔ اسکو پڑھکر بہت تھوڑی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی باآسانی سمجھ لیگا کہ جن خواتین معظمات کے احوال پر آپ کے ایسے اشفاق ہوں اور الطاف تو اُن کے ہمراہ آئی ہوئی یا اُن کی بہن کی ساتھ لائی ہوئی بچیوں پر بمقتضائے فطرتِ انسانی اور اخلاقِ روحانی آپکے مکارم اور محاسنِ سلوک کیسے ہونگے اور کتنے۔

اس سے قبل ہم آپ کے ربیب ہند ابن ہالہ کی تقریر امام قتیبہ اور روضۃ الاحباب وغیرہ کی معتبر اسناد سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ جس نے اس رازِ سربستہ کی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور سارا مسئلہ صاف۔

اب ہم اس کے مقابلہ میں کسی دلیل اور تفصیل کو بالکل بیکار سمجھتے ہیں۔ اب حضراتِ اہلسنت کے تمام بیانات اور اختلافاتِ روایات اور اُن کی مشکلات اور محالات واقعات کو ایک طرف اور شیعوں کے دعوے اور تحقیقات اور معتقدات کو ایک طرف رکھکر مقابلہ کیا جائے تو ہر تحقیق کنندہ کو معلوم ہو جائیگا کہ اصل حقیقت اور امر واقع وہی ہے جو شیعوں کا مختار ہے اور جس پر ہند ابن ہالہ کی شہادت۔ تصدیق و توثیق خود انہی حضرات کی اقرار کردہ انہی کی معتبر اسناد سے اوپر نقل کردی گئی ہے۔ مگر ایک حضرت عثمان کی غرض سے اپنے اعترافات سے انکار کیا جاتا ہے اور ہزاروں موضوعات و مصنوعات کا طومار۔

اب اس بحث کے خاتمہ میں ہم ایک ایسی شیعہ روایت جو قریب قریب سُنی ماخذوں سے لیگئی ہے ذیل میں لکھکر

اس مسئلہ کی منقولی بحث کو تمام کیے دیتے ہیں۔
کتاب مناقبِ آلِ ابیطالب میں علّامہ محمد ابنِ علی ابنِ شہر آشوب مازندرانی علیہ الرّحمہ تحریر فرماتے ہیں:-
روی احمد البلاذری وابو القاسم الکوفی فی کتابیہما والمرتضٰی فی الشّافی وابو جعفر فی تلخیص انّ النّبی صلعم تزوّج بھا وکانت عذراء یوکد ذالک ماذکر فی کتابی الانوار والبدع ان رقیة وزینب کانت ابنتی ھالة اخت خدیجة۔ مناقب مطبوعہ بمبئی ص ۶۷۔

احمد بلاذری اور ابو القاسم کوفی نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے اور سیّد مرتضٰی علم الہدٰے نے شافی میں اور ابو جعفر نے تلخیص میں لکھا ہے کہ جب حضرت خدیجہ سے جنابِ رسالت مآب صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عقد فرمایا تو وہ باکرہ تھیں۔ (کسی کے عقد میں نہیں آئی تھیں) اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کتاب الانوار والبدع میں ہے کہ رقیّہ اور زینب دونوں ہالہ خواہر حضرت خدیجہ کی لڑکیاں تھیں۔

اب تو اصل واقعہ معلوم ہوگیا اور پوری حقیقت کُھل گئی کہ رقیّہ اور زینب وغیرہ حضرت خدیجہ کی بیٹیاں ہی نہیں تھیں۔ بلکہ اُن کی بہن ہالہ کی لڑکیاں تھیں۔ جناب خدیجہ کے ساتھ بیت الشرفِ رسالت میں آئیں۔ پھلی پلیں اور پرورش کی گئیں۔ ربیبہ رسولؐ اللہ کے شرف و امتیاز سے مشرف ہو کر بقاعدہ متعارف بناتِ نبیؐ کہلائیں۔ اور اسی ربوبیت کے اعزاز و افتخار کو ہند ابنِ ابی ہالہ نے اپنے کُھلے کُھلے اور صاف صاف لفظوں میں اپنے مفاخر میں ذکر بھی کر دیا۔

مگر کیا کہنا حضرات اہلسنّت والجماعت کا کہ ایک حضرت خلیفۂ سوم کی ہوا خواہی۔ فضیلت دہی اور قدر افزائی کی پرجوشیوں میں اور اپنی خود غرضانہ بیہوشیوں میں ان لڑکیوں کو بناتِ رسولؐ بنا دیا۔ حالانکہ اُنکا اپنا بھائی چلّا کر کہہ رہا ہے کہ یہ میری بہنیں نہیں۔ اور جو اسکی [illegible] ہو سکتی ہے اُس کا صاف صاف چلّا چلّا کر نام بھی [illegible] اور اُس پر مفاخرت اور مباہات بھی کرتا ہے [illegible] بہنوں کا جھوٹوں نام بھی نہیں لیتا۔ بھولے سے [illegible] بھی نہیں کرتا۔ اور اپنے اس خلوص اور اتحاد پر یہاں تک تا بوقتِ مرگ راسخ العقیدہ ہے کہ مرتا بھی ہے اور شہید ہوتا بھی ہے تو اپنی اُسی اکلوتی ہمشیرۂ علاتی کے شوہر کے ساتھ۔ اور خصوصاً ایسے معرکۃ الآرا امتحانگاہ میں جب اس کی مخالف جماعت کی سردار اور رئیسہ اس کی سوتیلی ماں ہے۔ رسولِ خدا صلعم کی بی بی۔ حضرت عائشہ۔

بڑی حیرت اور سخت تعجّب تو یہ ہوتا ہے کہ ان تمام امور کو آپ لکھ بھی دیتے ہیں اور ان واقعات کو تمام قواعد صحت کے ساتھ تسلیم بھی کرتے ہیں۔ مگر عمل کو دیکھیے تو اس کے خلاف۔ اس کے بالکل برعکس۔ اب کوئی ہزار خود انہی کے ان تمام اقوال و مختار کو دکھلاتا ہے سمجھاتا ہے۔ مگر ایک انکار پر ان کا ہزار انکار ہے۔ نہ دیکھتے رہیں۔ نہ سمجھتے ہیں۔

انکی ان موضوعات کا نتیجہ کیا ہوا۔ دیکھیے دروغ را فروغ نباشد۔ ان لڑکیوں کو بناتِ نبی بنانے سے نتیجہ یہی تو نکلا کہ یہ حضرات خود اُن مصیبتوں میں گرفتار ہوگئے کہ کسی طرح اس سفید جھوٹ کو سنہرا سچ نہ بنا سکے۔ عمریں کھپا دیں۔ نسلوں کی نسلیں تمام کر دیں۔ اور صدیاں گزار دیں۔ مگر یہ غلط بیانیاں اور من گھڑت کہانیاں اس وقت تک ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ اور انکی بدولت ان کے علماء، مفسّرین۔ محدّثین اور مؤرّخین میں باخود ہا اتنے اختلافاتِ کثیرہ پیدا ہوئے۔ جن میں سے چند اوپر لکھی گئے۔ کہ وہ اصل مسئلہ کو اُس کی پوری حقیقت کے ساتھ کہاں تک بتلائینگے۔ اُس وقت سے لیکر اس وقت تک اتنا بھی صاف طور سے نہ بتلا سکے کہ ان صاحبزادیوں میں کون بڑی تھی اور کون چھوٹی۔ یہ ناحق شناسی اور غلط پرستی کا

عجب ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الغرض ان کی موضوعات کی حالتوں کے برعکس علمائے شیعہ کے مختصر فیصلہ پر غور فرمایا جائے کہ وہ جس قدر مختصر ہے اسی قدر کافی بھی ہے۔ اکثر حضرات حیران ہونگے کہ جوں امر میں حضرات اہلسنّت کے یہاں اس قدر اختلاف ہو اُس کا اس قدر آسان فیصلہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ مگر تمام دنیا کے لوگ خوب واقف ہیں کہ حق باتیں نہایت مختصر اور صاف ہوتی ہیں۔ فضول طوالت تو صرف لغویات اور مصنوعی جھوٹی باتوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اوپر کے تمام واقعات سے یہ تو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے کہ جو اہلسنّت حضرات کے بیانات ہیں اُن میں کسی طرح تطابق ممکن نہیں۔

خوب یاد آیا۔ مسئلۂ زیر بحث میں ایک نکتہ تنقیح طلب باقی رہ جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اکثر حضرات کہہ سکتے ہیں کہ جب جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا حضرت ختمی مرتبت علیہ وآلہ السلام والتحیۃ کی اکلوتی صاحبزادی تسلیم کر لی جائینگی۔ اور زینب۔ رقیہّ اور امّ کلثوم آپ کی صلبی صاحبزادیاں نہیں مانی جائینگی۔ تو پھر آیۂ وانی ھدایہ یاایھا النّبی قل لازواجک وبناتک میں لڑکیوں سے جو بصیغۂ جمع خطاب فرمایا گیا ہے۔ آپ کی وہ کون دوسری صاحبزادیاں مراد ہونگی۔

اس کے جواب میں ہم کوئی تفصیلی بحث کرنا نہیں چاہتے اس کے متعلق صرف اپنے قابل اور فاضل معاصر جناب مولوی السیّد محمد رضی الرّضوی القمی کی وہ تحریر۔ جو ممدوح الیہ نے اپنے قابلِ قدر رسالہ النّظیر میں جو مختصر مگر سراپا جامع اور مانع تحریر زیبِ قلم فرمائی ہے۔ اُسی کو ذیل میں نقل کیے دیتے ہیں۔ اور اُسی کو اپنے مدّعا اور ان حضرات کے جواب اور رفع شکوک و رفع توہّمات کے لیے پورے طور سے کافی سمجھتے ہیں۔ وہو ہٰذا۔

تمام مجتہدین اور طبقۂ محققین علمائے شیعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدۂ طاہرہ۔ بتولِ عذرا۔ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سوا ختمی رسالت روحی فداہ کی کوئی اور صلبی بیٹی نہیں تھی۔ رقیہّ اور زینب ضرور ربیبہ رسولِ خدا صلعم تھیں۔ اس لیے بطورِ مجاز بناتِ رسولؐ کہلاتی تھیں۔ یا ایھّا الرّسول قل لازواجک وبناتک میں اسی بنا پر بنات صیغۂ جمع استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ صرف فاطمۂ زہرا ہی کے لیے تعظیماً صیغۂ جمع سے لفظ بنات استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ انکے شوہر علیؑ کے لیے بھی آیتِ مباہلہ میں تعظیماً صیغۂ جمع سے لفظ انفسنا استعمال ہوا۔ اور ان کے دونوں بیٹوں حسنینؑ کے لیے بھی تعظیماً صیغۂ جمع سے ابنائنا کہا گیا۔ صدیقۂ طاہرہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعظیم کے لیے بھی مذکورہ آیت کی طرح یہاں اس آیۂ مباہلہ میں بھی صیغۂ جمع سے لفظ نسائنا استعمال ہوا ہے۔ درحالیکہ فریقین کا اتفاق ہے کہ مباہلہ میں فاطمہؑ کے سوا عورتوں میں سے اور کوئی نہ تھی۔ پس لفظ بنات بھی ان حضرات کے لیے مفیدِ مطلب نہیں ہو سکتا۔ قرآنِ مجید میں بابِ الحقیقۃ والمجاز بہت وسیع ہے۔ اگر یہاں آپ اس سے انکار کریں گے تو پھر سیکڑوں مسائل میں آپ کو مجبور ہونا پڑے گا۔

مسئلۂ زیر بحث کے معقولی ثبوت

مسئلۂ زیر بحث پر منقولات کے طریقہ سے حقیقت اور اصلیت کی کافی روشنی ڈالکر اب ہم عقلی دسائل سے اپنے دعوے اور مدعائے بیان کو ذیل میں ثابت کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کی حقیقت کو عقلی طور پر ہمارے فاضل معاصر ممتاز الافاضل عالیجناب مولوی السیّد محمد ہارون صاحب نے

نوٹ:۔ مندرجۂ بالا بحث میں جتنی اسناد و اشہاد خاصتہً وعامتہً مندرج کی گئی ہیں اُن کا زیادہ تر حصّہ عالیجناب فخر الحکما مولانا حکیم السیّد علی اظہر صاحب ادام اللہ فیوضہم کی کتاب تنقید بخاری اور دیگر رسائل و تالیفات سے مستنبط اور مرتب کیا گیا ہے جس کے لیے مؤلف حقیر جناب ممدوح الیہ کا کمال ممنون ہے اور منّت گزار۔ المؤلف اولاد حیدر

نہایت وضاحت کے ساتھ سوادِ اعظم اہلسنّت کے معتبر اور مستند اشہاد سے نہایت عام فہم اور سلیس عبارت میں تحریر فرمایا ہے۔ ہم ممدوح الیہ کی تمام وکمال عبارت باصلہ وبلفظہ ناظرینِ باتمکین کے ملاحظہ کے لیے پیش کرکے اس بحث کو اس کے تمام جزئیات وکلیات کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

(۱) واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان لڑکیوں (زینب۔ رقیہ اور امِ کلثوم) کی تربیت طریقۂ کفریہ ہوئی اور حالتِ کفر سے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ پیغمبر صلعم کی صلبی لڑکیاں نہیں تھیں۔

(۲) فریقین کے اتفاق سے ثابت ہے کہ ان لڑکیوں کا ازدواج کفار سے ہوا۔ اگر یہ رسولؐ کی صلبی بیٹیاں ہوتیں تو حضرت ان کی شادی کفار سے کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ آپ قبلِ بعثت بھی نبی تھے۔ حدیث۔ کنت نبیا وادم بین الماء والطین۔ (میں نبی اسی وقت تھا جب حضرتِ آدمؑ ہنوز پانی اور مٹی کے مابین تھے) اس پر شاہد ہے۔

(۳) رقیہ۔ امِ کلثوم اور زینب کا نکاح اول مشرکین عرب سے کیا گیا۔ ایک کا عتبہ ابن ابی لہب سے۔ دوسری کا عتیبہ ابنِ ابی لہب سے اور تیسری کا ابوالعاص ابن ربیع سے۔ لیکن فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا عقد اس اہتمام سے فرمایا گیا کہ حضرات ابوبکر وعمر یکے بعد دیگرے خواستگار ہوئے۔ مگر آنحضرت صلعم نے منظور نہ کیا۔ باوجودیکہ یہ دونوں صاحب مسلمان تھے۔ بلکہ خاص حضرت علی ابنِ ابیطالب سے تزویج فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہیں تھا۔ (دیلمی)۔

(۴) جس وقت آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔ رسول اللہؐ نے اپنی چادر میں صرف علیؑ۔ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو لیا اور فرمایا اللّٰہم ہؤلاء اہلبیتی۔ خدایا! یہی ہیں میرے اہلبیت فاذہب عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا۔ خدایا ان سے رجس یعنی پلیدی کو دور کر اور انکو خوب طاہر ومطہر فرما۔ پھر اسکا کیا سبب کہ اس چادر میں رقیہ اور امِ کلثوم داخل نہ کی گئیں۔ کیا اس وجہ سے کہ رقیہ اور امِ کلثوم دخترانِ رسول تھیں ہی نہیں؟ (امام احمد البلاذری) یا اس وجہ سے کہ رقیہ اور امِ کلثوم میں مباہلہ کے موقع پر پیش کیے جانے کی قابلیت ہی نہ تھی۔ ان میں سے جو رائے اور جواب اختیار کیا جائیگا اُس سے ہمارا مدعا حاصل ہے۔

(۵) جس وقت جنابِ فاطمہ بنتِ رسولؐ کا عقد ہوا تو خدا تعالےٰ خود متولّی عقد ہوا۔ چالیس ہزار فرشتے اس عقد پر گواہ قرار دیے گئے۔ دیکھو ارجح المطالب مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری کی ص ۲۹۹ میں عبارت۔

عن انس قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی المسجد اذ قال لعلی ھذا جبریل یخبرنی ان اللہ عز وجل زوجک فاطمۃ واشھد علی تزوجھا اربعین الاف ملک۔

کیوں۔ جناب فاطمہؑ کا عقد علی سے ہو تو خدائے تعالےٰ خود متولّی عقد ہو۔ اور ایک نہ دو بلکہ چالیس ہزار فرشتے گواہ قرار دیے جائیں۔ مگر جب رقیہ اور امِ کلثوم کا عقد حضرت عثمان سے ہو تو ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو۔ آخر یہ کیا نا انصافی ہے۔ بس پھر وہی بات۔ یا تو رقیہ اور امِ کلثوم دخترانِ رسولؐ ہی نہ تھیں۔ یا یہ کہ ان میں کوئی شرافت ہی نہ تھی جو ان فضائل کی مستحق ٹھیرتیں۔ ان میں سے جو بات مانی جائیگی اُس سے ہمارا مطلب حاصل ہو جائیگا۔

(۶) عقد فاطمہ بنتِ رسولؐ کے وقت درختِ طوبےٰ سے گوہر و یاقوت نچھاور کیے جائیں جیسا کہ ارجح المطالب میں ہے کہ واوحی الی الطوبیٰ ان انثر علیھم الدّرر والیاقوت فنثرت علیھم الدّرر والیاقوت (اخرجہ الملا فی السیرۃ)

اور رقیہ اور ام کلثوم کے عقد کے وقت دریا کو بھی وحی نہ ہو کہ کاش کوڑیاں ہی نچھاور کر دے۔ یہ کیا نا انصافی ہے۔ ایک دخترِ رسول کے لیے یہ سب کچھ اہتمام اور دوسری کے لیے بالکل ندارد۔

(۷) جب آیۂ مودت نازل ہوا اور اصحاب نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت ہم لوگوں پر واجب کی گئی ہے۔ اور آپ کے وہ ذوی القربےٰ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ دیکھو ارجح المطالب کی یہ عبارت۔

عن ابن عباس قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ قالوا یارسول اللہ من ھٰؤلاء الذین امر اللہ تعالیٰ بمودتھم قال علی وفاطمۃ وابناھما۔

اس روایت کو امام احمد۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ بغوی۔ کلبی۔ حاکم۔ دیلمی اور طبری نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

کیوں۔ آخر رقیہ اور ام کلثوم سے کیا خطا ہوئی تھی کہ انکو ذوی القربےٰ میں نہیں لیا گیا۔ اور نہ انکی محبت اہل اسلام پر واجب کی گئی۔ کیا دختران رسول صلعم یہ نہیں تھیں؟

(۸) سیکڑوں احادیث فضیلت میں جناب فاطمہؑ کی رسول اللہ نے فرمائیں جو کتب سیر وتواریخ واحادیث میں مروی ہیں۔ مگر رقیہ اور ام کلثوم وزینب کے متعلق ایک روایت بھی خاص فضیلت میں پیش کیجا سکتی ہے جیسی فاطمہؑ کی نسبت ارشاد فرمائی گئیں۔ ایک سچے مسلمان پاک دل اور پاک ایمان کو اس بات میں بے انتہا شبہہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کیوں کیا۔ ایک صلبی دختر کو تو اتنا بلند مرتبہ کرکے دکھایا جائے کہ جسکی کوئی حد نہ ہو اور فرمایا جائے خیر نساء العالمین مریم بنت عمران وآسیہ بنت مزاحم۔ خدیجۃ بنت خویلد وفاطمۃ بنت محمد صلعم۔ (استیعاب ابن عبد البر مکی ج ۲ ص ۷۴۰)

بہترین نسوان عالم۔ مریم بنت عمران۔ آسیہ بنت مزاحم۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلعم ہیں۔ مگر دوسری بیٹیوں کو کسی دس بیس عورتوں سے بھی افضل نہ بتایا جائے۔ آخر اسکا کیا سبب؟ اگر یہ کہیے کہ آنحضرت صلعم نے دو لڑکی۔ ایک لڑکی کی نسبت زیادہ محبت فرمائی اور دیگر دختران صلبی کو اپنی محبت سے محروم رکھا۔ یا یہ کہیے کہ ازبسکہ وہ دختران رسولؐ ہی نہ تھیں۔ اس لیے اُن میں فضیلت دختر رسولؐ کہاں سے آجاتی۔ اگر آپ پہلی بات کو قبول کریں گے تو رسول اللہ صلعم کی عدالت پر حرف آئیگا اور حضرت کا کمال بدخلق ہونا ثابت ہوگا۔ حالانکہ انک لعلیٰ خلق عظیم کے مصداق تھے۔ اور اگر امر ثانی کو اختیار کیجیے گا تو ہمارا مطلب حاصل ہے۔

علاوہ بریں یہ ایک نیچرل بات ہے کہ جب کسی کی اولاد دیکھتی ہے کہ اُن کے ماں باپ کسی ایک بچے سے زیادہ محبت کرتے اور اُس کی جابجا بار بار تعریف وثنا کرتے ہیں تو انہیں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ماں باپ سے انصاف کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر باپ سے نہیں تو ماں سے ضرور شکایت کرتے ہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ماں سے بھی نہیں کہہ سکتے تو اہل محلہ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے والدین یا صرف ماں یا باپ فلاں فرزند کو زیادہ چاہتے ہیں اور ہمیں نہیں چاہتے۔ لیکن تمام دفاتر تواریخ وسیر کو اُلٹنے کے بعد بھی حضرات اہلسنت اس بات کو نہیں ثابت کر سکتے کہ کبھی بھی رقیہ یا ام کلثوم یا زینب نے رسول کریم سے یا جناب خدیجہ سے اس ناانصافی کی شکایت کی ہو یا کسی غیر ہی سے کنایتاً یا صراحتاً اسکا کبھی ذکر کیا ہو۔

آخر یہاں یہ قانون قدرت کیوں بدل گیا اور وہ نیچرل صفت جو ہر بچے میں ودیعت ہوتی ہے رقیہ اور ام کلثوم سے کیوں زائل ہو گئی۔ کیا اس کا یہی سبب تھا کہ وہ اپنے تئیں دختر رسول خدا نہ جانتی تھیں۔ اور یہ کہ جب انکو اپنا دختر رسول نہ ہونا معلوم تھا تو کیونکر اور کس مُنہ سے شکایت کرتیں۔

کوئی وجہ نہیں کہ ایک رسول کی چند اولادیں ایک ہی صلب اور ایک ہی بطن سے ہوں اور پھر رسول بھی اشرف المرسلین اور مجموعۂ کمالات سائر انبیاء علیہم السلام پھر بھی سوائے ایک کے دوسری میں کوئی شرافت در

فضیلت نہ ہو جو بیان کیجا سکے۔ باوجودیکہ بقیہ اولاد مشرک۔ بدکار اور فاسق بھی نہیں۔

آخر میں گزارش ہے ہماری اصلی غرض اس مسئلہ خاص میں صرف اس امر کی تحقیقات سے تھی کہ حضرت رقیہ اور امّ کلثوم دختران رسول اللہ صلعم تھیں یا نہیں۔ جو بحمد اللہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ خود منقولی و معقولی طرق بیانات علمائے اہلسنّت سے اسکی نفی ہو گئی۔ ورنہ ہم کو نہ ان خواتین معظمات کی تنقیص مقصود تھی نہ توہین۔ کیونکہ بہرحال وہ دونوں معظمہ اور محترمہ تھیں اور وہ الٰہی میں اُن کے نام آئے ہیں اور تغلیباً یعنی بر سبیل مجاز بوجہ ربیبہ ہونے کے بنت رسولؐ کہی گئی ہیں۔ اور اُن کے ایذا دہندہ کو ملعون و مردود سمجھتے ہیں۔

جناب سیّدہؑ کی اولادِ طاہرہ

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی پانچ اولادیں ہوئیں۔ تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں۔ صاحبزادوں میں جناب امام حسن علیہ السّلام سب سے بڑے تھے۔ اسی وجہ سے جناب علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی کنیت ابوالحسنؑ مقرر ہوئی۔ ولادت آپ کی ۲ھ ہجری میں ۱۵ ماہ رمضان المبارک کو مدینۂ منوّرہ میں واقع ہوئی۔

انکی ولادت کے چھ مہینے بعد ۳ شعبان ۳ھ کو حضرت امام حسین علیہ السّلام رونق افروز عالم ہوئے۔

ان کے بعد حضرت زینبؑ ۵ھ ہجری میں متولّد ہوئیں۔ اور عبد اللہ ابن جعفر طیّار کے ساتھ بیاہی گئیں۔ ان کے بعد حضرت امِ کلثومؑ غالباً ۹ھ ہجری میں پیدا ہوئیں اور محمد ابن جعفر طیّار سے بیاہی گئیں۔ ان کے بعد جناب محسنؑ کا حمل ساقط ہوا۔ اُن مصائب ناگفتہ بہ کی وجہ سے جو ۱۱ھ میں وفات رسول کے بعد ہی جناب سیّدہؑ کو مخالفین کے ہاتھوں اُٹھانے ہوئے۔ جناب ختمی مرتبت صلعم اس صاحبزادے کا نام اپنے زمانۂ حیات میں رکھ گئے تھے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔

جناب امِ کلثومؑ کی نسبت حضرات اہلسنّت کا خیال ہے کہ حضرت عمر کے ساتھ ان کا بیاہ کیا گیا۔ طرفین میں اس امر پر خوب بحثیں ہوئی ہیں۔ آخر میں جناب فخر الحکما مولانا السیّد علی اظہر صاحب نے اپنی نادر الوجود اور عدیم المثال کتاب کنز مکتوم فی حل عقد امّ کلثوم میں ان کے توہّمات اور موضوعات کی کامل تنقید فرما کر بتلا دیا ہے کہ ایک نام کی کئی امّ کلثوم زوجۂ عمر ہونے کی وجہ سے۔ ان کو ہوا خواہی حضرت خلیفۂ ثانی میں یہ جرأت ہوئی ہے۔ ورنہ عقلاً اور نقلاً یہ پیوند اور قرابت ناممکن الوقوع ہیں۔ علامہ بیہقی۔ دار قطنی اور ابن حجر مکّی لکھتے ہیں:-

انّ علیّاً عزل بناته لولد اخیه جعفر فلقیه عمر فقال له یا ابا الحسن انکحنی ابنتك ام کلثوم بنت فاطمة بنت رسول الله ص فقال علی قد حبستهنّ لولد اخی جعفر۔

یعنی جناب امیر علیہ السّلام نے اپنی صاحبزادیوں کو پہلے ہی سے اپنے بھتیجوں کے لیے علٰحدہ کر کے منسوب کر رکھا تھا۔ عمر صاحب نے ان سے ملاقات کی اور کہا اے ابوالحسنؑ اپنی لڑکی امّ کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ کا نکاح مجھ سے کر دو۔ علیؑ نے جواب میں ارشاد کیا کہ میں نے اپنی لڑکیاں کو اپنے بھتیجوں کے لیے محبوس کر رکھا ہے۔

واقعہ صرف اتنا ہے۔ تمام تحقیقات کے بعد مسئلہ زیر بحث پر امام ابن ماجہ اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جو رائے قائم کی ہے وہ یہ ہے اعلم انّ المسمّاة بام کلثوم اثنتان احدیهما ام کلثوم بنت الرّاهب ثانیهما ام کلثوم بنت علی ابن ابیطالب کرم الله وجهه فوقعت نکاح ام کلثوم بنت علی مع محمّد ابن جعفر الطّیار و وقعت نکاح ام کلثوم بنت الرّاهب مع عمر ابن الخطّاب۔

یعنی معلوم کر لینا چاہیے کہ امِ کلثوم دو تھیں۔ ایک امّ کلثوم بنت راہب۔ دوسری امّ کلثوم بنت علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ۔ امِ کلثوم بنت علیؑ کا نکاح محمد ابن جعفر طیّار سے ہوا۔ اور

ام کلثوم بنت راہب کا نکاح عمر ابن خطاب ...

ان دو کے علاوہ ایک اور ام کلثوم بنت جرول خزاعی مشہور تھی۔ وہ بھی عمر صاحب کی بی بی تھیں۔ جن سے زید اصغر اور عبد اللہ متولد ہوئے۔ حدیبیہ کے روز عمر صاحب نے ان کو طلاق دیدی اور زید اور اُس کی ماں ام کلثوم نے بیک وقت بعہد معاویہ انتقال کیا۔

اور سُنیئے۔ ایک اور ام کلثوم دختر عقبہ ابن ابی معیط بھی عمر صاحب کی زوجہ تھیں۔ ان کے طلاق دینے کے بعد حضرت عمر نے ایک اور ام کلثوم بنت عاص[illegible] کیا۔ جس سے عاصم ابن عمر متولد ہوئے ک[illegible] فی تاریخ الخمیس۔

اب غور کر کے سمجھ لینا چاہیے کہ جب چار یا پانچ ام کلثوم عمر صاحب کے نکاح میں آچکی تھیں تو احتمال نام ہو جانے میں کس کو عذر ہو سکتا ہے۔ رہا ام کلثوم بنت علیؑ کا نکاح عمر میں نہ آنا۔ اس کے ثبوت کثیر ہیں علامہ شہاب الدین حنفی دولت آبادی جو خاصکر امام السیر مشہور ہیں حسب ذیل لکھتے ہیں:۔

عہد عمر میں ام کلثوم بنت فاطمہؑ نہایت ہی صغیر السن تھیں ان کی عمر اُس وقت صرف چار برس کی تھی۔ شصت سالہ عمر کا آدمی حضرت عمر کی مثال۔ ایسی صغیر السن صاحبزادی سے کیونکر نکاح کر سکتا ہے۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا مدفن مطہر

جناب سیدہؑ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مقامات مدفن باختلاف روایات چار مقامات پر بتلائے جاتے ہیں۔

ایک پشت قبر حضرت رسالت مآب صلعم پر۔ مسجد نبوی کے اندر۔ یہاں بلا اختلاف۔ سُنی شیعہ سب زیارت کرتے ہیں۔ یہاں قبر کی جگہ بنی ہے۔ کتبہ بھی لکھا ہوا اور دروازہ بھی جدا بنا ہوا ہے۔

ایک مقام پر درمیان منبر و روضہ شریف حضرت سرور کائنات صلعم۔ یہاں صرف شیعہ زیارت پڑھتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ کا مدفن روضۂ اہلبیت میں ہے۔ یہ [illegible] مبارکہ جنت البقیع میں ایک سادہ گنبد ہے۔ جس کی عمارت زیادہ شاندار نہیں۔ اندر نقاشی کا کام ہے۔ ضریح انور کی چھت پر زر بفت کا کپڑا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا کے مزار انور کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی گلکار چادر آویزاں ہے۔ جو کئی ہزار روپیہ میں تیار ہوئی ہوگی۔ عمارت کے باہر دروازے پر یہ (رباعی) لکھا ہے ؎

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه
المصطفٰی والمرتضٰی وابناهما والفاطمه

اسی روضۂ مبارکہ کے اندر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مزار مبارک پچھم کی طرف ایک گوشہ میں اونچی جگہ پر واقع ہے۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ بیت الحزن میں مدفون ہیں جو مقبرۂ بقیع کی پشت پر کوئی بیس قدم کے فاصلہ پر۔ وہ مقام ہے جہاں بعد وفات حضرت رسالتماب صلعم حضرت فاطمہ زہرا آ کر رویا کرتی تھیں۔ چونکہ اس جگہ اُس زمانہ میں جنگل تھا اور آپ تخلیہ میں رونا پسند فرماتی تھیں اس لیے گھر سے آکر یہاں باپ کو رویا کرتی تھیں۔ اسی لیے اس جگہ کا نام بیت الحزن قرار پایا۔ اور اس یادگار میں حضرت علیؑ نے جناب خاتون جنت کے انتقال کے بعد یہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی۔ یہاں ایک مقام دو گز لمبا اور ایک گز چوڑا سوا گز اونچا بنا ہوا ہے جس کا دروازہ آہنی ہے اور اُس پر سبز مخمل کا غلاف ہے۔ گنبد حضرت سیدہؑ کے گرد بہت سے اشعار درج ہیں۔ جن میں سے حسب ذیل اشعار لکھے جاتے ہیں۔

سألتك يا ربی بخير بريّة
محمّد الذی لشفاعة ملّة

اے میرے پروردگار! میں تیرے بہترین مخلوق محمد صلعم کے نام سے قوم کی شفاعت کے لیے التجا کرتا ہوں۔

بفاطمة الزهراء البتول وعباس
بن عبد المطلب جلاء لكل ظلمة

اور فاطمہؑ زہرا و بتول اور عباس ابن عبد المطلب کے ناموں سے

جو ہر تاریکی کو روشن کرنے والے ہیں۔

سبطی رسول اللہ مع زین عابد

فکن لی بشسلام مفرج کربة

اور رسول اللہ صلعم کے دونوں نواسوں اور حضرت زین العابدینؑ کے نام سے کہ میرے عیبوں کو ڈھانک اور میری تکلیفوں کو دور کردے۔

محمد الباقر والصادق ابنه

یعوث لهم عند الامور المهمة

اور محمد باقر اور ان کے فرزند صادق (علیہما السلام) کا نام ان جیسے ناموں سے سختی کے وقت فریاد کی جاتی ہے۔

قد قال خیر الخلق افضل مرسل

علیکم بحبل اللہ وعترتی

بیشک بہترین خلق اور سب رسولوں سے افضل حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم پر لازم ہے کہ خدا کی رسی اور میری عترت کو مضبوط پکڑ لو۔

بحقهم الطف لی ومن هو زائر

وامی وابی وکل عصبتی

انکے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو مجھ پر اور زائروں پر اور میرے ماں باپ پر اور کل دوستوں پر لطف فرما۔

والف صلوٰة والف تحیة

الیٰ خیر مبعوث الیٰ خیر امة

ہزاروں درود ہزاروں سلام بہترین رسولؐ اور بہترین مبعوث شدہ امت پر۔

واخیار واصحٰب لهم وموالیا

علیهم سلام اللہ فی کل لحظة

اور ان کے بہترین اصحاب اور نیکوترین احباب پر خدا کا سلام ہر لحظہ نازل ہوتا رہے۔ (ملخص از انہسالا سیرة فاطمہ ص ۲۰۲)

جنت البقیع میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے مزار مطلع الانوار کے واقع ہونے پر فریقین کا اتفاق ہے۔ اور اس کی مؤید جناب حسن مجتبےٰ علیہ السلام کی وصیت ہے کہ اگر میں روضہ رسول میں مدفون نہ ہونے دیا جاؤں تو مجھ کو پھر جنة البقیع میں میری ماں کے پہلو میں دفن کردینا۔ جلاء العیون تاریخ امام سمہودی مصری۔

تعجب ہے کہ لائق ہمعصر نے اُس سنگ رخام اور اُس کی منقوش عبارت کا ذکر اپنے سلسلۂ تحریر میں نہ فرمایا جو مقامِ اہلبیت علیہم السلام میں ثبت ہے اور جس کا ذکر تمام تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

وہو ہذا

ان ذا قبر فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم سیدة نساء العالمین وقبر الحسن ابن علی وعلی ابن الحسین وقبر محمد ابن علی وجعفر ابن محمد علیهم السلام

تمت بالخیر والعافیة

الحمد للہ علےٰ نوالہ وصلے اللہ علےٰ محمد وآلہ کہ کتاب مستطاب سیرت جناب سیدة نساء العالمین بضعة حضرت ختم المرسلین حوراء الانسیة۔ اشرف النساء۔ صدیقہ کبریٰ۔ مثیل مریم وآسیہ۔ بتول العذراء جناب فاطمۃ زہرا سلام اللہ علےٰ ابیہا وبعلہا وابنائہا الطیبین الطاہرین راکہ از عرصۂ شانزدہ ماہ زیر تسوید وتحت تالیف ایں بندۂ ضعیف بود۔ امروز بتاریخ بست وہشتم ماہ ربیع الآخر روز یکشنبہ ۱۳۳۹ھ ہجری نبوی تمام نمودہ سعادت دارین افزودم واکنوں بہ تجمیع وترتیب کتاب سیرة المصطفویہ علے صاحبہا السلام والتحیة خود را مشغول ومصروف می سازم

وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰة والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہ المیامین الیٰ یوم الدین۔

کراتھہ صانہا اللہ عن الآفات
۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

المؤلف الاحقر
اولاد حیدر عفی عنہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی

حمائل شریف مترجم

بترجمہ اہلبیتؑ

جو لوگ سفر میں زیادہ رہتے ہیں یا جن لوگونکو بڑے بڑے ضخیم اور وزنی قرآنوں میں تلاوت کرنا دشوار ہوتا ہی اُن کے لئے یہ حمائل شریف ضرور نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت خوشخط اور صاف کمال احتیاط اور صحت کے بلیغ اہتمام کیساتھ چھاپی گئی ہے۔ متن



میں کلام الٰہی کی تلاوت فرمائیے اور حاشیہ پر مقبول ترجمہ کا لطف اُٹھائیے اس حمائل شریف میں صرف ترجمہ ہے حواشی تفسیری وغیرہ بصورت کتاب جداگانہ چھاپے جائیں گے جنکا ہدیہ بھی علیحدہ مقرر ہوگا۔ یہ حمائل شریف بلحاظ کاغذ تین قسموں پر مشتمل ہے۔ ھدیہ ہر قسم کا حسب ذیل ہی۔ قسم اوّل اعلیٰ درجہ کا رنگین صہ۔ قسم دوم کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید للعہ۔ قسم سوم۔ کاغذ رسمی سفید بے۔ جلد نہایت خوبصورت طلائی و نقرئی۔ محصولڈاک وغیرہ بذمہ خریدار۔

سید امین الدولہ مالک مقبول پریس۔ گندہ نالہ دہلی

پیغمبر آخر الزمانؐ کی آخری وصیت

یعنی حدیث ثقلین میں ہم کو کتاب اللہ و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی لیئے ہم نے جس قومی خدمت کا بیڑا اُٹھایا ہے وہ یا کلام اللہ سے متعلق ہے یا چہاردہ معصومین علیہم السلام کے اذکار و ارشادات و ہدایات ہیں، چنانچہ چودہ معصوموں کی پاک زندگی کے حالات و واقعات شائع کر دہ ذائع کرنا بھی ایک بڑی اور اہم خدمت تھی جسے عالیجناب مولوی السید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رئیس کواتھ ضلع آرہ نہایت محنت اور جانفشانی سے چودہ معصوموں کے سوانح قلمبند فرما کر پورا کر دیا اور سلسلہ بسلسلہ یہ مقدس سوانحمریاں ملک میں شائع ہو رہی ہیں، جن کے مطالعہ سے مستفید ہو کر فلاح دارین حاصل کرنا آپ کا کام ہے۔

اُسوۃ الرسولؐ ۔ سوانح عمری جناب رسولخداؐ ۔ زیر طبع	**الزہرا** ۔ حالات جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام ۔ للعہ

سراج المبین حصۂ اول	یعنی سوانحمری جناب امیر علیہ السلام	ہدیہ ۔ چار روپیہ	للعہ
" دوم	" " " ... ... "	دو روپیہ	عگا
سرو چمن	یعنی سوانحمری جناب امام حسن علیہ السلام ... ... "	دو روپیہ	عگا
ذبح عظیم	یعنی سوانحمری جناب امام حسین علیہ السلام ... ... "	چار روپیہ	للعہ
صحیفۃ العابدین	یعنی سوانحمری جناب امام زین العابدین علیہ السلام ... ... "	دو روپیہ	عگا
مآثر الباقریہ	یعنی سوانحمری جناب امام محمد باقر علیہ السلام ... ... "	بارہ آنے	۱۲ر
آثار جعفریہ	یعنی سوانحمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ... ... "	سوا روپیہ	عہ۴ر
علوم کاظمیہ	یعنی سوانحمری جناب امام موسی کاظم علیہ السلام ... ... "	بارہ آنے	۱۲ر
تحفۂ رضویہ	یعنی سوانحمری جناب امام علی الرضا علیہ السلام ... ... "	ڈہائی روپیہ	عگا۸ر
تحفۃ المتقین	یعنی سوانحمری جناب امام محمد تقی علیہ السلام ... ... "	ایک روپیہ	عہ
سیرۃ النقی	یعنی سوانحمری جناب امام علی النقی علیہ السلام ... ... "	ایک روپیہ	عہ
العسکری	یعنی سوانحمری جناب امام حسن عسکری علیہ السلام ... ... "	سوا روپیہ	عہ۴ر
درّ مقصود	یعنی سوانحمری جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام "	چار روپیہ	للعہ

نوٹ:۔ سوانح عمری جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا بار اول نہایت محنت اور جانفشانی سے خوشخط اور عمدہ کاغذ پر چھپوا کر تیار کرائی گئی ہے جلد طلب فرمائیے، ایسا نہ ہو کہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے۔

سید امین الدولہ مالکِ مقبول پریس گندہ نالہ ۔ دہلی